قرآن مجید

آسان ترین ترجمہ و تفسیر

ڈاکٹر محمد فاروق خان

ماخذ

"ترجمہ و تفسیر قرآن" از مولانا محمود الحسن و مولانا شبیر احمد عثمانی

"معارف القرآن" از مولانا مفتی محمد شفیع

"تفہیم القرآن" از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

"تدبر قرآن" از مولانا امین احسن اصلاحی

"تفسیر احسن البیان" از مولانا محمد جونا گرھی

"البیان" از جناب جاوید احمد غامدی

قرآن مجید

آسان ترین ترجمہ و تفسیر

(جلد سوئم)

قرآن مجید

آسان ترین ترجمہ و تفسیر

(جلد سوئم)

تالیف

ڈاکٹر محمد فاروق خان

مآخذ

"ترجمہ و تفسیر قرآن" از مولانا محمود الحسن ومولانا شبیر احمد عثمانی

"معارف القرآن" ازمولانا مفتی محمد شفیع

"تفہیم القرآن" از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

"تدبر قرآن" از مولانا امین احسن اصلاحی

"تفسیر احسن البیان" از مولانا محمد جونا گڑھی

"البیان" از جناب جاوید احمد غامدی

فہرست

شمار سورہ	نام سورہ	صفحہ		شمار سورہ	نام سورہ	صفحہ
۱	سبا	۷		۲۱	القمر	۲۳۳
۲	فاطر	۲۰		۲۲	الرحمٰن	۲۴۱
۳	یٰسٓ	۳۱		۲۳	الواقعه	۲۴۹
۴	الصافات	۴۳		۲۴	الحديد	۲۵۷
۵	ص	۵۷		۲۵	المجادله	۲۶۸
۶	الزمر	۷۰		۲۶	الحشر	۲۷۷
۷	المؤمن	۸۶		۲۷	الممتحنه	۲۸۷
۸	حٰمٓ السجده	۱۰۲		۲۸	الصف	۲۹۵
۹	الشوریٰ	۱۱۵		۲۹	الجمعه	۳۰۱
۱۰	الزخرف	۱۲۹		۳۰	المنافقون	۳۰۵
۱۱	الدخان	۱۴۳		۳۱	التغابن	۳۱۱
۱۲	الجاثيه	۱۵۰		۳۲	الطلاق	۳۱۶
۱۳	الاحقاف	۱۵۸		۳۳	التحريم	۳۲۳
۱۴	محمد	۱۶۹		۳۴	الملك	۳۳۲
۱۵	الفتح	۱۷۹		۳۵	القلم	۳۳۸
۱۶	الحجرات	۱۹۳		۳۶	الحاقه	۳۴۵
۱۷	ق	۲۰۴		۳۷	المعارج	۳۵۱
۱۸	الذاريات	۲۱۱		۳۸	نوح	۳۵۷
۱۹	الطور	۲۱۸		۳۹	الجن	۳۶۲
۲۰	النجم	۲۲۵		۴۰	المزمل	۳۶۸

شمارسورہ	نام سورہ	صفحہ		شمارسورہ	نام سورہ	صفحہ
۴۱	المدثر	۳۷۳		۶۲	التین	۴۵۹
۴۲	القیامة	۳۸۰		۶۳	العلق	۴۶۲
۴۳	الدھر	۳۸۵		۶۴	القدر	۴۶۹
۴۴	المرسلٰت	۳۹۰		۶۵	البنیہ	۴۷۱
۴۵	النبأ	۳۹۵		۶۶	الزلزال	۴۷۵
۴۶	النازعات	۳۹۹		۶۷	العادیات	۴۷۷
۴۷	عبس	۴۰۴		۶۸	القارعہ	۴۸۰
۴۸	التکویر	۴۰۸		۶۹	التکاثر	۴۸۲
۴۹	الانفطار	۴۱۲		۷۰	العصر	۴۸۵
۵۰	المطففین	۴۱۵		۷۱	الھمزہ	۴۸۷
۵۱	الانشقاق	۴۱۹		۷۲	الفیل	۴۸۹
۵۲	البروج	۴۲۲		۷۳	قریش	۴۹۲
۵۳	الطارق	۴۳۰		۷۴	الماعون	۴۹۵
۵۴	الاعلیٰ	۴۳۳		۷۵	الکوثر	۴۹۸
۵۵	الغاشیہ	۴۳۶		۷۶	الکافرون	۵۰۰
۵۶	الفجر	۴۳۹		۷۷	النصر	۵۰۳
۵۷	البلد	۴۴۳		۷۸	اللھب	۵۰۷
۵۸	الشمس	۴۴۶		۷۹	الاخلاص	۵۱۱
۵۹	الیل	۴۵۰		۸۰	فلق	۵۱۳
۶۰	الضحیٰ	۴۵۳		۸۱	الناس	۵۱۶
۶۱	الم نشرح	۴۵۶				

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں
[اس کتاب کے کسی بھی حصے کی فوٹو کاپی، اسکیننگ یا کسی بھی قسم کی اشاعت مصنف کی تحریری اجازت کے بغیر نہیں کی جاسکتی]

ناشر: ڈاکٹر محمد فاروق خان
ڈیفنس کالونی بالمقابل گرلز کالج مردان
فون: 0345-9008119, 0300-5718119, 0341-8000007

طابع: فائن پرنٹرز، لاہور

طبع سوئم: ستمبر 2012/ شوال 1433ھ

تعداد: دو ہزار

ھدیہ: 400 روپے

پانچویں منزل

سورۂ سبا۳۴ تا سورۂ حجرات ۴۹

سورۂ سبا سے قرآن مجید کی سورتوں کا پانچواں گروپ شروع ہوتا ہے۔اس کی ابتدائی تیرہ سورتیں یعنی 'سبا' سے 'احقاف' تک مکی ہیں اور آخری تین سورتیں مدنی ہیں۔اس گروپ میں بھی تمام سورتوں کی ترتیب نزولی ہے۔مکی سورتوں میں دین کی تینوں بنیادوں یعنی توحید، قیامت اور رسالت پر بحث ہوئی ہے اور اس کے ساتھ اخلاقیات کے مضامین بھی زیر بحث آئے ہیں۔مدنی دور کی پہلی سورہ، سورۂ محمد ہے۔یہ سورہ جنگ بدر سے پہلے نازل ہوئی۔دوسری سورہ، سورۂ فتح ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی اور تیسری سورہ، سورۂ حجرات ہے جو مدینہ کے آخری دور میں نازل ہوئی۔

سورۂ سبا

[۳۴]

نام

اس سورہ کی آیت نمبر ۱۵ میں یہ لفظ آیا ہے جس کی وجہ سے اس سورہ کو یہ نام دیا گیا۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کے انداز بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں رسالت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔ اس سورہ میں توحید، رسالت اور آخرت کے مضامین زیر بحث آئے ہیں۔ قوم سبا کی داستان کے ذریعے سے اقوام کے عروج و زوال کا قانون بھی بیان کر دیا گیا ہے اور اس کے آخر میں اللہ نے انسانوں کو اپنے اس عظیم احسان کی طرف توجہ دلائی ہے جو اس نے قرآن مجید کے نزول کی شکل میں کیا ہے۔

ایاتھا ۵۴ | سُوْرَةُ سَبَاٍ مَّكِّيَّةٌ | رکوعاتھا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ط وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿١﴾
يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ط وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ﴿٢﴾
وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ط قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ ج لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي
السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣﴾ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٤﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْ اٰيَاتِنَا مُعَاجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ
عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿٥﴾ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى
صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿٦﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ
اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿٧﴾ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ط بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي
الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيْدِ ﴿٨﴾ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ط اِنْ نَّشَاْ
نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿٩﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد و حساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

حمد و شکر اس اللہ کے لیے ہے جو آسمان و زمین کی ہر چیز کا مالک ہے۔ اسی اللہ کی حمد آخرت میں بھی ہوگی۔ وہی دانا اور باخبر ہے۔ وہ جانتا ہے ہر اس چیز کو جو زمین کے اندر داخل ہوتی ہے، اس سے برآمد ہوتی ہے، جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو اس میں چڑھتی ہے۔ وہی رحم فرمانے والا اور بخشنے والا ہے۔

یہ منکرین کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ اے نبیؐ، کہہ دو: ''میرے اُس پروردگار کی قسم جو ہر پوشیدہ چیز کو جانتا ہے، وہ قیامت تم پر ضرور آکر رہے گی۔ اُس اللہ سے کوئی ذرہ برابر چیز بھی اس آسمان وزمین میں چھپی ہوئی نہیں ہے۔ ذرے سے کوئی چھوٹی چیز یا کوئی بڑی چیز اُس سے مخفی نہیں ہے۔ یہ سب کچھ ایک واضح کتاب میں درج ہے تا کہ اللہ اُن لوگوں کو جزا دے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے۔ اُنھی لوگوں کے لیے مغفرت اور بہترین رزق ہے۔ (اس کے برعکس) جو لوگ ہماری آیات کو نیچا دکھانے کی کوششوں میں سرگرم ہیں، اُن کے لیے دردناک سزا کا ایک خاص حصہ ہوگا۔[1]

اے نبیؐ، جن لوگوں کو (آسمانی کتابوں کا) علم عطا ہوا ہے، وہ خوب سمجھتے ہیں کہ جو کچھ تمھارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے، وہ یقیناً حق ہے اور یہ قرآن اُس زبردست اور حمد کے لائق پروردگار کے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔[2]

یہ منکرین لوگوں سے کہتے ہیں: ''کیا ہم تم کو ایک ایسا آدمی دکھائیں جو تم کو یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو (اُس وقت) تم نئے سرے سے پیدا کیے جاؤ گے؟ کیا اس شخص نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یا اس کو کوئی پاگل پن لاحق ہو گیا ہے؟''

(نہیں)، بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہی سزا میں مبتلا ہوں گے۔ یہ لوگ بہت دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ کیا انھوں نے اپنے آگے اور پیچھے آسمان وزمین کی طرف نگاہ نہیں کی؟ اگر ہم چاہیں تو انھیں زمین میں دھنسا دیں یا اِن پر آسمان سے ٹکڑے گرا دیں۔ بے شک، ان باتوں میں ہر اس بندے کے لیے بہت بڑی نشانی ہے جو متوجہ ہونے والا ہو۔[3] ۱-۹

[۱] آخرت کا انکار عموماً وہی لوگ کرتے ہیں جو اپنے دنیوی کرتوتوں اور غلط کاریوں کے لیے کسی کے سامنے جواب دہ نہیں بننا چاہتے۔ چونکہ یہ کائنات سچائی اور عدل پر وجود میں آئی ہے، اس لیے حساب کتاب اس دنیا کے انجام کا لازمی تقاضا ہے۔

[۲] دین کی تینوں بنیادوں یعنی توحید، رسالت اور آخرت کے متعلق قرآن مجید کا بیان، استدلال اور اسلوب اگلی آسمانی کتابوں یعنی تورات، زبور اور انجیل کی تعلیمات سے اتنا زیادہ ملتا ہے کہ درج بالا کتابوں کے حقیقی عالم اس قرآن کے سچ ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔

[۳] اس دنیا کے اندر انسان کی کمزوری، عاجزی، درماندگی اور فطرت کی طاقتوں کے سامنے اس کی بے بسی اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ توحید کا اعتراف کرے اور اللہ کی طرف متوجہ ہو۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ﴿۱۰﴾ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ

فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا

لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ

السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ

شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ

تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِى الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾

ہم نے داؤدؑ کو اپنے خاص فضل سے نوازا۔ (ہم نے حکم دیا کہ) اے پہاڑو، تم بھی اُس کے ساتھ تسبیح میں شرکت کرو اور یہی حکم ہم نے پرندوں کو بھی دیا[۴]۔ ہم نے داؤدؑ کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تا کہ وہ ڈھیلی ڈھالی زرہیں بنائے، اُن کے جوڑ پیوستہ رکھے اور سب نیک عمل کرے[۵]۔ اے لوگو، تم جو کچھ بھی کرتے ہو اُس کو میں اچھی طرح دیکھ رہا ہوں۔

ہم نے ہوا کو سلیمانؑ کی خدمت میں لگا دیا تھا۔ اُس کا جانا بھی مہینے بھر کا ہوتا تھا اور آنا بھی مہینے بھر کا ہوتا تھا[۶]۔ ہم نے سلیمانؑ کے لیے تانبے کا چشمہ بہادیا[۷] اور جنات میں سے بھی اُس کی خدمت میں لگا دیے جو اُس کے رب کے حکم سے اس کے حضور خدمت کرتے۔ اُن میں سے جو ہمارے حکم کی نافرمانی کرتا، اس کو ہم بھڑکتی ہوئی آگ کا مزہ چکھاتے[۸]۔ جو کچھ سلیمانؑ چاہتا، یہ جنات اس کے لیے بناتے، (مثلاً) محرابیں، تصویریں[۹]، حوضوں کے مانند تھال اور اپنی جگہ سے نہ ہٹنے والی بھاری دیگیں[۱۰] ـــــ اے آلِ داؤدؑ، شکر گزاری کے ساتھ عمل کرو[۱۱]۔ میرے بندوں میں کم ہی حقیقی شکر گزار ہیں۔

پس جب ہم نے سلیمانؑ پر موت کا فیصلہ نافذ کیا تو جنات کو اُس کی موت کا پتا دینے والی چیز زمین کا وہ کیڑا تھا جو اُس کے عصا کو کھا رہا تھا۔ (اس طرح عصا کے ٹوٹنے کے بعد) جب سلیمانؑ گر پڑا تب جنات پر یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر وہ غیب کے جاننے والے ہوتے تو اِس ذلت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے[۱۲]۔ ۱۰-۱۴

[۴] حضرت داؤدؑ بہت بڑے حکمران تھے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اس سوز و گداز کے ساتھ اللہ کی حمد کرتے کہ جب وہ اللہ کے شکر پر مبنی حمد پڑھتے تو زمین کی سب چیزیں جھوم اُٹھتیں اور داؤدؑ کی آواز میں آواز ملاتیں۔

[۵] اللہ نے حضرت داؤدؑ پر لوہے کے پگھلانے کی ایسی اعلیٰ سائنس کا انکشاف فرمایا جس کی وجہ سے انھوں نے دفاعی اسلحہ کے فن میں بیش بہا اضافہ کر کے زرہ بنائی جس سے ان کی فوجی قوت ان کے دشمنوں کے مقابلے میں بہت بڑھ گئی۔ حضرت داؤدؑ کو یہ سائنس اس لیے سکھائی گئی کہ وہ اچھے عمل کریں۔

[۶] حضرت سلیمانؑ کے دور میں انھوں نے اپنے بحری بیڑوں کو اتنی ترقی دی کہ ان کے جہاز بہت طویل سفر کرنے کے قابل تھے۔ ان جہازوں کے

بادبان اتنے سائنٹیفک طریقے پر بنائے گئے تھے کہ وہ ہر رخ پر چلنے والی ہوا سے اپنا کام لے سکتے تھے۔ یہ سائنس بھی اللہ ہی نے حضرت سلیمانؑ کو سکھائی۔

[۷] حضرت سلیمانؑ کے دور میں تانبے کی بہت بڑی مقدار برآمد ہوئی جسے انھوں نے مختلف ضروریات کے لیے نہایت خوبی سے استعمال کیا۔

[۸] حضرت سلیمانؑ کو اللہ نے ایک ایسا علم بھی عطا فرمایا تھا جس کے ذریعے سے وہ شریر جنات کو قابو میں کر کے ان کو مختلف کاموں میں استعمال کرتے تھے۔ یہ جنات براہ راست حضرت سلیمانؑ کے تصرف میں نہیں ہوتے تھے، بلکہ وہ اللہ کے حکم سے حضرت سلیمانؑ کی اطاعت کرتے تھے اور اگر ان سے کوئی نافرمانی سرزد ہوجاتی تھی تو اللہ ہی ان کو سزا دیتا تھا۔ چونکہ اس وقت بنی اسرائیل دین کی دعوت کا کام صحیح طریقے سے انجام دے رہے تھے، اس لیے اللہ کی طرف سے ان کی خوب خوب مدد کی جارہی تھی۔

[۹] تماثیل 'جمع ہے تمثال' کی۔ یہ کسی بھی تصویر یا مجسمے کو کہتے ہیں، خواہ یہ کسی بے جان چیز کی ہو یا جان دار چیز کی۔ تورات کی کتاب سلاطین کے مطابق حضرت سلیمانؑ نے دونوں طرح کی تماثیل بنوائی تھیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر جان دار چیزوں کی تصویر بنانا منع ہے تو پھر قرآن مجید نے یہاں یہ ذکر کیوں نہیں کیا کہ حضرت سلیمانؑ نے صرف بے جان چیزوں کی تصویریں اور مجسمے بنائے تھے۔ یہ قرآن مجید کا عام طریقہ ہے کہ جہاں بھی ضرورت ہوتی ہے، قرآن بائبل کے بیان کی تردید کر دیتا ہے۔ لیکن یہاں قرآن مجید نے ایک ایسا لفظ استعمال کیا جو جان دار اور بے جان، دونوں چیزوں کی شبیہ کے لیے آتا ہے اور پھر اس بات کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا کہ ایسی تصویریں بنانا اسلام میں منع ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں ہر وہ تصویر منع ہے جس میں شرک یا بے حیائی ہو۔ اس کے علاوہ باقی تماثیل منع نہیں ہیں۔ مختلف صحیح روایات میں بھی جن تماثیل وتصاویر سے روکا گیا ہے، یہ وہ مجسمے اور تصویریں تھیں جن کی عبادت کی جاتی تھی۔ گویا وہ تصاویر شرک کا مظہر تھیں۔ تصویر کی حلت وحرمت کے متعلق اہل علم کے درمیان بہت کچھ اختلاف واقع ہوا ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے جناب رفیع مفتی کی کتاب ''تصویر کا مسئلہ'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔

[۱۰] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے سیکرٹریٹ میں بیک وقت ہزاروں لوگوں کے لیے کھانا پکتا اور تقسیم کیا جاتا تھا۔

[۱۱] یعنی ان تمام انعامات کے ذریعے سے بنی اسرائیل کو یہ یاددہانی مقصود تھی کہ وہ مسلسل شکرگزاری سے کام لیں اور اللہ کے دین کی دعوت کو عام کرتے رہیں۔

[۱۲] اللہ کو یہ منظور تھا کہ حضرت سلیمانؑ کی وفات بھی اس طرح ہو کہ لوگوں کے ذہنوں میں کوئی غلط عقیدہ نہ بیٹھنے پائے اور وہ سمجھ لیں کہ جنات کو غیب کا علم نہیں دیا گیا۔ واقعہ کی صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت سلیمانؑ اپنے عصا سے ٹیک لگائے اپنے محل میں کسی اونچی جگہ، جس کی ایک طرف کی دیوار شیشے کی بنی ہوئی تھی، کسی تعمیری کام کی نگرانی کر رہے تھے کہ اسی اثنا میں ان کی وفات کا وقت آ گیا۔ ان کے مشیروں نے یہ سوچا کہ اگر ابھی حضرت سلیمانؑ کی وفات کا اعلان کر دیا جائے تو یہ جنات اس اہم تعمیری پروجیکٹ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ چنانچہ انھوں نے حضرت سلیمانؑ کو اسی عصا کے سہارے کھڑا رہنے دیا۔ جب جنات صبح وشام حضرت سلیمانؑ کو نگرانی کرتے ہوئے دیکھتے تو وہ اپنے کام میں لگے رہتے۔ بالآخر جب اس طرح ایک عرصہ گزر گیا تو اسی اثنا میں دیمک نے عصا کو نیچے سے کھالیا اور حضرت سلیمانؑ کا جسد مبارک زمین پر گر پڑا۔ تب جنات کو یہ احساس ہوا کہ اگر ان کو غیب کا علم ہوتا تو وہ اتنے عرصے تک اس بے کار کی ذلت میں گرفتار نہ رہتے۔ اس واقعے سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی کسی بھی مخلوق کو غیب کا علم نہیں ہے اور حضرت سلیمانؑ جیسے پیغمبر بھی جو ہوا اور جنات کو اپنے قابو میں رکھ سکتے تھے، اپنے آپ کو موت سے نہ بچا سکے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِىْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتَانِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ
بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَىْ
اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَىْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِىْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾
وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِىَ وَاَيَّامًا
اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ
اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِىْ شَكٍّ ؕ
وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾ ع

سبا والوں کے لیے بھی اُن کے وطن میں بہت بڑی نشانی موجود تھی، دائیں اور بائیں، دونوں جانب باغوں کی قطاریں۔ (اُن کو کہا گیا): ''اپنے رب کا بخشا ہوا رزق کھاؤ اور اُس کا شکر بجالاؤ۔ زمین شاداب وزرخیز ہے اور پروردگار بخشنے والا ہے۔''

پھر جب انھوں نے منہ موڑا کی تو ہم نے ان پر بند (کو توڑنے) والا سیلاب بھیج دیا اور ان کے زرخیز باغوں کو دو ایسے باغوں سے بدل دیا جن میں بدمزہ پھل والے پیڑ، جھاؤ (کے درخت) اور بیری کی کچھ جھاڑیاں ہی رہ گئیں۔ یہ تھا اُن کی ناشکری کا بدلہ جو ہم نے ان کو دیا۔ ایسا برا بدلہ ہم ناشکروں ہی کو دیا کرتے ہیں۔[13]

ہم نے اُن کے اور اُن بستیوں کے درمیان، جن میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں، راستے کے کنارے اور بستیاں بھی آباد کر دیں اور اُن کے درمیان سفر کی منزلیں ٹھہرا دیں۔ اِن میں رات دن پورے امن کے ساتھ سفر کرو۔

لیکن انھوں نے کہا: ''اے ہمارے رب، ہمارے سفر کی مسافتیں لمبی کر دے۔'' انھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تو ہم نے انھیں افسانہ بنا کر رکھ دیا اور انھیں بالکل تتر بتر کر ڈالا۔[14] یقیناً اس واقعے کے اندر نشانیاں ہیں ہر صبر اور شکر کرنے والے کے لیے۔[15]

اہلِ سبا کے معاملے میں ابلیس نے اپنا گمان صحیح پایا۔ اہلِ سبا نے ابلیس کی پیروی کی، سوائے ایمان والوں کے ایک گروہ کے۔[16]

ابلیس کو ان پر کوئی اختیار حاصل نہ تھا[17]۔ بس یہ (تو اس لیے تھا) کہ ہم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کون آخرت کے ماننے والے ہیں اور کون اس کی بابت شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ تیرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔ ۱۵-۲۱

[۱۳] 'سبا' جنوبی عرب کی ایک بہت بڑی قوم کا نام تھا۔ جو علاقہ آج یمن کے نام سے مشہور ہے، یہ اس قوم کا جنوب مغربی کونا تھا۔ یہ ایک انتہائی دولت مند قوم تھی۔ حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں اس قوم کی غالب اکثریت مسلمان ہوگئی۔ بعد میں آہستہ آہستہ اس میں شرک، بت پرستی اور معاملات سے متعلق اخلاقی خرابیاں پیدا ہوگئیں۔ قوم سبا کا عروج دو بنیادوں پر قائم تھا۔ ایک زراعت اور دوسرے تجارت۔ انھوں نے ندی نالوں پر جگہ جگہ بند باندھ کر ان سے نہریں نکال کر آب پاشی کا ایک بہترین نظام قائم کیا تھا۔ ان تالابوں میں شہر مأرب کے قریب کوہ بلق کا بند سب سے عظیم الشان تھا۔ پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں یہ عظیم الشان بند ٹوٹ گیا اور اس سے نکلنے والے سیلاب نے راستے میں سارے بند توڑ ڈالے جس کے نتیجے میں ملک کا نظام آب پاشی تباہ و برباد ہو کر رہ گیا۔

[۱۴] قوم سبا کو اپنے جغرافیے کی وجہ سے تجارت میں بھی بہت اہم مقام حاصل تھا جس سے اس نے خوب فائدہ اٹھایا۔ اس تجارت کا بحری راستہ بھی اہل سبا کے ہاتھ میں تھا، کیونکہ اس اسٹریٹیجک مقام کی موسمی ہواؤں، زیر آب چٹانوں اور لنگر اندازی کے مقامات کی ساری معلومات انھی کے پاس تھیں اور دوسری کوئی قوم اس خطرناک سمندر میں جہاز نہیں چلا سکتی تھی۔ دوسرا راستہ زمینی تھا۔ ان زمینی راستوں میں ہر طرف مناسب فاصلوں پر شہر موجود تھے اور اپنی فوجی طاقت کی وجہ سے اہل سبا کو سفر میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی۔ آہستہ آہستہ یہ دونوں راستے اس قوم کے ہاتھ سے نکل گئے حتیٰ کہ عدن کی بندرگاہ پر رومیوں کا فوجی تسلط قائم ہو گیا اور دوسری طرف قوم سبا کی تمام زمینی نوآبادیاں بھی ان کے ہاتھ سے نکل گئیں۔ ان کے لیے زمینی راستے خطرناک ہو گئے چنانچہ سفر میں اُن کا بہت وقت اور سرمایہ لگتا تھا۔ چنانچہ ان کا عظیم الشان عروج زوال میں بدل گیا۔

[۱۵] بنیادی طور پر یہی دو صفات ہیں جن کی ایک قوم میں موجودگی اس قوم کو مضبوط اور توانا رکھتی ہیں۔ شکر کا تقاضا یہ ہے کہ توحید پر قائم رہا جائے اور عبادت میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ صبر کا تقاضا یہ ہے کہ ایک قوم جلدی حاصل ہونے والے فائدوں کے بجائے انصاف، دیانت داری، دانائی اور میرٹ کا راستہ اختیار کرے۔ اس دنیا میں اللہ جس قوم کو عروج عطا کرتا ہے، وہ درج بالا صفات میں دوسری قوموں سے نسبتاً بہتر مقام پر ہوتی ہے۔ اس کے برعکس درج بالا صفات میں جو قوم نیچے گرتی چلی جاتی ہے، وہ گویا زبان حال سے یہ کہتی ہے کہ میں عروج کے مقام پر قائم رہنا نہیں چاہتی۔ یہ وہی بات ہے جسے قرآن مجید نے قوم سبا کی زبانی اس طرح بیان کیا کہ اس قوم نے گویا بزبان حال یہ کہا کہ ہمارے سفر کی مسافتیں لمبی کر دے، اس لیے کہ ہم ان نعمتوں کے مستحق نہیں ہیں۔

[۱۶] اسی اہل ایمان کے گروہ کی وجہ سے اس قوم کے پاس زوال آنے کے باوجود، کچھ نہ کچھ باقی رہا۔ اسی کو قرآن مجید نے دو کمزور باغوں سے تشبیہ دی۔ گویا جس قوم میں صبر و شکر سے نکلنے والی صفات جس حد تک موجود ہوں، اسی حد تک پروردگار اس قوم کو دنیا میں اس کی اخلاقی حیثیت کے مطابق زندہ رکھتا ہے۔

[۱۷] ابلیس کے متعلق قرآن مجید نے یہ حقیقت اس لیے بیان کی ہے کہ کوئی قوم قسمت و تقدیر کا بہانہ نہ بنا لے۔ اگر کوئی قوم اجتماعی صفات کے معاملے میں شیطانی راستے پر اپنے آزادانہ اختیار سے چلنے لگے تو اس کا زوال قریب تر آ جاتا ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا

لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَّمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ ﴿۲۲﴾ وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ؕ حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ
عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿۲۳﴾ قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ ؕ قُلِ اللَّهُ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۲۴﴾ قُل لَّا تُسْأَلُونَ عَمَّا أَجْرَمْنَا وَلَا نُسْأَلُ
عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ أَرُونِيَ
الَّذِينَ أَلْحَقْتُم بِهِ شُرَكَاءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۲۷﴾ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا
وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۸﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۹﴾ قُل
لَّكُم مِّيعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ﴿۳۰﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن نُّؤْمِنَ بِهَٰذَا النصف
الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِندَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ ؕ
يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ
اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُم بَلْ كُنتُم مُّجْرِمِينَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا
لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَن نَّكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَندَادًا ؕ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ
لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْأَغْلَالَ فِي أَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۳﴾

اے نبیؐ، (ان مشرکین سے) کہو: "بلالوا اپنے اُن معبودوں کو جنھیں تم اللہ کے سوا اپنا معبود گمان کیے بیٹھے ہو۔ وہ نہ آسمانوں میں ذرہ برابر کوئی اختیار رکھتے ہیں اور نہ زمین میں۔ آسمان و زمین کی ملکیت میں بھی تمھارے یہ معبود اللہ کے شریک نہیں ہیں اور نہ ہی ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔ اللہ کے ہاں کوئی شفاعت (کسی کے لیے) کارگر نہیں ہوسکتی سوائے اُس شخص کے لیے جس کے لیے اللہ سفارش کی اجازت دے۔ یہاں تک کہ جب لوگوں کے دلوں سے آخرت کی دہشت دور ہوجائے گی تو وہ (سفارش کرنے والوں سے) پوچھیں گے کہ تمھارے رب نے کیا حکم فرمایا؟ وہ جواب دیں گے کہ بالکل حق ارشاد ہوا ہے۔ اللہ نہایت عالی مقام اور عظیم ہے۔[18]

اے نبیؐ، اِن مشرکین سے پوچھو: ''تم کو آسمان وزمین سے کون رزق دیتا ہے؟'' (پھر ان سے) کہو: ''اللہ۔ اب یقیناً ہم میں اور تم میں سے کوئی ایک ہی فریق یا تو ہدایت پر ہے اور یا کھلی ہوئی گمراہی میں پڑا ہوا ہے''۔ (ان سے مزید) کہو: ''جو جرم ہم نے کیا ہو، اس کی کوئی پوچھ گچھ تم سے نہیں ہوگی اور نہ تمھارے اعمال سے متعلق ہم سے سوال کیا جائے گا۔'' (ان سے) کہو: ''ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا اور پھر ہمارے درمیان بالکل انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔ وہی اللہ فیصلہ فرمانے والا اور علم والا ہے۔'' (ان سے) کہو: ''ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی (وہ کون سی ہستیاں ہیں) جن کو تم نے اللہ کے ساتھ شریک لگا رکھا ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہے، زبردست اور دانا تو بس وہی اللہ ہے۔''[19]

اے نبیؐ، ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لیے بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، لیکن بہت سے لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔[20] یہ لوگ تم سے سوال کرتے ہیں: ''وہ دھمکی کب پوری ہوگی اگر تم سچے ہو؟'' ان کو بتا دو: ''تمھارے لیے ایک ایسے خاص دن کی میعاد مقرر ہے جس کے آنے میں تم نہ ایک لمحے کی تاخیر کر سکتے ہو اور نہ اُسے ایک گھڑی بھر پہلے لا سکتے ہو۔''[21]

یہ انکار کرنے والے کہتے ہیں: ''ہم ہرگز اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اُس چیز پر جس کی وہ آگے کے لیے خبر دے رہا ہے۔'' اے نبیؐ، اگر تم اُس وقت کو دیکھ پاتے جب یہ ظالم اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں گے۔ (اُس وقت) ان کی آپس میں تکرار ہو رہی ہوگی۔ جو لوگ دنیا میں دبا کر رکھے گئے تھے، وہ اُن لوگوں سے جنھوں نے دنیا میں تکبر کیا، کہیں گے: ''اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لانے والوں میں سے ہوتے۔'' اُس وقت دنیا کے متکبرین اُن دبے ہوئے لوگوں کو جواب دیں گے: ''کیا ہم نے تم کو اُس ہدایت سے روکا تھا جو تمھارے پاس آئی تھی؟ نہیں، بلکہ تم خود ہی مجرم تھے۔'' وہ دبے ہوئے لوگ ان متکبرین سے کہیں گے: ''(نہیں)، بلکہ یہ تو تمھاری رات دن کی سازشیں تھیں، جبکہ تم ہمیں سمجھاتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور دوسروں کو اس کا شریک ٹھہرائیں۔'' جب یہ لوگ عذاب دیکھیں گے تو اپنے دلوں میں پچھتائیں گے۔ (اُس وقت) ہم ان منکرین کی گردنوں میں زنجیریں ڈال دیں گے۔ یہ لوگ بدلے میں وہی پائیں گے جیسے ان کے اعمال تھے۔ ۲۲-۳۳

[18] اللہ کے ہاں آخرت میں صرف انھی لوگوں کے حق میں سفارش قبول ہوگی، جن کے لیے رعایت ممکن ہو اور یہ سفارش اللہ کے صرف وہی نیک بندے کر سکیں گے جن کو اللہ کی بارگاہ سے اس کی اجازت ملے گی۔

[19] مشرکین عام طور پر اللہ کو مانتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ کچھ دوسری ہستیاں بھی ایسی ہیں جن کا اللہ کے ہاں زور و اختیار چلتا ہے۔

[۲۰] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت خاص سرزمین عرب کے لیے تھی اور آپ کی بعثت عام ساری انسانیت کے لیے ہے۔

[۲۱] یہاں اس دھمکی کا بیان ہے جو کسی رسول کی نافرمان قوم پر بطور سزا اس دنیا میں نازل ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نافرمانوں کے لیے یہ سزا جنگ بدر سے شروع ہوئی اور اللہ کے حکم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر مخالف کو ایک خاص مقررہ وقت میں سزا دی گئی۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ
اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ ع وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا
فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا
مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ
لَهٗ ط وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ج وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾ وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ
اَهٰۤؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ج بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ
اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَالْیَوْمَ لَا یَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ط وَنَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا
عَذَابَ النَّارِ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ یُّرِیْدُ اَنْ
یَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ج وَقَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكٌ مُّفْتَرًی ط وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ
اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴۳﴾ وَمَآ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ یَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِیْرٍ ط ﴿۴۴﴾

ہم نے جس بستی میں بھی کوئی خبردار کرنے والا پیغمبر بھیجا تو اُس بستی کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہی کہا: ”جو پیغام تم لے کر آئے ہو، اس کو ہم نہیں مانتے۔“ انھوں نے (ہمیشہ یہی) کہا: ”ہم (تم سے) مال اور اولاد میں بڑھ کر ہیں اور ہم ہرگز سزا پانے والے نہیں بنیں گے۔“ ۲۲ اے نبیؐ، ان سے کہو: ”میرا رب جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) کم مقدار میں رزق عطا کرتا ہے، لیکن بہت

سے لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔"[٢٣]
اے انسانو، یہ تمھاری دولت اور تمھاری اولاد نہیں ہے جو تمھیں ہم سے قریب کرتی ہو۔ البتہ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل
کیے تو یہی لوگ ہیں جن کے لیے اُن کے عمل کی دگنی جزا ہے اور وہ بلند و بالا عمارتوں میں اطمینان سے رہیں گے۔ رہے وہ لوگ جو ہماری
آیات کو نیچا دکھانے کے راستے میں سرگرم ہیں تو یہی لوگ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔
اے نبیؐ، کہو: "میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے کھلا رزق عطا کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا
ہے۔ جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے تو وہ اُس کا بدلہ دے گا اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔[٢٤]
(اے انسانو، اُس دن کو یاد رکھو) جس دن وہ اللہ سب انسانوں کو اکٹھا کرے گا اور پھر فرشتوں سے پوچھے گا: "کیا یہ لوگ تمھاری
عبادت کرتے تھے؟" وہ جواب دیں گے: "اے اللہ، تو پاک ہے۔ ان مشرکین کے بالمقابل تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ (دراصل یہ ہماری
نہیں)، بلکہ (شیاطین) جنات کی عبادت کرتے تھے اور ان میں سے بہت سے انھی پر ایمان رکھتے تھے۔"[٢٥]
(اُس وقت ہم کہیں گے کہ) آج تم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو نہ تو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ (اُس وقت) ہم
ظالموں سے کہہ دیں گے: "اب اس دوزخ کے عذاب کا مزہ چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔"
جب ان مشرکین کو ہماری روشن آیات سنائی جاتی ہیں تو یہ کہتے ہیں: "یہ تو محض ایک شخص ہے جو چاہتا ہے کہ تم کو اُن معبودوں سے
روک دے جن کی عبادت تمھارے باپ دادا کرتے آئے ہیں۔" یہ مشرکین کہتے ہیں: "یہ قرآن تو بس ایک من گھڑت جھوٹ ہے۔"
ان منکرین کے سامنے جب حق آ گیا تو انھوں نے کہا: "یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔" حالانکہ نہ ہم نے اِن لوگوں کو (اِس سے پہلے) کوئی کتاب
دی تھی جس کو یہ پڑھتے ہوں اور اے نبیؐ، نہ ان کی طرف تم سے پہلے ہم نے کوئی متنبہ کرنے والا بھیجا تھا۔[٢٦] ٣٤-٤٤

[٢٢] پیغمبروں کے پیغام کی سب سے پہلی زد اس معاشرے کے کھاتے پیتے لوگوں پر پڑتی ہے، اس لیے کہ اس پیغام کے قبول کرنے کے نتیجے میں ان
کو مساوات انسانی کا اصول ماننا پڑتا ہے اور اپنے مال میں اللہ اور اس کے بندوں کا حق تسلیم کرنا پڑتا ہے، اسی لیے یہی لوگ سب سے پہلے رسول کی مخالفت
شروع کرتے ہیں۔

[٢٣] یعنی رزق کی زیادتی یا کمی کسی انسان کے برحق ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ یہ تو اللہ کی طرف سے ایک آزمائش ہے۔

[٢٤] رزق کی تنگی اور کشادگی اللہ کے فیصلے کے تحت ہوتی ہے۔ انسان کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے رزق حلال کے لیے بہترین تدبیر کرے اور اللہ
کی خوش نودی کے لیے اس کے راستے میں اور اللہ کے بندوں پر خرچ کرے۔

[٢٥] شیاطین جن انسانوں کو بہکانے کا کام کرتے ہیں۔ انسانوں میں سے جو بھی نفس پرستی کے راستے پر جانا چاہتا ہو، اسے یہ شیاطین شرک کا راستہ

بتا کر اس کی نفس پرستی کو مذہب کا جامہ اوڑھا دیتے ہیں۔ اس طرح یہ انسان دراصل انھی شیاطین کی اطاعت کرتے ہیں۔

[۲۶] یعنی یہ مشرکین عرب بغیر کسی دلیل کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا رہے ہیں اور قرآن مجید کو جھوٹ اور جادو کہہ رہے ہیں۔ ان مشرکین کے پاس اس معاملے میں کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے کہ ہزاروں برس سے ان کے پاس کوئی پیغمبر نہیں آیا اور کوئی آسمانی کتاب بھی نہیں آئی جس کی تعلیمات کو دلیل کے طور پر پیش کر کے یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا سکتے ہوں۔

وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾ قُلْ
اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ اِنْ هُوَ اِلَّا
نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ
وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۴۷﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۴۸﴾ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ
الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿۴۹﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ اِنَّهٗ
سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿۵۰﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۱﴾ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ وَاَنّٰى لَهُمُ
التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ وَقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾
وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾

اِن (سرداران قریش) سے پہلے قوموں نے بھی (اپنے رسولوں کو) جھٹلایا تھا۔ جو کچھ ہم نے اُن پہلے والوں کو دیا تھا، اُس کے عشر عشیر کو بھی یہ لوگ نہیں پہنچے۔ لیکن جب اُن لوگوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تو دیکھ لو کہ میری سزا کتنی سخت تھی۔[۲۷]

اے نبیؐ، ان سے کہو: ”میں تمھیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں، وہ یہ کہ تم اللہ کی خاطر دو دو اور اکیلے اکیلے اٹھو اور غور کرو کہ تمھارے اِس ساتھی (یعنی نبیؐ) میں جنون کی کون سی بات ہے۔ وہ تو ایک سخت سزا کی آمد سے پہلے تم کو آگاہ کرنے والا ہے“۔ (ان سے مزید) کہو: ”اگر میں نے تم سے کوئی اجر مانگا ہے تو وہ تم ہی کو مبارک رہے۔ میرا اجر تو بس اللہ کے ذمہ ہے جو ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے۔“ کہہ دو: ”میرا رب حق کو (باطل پر) مارے گا۔ وہ تمام پوشیدہ حقیقتوں کا جاننے والا ہے۔“ مزید کہہ دو: ”حق آ گیا ہے اور اب

باطل نہ کسی چیز کا آغاز کرسکتا ہے اور نہ اعادہ۔" ۲۸

اے نبیؐ، (ان سے) کہہ دو: "اگر میں گمراہی پر ہوں تو میری گمراہی کی سزا مجھ پر ہے اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو یہ اس وحی کی وجہ سے ہے جو میرا رب میری طرف نازل کر رہا ہے۔ وہ سننے والا ہے اور نہایت قریب ہے۔"

اے نبیؐ، اگر تم دیکھ پاتے جب اِن مشرکین پر گھبراہٹ طاری ہوگی اور کہیں بچ کر نہ جا سکیں گے، بلکہ قریب ہی سے دھر لیے جائیں گے۔ (اُس وقت) یہ کہیں گے: "ہم اس پر ایمان لے آئے۔" حالانکہ اب اتنی دور نکلی ہوئی چیز کہاں ہاتھ آسکتی ہے۔ اِس سے پہلے اِن مشرکین نے اِس تعلیم کا انکار کیا تھا اور دور سے اٹکل کے تیر تکّے چلایا کرتے تھے۔ اُس وقت اِن مشرکین اور اِن کی خواہشات کے درمیان (اسی طرح) ایک دیوار حائل ہوجائے گی جس طرح اس سے پہلے ان کے طریقے پر چلنے والوں کے ساتھ ہوا۔ بے شک، وہ لوگ بھی الجھن میں ڈالنے والے شک ہی میں پڑے رہے۔ ۲۹ ۴۵-۵۴

[۲۷] یعنی اگر اللہ قوم فرعون، عاد اور ثمود جیسی بڑی قوموں کو سزا دے سکتا ہے تو اس کے مقابلے میں مشرکین عرب کیا چیز ہیں۔

[۲۸] درج بالا آیات میں قرآن مجید نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی انتہائی دل سوزی کے ساتھ حقیقت کی طرف سرداران قریش کی توجہ دلائی ہے کہ وہ بھیڑ بھاڑ کے جذباتی ذہن کے ساتھ نہیں، بلکہ ایک ایک اور دو دو کر کے اس پیغام پر خوب اچھی طرح سوچ بچار کریں۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے 'صاحب' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ تم اس انسان کی شخصیت اور کردار سے اچھی طرح واقف ہو اور تم نے ہر آزمایش کے وقت اسے صادق اور امین پایا ہے۔ پھر انھیں یہ بھی بتایا ہے کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں رسول اور آخری آسمانی کتاب کی صورت میں قرآن مجید آگیا ہے۔ چنانچہ اب رسول کی موجودگی میں باطل کی ہر چال ناکام و نامراد ہوگی۔

[۲۹] یعنی پہلے گزری ہوئی جن قوموں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا، وہ دنیا میں جس انجام سے دوچار ہوئیں، اسی انجام سے ان مخالفین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوچار ہونا پڑے گا۔ اسی طرح وہ لوگ بھی اور یہ لوگ بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

قرآن مجید کی یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف اسی طرح پوری ہوئی، جس طرح اللہ کی بات گزری ہوئی قوموں کے دشمنان رسول کے لیے پوری ہوئی تھی۔

انھی آیات کے ساتھ اس سورہ کا اختتام ہوتا ہے۔

سورۂ فاطر

[۳۵]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے جس کی وجہ سے اس سورہ کو یہ نام دیا گیا۔

زمانۂ نزول اور موضوع

اس سورہ میں بھی وہی مضامین زیر بحث آئے ہیں جو پچھلی سورہ میں زیر بحث آئے تھے یعنی توحید، رسالت اور آخرت۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف دوسری اصولی باتوں کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے۔

اٰیاتہا ۴۵ | # سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَّكِّيَّةٌ | رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ
فِى الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱﴾ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا
يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ
مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۖ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ
كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ
الدُّنْيَا ۥ وقف وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۵﴾ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا
مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۶﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ
مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۷﴾ ع اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ
فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۸﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

شکر وحمد اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمان وزمین کا خالق اور فرشتوں کو دو دو، تین تین اور چار چار پروں والے پیغام رساں بنانے والا ہے۔ وہ اپنی مخلوق کی ساخت میں جیسا چاہے اضافہ کر دیتا ہے[۱]۔ بے شک، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ لوگوں کے لیے جس رحمت کا دروازہ کھول دے، اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے وہ بند کر دے، اسے اللہ کے بعد پھر کوئی کھولنے والا نہیں۔ اللہ ہی زبردست اور حکمت والا ہے۔

اے لوگو، تم پر اللہ کی جو نعمتیں ہیں انھیں یاد رکھو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق بھی ہے جو تمھیں آسمان وزمین سے رزق بہم پہنچاتا ہو؟

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر تم (اللہ کے شریک ٹھہرا کر) کہاں سے دھوکا کھا رہے ہو؟

اے نبیؐ، اگر یہ لوگ تمھیں جھٹلاتے ہیں تو (کچھ غم نہ کرو)۔ تم سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے اور بالآخر سارے معاملات اللہ ہی کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔[۲]

اے لوگو، اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا، اس لیے یہ دنیا کی زندگی تمھیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ وہ بڑا دھوکے باز (ابلیس) تمھیں اللہ کے بارے میں دھوکا دینے پائے۔[۳] بے شک، شیطان تمھارا دشمن ہے، اس لیے تم بھی اسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔ وہ تو اپنے گروہ کو صرف جہنم کا ایندھن بنانے کے لیے بلا رہا ہے۔ جن لوگوں نے انکارِ حق کیا، ان کے لیے سخت عذاب ہے اور جو ایمان لے آئے اور انھوں نے نیک عمل کیے اُن کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔

کیا وہ شخص جس کی نگاہوں میں اس کا بُرا عمل اس طرح خوش نما بنا دیا گیا ہے کہ وہ اُسے اچھا سمجھتا ہے (ایمان لانے والا بن سکتا ہے)؟[۴] پس اللہ ہی جس کو چاہتا ہے (اپنے قانون کے مطابق) گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اس لیے اے نبیؐ تم ان منکرین کے غم میں اپنے آپ کو ہلکان مت کرو۔ جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اُسے اللہ خوب جانتا ہے۔ ۱-۸

[۱] سرزمین عرب کے مشرکانہ مذہب میں سب سے زیادہ اہمیت فرشتوں کو حاصل تھی۔ یہ لوگ فرشتوں کو پروردگار کی بیٹیوں کا درجہ دیتے تھے اور اسی حیثیت سے ان کی عبادت کرتے تھے۔ آج کے مشرکانہ مذاہب میں دیوی دیوتاؤں کی وہی حیثیت ہے جو سرزمین عرب کے مشرکانہ مذہب میں فرشتوں کی تھی۔ قرآن مجید میں ان باتوں کی تردید کر کے کہا کہ فرشتے بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ ان کا عبادت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ وہ صرف اللہ کے پیغام رساں ہیں۔ یہ سارے فرشتے بھی ایک درجے کے نہیں ہیں۔ کسی کی قوت پرواز کم ہے اور کسی کی زیادہ، اسی لیے کچھ دو پروں کی قوت سے اڑتے ہیں اور کچھ زیادہ پروں کی قوت سے۔ ان فرشتوں کو یہ قوت اللہ ہی نے دی ہے اور وہ جب چاہے کسی بھی مخلوق کی قوت میں اضافہ بھی کر سکتا ہے اور کمی بھی۔

[۲] حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے انتہائی خیر خواہ تھے، اسی لیے وہ ہر وقت اس فکر اور غم میں رہتے تھے کہ کہیں اس قوم پر اللہ کی سزا نازل نہ ہو جائے۔ مکی سورتوں میں اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بار بار تسلی کے ارشادات فرمائے ہیں۔ ان ارشادات سے ہمیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت سے کتنی زیادہ محبت کرتے تھے۔

[۳] اللہ کی صفات کے بارے میں گمراہی دراصل تمام گمراہیوں کی جڑ ہے، اسی لیے شیطان سب سے پہلے اسی پر حملہ کرتا ہے۔

[۴] برائی کے ارتکاب کی ایک حالت یہ ہے کہ آدمی اس کا ارتکاب کرتا ہے، لیکن اس کے اندر اسے برائی سمجھنے کا احساس زندہ ہوتا ہے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ انسان اس برائی کو ہی اچھائی اور ترقی کا زینہ سمجھنے لگتا ہے۔ یہ دوسری حالت عقل و فہم کے مسخ ہو جانے کی علامت ہے۔

وَاللّٰهُ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ

النُّشُوْرُ ﴿٩﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ
وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ﴿١٠﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ
مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ
مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿١١﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ
شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ
مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٢﴾ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا
يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿١٣﴾ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَيَوْمَ
الثلثة الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿١٤﴾ ع يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ
الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿١٥﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿١٦﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿١٧﴾ وَلَا تَزِرُ
وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ
يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٨﴾

اللہ ہی ہواؤں کو بھیجتا ہے، پھر وہ بادل اٹھاتی ہیں، پھر ہم اسے کسی خشک زمین کی طرف لے جاتے ہیں اور اس کے ذریعے سے اُسی مردہ زمین کو نئے سرے سے زندگی بخش دیتے ہیں۔ مرے ہوئے انسانوں کا دوبارہ زندہ ہونا بھی اسی طرح ہوگا۔

جو کوئی بھی عزت چاہتا ہے، اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ عزت ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔ پاکیزہ کلمہ اللہ کے ہاں اوپر چڑھتا ہے اور اچھا عملِ اُس کلمہ کو سہارا دیتا ہے[5]۔ رہے وہ لوگ جو بُری چالیں چل رہے ہیں اُن کے لیے سخت سزا ہے اور ان کی چال

ناکام ونامراد ہوکر رہے گی۔

اے انسانو، اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر پانی کی بوند سے اور پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا۔ ہر عورت اللہ ہی کے علم سے حاملہ ہوتی ہے اور بچہ جنتی ہے۔ کسی عُمر والے کی عمر میں نہ زیادتی ہوتی ہے اور نہ کمی، مگر یہ سب کچھ ایک کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اللہ کے لیے یہ بہت آسان کام ہے۔ ٦

(اے لوگو، پانی کی طرف غور کرو)، دو دریا یکساں نہیں ہیں۔ ایک میٹھا، پیاس بجھانے والا اور پینے کے لیے خوش گوار ہے، جبکہ دوسرا کھاری کڑوا ہے۔ مگر دونوں سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو، پہننے کے لیے زینت کا سامان نکالتے ہو اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں اس پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں تا کہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو۔ ٧ وہی اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے، دن کو رات میں اور اُسی اللہ نے سورج اور چاند کو تمھاری خدمت میں لگا رکھا ہے۔ یہ سب گردش ایک مقررہ وقت تک ہوگی۔ وہی اللہ تمھارا پروردگار ہے۔ بادشاہی اُسی کی ہے۔ اُسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ذرہ برابر کسی چیز پر کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ اگر تم اِن چیزوں کو پکارو گے تو وہ تمھاری دعائیں نہیں سن سکتے اور اگر سن لیں تو تمھاری فریادرسی نہیں کر سکتے۔ ٨ قیامت کے دن یہ تمھارے شرک کا انکار کردیں گے۔ حقیقت کی ایسی صحیح خبر تمھیں اُس خبردار اللہ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔

اے لوگو، تم ہی اللہ کے محتاج ہو۔ اللہ تو بے نیاز ہے اور ساری اچھی صفات اسی کے لیے ہیں۔ اگر وہ چاہے تو تمھیں فنا کردے اور (تمھاری جگہ) ایک نئی مخلوق لے آئے۔ یہ اللہ کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں۔

کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور اگر (روزِ قیامت) کوئی بوجھل شخص اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے کسی سے مدد کا طلب گار ہوگا تو اِس میں ذرا بھی اُس کا ہاتھ نہیں بٹایا جائے گا، چاہے وہ قریب ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

اے نبیؐ، تم تو صرف انھی لوگوں کو متنبہ کر سکتے ہو جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز کا اہتمام کرتے ہیں۔ جو شخص بھی پاکیزگی اختیار کرتا ہے، اپنی ہی بھلائی کے لیے کرتا ہے اور اللہ ہی کی طرف سب کی واپسی ہے۔ ۹-۱۸

[۵] یعنی اصل عزت تو وہی ہے جو قیامت کے دن اللہ کی طرف سے ملے گی۔ یہ عزت صرف کلمۂ ایمان اور عمل صالح کے ذریعے سے مل سکتی ہے۔

[٦] انسان کو جو عمر بھی نصیب ہوتی ہے، وہ اللہ کے حکم سے ہوتی ہے اور پھر اس عمر میں اللہ ہی کے حکم سے اضافہ بھی ہوتا ہے اور کمی بھی۔ یہ سب کچھ اللہ کے قوانین کے مطابق اور اللہ کے علم سے ہو رہا ہے۔

[۷] دنیا کے اندر ہر جگہ ایک تضاد و اختلاف ہے، لیکن یہی چیز ایک بالاتر مقصد کی خدمت کے لیے ہے۔ انسان کو چاہیے کہ ان میں سے ہر چیز کے اندر

…وردگار کی حکمتوں اور صناعی کو دیکھے۔ یہاں زینت کی چیزوں سے مراد موتی ہیں اور اللہ کے فضل سے مراد رزق حلال ہے۔

[۸] یعنی اگر تم فرشتوں یا زندہ انسانوں کی عبادت کرتے ہو تو یہ بھی تمھاری کوئی مراد پوری نہیں کر سکتے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ﴿١٩﴾ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ ﴿٢٠﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ﴿٢١﴾ وَمَا
يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ ﴿٢٢﴾ إِنْ أَنْتَ إِلَّا
نَذِيرٌ ﴿٢٣﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴿٢٤﴾ وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ
فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ أَخَذْتُ
الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٢٦﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُخْتَلِفًا
أَلْوَانُهَا ۚ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ﴿٢٧﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ
وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿٢٨﴾

اندھا اور آنکھوں والا، دونوں یکساں نہیں ہیں، (جس طرح) تاریکیاں اور روشنی برابر نہیں ہیں، سایہ اور دھوپ یکساں نہیں ہیں اور زندے اور مُردے بھی برابر نہیں ہیں[9]۔ اے نبیؐ، اللہ ہی جن کو چاہتا ہے (اپنے قانون کے مطابق حق کا پیغام) سناتا ہے۔ تم اُن لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں کے اندر ہیں[10]۔ تم تو بس ایک خبردار کرنے والے ہو۔ ہم نے تم کو سچائی کے ساتھ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔ اب اگر یہ لوگ تمھیں جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں۔ اُن لوگوں کے پاس ان کے رسول واضح دلائل، صحیفوں اور روشن کتاب کے ساتھ آئے تھے۔ پھر (جن لوگوں نے انکارِ حق کیا) اُن کو میں نے پکڑ لیا تو دیکھ لو کہ میری سزا کتنی سخت تھی[11]۔

کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور پھر اس کے ذریعے سے ہم مختلف رنگوں کے پھل پیدا کر دیتے ہیں۔ پہاڑوں میں بھی سفید اور سرخ مختلف رنگوں کی دھاریاں ہیں اور گہری سیاہ دھاریاں بھی۔ اسی طرح انسانوں، جانوروں اور مویشیوں کے رنگ بھی مختلف ہیں۔ (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ کے بندوں میں سے صرف وہی اُس سے ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں[12]۔ بے

شک، اللہ غالب ہے اور درگزر فرمانے والا ہے۔ ۱۹-۲۸

[۹] یہاں اندھوں سے مراد عقل اور دل کے اندھے ہیں۔ آنکھوں والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی عقل اور دل کی آنکھیں کھلی رکھی ہوئی ہیں۔ تاریکیوں سے مراد شرک کی تاریکیاں ہیں اور روشنی سے مراد توحید کی روشنی ہے۔ زندوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے دل و دماغ کو حق کا پیغام سننے کے لیے زندہ رکھا ہوا ہے اور مردوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے دل و دماغ کو سچائی کی بات سننے کے لیے بند کیا ہوا ہے۔

[۱۰] جن لوگوں کے سینے اپنے ضمیر کے لیے قبر بن چکے ہیں اور جو عقلی و روحانی اعتبار سے بالکل مردہ ہو چکے ہیں، ان کی ہدایت و گمراہی کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے لوگوں کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا۔

[۱۱] اسی قانون کی طرف اشارہ ہے جس کے تحت رسول کے مخالفین اور نافرمانوں کو مہلت کی مدت گزر جانے کے بعد اس دنیا میں بھی سزا دی جاتی ہے۔

[۱۲] اصل صاحبِ علم وہی ہے جو اس کائنات پر غور و فکر کر کے اپنے رب کی صفات سے اپنے آپ کو واقف کرتا ہے اور اسی واقفیت کی بنیاد پر اپنے رب سے ڈرتا ہے۔ گویا صحیح علم کا سرچشمہ درحقیقت اللہ کی معرفت ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَنْ
تَبُورَ ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿۳۰﴾ وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ
الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ
اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ ۖ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ
هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿۳۲﴾ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ
فِيهَا حَرِيرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۚ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ﴿۳۴﴾ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ
الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ ۖ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۖ لَا
يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ﴿۳۶﴾ وَهُمْ
يَصْطَرِخُونَ فِيهَا ۖ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ

مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ ؕ فَذُوقُوا فَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ نَّصِيرٍ ﴿٣٧﴾

بے شک، جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، نماز کا اہتمام کرتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے ان کو دیا ہے اُس میں سے چھپے اور کھلے خرچ کرتے ہیں، وہ ایک ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں ہرگز کوئی نقصان نہ ہوگا۔ تاکہ اللہ اُن کو اُن کے اعمال کا اجر بھی دے اور اپنے فضل سے مزید بہت کچھ بھی انھیں عطا کرے۔ بے شک، اللہ بخشنے والا اور قدردان ہے۔ اے نبیؐ، جو کتاب ہم نے تمھاری طرف وحی کی ہے، یہی حق ہے اور ان (پیشین گوئیوں) کے مطابق ہے جو اس کے پہلے سے (تورات وانجیل میں) موجود ہیں۔ بے شک، اللہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے۔

پھر ہم نے کتاب کا وارث بنادیا اُن لوگوں کو جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کیا۔ پس ان میں سے کچھ تو اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں، ان میں سے کچھ میانہ رو (یعنی بیچ کے راستے میں) ہیں اور کچھ اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔ یہی بہت بڑا فضل ہے[۱۳]۔ اِن کے لیے ہمیشگی کے باغ ہوں گے جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے۔ وہاں اِن کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے، وہاں ان کا لباس ریشم ہوگا اور وہ کہیں گے کہ شکر ہے اللہ کا جس نے ہم سے غم کو دور کردیا، یقیناً ہمارا رب معاف کرنے والا اور قبول فرمانے والا ہے، جس نے اپنے فضل سے ہمیں ابدی قیام کے گھر میں ٹھہرایا جس میں ہمیں نہ کوئی مشقت پیش آئے گی اور نہ کبھی تکان لاحق ہوگی۔

جن لوگوں نے انکارِ حق کیا، ان کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ وہاں نہ ان کی قضا آئے گی کہ مرجائیں اور نہ ان کے لیے عذاب میں کوئی کمی کی جائے گی۔ ہر ناشکرے کو ہم ایسا ہی بدلہ دیں گے۔ وہاں وہ واویلا کریں گے: ''اے ہمارے رب، ہمیں یہاں سے نکال لے تاکہ ہم نیک عمل کریں، اُن اعمال سے مختلف جو ہم نے اب تک کیے تھے۔'' (انھیں جواب دیا جائے گا): ''کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں کوئی نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو حاصل کرسکتا تھا[۱۴]؟ تمھارے پاس آگاہ کرنے والا رسول بھی آچکا تھا۔ اب (اس سزا کو) چکھو۔ یہاں ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔'' ۲۹-۳۷

[۱۳] گویا مسلمان تین طرح کے ہوسکتے ہیں۔ بہت اچھے، درمیانے درجے کے، یا پھر بہت برے مسلمان۔ بالکل اسی طرح ایک مسلمان حکومت بھی تین طرح کی ہوسکتی ہے۔ بہت اچھی، یا درمیانے درجے کی، اور یا پھر بہت بری مسلمان حکومت۔ جس طرح کوئی مسلمان اپنی برائیوں کے باوجود اس وقت تک دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا جب تک وہ دین کی بنیادی باتوں کا اقرار کرتا ہے، اسی طرح ایک غلط کار مسلمان حکومت بھی اس وقت تک ایک مسلمان

حکومت ہی ہوتی ہے جب تک وہ جان بوجھ کر کھلم کھلا کفر کو اپنا نہ لے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک بہت برے مسلمان فرد یا ایک بہت بری مسلمان حکومت کو قرآن مجید پھر بھی مسلمان کیوں قرار دیتا ہے۔ اس کی چند وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ جب تک ہم ایک مسلمان فرد یا ایک مسلمان حکومت کو ملتِ اسلامیہ کا حصہ قرار دیتے ہیں، تب تک وہ بھی باقی مسلمانوں اور مسلمان حکومتوں کے لیے اپنائیت کا احساس رکھتا ہے۔ چنانچہ ایسا شخص یا حکومت کسی وقت بھی اچھائی کی طرف پلٹ سکتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایسے شخص کی اولاد، یا ایسی حکومت کے بعد آنے والی حکومت اصلاح پر آمادہ ہو جائے۔ ایک بری سے بری مسلمان حکومت بھی بہر حال کھلم کھلا غیر مسلموں کی حکومت سے بہتر ہے۔ اگر حکومت کی برائیوں کی وجہ سے اس کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی اجازت دی جائے تو اس سے ہر مسلمان ملک خانہ جنگی کا شکار ہو کر کمزور ہو جائے گا اور جان و مال اور آبرو کا بڑا نقصان ہوگا۔

اس آیت کی تشریح میں مولانا اصلاحی کے نقطہ نظر کو جاننے کے لیے تدبر قرآن کی طرف رجوع کیا جائے۔

[۱۴] اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس انسان کو پوری عمر طبیعی ملی اور اسے بہترین طریقے سے حق کی دعوت بھی ملی تو اس کے لیے کسی عذر کی گنجایش نہیں، البتہ جن لوگوں کو نسبتاً کم عمر ملی، ان کے ساتھ اسی مناسبت سے رعایت کی جائے گی۔ ایک روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص کم عمر پائے، اس کے لیے تو عذر کا موقع ہے، لیکن ساٹھ سال اور اس سے اوپر عمر پانے والے کے لیے کوئی عذر نہیں ہے۔''

إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٣٨﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ
فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۖ وَلَا يَزِيدُ
الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿٣٩﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ أَرُونِي مَاذَا
خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ ۚ أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَتٍ مِنْهُ ۚ بَلْ إِنْ يَعِدُ
الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ﴿٤٠﴾ إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ
أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿٤١﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ
نَذِيرٌ لَيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ﴿٤٢﴾ اسْتِكْبَارًا فِي
الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۚ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۚ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ

لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلاً ﴿۴۳﴾ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَىْءٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا
فِى الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ
دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ ع

بے شک، اللہ آسمان وزمین کی ہر پوشیدہ چیز سے واقف ہے۔ وہ تو سینوں کے چھپے ہوئے راز بھی جانتا ہے۔ وہی تو ہے جس نے تم کو زمین میں اقتدار کا مالک بنایا۔ اب جو کوئی انکارِ حق کرتا ہے اُس کے انکار کا عذاب اُسی پر ہے اور منکرینِ حق کے لیے اُن کا انکار، ان کے رب کے نزدیک، اللہ کے غضب میں اضافے ہی کا موجب ہوگا۔ منکرینِ حق کے لیے ان کا انکار اُن کے خسارے ہی میں اضافہ کرے گا۔

اے نبیؐ، (ان مشرکین سے) کہو: ”تم ذرا دیکھو اپنے ان شریکوں کو جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو۔ مجھے دکھاؤ کہ انھوں نے زمین میں کیا پیدا کیا ہے یا آسمانوں میں ان کی کیا حصہ داری ہے؟“ کیا ہم نے ان مشرکین کو کوئی کتاب دی ہے جس کی بنا پر یہ کسی واضح دلیل پر ہوں؟ نہیں، بلکہ یہ ظالم تو ایک دوسرے سے محض پُر فریب وعدے کر رہے ہیں۔

اللہ ہی آسمان وزمین کو تھامے ہوئے ہے تاکہ وہ ٹل نہ جائیں۔ اگر یہ (زمین وآسمان) ٹل جائیں تو اللہ کے بعد کوئی دوسرا انھیں تھامنے والا نہیں بن سکتا ۱۵ ۔ بے شک، اللہ نہایت نرمی کرنے والا اور مغفرت فرمانے والا ہے۔

یہ مشرکینِ عرب پکی پکی قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی خبردار کرنے والا آ گیا تو یہ ہر قوم سے بڑھ کر ہدایت اختیار کرنے والے بنیں گے۔ مگر جب ان کے پاس وہ خبردار کرنے والا (رسول) آ گیا تو اُس کی آمد نے اِن کے اندر حق سے فرار کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کیا۔ یہ لوگ زمین میں اور زیادہ تکبر کرنے لگے اور بُری بُری چالیں چلنے لگے۔ بُری چال تو اسی شخص کو گھیرتی ہے جو یہ بُری چال چلتا ہے۔ اب کیا یہ لوگ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ پہلے گزری ہوئی قوموں کے ساتھ اللہ کا جو طریقہ رہا ہے، (وہ اِن کے لیے بھی ظاہر ہو جائے)۔ اے نبیؐ، تم اللہ کے طریقے میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور تم اللہ کے طریقے کو ٹلتے ہوئے بھی نہ پاؤ گے۔ کیا ان لوگوں نے کبھی زمین میں سفر نہیں کیا کہ انھیں اُن لوگوں کا انجام نظر آتا جو اِن سے پہلے گزر چکے ہیں۔ وہ لوگ اِن سے بہت زیادہ

طاقت ور تھے۔ آسمان وزمین میں کوئی چیز اللہ کے قابو سے باہر نہیں نکل سکتی۔ وہ علم والا اور قدرت رکھنے والا ہے۔ [۱۶]

اگر اللہ لوگوں کے اعمال پر فوراً اُن کو پکڑتا تو زمین کی پیٹھ پر کسی جان دار کو زندہ نہ چھوڑتا، لیکن وہ اِن کو ایک مقررہ وقت تک مہلت دے رہا ہے۔ پھر جب اِن کی مدت پوری ہو جائے گی تو اللہ اپنے بندوں کو خود دیکھنے والا ہے۔ [۱۷] ۳۸-۴۵

[۱۵] اس عظیم کائنات میں کشش ثقل (Gravity) اوراس طرح کے دوسرے بے شمار قوانین اللہ ہی کے تخلیق کردہ ہیں جن کی وجہ سے کائنات کے اندر تنظیم اور ہم آہنگی ہے۔

[۱۶] یہاں اللہ کے اسی قانون کا ذکر ہے، جس کی رو سے ہر رسول کے نافرمانوں کو مہلت کی مدت ختم ہونے کے بعد دنیا میں بھی سزا دی جاتی ہے۔ یہ سزا قوم نوحؑ، عاد و ثمود اور اسی طرح بہت سی دوسری نافرمان اقوام کو دی گئی۔ مکی دور کی جن سورتوں میں اس دھمکی کا ذکر ہے، اس وقت دنیوی حالات کے اعتبار سے اس دھمکی کے پورا ہونے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے غلبے کا کوئی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، لیکن بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر دشمن کو اسی دنیا میں سزا ملی اور سرزمین عرب پوری کی پوری دین کی روشنی سے منور ہو گئی۔

[۱۷] یعنی اللہ کے ہاں دیر ہے، اندھیر نہیں۔ کسی مجرم کو اپنی مہلت سے غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ رسول کی براہ راست مخاطب اقوام کی مہلت اسی دنیا میں پوری ہو جاتی ہے اور باقی لوگوں سے روز قیامت مکمل حساب کتاب ہوگا۔

اسی آیت کے ساتھ اس سورہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

سورۂ یٰس

[۳۶]

نام

ابتدائی دو حروف کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

مکی دور کی اس سورہ میں بھی توحید، رسالت اور آخرت پر دلائل دیے گئے ہیں۔ اس سورہ میں قرآن مجید کی پوری تعلیم کا ایک خلاصہ آ گیا ہے اور یہ سورہ قرآن کی دعوت کو نہایت پرزور طریقے سے پیش کرتی ہے، اسی لیے ایک روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سورہ قرآن کا دل ہے۔

آیاتہا ۸۳

سُوْرَۃُ یٰسٓ مَکِّیَّۃٌ

رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰسٓ ﴿۱﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ﴿۲﴾ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۳﴾ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴﴾ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ
الرَّحِیْمِ ﴿۵﴾ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓی اَکْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا
یُؤْمِنُوْنَ ﴿۷﴾ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ﴿۸﴾ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ
سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَسَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا
یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکْرَ وَخَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ کَرِیْمٍ ﴿۱۱﴾ اِنَّا
نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَنَکْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۗ وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۲﴾ ع

(وقف غفران)

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

یٰس۔ یہ دانائی سے بھرا ہوا قرآن گواہی دیتا ہے کہ اے نبیؐ، تم رسولوں میں سے ہو اور سیدھے راستے پر ہو[1]۔ اِس قرآن کو غالب اور رحمت والے اللہ نے نہایت اہتمام کے ساتھ اتارا ہے تا کہ تم ایک ایسی قوم کو خبردار کر دو، جس کے بزرگوں کو آگاہ نہیں کیا گیا تھا اور اس وجہ سے وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

اِن میں سے بہت سے لوگوں پر ہماری بات پوری ہو چکی ہے، اس لیے وہ ایمان لانے والے نہیں بنیں گے[2]۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں جن سے وہ ٹھوڑیوں تک جکڑے گئے ہیں، پس اُن کے سر اُٹھے کے اُٹھے رہ گئے ہیں[3]۔ ہم نے ان کے آگے بھی ایک رکاوٹ کھڑی کر دی ہے اور ان کے پیچھے بھی ایک رکاوٹ کھڑی کر دی ہے۔ اس طرح ہم نے ان کو ڈھانک دیا ہے تو اب انھیں کچھ بجھائی نہیں دے رہا[4]۔ اِن کے لیے یکساں ہے خواہ تم انھیں خبردار کرو یا نہ کرو، یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ کیونکہ تم تو صرف اس شخص کو خبردار کر سکتے ہو جو نصیحت پر دھیان کرے اور بن دیکھے خدائے رحمان سے ڈرے۔ ایسے شخص کو مغفرت اور باعزت اجر کی

بشارت دے دو۔[5]

یقیناً ہم ایک دن مُردوں کو زندہ کریں گے۔ ہم نوٹ کر رہے ہیں جو کچھ انھوں نے آیندہ زندگی کے لیے بڑھایا، اور جو کچھ (آثار) انھوں نے پیچھے چھوڑے ہیں، ہر چیز ہم نے ایک واضح کتاب میں محفوظ کر لی ہے۔ ۱-۱۲

[۱] یہاں 'و' قسم کے مفہوم میں ہے۔ قسم عربی زبان میں دراصل گواہی اور شہادت کے لیے آتی ہے۔ یعنی حکمت کی باتوں سے لبریز اس قرآن مجید کی تعلیمات ہر ذی شعور انسان کے سامنے یہ گواہی دے رہی ہیں کہ ان کو پیش کرنے والا کوئی جھوٹا شخص نہیں ہو سکتا۔ یہ اتنا عظیم کلام ہے کہ یہ خود بخود یہ شہادت دیتا ہے کہ اس کا پیش کرنے والا یقیناً رسولوں کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔

[۲] یہ اس گروہ کا تذکرہ ہے، جس کو دین کی دعوت مکمل طور پر مل چکی تھی اور اس کے باوجود اس نے ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ اپنی نفسانی خواہشات، انانیت، ضد اور تعصب کو ترجیح دیتے ہوئے اس دعوت کو رد کر دیا تھا اور اس کی مخالفت پر جم گیا تھا۔

[۳] یہ اس گروہ کے تکبر کی تصویر ہے کہ گویا ان کی گردنوں میں ایسے طوق پڑے ہوئے ہیں جو ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے سر اس طرح اٹھے ہوئے رہ گئے ہیں کہ نہ وہ نیچے کی طرف جھک سکتے ہیں اور نہ اوپر کی طرف اٹھ سکتے ہیں۔ گویا نہ وہ زمین کی نشانیاں دیکھ سکتے ہیں اور نہ آسمان کے عجائبات پر نگاہ ڈال سکتے ہیں۔ ان لوگوں سے قبولِ حق کی صلاحیت چھین لی گئی ہے اور اب وہ صرف دوسروں کی آزمایش کے لیے زندہ ہیں۔

[۴] ان متکبرین کے آگے کی رکاوٹ یہ ہے کہ وہ اس دعوت کی مقبولیت کے نتیجے میں اپنے مستقبل کو خطرے میں دیکھتے ہیں۔ ان کے پیچھے کی رکاوٹ یہ ہے کہ ان کے خیال میں یہ لوگ دوسروں سے نسلی طور پر بہت برتر چلے آ رہے ہیں، چنانچہ اس نئی دعوت کو قبول کرنے کے نتیجے میں ان کو اپنی پچھلی متکبرانہ روایات خطرے میں نظر آ رہی ہیں۔

[۵] یعنی اس دعوتِ حق کو وہی لوگ قبول کریں گے جو ہر طرح کے تعصب و تکبر سے بالاتر ہو کر اپنے ذہن و ضمیر کو کھلا رکھ کر اس پر غور و فکر کریں اور اللہ کی صفات کی حقیقت کو اپنے سامنے رکھیں۔

وقف لازم

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا

فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ

مَّعَكُمْ ؕ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ

اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢٠﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٢١﴾

[پارہ نمبر 23]

وَمَا لِيْ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٢﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ
لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿٢٣﴾ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٤﴾ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ
فَاسْمَعُوْنِ ﴿٢٥﴾ قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ
الْمُكْرَمِيْنَ ﴿٢٧﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنْ كَانَتْ
(وقف غفران) اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿٢٩﴾ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٠﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٣١﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا
جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿٣٢﴾ ع

اے نبیؐ، اِن لوگوں کو (مثال کے طور پر) اُس بستی والوں کا قصہ سناؤ جب اُن کے پاس پیغمبر آئے۔ ہم نے اُن لوگوں کی طرف دو رسول بھیجے اور انھوں نے دونوں کو جھٹلا دیا۔ پھر ہم نے ایک تیسرے (مددگار) کے ذریعے سے اُن کی تائید کی۔ انھوں نے (لوگوں سے) کہا کہ ہم تمھاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ بستی والوں نے کہا: ”تم تو بس ہمارے جیسے بشر ہو۔ خداے رحمان نے ہرگز کوئی چیز نازل نہیں کی۔ تم لوگ بالکل جھوٹا دعویٰ کرتے ہو۔“[6]

رسولوں نے کہا: ”ہمارا رب گواہ ہے کہ ہم تمھاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ہماری ذمہ داری تو بس یہ ہے کہ ہم واضح طور پر پیغام پہنچا دیں۔“

بستی والوں نے کہا: ”ہم تو تمھیں منحوس سمجھتے ہیں، اگر تم لوگ باز نہ آئے تو ہم تمھیں سنگ سار کر دیں گے اور تم کو ہمارے ہاتھ سے بڑی سخت سزا پہنچے گی۔“[7]

رسولوں نے جواب دیا: ''تمھاری نحوست تو تمھارے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ کیا (تم نے اس چیز کو نحوست سمجھا کہ) تمھیں نصیحت کی گئی؟ اصل بات یہ ہے کہ تم حد سے گزرے ہوئے لوگ ہو۔''

اتنے میں شہر کے دوسرے گوشے سے ایک شخص بھاگا ہوا آیا [۸] اور کہنے لگا: ''اے میری قوم کے لوگو، رسولوں کی پیروی اختیار کرلو۔ اُن لوگوں کی پیروی کرو جو تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے اور وہ راہِ راست پر بھی ہیں۔ آخر میں کیوں نہ اُس ذات کی بندگی کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور جس کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے؟ کیا میں اسے چھوڑ کر دوسروں کو معبود بنالوں؟ حالانکہ اگر خدائے رحمٰن مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ اِن معبودوں کی سفارش میرے کسی کام آسکتی ہے اور نہ یہ مجھے چھڑا سکتے ہیں۔ (اگر میں ایسا کروں تو) یقیناً میں ایک واضح گمراہی میں ہوں گا۔ میں تو تمھارے رب پر ایمان لے آیا، تم بھی میری بات سن لو۔''

اُس شخص سے کہہ دیا گیا: [۹] ''جنت میں داخل ہوجاؤ۔'' اُس نے کہا: ''کاش، میری قوم کو معلوم ہوتا کہ میرے رب نے میری مغفرت فرمادی اور مجھے عزت پانے والوں میں داخل فرمایا۔''

اس کے بعد اُس کی قوم پر ہم نے آسمان سے کوئی فوج نہیں اتاری۔ ہمیں اِس کی کوئی حاجت بھی نہیں تھی۔ بس ایک ڈانٹ تھی اور یکا یک وہ سب پامال ہوکر رہ گئے [۱۰]۔ افسوس اُن بندوں کے حال پر، جو رسول بھی ان کے پاس آیا وہ اُس کا مذاق ہی اڑاتے رہے۔ کیا انھوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اُن سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں اور اب وہ دوبارہ اِس دنیا میں واپس آنے والی نہیں ہیں؟ بے شک، یہ سب (ایک دن) ہمارے سامنے حاضر کیے جائیں گے [۱۱]۔ ۱۳-۳۲

[۶] اس قصے کے بیان کی غرض یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے رسولوں کے مقابلے میں ضد، تعصب اور نفسانی خواہشات کے راستے پر چلتے ہیں، وہ تباہی سے دوچار ہوتے ہیں۔

تاہم اس واقعے کے بعض پہلوؤں کے متعلق اہلِ علم کے درمیان اختلاف ہے۔ قدیم مفسرین کے بیان کے مطابق یہ بستی 'انطاکیہ' تھی جو شام میں واقع ہے اور جن رسولوں کا ذکر یہاں کیا گیا ہے، انھیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ کے لیے بھیجا تھا۔ لیکن مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کے مطابق یہ بات ناقابلِ قبول ہے، کیونکہ کسی پیغمبر کے شاگردوں کو رسول نہیں کہا جاسکتا۔ نیز پروردگار کا دنیا میں قانونِ عذاب صرف اور صرف رسولوں کے لیے خاص ہے۔ مولانا اصلاحی کے مطابق یہ بستی دراصل 'مصر' تھی، دونوں رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارونؑ تھے۔ جس 'تیسرے' کا ذکر یہاں کیا گیا ہے، وہ رسول نہیں تھے، بلکہ ان کے ایک ایسے وفادار مددگار تھے جن کا تعلق فرعون کے دربار سے تھا۔

[۷] یعنی تم جس پیغام کے ساتھ آئے ہو، وہ ہمارے لیے بہت منحوس ہے، اس لیے کہ اس کی وجہ سے ہمیں مساواتِ انسانی کو ماننا پڑے گا اور ہماری برتری ختم ہوجائے گی۔ نیز اس پیغام کے ماننے کے نتیجے میں ہمیں اپنے مال و دولت میں اللہ اور اللہ کے بندوں کا حق تسلیم کرنا پڑے گا۔

[٨] مولانا اصلاحی کے مطابق یہ وہی فرد تھے جن کا تذکرہ آیت نمبر١٤ میں کیا گیا ہے۔ سورۂ مومن کے مطابق یہ شخص شاہی خاندان کے ایک فرد تھے، لیکن نہایت حق پرست تھے۔ ان صاحب کا تذکرہ سورۂ قصص آیت نمبر٢٠ میں بھی ہوا ہے۔

[٩] یعنی ان کو دنیا میں ہی جنت کی بشارت اسی طرح دی گئی جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے 'عشرہ مبشرہ' کو دنیا میں جنت کی بشارت دی تھی۔

[١٠] فرعون اور اس کی افواج پر ایک عذاب تو سمندر میں غرق ہونے کا نازل ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ سورۂ اعراف آیت نمبر١٣٧ کے مطابق مرکزی شہر پر آسمانی بجلی اور زلزلے کا عذاب آیا جس نے ان کی تعمیرات اور ان کے باغات کو تباہ کر کے رکھ دیا۔

[١١] تاریخ سے یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ رسول کی براہ راست مخاطب نافرمان اقوام پر ہمیشہ اس دنیا میں عذاب آیا اور پیغمبر کے ساتھیوں کو فتح و کامرانی نصیب ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی اللہ کا یہ طریقہ مکمل طور پر پورا ہوا۔

وَآيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ ﴿٣٣﴾ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِّنْ
نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ﴿٣٤﴾ لِيَأْكُلُوا مِن ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٣٥﴾
سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٦﴾ وَآيَةٌ لَّهُمُ
اللَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ ﴿٣٧﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ
الْعَلِيمِ ﴿٣٨﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ﴿٣٩﴾ لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ
الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٤٠﴾ وَآيَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ
الْمَشْحُونِ ﴿٤١﴾ وَخَلَقْنَا لَهُم مِّن مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ﴿٤٢﴾ وَإِن نَّشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ
يُنقَذُونَ ﴿٤٣﴾ إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿٤٤﴾

اِن لوگوں کے لیے بے جان زمین ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ ہم نے اِس زمین کو زندگی بخشی اور اس میں سے غلے اگائے جسے یہ لوگ کھاتے ہیں۔ ہم نے اِس زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائے اور اس میں چشمے جاری کر دیے تا کہ یہ لوگ اس کے پھل کھائیں۔ یہ سب کچھ ان کے ہاتھوں کی کارگزاری تو نہیں ہے۔ پھر کیا یہ شکر ادا نہیں کرتے؟

پاک ہے وہ ذات جس نے تمام اقسام کے جوڑے پیدا کیے، خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود اِن انسانوں کی اپنی جنس سے یا اُن چیزوں میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں ہیں۔
ان لوگوں کے لیے رات بھی ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ جب ہم اُس کے اوپر سے دن ہٹا دیتے ہیں تو اِن لوگوں پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔ سورج اپنے ایک معین مدار پر گردش کر رہا ہے۔ یہ اُس زبردست اور صاحبِ علم ہستی کی منصوبہ بندی ہے۔ چاند کے لیے بھی ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی سوکھی شاخ کے مانند رہ جاتا ہے۔ نہ سورج کے بس میں ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے۔ ہر چیز اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہی ہے۔ [12]
اِن لوگوں کے لیے ایک بہت بڑی نشانی یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر دیا [13] اور پھر ان لوگوں کے لیے اسی کشتی کے مانند (خشکی میں بھی) چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اِن کو غرق کر دیں۔ پھر نہ کوئی ان کی فریاد سننے والا ہوگا اور نہ انھیں بچایا جا سکے گا۔ بس یہ تو ہماری رحمت ہی ہے تاکہ اِن کو ایک معین وقت تک (زندگی سے) فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جائے۔ ۳۳-۴۴

[۱۲] زمین، سورج، چاند اور کائنات کے سب ستارے اور سیارے اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ اتنے سائنٹیفک اور حسابی طریقے سے ہوتا ہے کہ کہیں بھی ایک سیکنڈ کا فرق رونما نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے آج سے ہزاروں سال بعد کے سورج یا چاند گرہن کے متعلق پیشین گوئی بھی ممکن ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت لوگوں کو کائنات کے ان قوانین سے کوئی آگہی نہیں تھی۔ قرآن مجید نے کائنات کے متعلق پہلی مرتبہ یہ حقائق لوگوں کے سامنے کھولے۔ یہ حقائق ہمارے موجودہ علم کے بالکل مطابق ہیں۔

[۱۳] اللہ نے نسلِ انسانی کے لیے بحری سفر کا ایسا انتظام کیا کہ کشتیاں سمندر کے سینے پر ہزاروں ٹن سامان لے کر چلتی ہیں اور نہیں ڈوبتیں۔ پانی کے لیے قدرت نے ایک ایسا قانون بنا دیا ہے جس کی وجہ سے اوپر کی سطح کے چند انچ سے نیچے کا پانی منجمد نہیں ہوتا چنانچہ اس کی وجہ سے آبی حیات بھی زندہ رہتی ہے اور انسان سمندر میں سارا سال سفر کر سکتا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۴۶﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنُطْعِمُ مَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ ۖ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۴۷﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا

الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا
يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ
يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜسكته هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ وقف لازم وقف غفران
كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ
اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِىْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِىْ ظِلٰلٍ
عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ ۟ قف قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾
وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ
عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِىْ ۗ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۗ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا وقف غفران
تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ اَلْيَوْمَ
نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾

اے نبیؐ، جب ان مشرکین سے کہا جاتا ہے کہ اُس چیز سے ڈرو جو تمھارے آگے (آ رہی) ہے اور تمھارے پیچھے (گزر چکی) ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے[14] (تو یہ اِس بات سے منہ موڑ لیتے ہیں)۔ ان کے رب کی نشانیوں میں سے جو نشانی بھی ان کے پاس آتی ہے تو یہ اس سے منہ موڑنے والے ہی بنے رہتے ہیں۔ جب اِن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو رزق تمھیں عطا کیا ہے اُس میں سے خرچ کرو، تو یہ انکارِ حق کرنے والے اہلِ ایمان کو جواب دیتے ہیں: ’’کیا ہم اُن لوگوں کو کھلائیں جنھیں اگر اللہ چاہتا تو خود ہی کھلا دیتا؟ یہ تو تم لوگ ایک صریح گمراہی میں پڑ گئے ہو۔[15]‘‘

یہ منکرینِ حق پوچھتے ہیں: ’’یہ دھمکی آخر کب پوری ہوگی، (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔‘‘ دراصل یہ لوگ بس ایک ڈانٹ ہی کے منتظر ہیں جو اِن کو آ پکڑے گی اور یہ لوگ جھگڑتے ہی رہ جائیں گے۔ (اُس وقت) یہ لوگ نہ تو کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھروں کو پلٹ

سکیں گے۔ 16

پھر جب صور پھونکا جائے گا تو دفعۃً لوگ قبروں سے نکل کر اپنے رب کے سامنے پیش ہونے کے لیے چل پڑیں گے۔ اُس وقت یہ 17
کہیں گے: ''ارے، یہ کس نے ہمیں ہماری خواب گاہ سے اٹھا کھڑا کیا؟ 18 — یہ تو وہی چیز ہے جس کا خدائے رحمان نے وعدہ کیا تھا
اور رسولوں کی بات سچی نکلی۔'' وہ تو بس ایک ڈانٹ ہوگی اور سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیے جائیں گے۔

آج (روزِ قیامت) کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا اور تم کو بدلے میں وہی کچھ ملے گا جو تم کرتے رہے ہو۔ (اُس دن) اہلِ جنت اپنی دل چسپیوں میں مشغول ہوں گے۔ وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ وہاں اُن کے لیے میوے ہوں گے اور اُن کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ طلب کریں گے۔ (اُن کو) رحیم پروردگار کی طرف سے سلام کہا جائے گا۔

اے مجرمو، آج (روزِ قیامت) الگ ہو جاؤ۔ اے آدمؑ کی اولاد، کیا میں نے تم کو یہ ہدایت نہیں کی تھی کہ شیطان کی بندگی مت کرو، وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ 19 اور یہ کہ میری ہی بندگی کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔ مگر اُس (شیطان) نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ کیا تم لوگ عقل نہیں رکھتے تھے؟ یہ ہے وہ جہنم جس سے تم کو ڈرایا جاتا تھا۔ اب اپنے انکارِ حق کی سزا میں اِس میں داخل ہو جاؤ۔

آج ہم ان کے منہ بند کیے دیتے ہیں۔ اِن کے ہاتھ ہم کو بتائیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ یہ (دنیا میں) کیا کمائی کرتے رہے تھے۔ ۴۵-۶۵

[۱۴] یعنی اگر تم اپنے رسول کے نافرمان بنے رہے تو تم پر اللہ کی طرف سے سزا نازل ہوگی۔ یہی سزا پچھلی اقوام پر گزر چکی ہے۔ اگر تم اس انجام سے بچنا چاہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لو۔ اس کے نتیجے میں تم اللہ کی رحمت کے مستحق ہو جاؤ گے۔

[۱۵] یہاں خرچ کرنے سے مراد غریبوں اور کمزوروں پر خرچ ہے۔ واضح رہے کہ یہ مکی دور کی آیات ہیں، گویا ان مفلوک الحال لوگوں میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تمیز نہیں ہے۔

[۱۶] یہاں دھمکی سے مراد وہ عذاب ہے جس کے اس دنیا میں آنے کے متعلق قرآن مجید ان دشمنانِ اسلام کو بار بار دھمکی دے رہا تھا۔ اس عذاب کی پہلی قسط غزوۂ بدر میں پوری ہوئی۔ اس وقت ان دشمنانِ اسلام کے پاس نہ تو وصیت کرنے کا وقت تھا اور نہ مکہ میں اپنے گھروں میں واپس جانے کا ان کو موقع ملا۔

[۱۷] اس دنیوی سزا کے بعد اب آگے کی آیات میں قیامت اور جنت و دوزخ کے حالات کی تصویر کھینچی جا رہی ہے۔

[۱۸] قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ برزخ کی زندگی عام لوگوں کے لیے نیند جیسی ہوگی۔ جن لوگوں پر اس دنیا میں اتمام حجت ہو چکا ہے اور وہ دین حق کے کٹر مخالفین ہیں، ان کو اس سارے وقت میں جہنم بار بار دکھائی جائے گی۔ اس کے برعکس اللہ کے نیک بندوں یعنی انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین کو جنت بار بار دکھائی جائے گی۔

[۱۹] جب انسان تکبر، تعصب اور نفسانی خواہشات کے راستے پر چل کر شیطان کی بات مان لیتا ہے تو دراصل یہی شیطان کی عبادت ہے۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى
مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾
وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَذَلَّلْنٰهَا
لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَا
يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ (وقف لازم)
خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۷﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ يُحْيِيْهَا
الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ
اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۬ بَلٰى ۤ (وقف غفران)
وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ
مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

ہم چاہیں تو ان منکرینِ حق کی آنکھیں مٹا دیں۔ پھر اگر یہ راستے کی طرف بڑھیں تو کہاں سے اِن کو راستہ سجھائی دے گا؟ اگر ہم چاہیں تو انھیں اِن کی جگہ ہی پر اس طرح مسخ کر کے رکھ دیں کہ یہ نہ آگے چل سکیں اور نہ پیچھے پلٹ سکیں۔[20] (اس کی مثال تم یوں دیکھ سکتے ہو کہ) جس شخص کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں ہم اُس کو اُس کی خلقت میں پیچھے لوٹا دیتے ہیں۔ کیا (اِس سے) لوگوں کو عقل نہیں آتی۔[21]

ہم نے اِس (نبیؐ) کو شعر کی تعلیم نہیں دی اور یہ اِس کے شایانِ شان بھی نہیں۔[22] یہ (قرآن) تو ایک نصیحت ہے اور نہایت واضح
کتاب ہے تاکہ یہ ہر اُس شخص کو خبردار کردے جس کے اندر زندگی ہے اور انکار کرنے والوں پر دلیل پوری ہو جائے۔

کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا کہ ہم نے اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے مویشی پیدا کیے اور اب یہ ان کے مالک ہیں۔ ہم نے اِن مویشیوں کو اِن لوگوں کا اس طرح تابعدار بنادیا ہے کہ اُن میں سے بعض پر وہ سوار ہوتے ہیں اور کسی کا یہ گوشت کھاتے ہیں۔ ان چوپایوں میں لوگوں کے لیے دوسرے فائدے اور پینے کی چیزیں (دودھ وغیرہ) بھی ہیں۔ تو کیا یہ لوگ شکرگزار نہیں ہوتے؟

اِن مشرکین نے اِس امید پر اللہ کے سوا دوسرے معبود بنائے ہیں کہ اُن کی مدد کی جائے گی۔ یہ معبود اِن مشرکین کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے، بلکہ وہ اِن کی حاضر کی ہوئی فوج بنیں گے۔[23] اے نبیؐ، اِن مشرکین کی باتیں تمھیں رنجیدہ نہ کریں، اِن کی چھپی اور کھلی، سب باتوں کو ہم جانتے ہیں۔

کیا انسان نے غور نہیں کیا کہ ہم نے اُس کو پانی کی ایک بوند سے پیدا کیا اور پھر وہ کھلا جھگڑالو بن کر کھڑا ہو گیا۔ اب وہ ہم پر باتیں بناتا ہے اور اپنی پیدایش کو بھول جاتا ہے۔ کہتا ہے: ''بھلا اِن ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے، جبکہ وہ بوسیدہ ہو جائیں گی؟'' اے نبیؐ، کہہ دو: ''اِن کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ وہ ہر مخلوق سے اچھی طرح باخبر ہے۔ وہی ذات ہے جس نے تمھارے لیے سرسبز درخت سے آگ پیدا کر دی پس تم اُس (لکڑی) سے آگ جلا لیتے ہو۔[24] کیا (وہ ہستی) جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا، اِس بات پر قادر نہیں ہے کہ اِن کے جیسی مخلوق کو پیدا کر سکے؟ ہاں، (وہ یقیناً اس بات پر قادر ہے)۔ وہی تو اصل تخلیق فرمانے والا اور جاننے والا ہے۔ اُس ہستی کا معاملہ تو بس یوں ہے کہ جب وہ کسی بات کا ارادہ فرماتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ بات ہو جاتی ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور اُسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔[25] ۶۶-۸۳

[۲۰] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کا جرم اتنا بڑا ہے کہ ان کی آنکھیں بھی مٹائی جاسکتی ہیں اور ان کو اسی طرح مسخ بھی کیا جاسکتا ہے جس طرح بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو کیا گیا تھا۔ یہ کام اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ لیکن فی الوقت ان کو مہلت دی جارہی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو حق کی طرف آنے کا موقع مل جائے۔

[۲۱] انسان کو یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ بھلا پروردگار یہ کام کیسے کر سکتا ہے۔ تم روز دیکھتے ہو کہ بڑھاپے میں آدمی کی حالت بچوں جیسی ہو جاتی ہے۔ وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو جاتا ہے، اپنے کپڑوں اور بستر کا خیال نہیں رکھ سکتا اور بعض اوقات اس کی عقل بھی بالکل جواب دے جاتی ہے۔

[۲۲] بعض مخالفین اسلام قرآن مجید کی تاثیر کو تو مانتے تھے، لیکن کہتے تھے کہ جس طرح اونچے درجے کے شاعروں کے کلام میں اثر ہوتا ہے، ایسا ہی اثر اس کلام میں ہے، چنانچہ اس کو ہم ایک شاعرانہ کلام کا درجہ تو دیتے ہیں، لیکن وحی والہام کا نہیں۔ قرآن مجید نے اس خیال کی تردید کئی جگہ کی ہے۔ شاعری کا

تعلق جذبات سے ہوتا ہے۔ کبھی اس میں اچھے جذبات کا اظہار ہوتا ہے اور کبھی برے جذبات کا۔ اس کے برعکس قرآن مجید ایک واضح کتاب ہے، جو زندہ عقل وفہم رکھنے والے لوگوں کو تعلیم دیتی ہے اور ان کی تربیت کرتی ہے۔

[۲۳] یعنی ان مشرکین کے ساتھ ان کے یہ معبود بھی ان کی فوج کی حیثیت سے اللہ کے حضور میں حاضر ہوں گے اور پھر اللہ فیصلہ فرمائے گا کہ ان میں سے کون قصوروار ہے اور کون بے قصور۔

[۲۴] بعض سرسبز درختوں کی دو شاخوں کو ایک دوسرے سے رگڑ کر بھی ان سے آگ جلائی جاسکتی ہے اور ان درختوں کو خشک کر کے بھی ان سے آگ جلائی جاسکتی ہے۔

[۲۵] 'مَلَکُوت' کے معنی اختیار و اقتدار کے ہیں۔ جب پورا اختیار و اقتدار اللہ ہی کا ہے تو اسی کی عبادت کرنی چاہیے اور اسی کی اطاعت کرنی چاہیے۔

اس آیت کے ساتھ اس مبارک سورہ کا اختتام ہوتا ہے۔

چھٹی منزل

سورۂ صافات

[۳۷]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے، جس کی وجہ سے اس کو یہ نام دیا گیا۔

زمانۂ نزول اور مضمون

سابقہ سورتوں کی طرح اس سورہ میں توحید، رسالت اور قیامت کے موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔ اس سورہ میں بعض پیغمبروں کی سرگزشت کے کچھ حصے، بیان ہوئے ہیں، حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

رکوعاتها ۵ | سُوْرَةُ الصّٰفّٰتِ مَكِّيَّةٌ | اٰیاتها ۱۸۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۳﴾ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴿۵﴾ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ ﴿۶﴾ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ﴿۷﴾ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ﴿۸﴾ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ﴿۹﴾ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾

گواہی دیتے ہیں صفیں باندھے اور حاضر رہنے والے (فرشتے)، جو (شیاطین کو) ڈانٹتے اور دھتکارتے ہیں اور جو (اپنے رب کا) ذکر کرتے ہیں کہ تمھارا معبود ایک ہی ہے[۱]۔ وہی آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ساری چیزوں کی پرورش کرنے والا ہے اور وہی سارے مشرق کے اطراف کا مالک ہے[۲]۔

بے شک، ہم ہی نے اِس دنیا کے آسمان کو ستاروں کی زینت سے سجایا ہے اور اِس کو ہر سرکش شیطان (کی دراندازی) سے اچھی طرح محفوظ کرلیا ہے[۳]۔ یہ شیاطین ملأ اعلیٰ کی باتیں نہیں سن سکتے، بلکہ ہر جانب سے مارے اور ہانکے جاتے ہیں۔ اِن کے لیے ایک دائمی عذاب ہے۔ تاہم اگر اِن میں سے کوئی شیطان کچھ بات لے اڑے تو ایک تیز شعلہ اُس کا پیچھا کرتا ہے[۴]۔ ۱-۱۰

[۱] اللہ نے اس عظیم کائنات کو چلانے کے لیے فرشتوں کی ایک عظیم فوج مقرر کر رکھی ہے۔ یہ فرشتے صفیں باندھے اللہ کے حضور اس کے احکام کی تعمیل کے لیے حاضر رہتے ہیں۔ یہی فرشتے ان تمام شیاطین کو مار بھگاتے ہیں جو کائنات کے انتظام میں خلل اندازی کی کوشش کرتے ہیں اور یہی ملائکہ اللہ کی تسبیح میں سرگرم رہتے ہیں۔ اس عظیم کائنات کی یہ ہم آہنگی اور کائناتی قوانین کی پوری پوری پابندی، اس بات کی دلیل ہے کہ عبادت کے لائق ہستی صرف وہی اللہ ہے۔

[۲] سمت مشرق اور اسی طرح ہر سمت اپنی جگہ پر بہت وسیع ہے۔ اللہ ان سب سمتوں کے ہر حصے کا رب ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں 'مشارق'، 'مغارب' اور 'مشرقین'، 'مغربین' کے الفاظ بھی آئے ہیں۔

[۳] ہمیں اپنی آنکھوں اور آلات سے کائنات کے جتنے حصے تک رسائی ہے، یہ سارے کا سارا ایک ہی آسمان ہے۔ گویا اس کے علاوہ مزید ایسے چھ

آسمان ہیں جن تک ہماری رسائی نہیں ہے۔ ہمارا یہ آسمان ہر سرکش شیطان جن وانس کی دراندازی سے محفوظ کیا گیا ہے تاکہ اس کی ہم آہنگی میں کوئی رخنہ نہ آنے پائے۔

[۴] اس دنیا میں انسان کی آزمایش اور اس تک دین کا پیغام بالکل صحیح طریقے سے پہنچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس پیغام میں کسی طرح کی کوئی آلایش نہ ہو اور شیاطین کو اس کے خلاف کسی سازش کا موقع نہ ملے۔ اس مقصد کے لیے اللہ کی طرف سے یہ انتظام کیا گیا ہے کہ شیاطین جنات کو مقرب فرشتوں کے قریب پھٹکنے نہیں دیا جاتا اور اگر ان میں سے کوئی شیطان جن اتفاقاً کچھ سن گن لے لے تو ایک کائناتی شعاع اس کو سنگ سار کر کے جل بھسم کر دیتی ہے۔

قرآن مجید نے یہ ساری تفصیل اس لیے بیان کی ہے کہ یہ دکھایا جائے کہ قرآن مجید کتنے محفوظ طریقے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے تک منتقل ہوا ہے۔ دوسرا یہ کہ جنات اور دوسری غیر مرئی مخلوقات کے ساتھ رابطے کی کوشش میں انسان کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور جو لوگ اس طرح کے دعوے کرتے ہیں، وہ ظن وگمان کے سوا اور کچھ نہیں جان سکتے اور تیسرا یہ کہ فرشتے اللہ کی فرماں بردار مخلوق ہیں اور عبادت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ۚ إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّنْ طِينٍ لَّازِبٍ ﴿١١﴾ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ﴿١٢﴾
وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ ﴿١٣﴾ وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ ﴿١٤﴾ وَقَالُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿١٥﴾ أَإِذَا مِتْنَا
وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿١٦﴾ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ﴿١٧﴾ قُلْ نَعَمْ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ ﴿١٨﴾ فَإِنَّمَا هِيَ
زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ﴿١٩﴾ وَقَالُوا يَا وَيْلَنَا هَٰذَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿٢٠﴾ هَٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي
كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿٢١﴾ احْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿٢٢﴾ مِنْ دُونِ اللَّهِ
فَاهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْجَحِيمِ ﴿٢٣﴾ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ ﴿٢٤﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ ﴿٢٥﴾ بَلْ هُمُ
الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ﴿٢٦﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٧﴾ قَالُوا إِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ
الْيَمِينِ ﴿٢٨﴾ قَالُوا بَلْ لَمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٢٩﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ ۖ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا
طَاغِينَ ﴿٣٠﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۖ إِنَّا لَذَائِقُونَ ﴿٣١﴾ فَأَغْوَيْنَاكُمْ إِنَّا كُنَّا غَاوِينَ ﴿٣٢﴾ فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ
فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿٣٣﴾

اے نبیؐ، اب اِن سے پوچھو کہ کیا اِن انسانوں کی (دوبارہ) پیدایش کا کام زیادہ مشکل ہے یا اُن چیزوں کی پیدایش جو ہم نے پہلے

ہی پیدا کر رکھی ہیں؟ ہم نے تو اِن انسانوں کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے[۵]۔ اے نبیؐ، تم تو (اِن مشرکین کے انکار پر) تعجب کر رہے ہو اور یہ لوگ (قیامت میں ان کی ازسرِ نو پیدائش کی تمھاری بات کا) مذاق اڑا رہے ہیں۔ جب اِن کو نصیحت کی جاتی ہے تو دھیان نہیں کرتے۔ جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو بس ایک کھلا ہوا جادو ہے، بھلا کہیں ایسا ہوسکتا ہے کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو اُس وقت ہم دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے اور ہمارے اگلے باپ دادا بھی (اٹھائے جائیں گے)۔

(اے نبیؐ، ان سے) کہو: ''ہاں، (تم اٹھائے بھی جاؤ گے) اور تم (خدا کے مقابلے میں) بے بس ہو۔'' وہ تو بس ایک ہی ڈانٹ ہوگی اور پھر یہ (سب کچھ اپنی آنکھوں سے) دیکھنے لگیں گے۔ (اُس وقت) یہ کہیں گے: ''ہائے ہماری کم بختی، یہ تو وہی جزا کا دن ہے۔'' — ہاں، یہ وہی فیصلے کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

(روزِ قیامت حکم ہوگا): ''جمع کرو سب ظالموں کو[۶]، ان کے ساتھیوں کو اور اُن معبودوں کو جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر بندگی کرتے تھے اور پھر ان سب کو جہنم کا راستہ دکھاؤ۔ ذرا ان کو روکو، ابھی ان سے کچھ پوچھنا بھی ہے! کیا بات ہے اِس وقت تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کر رہے ہو! ارے آج تو یہ بڑے ہی فرماں بردار بنے ہوئے ہیں۔''

یہ (دوزخ والے) ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے اور باہم سوال و جواب کریں گے۔ (عام لوگ اپنے رہنماؤں سے) کہیں گے: ''تم ہی تو ہمارے پاس سیدھے ہاتھ سے آتے تھے[۷]۔'' وہ جواب دیں گے: ''(نہیں)، بلکہ تم خود بھی ایمان لانے والے نہیں تھے۔ ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا، بلکہ تم خود ہی سرکش لوگ تھے۔ پس ہمارے اوپر ہمارے رب کی بات پوری ہو کر رہی۔ اب ہم کو یہ عذاب چکھنا ہی ہوگا۔ ہم نے تم کو گمراہ کیا اور ہم خود بھی گمراہ تھے۔'' اس طرح وہ سب اُس دن عذاب میں شریک ہوں گے۔ ۱۱-۳۳

[۵] یعنی جب اللہ انسان جیسی مخلوق کو عام مٹی سے پیدا کر سکتا ہے تو اس کے لیے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

[۶] قرآن مجید کے مطابق سب سے بڑا ظلم شرک ہے اور پھر اس کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے مظالم ہیں۔

[۷] یعنی تم لوگ ہمارے معاملات پر غالب تھے اور تم نے خیر خواہ بن کر ہمیں دھوکا دیا۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَيَقُوْلُوْنَ

اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ

الْاَلِیْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰہِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۴۰﴾ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ رِزْقٌ

مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاکِہُ ج وَھُمْ مُّکْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۴۴﴾ یُطَافُ عَلَیْھِمْ

بِکَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ﴿۴۵﴾ بَیْضَآءَ لَذَّۃٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِیْھَا غَوْلٌ وَّلَا ھُمْ عَنْھَا یُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَعِنْدَھُمْ

قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِیْنٌ ﴿۴۸﴾ کَاَنَّھُنَّ بَیْضٌ مَّکْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُھُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ

قَآئِلٌ مِّنْھُمْ اِنِّیْ کَانَ لِیْ قَرِیْنٌ ﴿۵۱﴾ یَّقُوْلُ اَئِنَّکَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِیْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا

ءَاِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ ھَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰہُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰہِ اِنْ

کِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا نِعْمَۃُ رَبِّیْ لَکُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا

الْاُوْلٰی وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ ھٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

(قیامت کے دن) ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کریں گے۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو یہ تکبر میں آجاتے تھے اور کہتے تھے: ''کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟'' حالانکہ یہ رسول تو حق لے کر آیا ہے اور یہ پہلے گزرے ہوئے رسولوں (کی پیشین گوئیوں) کے مطابق ہے۔[8]

(قیامت کے دن مجرموں سے کہا جائے گا): ''بے شک تم کو دردناک عذاب چکھنا پڑے گا۔ اِس وقت تمھیں پچھلے اعمال ہی کا بدلہ دیا جارہا ہے۔'' مگر اللہ کے مخلص بندے اِس خراب انجام سے محفوظ رہیں گے۔ ان کے لیے معلوم رزق ہوگا۔ ہر طرح کے میوے ہوں گے اور وہ نعمت کے باغوں میں بڑی عزت کے ساتھ رکھے جائیں گے۔ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے، ان کے لیے خالص شراب کے جام گردش میں ہوں گے، بالکل صاف شفاف اور پینے والوں کے لیے لذت ہی لذت۔ اِس شراب میں نہ کوئی ضرر ہوگا اور نہ اہلِ جنت اس سے نڈھال ہوں گے۔ اُن کے پاس باحیا، خوب صورت آنکھوں والی ہوں گی، ایسی نازک جیسے شتر مرغ کے محفوظ انڈے۔[9]

پھر یہ اہلِ جنت ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر حالات پوچھیں گے۔ اُن میں سے ایک کہے گا: ''میرا ایک ساتھی تھا جو مجھ سے کہا کرتا تھا کہ کیا تم بھی قیامت کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہو؟ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو پھر ہمیں

بدلہ دیا جائے گا؟" (پھر یہ جنت والا اپنے ساتھیوں سے) کہے گا: "کیا آپ لوگ اُس کے حال پر باخبر ہونا چاہتے ہیں۔" پھر جب وہ جھانکے گا تو اُس شخص کو جہنم کے بالکل بیچ میں دیکھ لے گا۔[10] (وہ اُسے) کہے گا: "اللہ کی قسم، تم تو مجھے تباہ کرنے ہی والے تھے۔ اگر میرے رب کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی آج پکڑا ہوا آتا۔ ہے نا یہ ایک حقیقت کہ اب ہم پہلی موت کے بعد دوبارہ کبھی مرنے والے نہیں اور اب ہم پر کوئی سزا نہیں ہوگی۔" بے شک، یہی عظیم الشان کامیابی ہے۔ ایسی ہی کامیابی کے لیے کوشش کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔ ۳۴-۶۱

[۸] یعنی حضرت ابراہیمؑ سے لے کر حضرت مسیحؑ تک سارے رسولوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی پیشین گوئی کی ہے۔

[۹] یعنی اہل جنت کی بیویوں کو ان کے لیے نہایت حسین وجمیل بنا دیا جائے گا۔ کلام عرب میں خواتین کی خوب صورتی کی تشبیہ شترمرغ کے سنہرے رنگ کے انڈوں سے دی جاتی ہے۔

[۱۰] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں انسان کی سماعت، بینائی اور گویائی کی قوتیں اس دنیا سے ہزار درجے زیادہ ہوں گی اور فاصلے کی دوری کچھ معنی نہ رکھے گی۔

أَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ﴿۶۲﴾ إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِّلظَّالِمِينَ ﴿۶۳﴾ إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ
الْجَحِيمِ ﴿۶۴﴾ طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ ﴿۶۵﴾ فَإِنَّهُمْ لَآكِلُونَ مِنْهَا فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ
إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ ﴿۶۸﴾ إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ
ضَالِّينَ ﴿۶۹﴾ فَهُمْ عَلَىٰ آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ ﴿۷۰﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِم
مُّنذِرِينَ ﴿۷۲﴾ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذَرِينَ ﴿۷۳﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۷۴﴾ وَلَقَدْ نَادَانَا نُوحٌ
فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ ﴿۷۵﴾ وَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿۷۶﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ﴿۷۷﴾
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿۷۸﴾ سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ﴿۷۹﴾ إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۸۰﴾
إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ﴿۸۲﴾

کیا یہ (اوپر ذکر کی ہوئی) چیزیں مہمان نوازی کے لیے بہتر ہیں یا زقوم کا درخت؟[11] ہم نے اُس درخت کو ظالموں کے لیے ایک فتنہ

بنادیا ہے۔[12] وہ ایک ایسا درخت ہے جو جہنم کی تہ میں پیدا ہوتا ہے اور اس کے پتے اور شگوفے گویا شیاطین کے سر۔[13] جہنم والے اسی کو کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے۔ پھر اُن کے لیے اس کے اوپر گرم پانی ملایا جائے گا۔ اس کے بعد ان کی واپسی پھر اُسی دوزخ کی جانب ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہی میں پایا اور پھر یہ بھی اُنھی کے نقشِ قدم پر دوڑ چلے۔ ان سے پہلے بھی بہت سے لوگ گمراہ ہو چکے تھے۔ ہم نے اُن لوگوں میں تنبیہ کرنے والے رسول بھیجے تھے۔ اب دیکھ لو کہ اُن لوگوں کا کیا انجام ہوا جن کو تنبیہ کی گئی تھی۔ اس خراب انجام سے اللہ کے خالص بندے ہی بچے رہے۔

نوحؑ نے ہم کو پکارا تھا، پس (دیکھ لو کہ) ہم کیسے اچھے جواب دینے والے تھے۔ ہم نے نوحؑ اور اس کے لوگوں کو بہت بڑی تکلیف سے نجات دی۔ ہم نے نوحؑ کی نسل کو باقی رکھا اور ہم نے نوحؑ (کے طریقہ) پر پچھلوں میں بھی (ایک گروہ کو) چھوڑا۔[14] سلامتی ہے نوحؑ پر دنیا والوں میں۔[15] ہم بہترین طریقے سے نیک کام کرنے والوں کو ایسا ہی اجر دیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ پھر ہم نے اوروں کو غرق کر دیا۔[16] ۶۲-۸۲

[۱۱] زقوم تھوہر کے درخت کو کہتے ہیں جس کا ذائقہ تلخ اور بونا گوار ہوتی ہے۔ اگر اس کا رس جسم کو لگ جائے تو ورم ہو جاتا ہے۔

[۱۲] یعنی دشمنانِ اسلام مذاق اڑاتے ہیں کہ جہنم میں تو آگ ہوگی، وہاں بھلا کوئی درخت کیسے موجود ہوگا؟

[۱۳] یعنی اس درخت کے پتے اور کانٹے ایسی ہیبت ناک شکل کے ہوں گے جیسے بھوت پریت کے سر۔ اگرچہ بھوت پریت ایک خیالی چیز ہے، لیکن اس کا تصور ہر شخص کے ذہن میں موجود ہے۔

[۱۴] یعنی حضرت نوحؑ کے بعد بھی دنیا میں ایک لمبے عرصے تک توحید کا بول بالا رہا۔

[۱۵] یعنی دنیا میں اللہ کی طرف سے برکت و سلامتی کا جو مقام حضرت نوحؑ کو حاصل ہوا، وہ اس سے پہلے کسی کو حاصل نہیں ہوا۔

[۱۶] ان آیات کے ذریعے سے قرآن مجید نے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کی پیشین گوئی کر دی، جب دور دور تک اس کا کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ پیشین گوئی اور اس کی سو فی صد تکمیل رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا ثبوت ہے اور یہ بات ہمارے ایمان کی مضبوطی کا باعث بنتی ہے۔

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ وقف لازم

اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِی النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ

اِنِّیْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾ فَرَاغَ اِلٰۤى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا

تَنْطِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿٩٣﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿٩٤﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿٩٥﴾
وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿٩٧﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ
الْاَسْفَلِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿٩٩﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٠٠﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ
حَلِيْمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ
يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿١٠٣﴾ وَنَادَيْنٰهُ
اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿١٠٤﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٠٥﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا
الْمُبِيْنُ ﴿١٠٦﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿١٠٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿١٠٩﴾
كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١١٠﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١١﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١١٢﴾
وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿١١٣﴾ ع

نوحؑ ہی کے طریقے پر چلنے والا ابراہیمؑ تھا، جب وہ اپنے رب کے سامنے سلامتی والا دل لیے ہوئے حاضر ہوا[17]۔ وہ وقت یاد کرنے کا ہے جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا:[18] ''بھلا یہ کیا چیزیں ہیں جن کی تم عبادت کرتے ہو؟ کیا تم اللہ کے سوا دوسرے من گھڑت معبودوں کو چاہتے ہو؟ آخر خداوندِ عالم کے بارے میں تمھارا کیا گمان ہے؟'' پھر اس نے ایک نظر ستاروں پر ڈالی اور کہا: ''میں نڈھال ہو گیا ہوں۔''[19] چنانچہ وہ لوگ ابراہیمؑ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر وہ (پہرہ داروں سے) نظر بچا کر ان کے دیوتاؤں کی طرف گیا اور بولا: ''آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں؟ کیا بات ہے، آپ لوگ کچھ بولتے بھی نہیں؟'' پھر اُس نے ان بتوں کو خوب ضربیں لگائیں[20]۔ (صبح جب لوگوں نے اپنے معبودوں کو اس حالت میں دیکھا تو) وہ لوگ بھاگے بھاگے ابراہیمؑ کے پاس آئے۔ ابراہیمؑ نے کہا: ''کیا تم لوگ اپنی ہی تراشی ہوئی چیزوں کو پوجتے ہو، حالانکہ اللہ ہی نے تم کو بھی پیدا کیا ہے اور ان چیزوں کو بھی جن کو تم بناتے ہو۔'' اُن لوگوں نے کہا: ''اس کے لیے ایک الاؤ تیار کرو اور اسے دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دو۔'' اُن لوگوں نے ابراہیمؑ کے خلاف کارروائی کرنی چاہی، لیکن ہم نے انھی کو نیچا دکھا دیا[21]۔ ابراہیمؑ نے کہا: ''میں (ہجرت کر کے) اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں، وہی میری رہنمائی

فرمائے گا۔اے میرے رب، مجھے صالح اولاد عطا فرما۔[۲۲]" پس ہم نے اسے ایک متحمل مزاج فرزند کی بشارت دی۔
پس جب وہ لڑکا ابراہیمؑ کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا تو (ایک روز) ابراہیمؑ نے (اس سے) کہا: "اے میرے بیٹے، میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ تم غور کرلو، تمھاری کیا رائے ہے؟[۲۳]" بیٹے نے جواب دیا: "ابا جان، جو حکم آپ کو دیا جارہا ہے اس کی تعمیل کیجیے۔ آپ ان شاء اللہ مجھے ثابت قدم لوگوں میں پائیں گے۔" پھر جب دونوں نے اپنے آپ کو اپنے رب کے حوالے کر دیا اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا[۲۴] تو ہم نے اسے آواز دی: "اے ابراہیمؑ، تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ بے شک، ہم بہترین طریقے سے نیک عمل کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔[۲۵]" بے شک، یہ ایک کھلی آزمائش تھی۔ ہم نے اُس لڑکے کو ایک عظیم قربانی کے عوض چھڑا لیا۔[۲۶] ہم نے ابراہیمؑ (کی ملت) پر بعد کی نسلوں میں (ایک گروہ کو) چھوڑا۔ سلامتی ہو ابراہیمؑ پر۔ ہم اچھے کام کرنے والوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔ بے شک، وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ ہم نے اُس کو اسحاقؑ کی خوش خبری دی، صالحین کے گروہ میں سے ایک نبی کی۔[۲۷] ہم نے ابراہیمؑ اور اسحاقؑ پر برکتیں نازل کیں اور اب اُن دونوں کی نسل میں سے کچھ تو بہترین طریقے سے نیک عمل کرنے والے ہیں اور کچھ لوگ اپنی جان پر صریح ظلم کرنے والے ہیں۔۸۳-۱۱۳

[۱۷] 'قلبِ سلیم' کے معنی ہیں، صحیح سلامت دل یعنی ایک ایسا دل جو شرک و نفاق کے مرض سے بالکل محفوظ اور پاک ہو۔

[۱۸] کسی خاص تہوار کے موقع پر جب سب لوگ جمع ہو کر اپنے بتوں کی عبادت کر رہے تھے تو حضرت ابراہیمؑ نے درج ذیل تقریر کی۔

[۱۹] جب تقریب ختم ہوگئی اور لوگ وہاں سے رخصت ہونے لگے تو حضرت ابراہیمؑ نے ایک نظر اس طرح ستاروں پر ڈالی گویا وقت کا اندازہ کرنا چاہتے ہوں۔ پھر انھوں نے لوگوں سے کہا کہ میں اس وقت تھکا ہوا ہوں اور یہیں معبد میں رات گزارنا چاہتا ہوں۔ یقیناً وہ اس وقت تھکے ہوئے ہوں گے اور اس سے ان کو اپنی تدبیر بروئے کار لانے کا موقع مل گیا۔

[۲۰] حضرت ابراہیمؑ نے سب چھوٹے بتوں کو توڑ دیا اور بڑے بت کو ایک خاص مصلحت کے تحت چھوڑ دیا تاکہ اس مشرک قوم کے سامنے ان کے شرک کی بے حقیقتی اچھی طرح واضح ہو جائے۔ اس کی مزید تفصیل سورۂ انبیاء میں آئی ہے۔

[۲۱] اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کے لیے اس آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔

[۲۲] یعنی میں نے تیرے لیے اپنی قوم اور خاندان کو چھوڑ دیا ہے۔ اب تو اپنی طرف سے مجھے صالح اولاد دے جو دین کے کام میں میرا ہاتھ بٹائے۔

[۲۳] حضرت ابراہیمؑ کو اپنے بیٹے کی عقل و فہم پر پورا بھروسا تھا اور ان کو توقع تھی کہ خواب کے اس معاملے میں اس کی رائے ان کے لیے صحیح فیصلہ کرنے میں مددگار ہوگی۔

[۲۴] ماتھے کے بل اس لیے کہ اس قربانی کے وقت بیٹا سجدے کی ہیئت میں ہو۔

[۲۵] یعنی خواب کا جو مقصد تھا، وہ پورا ہو گیا۔

[۲۶] اللہ کی طرف سے ابراہیمؑ کو یہ ہدایت فرمائی گئی کہ وہ اس بیٹے کی جگہ ایک مینڈھے کی قربانی کر دیں۔ یہی قربانی ہے جو مناسک حج میں شامل ہو کر حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے لے کر آج تک برابر چلی آ رہی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی۔ یقیناً یہ ایک عظیم قربانی ہے۔

[۲۷] جس بیٹے کو قربانی کے لیے لایا گیا، وہ حضرت اسماعیلؑ تھے۔ حضرت اسحاقؑ قربانی کے واقعہ کے بعد پیدا ہوئے اور وہ اس قربانی کا انعام ہیں۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّیْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْکَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ
فَکَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَیْنٰهُمَا الْکِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَیْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿۱۱۸﴾
وَتَرَکْنَا عَلَیْهِمَا فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾
اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ
بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخٰلِقِیْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّکُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَکَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ
لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَکْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِلْ
یَاسِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ
الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذْ نَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۱۳۶﴾
وَاِنَّکُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْهِمْ مُّصْبِحِیْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَبِالَّیْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ ع وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ
اَبَقَ اِلَی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَکَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِیْمٌ ﴿۱۴۲﴾
النصف فَلَوْلَاۤ اَنَّهٗ کَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ
سَقِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا

فَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴿١٤٨﴾

ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ پر اپنا فضل کیا، ان کو اور ان کی قوم کو ایک عظیم مصیبت سے نجات دی اور ہم نے ان کی مدد کی جس کی وجہ سے وہی غالب رہے۔ ہم نے ان کو نہایت روشن کتاب عطا فرمائی، ان کو سیدھے راستے کی ہدایت بخشی اور ہم نے اُن (کے طریقہ) پر پیچھے آنے والوں میں بھی (ایک گروہ) چھوڑا۔ سلامتی ہو موسیٰؑ و ہارونؑ پر۔ ہم بہترین طریقے سے نیک عمل کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک، وہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

الیاسؑ بھی پیغمبروں میں سے تھا۔[28] وہ وقت یاد کرنے کا ہے جب اس نے اپنی قوم سے کہا: ''کیا تم لوگ ڈرتے نہیں ہو۔ کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور اُس بہترین خالق کو چھوڑ دیتے ہو، اللہ کو جو تمھارا اور تمھارے اگلے باپ دادا کا پروردگار بھی ہے؟''[29] مگر اس کی قوم نے اسے جھٹلا دیا۔ سو اب یقیناً وہ گرفتار ہونے والوں میں سے ہوں گے سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے۔ الیاسؑ (کے طریقے) پر بھی ہم نے پچھلوں میں سے (ایک گروہ کو) چھوڑا۔ اِلیاسیوں پر سلامتی ہو۔[30] نیک کام کرنے والوں کو ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔ بے شک، وہ ہمارے باایمان بندوں میں سے تھا۔

بے شک، لوطؑ بھی پیغمبروں میں سے تھا۔ وہ وقت یاد کرنے کا ہے جب ہم نے اُس کو اور اُس کے سب لوگوں کو نجات دی سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے بنی۔ پھر ہم نے باقیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ تم ان (کی بستیوں) پر صبح و شام گزرتے ہو۔ تو کیا تم سمجھتے نہیں؟

یقیناً یونسؑ بھی پیغمبروں میں سے تھا۔ وہ وقت یاد کرنے کا ہے جب وہ ایک بھری کشتی کی طرف بھاگ نکلا،[31] پھر قُرعہ ڈالا گیا، پھر وہ دھکیلا گیا اور پھر اسے مچھلی نے نگل لیا، کیونکہ وہ ملامت زدہ تھا۔ اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا تو روزِ قیامت تک اسی مچھلی کے پیٹ ہی میں پڑا رہ جاتا۔[32] آخر کار ہم نے اس کو ایک خشک زمین پر ڈال دیا، جبکہ وہ بہت نڈھال تھا اور اس پر ایک بیل والا درخت اگا دیا۔[33] ہم نے اسے رسول بنا کر بھیجا۔ ایک لاکھ، بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگوں کی طرف۔ وہ لوگ ایمان لے آئے، اس لیے ہم نے انھیں ایک مدت تک زندگی سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔[34] ۱۱۴-۱۴۸

[۲۸] حضرت الیاسؑ کا ذکر تورات میں 'ایلیا' کے نام سے ہوا ہے۔ ان کا زمانہ ۸۹۷ قبل مسیح بتایا جاتا ہے۔ ان کے زمانے میں بنی اسرائیل میں بہت سی اعتقادی اور اخلاقی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔

[۲۹] دوسری خرابیوں کے ساتھ ساتھ بنی اسرائیل کا ایک گروہ بعل نامی دیوتا کو پوجنے لگا تھا۔ حضرت الیاس نے اس اعتقادی خرابی کے خلاف فریضۂ نبوت ادا کیا۔ بالآخر اس وقت جتنے بھی مشرکین تھے، ان کو اللہ نے ختم کر دیا اور توحید پرستوں کا بول بالا ہوا۔

[۳۰] یعنی حضرت الیاس، ان کے جاں نثار ساتھی اور ان کے تمام پیروکاروں پر اللہ کی طرف سے برکت و سلامتی نازل ہوئی۔

[۳۱] حضرت یونسؑ اہل نینوا کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ جب ان کی قوم نے ان کی دعوت کی ناقدری کی تو وہ غیرت حق کے جوش میں، اللہ کے حکم کے بغیر، قوم کو چھوڑ کر ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔

[۳۲] راستے میں کشتی طوفان میں گھر گئی۔ جہاز والوں نے اپنی روایت کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ جہاز میں کوئی مجرم سوار ہو گیا ہے اور جب تک اسے دریا میں نہیں پھینکا جائے گا تب تک جہاز خطرے سے باہر نہیں نکل سکتا۔ مجرم کے تعین کے لیے قرعہ اندازی میں حضرت یونسؑ کا نام نکلا، چنانچہ ان کو دریا میں پھینک دیا گیا۔ دریا میں ان کو کسی بڑی مچھلی نے نگل لیا، لیکن ان کی تسبیح کی بدولت مچھلی نے ان کو ساحل کی ریت پر اگل دیا۔

[۳۳] ساحل کی گرمی سے حضرت یونسؑ کو کدو کی ایک بیل نے بچایا، جس نے ان کے لیے غذا اور پانی کا کام بھی کیا۔

[۳۴] چونکہ حضرت یونسؑ نے مچھلی کے پیٹ میں اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا تھا اور اللہ سے بخشش طلب کی تھی، اس لیے پروردگار نے ان کو دوبارہ اہل نینوا کی جانب بھیجا۔ اس اثنا میں اہل نینوا بہت پچھتائے اور ان سب نے ایمان و توبہ کا اظہار کیا، چنانچہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور یوں اس پوری قوم نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد اللہ نے انھیں اسی طرح عزت و سرفرازی عطا فرمائی جس طرح اللہ رسولوں کی فرماں بردار اقوام کو عطا کرتا ہے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلَآئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شَاهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ
مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ قف
كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتَابِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
صَادِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ط وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ سُبْحَانَ اللّٰهِ
عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفَاتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾
اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ
الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ

الْمُخْلَصِينَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوا بِهِ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۱۷۰﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۷۱﴾ إِنَّهُمْ لَهُمُ
الْمَنْصُورُونَ ﴿۱۷۲﴾ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۱۷۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّى حِينٍ ﴿۱۷۴﴾ وَأَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ
يُبْصِرُونَ ﴿۱۷۵﴾ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿۱۷۶﴾ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ
حَتَّى حِينٍ ﴿۱۷۸﴾ وَأَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿۱۷۹﴾ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلَامٌ
عَلَى الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۸۲﴾ ع

اے نبیؐ، ان مشرکین سے پوچھو کہ کیا (اِن کے دل کو یہ بات لگتی ہے کہ) تمھارے رب کے لیے تو بیٹیاں ہوں اور اِن کے لیے بیٹے ہوں؟ کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا ہے اور یہ لوگ ان کو دیکھ رہے تھے؟ آگاہ رہو، یہ لوگ محض من گھڑت بات کر رہے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔ کیا اللہ نے بیٹوں پر بیٹیوں کو ترجیح دی؟ تمھیں کیا ہوگیا ہے، تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو، کیا تم ہوش سے کام نہیں لیتے؟[۳۵] کیا تمھارے پاس کوئی واضح دلیل ہے، تو لاؤ اپنی وہ کتاب اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔

ان مشرکین نے اللہ اور جنات کے درمیان بھی رشتہ بنا رکھا ہے، حالانکہ جنات کو خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ مجرموں کی حیثیت سے پیش ہوں گے۔[۳۶] اللہ پاک ہے اُن باتوں سے جو یہ مشرکین بیان کرتے ہیں۔ سوائے اللہ کے خالص بندوں کے (کہ وہ اللہ کی صفات کو بالکل صحیح طریقے سے بیان کرتے ہیں)۔ پس اے مشرکو، تم اور تمھارے یہ معبود صرف انھی کو اللہ سے ہٹا سکتے ہیں جو جہنم میں پڑنے والے ہوں۔

(فرشتے بزبانِ حال یہ کہتے ہیں کہ) ہم میں سے ہر ایک کا ایک مقام مقرر ہے۔ ہم تو اللہ کے حضور صف بستہ رہنے والے اور تسبیح کرنے والے ہیں۔[۳۷]

اے نبیؐ، یہ لوگ کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس اگلے لوگوں کی کوئی تعلیم ہوتی تو ہم اللہ کے خاص بندوں میں سے ہوتے۔ (مگر جب وہ تعلیم ان کے پاس آگئی) تو انھوں نے اُس تعلیم کا انکار کر دیا۔ اب عنقریب انھیں (نتیجہ) معلوم ہو جائے گا۔

اپنے رسول بندوں کے لیے ہمارا یہ فیصلہ پہلے سے صادر ہو چکا ہے کہ مدد کے حق دار وہی ہوں گے اور ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر رہے گا۔ اس لیے اے نبیؐ، ذرا کچھ مدت تک ان سے چشم پوشی کرو اور ان کو دیکھتے رہو۔ عنقریب یہ خود بھی سب کچھ دیکھ لیں گے۔[۳۸]

اے نبیؐ، کیا یہ مشرکین ہماری سزا کے لیے جلدی مچائے ہوئے ہیں؟ جب وہ عذاب ان کے صحنوں میں اتر آئے گا تو وہ صبح ان لوگوں کے لیے بہت ہی بُری ہوگی جن کو اس عذاب کے بارے میں متنبہ کیا جاچکا ہے۔ پس اے نبیؐ، کچھ مدت کے لیے ان سے چشم پوشی کرو اور دیکھو، عنقریب یہ خود بھی دیکھ لیں گے۔[۳۹]

اے نبیؐ، تیرا رب، عزت کا مالک پاک ہے اُن باتوں سے جو یہ مشرکین بیان کرتے ہیں۔ سلامتی ہے رسولوں کے لیے اور ساری حمد و شکر اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔[۴۰] ۱۴۹-۱۸۲

[۳۵] مشرکانہ مذاہب میں یوں تو خدا کا تصور پایا جاتا ہے، لیکن عموماً اپنے دیوی دیوتاؤں کو اس پر فوقیت دی جاتی ہے اور خدا کو کوئی بڑی وقعت نہیں دی جاتی۔ یہی حال مشرکین قریش کا تھا۔ ایک طرف تو جہالت کے مارے وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، لیکن یہ کہتے وقت ان کو یہ یاد نہیں رہتا تھا کہ بیٹیوں کو تو وہ خود اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔ یہاں قرآن مجید نے ان کی اس دہری جہالت پر تبصرہ کیا ہے۔

[۳۶] مشرکین کے ہاں بالعموم یہ رجحان بھی پایا جاتا ہے کہ وہ جنات اور اس جیسی دوسری غیر مرئی مخلوقات کا رشتہ بھی پروردگار سے بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن مجید کے مطابق چونکہ جنات بھی ارادہ و اختیار کے مالک ہیں اور ان کے ہاں بھی پیغمبروں کا سلسلہ قائم ہے، اس لیے جنات بھی جانتے ہیں کہ شرک کا انجام برا ہوگا۔

[۳۷] اوپر کی تین آیات میں فرشتوں نے خود اپنی زبانی مشرکین کے دعوے کی تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ وہ اللہ کے اختیارات میں شریک نہیں ہیں، بلکہ اللہ کے بندے ہیں۔

[۳۸] ان آیات میں قرآن مجید نے اپنے اس قانون کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کردیا ہے کہ رسولوں کی مدد لازماً کی جاتی ہے اور ان کے ساتھیوں کو دنیا میں رسول کے دشمنوں پر غلبہ عطا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس مکی سورہ میں بھی قرآن مجید نے پورے زور اور دعوے کے ساتھ یہ کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ساتھیوں کو لازماً کامیابی ملے گی۔ یہ وہ وقت تھا جب کسی دنیوی کامیابی کا دور دور تک کوئی تصور بھی نہ کیا جاسکتا تھا۔ یہ سارا معاملہ جس طریقے سے پایۂ تکمیل کو پہنچا، وہ قیامت تک کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی دلیل ہے۔

[۳۹] ان آیات میں مزید وضاحت کے ساتھ یہ بات کہی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو خود ان کے اپنے گھر اور اپنے صحن میں شکست وسزا سے دوچار ہونا پڑے گا۔

[۴۰] یعنی اللہ کے رسولوں کے لیے سلامتی ہے اور ان کے دشمنوں کے لیے تباہی ہے۔ سارا شکر، تعریف اور طاقت واختیار اللہ ہی کے لیے ہے۔ ان آیات پر اس سورہ کا اختتام ہوتا ہے۔

سورۂ صٓ

[۳۸]

نام

اس سورہ کے آغاز کا پہلا حرف 'صٓ' ہے جس کی وجہ سے اس سورہ کو یہ نام دیا گیا۔

زمانۂ نزول اور مضمون

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورہ میں بھی توحید، رسالت اور آخرت کے موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔ اس سورہ میں خصوصی طور پر یہ مضمون بھی زیر بحث آیا ہے کہ اللہ کس طرح اپنے پیغمبروں کی عصمت کی حفاظت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس سورہ میں غرور وتکبر کی برائی اور انسان کی شخصیت پر تکبر کے برے اثرات اور اس کے مقابلے میں توبہ واستغفار اور صبر کی صفت کی برکات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

آیاتہا ۸۸ | # سُوْرَةُ صٓ مَکِّیَّةٌ | رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ﴿۱﴾ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ﴿۲﴾ کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ
فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ﴿۳﴾ وَعَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْکٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ
کَذَّابٌ ﴿۴﴾ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ﴿۵﴾ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا
عَلٰۤی اٰلِهَتِکُمْ ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ﴿۶﴾ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۖ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ﴿۷﴾ ءَاُنْزِلَ
عَلَیْهِ الذِّکْرُ مِنْ بَیْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْ ذِکْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ﴿۸﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ
رَحْمَةِ رَبِّکَ الْعَزِیْزِ الْوَهَّابِ ﴿۹﴾ اَمْ لَهُمْ مُّلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۟ فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ﴿۱۰﴾
جُنْدٌ مَّا هُنَالِکَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ﴿۱۱﴾ کَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ﴿۱۲﴾ وَثَمُوْدُ
وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔیْکَةِ ؕ اُولٰٓئِکَ الْاَحْزَابُ ﴿۱۳﴾ اِنْ کُلٌّ اِلَّا کَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾ ع وَمَا
یَنْظُرُ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

صٓ، یہ نصیحت بھرا قرآن گواہی دیتا ہے کہ جن لوگوں نے اس کا انکار کیا وہ سخت تکبر اور ضد میں مبتلا ہیں[1]۔ اِن مشرکین سے پہلے ہم نے ایسی کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا۔ اُس وقت انھوں نے آہ وپکار کی جب بچنے کا کوئی وقت باقی نہ رہا۔

ان مشرکین نے تعجب کیا کہ ان کے پاس خود انھی میں سے ایک آگاہ کرنے والا پیغمبر آ گیا۔ منکرینِ حق نے کہا: ”یہ تو جادوگر اور سخت جھوٹا ہے۔ کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک کر دیا؟ یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہوئی[2]۔“ اُن کے سردار اٹھے کہ ”چلو، اور اپنے معبودوں پر جمے

راو۔ بے شک، یہی کام کرنے کا ہے۔ ہم نے یہ بات اِس آخری زمانے میں تو (کسی سے) سنی نہیں۔ یہ تو محض ایک من گھڑت بات ہے۔ کیا ہمارے درمیان بس یہی ایک شخص رہ گیا تھا جس پر اللہ کی نصیحت نازل کی گئی[3]؟''

اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ میری نصیحت کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں (اور یہ ساری باتیں اس لیے کر رہے ہیں) کہ انھوں نے اب تک میری سزا کا مزہ نہیں چکھا۔ اے نبی، کیا تیرے اُس زبردست اور غالب پروردگار کی رحمت کے خزانے اِن کے اختیار میں ہیں؟ کیا آسمان وزمین اوران کے درمیان کی تمام چیزوں کی بادشاہی انھی کے اختیار میں ہے؟ (اگر ایسا ہے) تو بے شک، یہ آسمانوں کے اندر چڑھ جائیں (اور اُس رحمت کو روک دیں جو اللہ اپنے پیغمبر پر نازل فرما رہا ہے)۔

اے نبیؐ، یہ تو جتھوں میں سے ایک چھوٹا سا جتھا ہے جو اسی جگہ شکست کھانے والا ہے۔ ان سے پہلے قومِ نوحؑ، عاد، کثیر لشکروں والے فرعون[4]، ثمود، قومِ لوط اور وہ جنگل والے[5] بھی جھٹلا چکے تھے۔ جتھے تو وہ تھے۔ اُن سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو میری سزا ان پر نازل ہو کر رہی۔ اب یہ لوگ بھی صرف ایک ڈانٹ کے منتظر ہیں جس کے بعد کوئی ڈھیل نہیں[6]۔ (ایسا اس وجہ سے ہوگا کہ) انھوں نے کہا: ''اے ہمارے رب، روزِ حساب سے پہلے ہی ہمارا حساب چکا دے[7]۔'' ۱-۱۶

[۱] یعنی یہ قرآن تو سراسر نصیحت اور یاددہانی ہے۔ بجائے اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین اس پر سنجیدگی سے غور وفکر کرتے، الٹا وہ تکبر اور ضد میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

[۲] سرزمین عرب میں ہر قبیلے کے اپنے اپنے دیوتا تھے۔ سارے مشرکانہ مذاہب کا ایسا ہی حال ہوتا ہے۔ یہ دیوتا ان مشرکین کے لیے قومی تفاخر کا سبب بھی بنتے ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کا ایک الزام یہ بھی تھا کہ یہ شخص ہمارے قومی فخر کو ہم سے چھین رہا ہے اور توحید کا علم بردار بن کر مساوات انسانی کے ذریعے سے ہماری بڑائی ختم کر رہا ہے۔

[۳] مشرکین کا ایک الزام یہ بھی تھا کہ اس شخص کے بجائے اللہ نے کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا یا سب سے بڑے سرداروں مثلاً ابوجہل یا ابولہب کو یہ مرتبہ کیوں نہیں دیا گیا۔

[۴] 'ذُو الاوتَادِ' کا لفظی ترجمہ ہوگا میخوں والا۔ اس سے فرعون کی کثیر فوجوں کی طرف اشارہ ہے جو خیموں میں رہتی تھی، کیونکہ خیموں کو ہمیشہ میخوں کے ذریعے سے مضبوط بناتے ہیں۔

[۵] 'ایکه' کے معنی جنگل کے ہیں۔ مدین نامی شہر کے پاس ایک بڑا جنگل بھی تھا جس کی وجہ سے اس کو 'ایکه' بھی کہا جاتا تھا۔

[۶] یعنی جس طرح سابقہ سارے رسولوں کے لیے اللہ کی یہ بات پوری ہوئی کہ ان کے مخالفین کو نیست ونابود کر دیا جائے گا، اسی طرح یہ دشمنانِ اسلام بھی ملیامیٹ کر دیے جائیں گے۔

[۷] مشرکین قریش کے تکبر کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے بارہا یہ کہا کہ اگر یہ شخص سچا ہے تو بے شک، ہم پر عذاب نازل ہو جائے۔

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿١٧﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ
بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿١٨﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿١٩﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ
الْخِطَابِ ﴿٢٠﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿٢١﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا (وقف لازم)
تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿٢٢﴾
اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ ۣ وقف لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۣ وقف فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴿٢٣﴾
قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا
(السجدة) الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ۭ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ السجدة ﴿٢٤﴾
فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٢٥﴾ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ
بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ
عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿٢٦﴾ ع

اے نبیؐ، یہ مخالفین جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور ہمارے بندے داوٗدؑ کا حال سناؤ جو بہت زور وقوت والا تھا۔ بے شک، وہ اللہ کی طرف بڑا ہی رجوع کرنے والا تھا۔ ہم نے اس کے ساتھ پہاڑوں کو لگا دیا تھا جو شام وصبح اس کے ساتھ تسبیح کرتے۔ پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ، سب کے سب بھی اس کے ساتھ تسبیح کرتے۔ ہم نے اس کی سلطنت مستحکم کر دی تھی اور اس کو دانائی اور معاملات کے فیصلے کی صلاحیت عطا فرمائی تھی[8]۔

کیا[9] تمھیں (اُن دو) فریقوں کے معاملے کی خبر پہنچی ہے جو دیوار پھاند کر اُس کے کمرے میں گھس آئے تھے[10] جب وہ داوٗدؑ کے پاس جا پہنچے تو وہ انھیں دیکھ کر گھبرا گیا۔ انھوں نے کہا: ''آپ ڈریں نہیں، ہم مقدمہ کے دو فریق ہیں جن میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی

کی ہے۔ آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائیے، کوئی بے انصافی نہ کیجیے اور صحیح راستے کی طرف ہماری رہنمائی کیجیے۔ یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک ہی دُنبی ہے۔ اِس نے مجھ سے کہا کہ یہ ایک دُنبی بھی میرے حوالے کردے اور بحث میں اِس نے مجھے دبالیا۔'' داؤدؑ نے کہا: ''اِس شخص نے اپنی دُنبیوں کے ساتھ تمھاری دُنبی کو ملا لینے کا مطالبہ کرکے یقیناً تجھ پر ظلم کیا ہے۔ (واقعہ یہ ہے کہ) مل جل کر ساتھ رہنے والے بہت سے لوگ ایک دوسرے پر اسی طرح زیادتی کرتے ہیں۔ بس وہی لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں، لیکن ایسے لوگ کم ہی ہیں۔'' (یہ بات کہتے کہتے) داؤدؑ سمجھ گیا کہ یہ تو دراصل ہم نے اُس کی آزمایش کی ہے[11] چنانچہ اس نے اپنے رب سے معافی مانگی، اس کے حضور جھک پڑا اور توبہ کی۔ تب ہم نے اُس کو معاف کیا۔ بے شک، اس کے لیے ہمارے پاس خاص مقامِ قُرب اور اچھا انجام ہے۔

(ہم نے ہدایت کی): ''اے داؤدؑ، ہم نے تم کو زمین میں حکمران بنایا ہے، اس لیے تم لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہشِ نفس کی پیروی مت کرو، کیونکہ وہ تمھیں اللہ کی راہ سے ہٹا دے گی[12]۔ جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں، ان کے لیے سخت سزا ہے، کیونکہ انھوں نے حساب کے دن کو بھلائے رکھا۔'' ۱۷-۲۶

[۸] گویا حکمرانی کے لیے دو اہم ترین صفات ہیں: دانائی اور معاملات کے صحیح فیصلے کی صلاحیت۔

[۹] یہاں سے آگے ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس واقعے کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ یہ بتایا جائے کہ اللہ پیغمبروں کے دلوں میں گزرنے والے خیالات تک کی رہنمائی کرتا ہے۔ حضرت داؤدؑ کے ذہن میں کوئی ایسا خیال گزرا تھا جو پیغمبری کی شان اور عدل و انصاف سے پوری طرح مطابقت نہیں رکھتا تھا، چنانچہ اللہ نے ایک مقدمے میں ان کے اپنے ایک فیصلے کے ذریعے سے انھیں متنبہ کیا جس کے بعد حضرت داؤدؑ نے توبہ و استغفار کی۔

[۱۰] 'محراب' سے مراد ہے حضرت داؤدؑ کا ذاتی کمرا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک جھگڑے کے دونوں فریقوں نے کسی ایسے وقت میں حضرت داؤدؑ کی خدمت میں فیصلے کے لیے حاضر ہونے کی کوشش کی، جو ان کے آرام یا عبادت کا وقت تھا، چنانچہ پہرہ داروں نے ان لوگوں کو داخلے کی اجازت نہیں دی۔ پھر یہ لوگ کسی دوسری طرف سے چار دیواری پھاند کر محل میں جا گھسے۔ اگرچہ یہ ایک نہایت سنگین اقدام تھا، لیکن چونکہ لوگوں کو حضرت داؤدؑ کی نرم دلی پر پورا بھروسا تھا، اس لیے وہ یہ جسارت کر گزرے۔

[۱۱] اس زمانے میں اصلی دولت بھیڑ بکریوں ہی کی ہوتی تھی۔ اس امیر آدمی نے دوسرے غریب آدمی کی بھیڑ اپنے قبضے میں نہیں لی تھی، بلکہ اس کا مطالبہ کیا تھا۔ چنانچہ حضرت داؤدؑ نے بالکل انصاف کے ساتھ اس معاملے کا فیصلہ کر دیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی حضرت داؤدؑ کو احساس ہوا کہ ان کے دل میں بھی کسی معاملے سے متعلق ایسا کوئی خیال گزر رہا ہے چنانچہ انھوں نے اس پر اپنے رب سے معافی مانگ لی۔ وہ معاملہ کیا تھا، اس کی تفصیل قرآن مجید نے ہمیں نہیں بتائی، اس لیے کہ اس کے بتانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ تاہم قرآن مجید سے اتنی بات واضح ہے کہ حضرت داؤدؑ نے کوئی اقدام نہیں کیا تھا، بلکہ محض ایک خیال ان کے دل میں گزر رہا تھا جس پر اللہ نے گرفت فرمائی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بائیبل میں حضرت داؤدؑ کی شخصیت و کردار پر جو کیچڑ اچھالا گیا ہے، وہ بالکل غلط ہے۔

[۱۲] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک حکمران کو ہر معاملے میں انصاف سے کام لینا چاہیے اور کسی بھی معاملے میں اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ گویا یہ لازم ہے کہ وہ ہر معاملے میں بے لاگ میرٹ کے اصول پر کاربند رہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ
النَّارِ ﴿٢٧﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ
كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٩﴾ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ
سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿٣٠﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿٣١﴾ فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ
حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿٣٢﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ
وَالْاَعْنَاقِ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰي كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿٣٤﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ
لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٣٥﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ
اَصَابَ ﴿٣٦﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاۗءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿٣٧﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿٣٨﴾ هٰذَا عَطَاۗؤُنَا فَامْنُنْ
اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٩﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٤٠﴾ ع

ہم نے آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو فضول پیدا نہیں کیا۔ یہ تو اُن لوگوں کا گمان ہے جنھوں نے حق کا انکار کیا۔ ایسے منکرینِ حق کے لیے دوزخ کی بربادی ہے۔ کیا ہم ایمان والوں اور اچھے عمل کرنے والوں کو اُن لوگوں کے ساتھ یکساں کردیں گے جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں؟ کیا ہم اللہ سے ڈرنے والوں کو نافرمانوں کی طرح کردیں گے؟ (ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا)۔ ——

اے نبیؐ، یہ تو ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تمھاری طرف (اس لیے) نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر غور وفکر کریں اور عقل رکھنے والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔[۱۳]

ہم نے داوٗدؑ کو سلیمانؑ (جیسا بیٹا) عطا کیا، بہترین بندہ، اللہ کی طرف کثرت سے رجوع کرنے والا۔

ایک دن شام کو اُس کے معائنے کے لیے اصیل اور عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے تو اس نے کہا: ''میں تو ان گھوڑوں کی محبت میں لگ کر اپنے رب کی یاد سے غافل ہو گیا یہاں تک کہ سورج بھی پردے میں چھپ گیا۔ ان گھوڑوں کو میرے سامنے واپس لاؤ۔'' (جب وہ گھوڑے اس کے سامنے لائے گئے) تو وہ اُن کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ ۱۴

سلیمانؑ کو ہم نے آزمایا اور ہم نے اُس کے تخت پر ایک دھڑ ڈال دیا۔ ۱۵ پھر اس نے رجوع کیا اور دعا کی: ''میرے رب، مجھے معاف فرما دے اور مجھے ایسی سلطنت بخش جو میرے بعد کسی کو نہ مل سکے۔ تو بڑا ہی بخشنے والا ہے۔'' ۱۶ تب ہم نے ہوا کو اُس کی خدمت میں لگا دیا جو اس کے حکم سے سازگار ہو کر چلتی تھی، جدھر سلیمانؑ (سمندری سفر کے ذریعے سے) چلنا چاہتا تھا۔ ہم نے سرکش جنات کو بھی (اُس کی خدمت میں لگا دیا) جن میں نہایت ماہر معمار اور غوطہ خور بھی شامل تھے۔ ایسے جنات کو بھی (ہم نے اُس کی خدمت میں لگا دیا) جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے رہتے۔ ۱۷

(ہم نے اُس سے کہا): ''یہ ہماری بخشش ہے۔ جسے چاہو دو اور جس سے چاہو روک لو، (اِس دنیا میں) کوئی حساب نہیں۔ (البتہ آخرت میں ضرور حساب ہوگا) ۱۸ بے شک، سلیمانؑ کے لیے ہمارے پاس خاص تقرب کا مقام اور بہترین انجام ہے۔ ۲۷-۴۰

[۱۳] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید پر غور و فکر کر کے اور اپنے ذہن اور عقل و فہم کو خوب استعمال کر کے اسے سمجھنا ضروری ہے۔

[۱۴] کسی دن سہ پہر میں حضرت سلیمانؑ کے سامنے چیدہ چیدہ جنگی گھوڑوں کا دستہ پریڈ کی شکل میں پیش کیا گیا۔ ان کے معائنے میں حضرت سلیمانؑ اتنے منہمک ہو گئے کہ سورج چھپ گیا اور ان کی عصر کی نماز رہ گئی۔ ظاہر ہے کہ یہ گھوڑے قتال فی سبیل اللہ کے لیے رکھے گئے تھے تاہم ان میں ایک حد سے زیادہ انہماک پر حضرت سلیمانؑ کو بہت صدمہ ہوا۔ گھوڑوں کی 'پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے' کا ایک مطلب یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے شدت احساس میں کچھ گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر تلوار ماری۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ان گھوڑوں کو واپس بلا کر ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر محبت سے ہاتھ پھیرا اور ان گھوڑوں کے بجائے اپنے آپ کو قصوروار قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں ہر چیز کی اپنی اپنی ترجیح اور اہمیت ہے۔ کسی ایک کام کی وجہ سے کسی دوسرے اہم کام میں کوئی کمزوری یا غفلت نہیں آنی چاہیے۔

[۱۵] تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمانؑ کو یہ سخت امتحان پیش آیا کہ دشمنوں نے حملہ کر کے ان کے زیادہ تر علاقے چھین لیے اور باقی علاقوں میں ایسی گڑبڑ پھیل گئی کہ نظم حکومت بالکل درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ ان کی حکومت سمٹ سمٹا کر صرف مرکز تک محدود ہو گئی اور حالات نے ان کو بہت بے بس اور غم زدہ بنا دیا، گویا اللہ نے ان کو ان کے تخت پر ایک بالکل بے جان جسد بنا کر ڈال دیا۔ یہ حضرت سلیمانؑ کے لیے بہت بڑی آزمائش تھی۔

[۱۶] ان سخت حالات میں بھی حضرت سلیمانؑ مایوس نہیں ہوئے، بلکہ ان کو احساس ہوا کہ شاید ان کی کسی غلطی پر اللہ کی طرف سے ان کی پکڑ ہوئی ہے۔ چنانچہ انھوں نے توبہ و استغفار کیا اور اللہ سے دعا کی کہ اگرچہ میں اپنی غلطیوں کے سبب سے حکومت کا اہل تو نہیں رہ گیا ہوں تاہم تو اپنے فضل سے مجھے ایسی

بادشاہی دے جس کا سزاوار نہ میں ہوں اور نہ میرے بعد کوئی اور ہوگا۔ درج بالا دونوں مقامات کی تفسیر میں قدیم مفسرین نے کئی سنے سنائے قصے نقل کیے ہیں۔ وہ قصے قرآن مجید کے الفاظ کے بھی خلاف ہیں اور وہ شان پیغمبری کے بھی خلاف ہیں چنانچہ وہ قابل لحاظ نہیں ہیں۔

[۱۷] جب حضرت سلیمانؑ اس عظیم ترین آزمائش میں پورے اترے اور انھوں نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، تب اللہ نے ان کو ایسی طاقتیں عطا فرمائیں جو کسی کو نہیں دی گئیں۔ ان کو ہوا کو کنٹرول کرنے والا ایسا بادبانی نظام سکھایا گیا جس کی وجہ سے ان کا بحری بیڑا سمندروں میں لمبے لمبے سفر کر سکتا تھا اور ہوا صحیح رخ پر چلتی رہتی۔ اسی طرح شریر جنات کو بھی ان کی خدمت میں لگا دیا گیا۔

[۱۸] یہ اس اختیار کا بیان ہے جو ہر مالک کو اس کی ملکیت اور ہر حکمران کو اس کی مملکت میں حاصل ہوتا ہے۔ تاہم آخرت میں ہر فرد کے ساتھ حساب ہوگا۔

(وقف لازم)

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ
هٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾
وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ وَاذْكُرْ
عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى
الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ
الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾ هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ
فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ
لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾

اے نبیؐ، ہمارے بندے ایوبؑ کو یاد کرو، جب اس نے اپنے رب سے فریاد کی کہ شیطان نے مجھے سخت دکھ اور مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے۔[19] (ہم نے اس کو ہدایت کی کہ) زمین پر اپنا پاؤں مارو، یہ ہے نہانے کا ٹھنڈا پانی اور پینے کا بھی۔[20] ہم نے اُسے اُس کے گھر والے واپس بخش دیے اور ان کے ساتھ اُتنے ہی اور، اپنی رحمت اور عقل و فکر رکھنے والوں کے لیے نصیحت کے طور پر۔[21] (ہم نے اُس سے کہا): ''اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مُٹھا لے لو اور اُس سے مارلو، اپنی قسم مت توڑو۔''[22] ہم نے ایوبؑ کو نہایت صابر پایا، بہترین بندہ،

اپنے رب کی طرف بہت رجوع کرنے والا۔

ہمارے بندوں ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کو یاد کرو، جو بڑی قوت اور ذہانت رکھنے والے تھے۔ ہم نے اُن کو ایک خاص مشن (یعنی) آخرت کی یاددہانی پر معمور کیا تھا۔ ہمارے ہاں ان کا شمار چُنے ہوئے اور بہترین بندوں میں ہے۔

اسماعیلؑ، الیسعؑ اور ذوالکفل کو یاد کرو۔ ان میں سے ہر ایک خیر والوں میں سے تھا۔

یہ (قرآن مجید) نصیحت ہے کہ بے شک اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے اچھا ٹھکانا ہوگا، ہمیشہ رہنے والی جنتیں جن کے دروازے اُن کے لیے کھلے ہوں گے۔ ان میں وہ ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے اور خوب خوب میوے اور مشروبات طلب کر رہے ہوں گے۔ اُن کے پاس شرمیلی ہم سن بیویاں ہوں گی۔[۲۳] یہ وہ چیزیں ہیں جنھیں روزِ حساب عطا کرنے کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے۔ یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ ۴۱-۵۴

[۱۹] اس دنیا میں بندے کو جو آزمایشیں پیش آتی ہیں، وہ مشیت وقدرت کے پہلو سے اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں اور وسوسوں کے پہلو سے شیطان کی طرف سے۔ حضرت ایوبؑ پر اللہ کی طرف سے بہت زیادہ آزمایشیں آئیں حتیٰ کہ ان کا مال اور اولاد سمیت سب کچھ ان سے چھین لیا گیا۔ اس کے بعد ان کو شدید قسم کی جسمانی بیماریوں میں مبتلا کر دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ان سب آزمایشوں کے دوران میں شیطان کی طرف سے ان کے ذہن میں وسوسے ڈالنے کی بے شمار کوششیں ہوئیں، لیکن حضرت ایوبؑ نے ہمیشہ اپنے اللہ کو یاد کیا اور شکر و صبر کیا۔

[۲۰] جب حضرت ایوبؑ کا امتحان پورا ہو گیا تو ان کی دعا قبول کر لی گئی اور کسی خاص جگہ کی طرف اشارہ کر کے ان کو ہدایت کی گئی کہ فلاں جگہ اپنے پاؤں سے ٹھوکر مارو، وہیں ایک چشمہ جاری ہو جائے گا جس میں نہانے سے تمھاری بیماریاں دور ہو جائیں گی اور جس کو پینے سے تمھیں شفا ملے گی۔

[۲۱] ان کے کچھ رشتہ دار و اولاد اس درمیان میں بچھڑ گئے تھے اور کچھ وفات پا گئے تھے۔ آزمایش کا دور ختم ہونے کے بعد بچھڑے ہوئے اہل خانہ پھر اکٹھے ہو گئے، جو وفات پا چکے تھے، اللہ نے ان کے بدل عنایت فرمائے اور اُن کا مال واسباب بھی دوبارہ ان کو مل گیا۔ اس میں اہل عقل کے لیے یاددہانی کے بہت سے پہلو ہیں، مثلاً یہ کہ اللہ اپنے بندوں کی وفاداری کا امتحان کرتا ہے اور اس کے ہاں کامیابی انھی کو حاصل ہوتی ہے جو ثابت قدم رہتے ہیں اور صبر سے کام لیتے ہیں۔ ہر امتحان کے لیے اللہ کے ہاں ایک حد مقرر ہے اور اللہ کی طرف مسلسل توجہ اور اللہ پر کامل یقین ہی کے ذریعے سے انسان اس آزمایش میں کامیاب ہوتا ہے۔

[۲۲] ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دورِ ابتلا میں حضرت ایوبؑ کے دل میں کوئی ایسا خیال گزرا جو صبر اور ثابت قدمی کے خلاف تھا چنانچہ انھوں نے اپنے نفس کو سزا دینے کے لیے یہ قسم کھائی کہ میں اپنے آپ کو اتنے کوڑے ماروں گا۔ اگرچہ حضرت ایوبؑ کی یہ قسم ان کی محبت الٰہی کا نتیجہ تھی، لیکن بندوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ناروا کسی مصیبت میں ڈالیں۔ دوسری طرف قسم کا معاملہ بھی دین میں بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اسی پر تمام عہد و پیمان کی بنیاد ہے، اس لیے حضرت ایوبؑ کو یہ ہدایت کی گئی کہ جتنے کوڑے مارنے کی قسم کھائی ہے، اتنے تنکوں کا مٹھا لے کر اپنے آپ کو مار لیں تاکہ قسم کا تقاضا پورا ہو جائے۔ عام طور پر مفسرین کے مطابق حضرت ایوبؑ نے اپنی بیوی کو سو کوڑے مارنے کی قسم کھائی تھی، لیکن مولانا اصلاحی کو اس سے اختلاف ہے کیونکہ

روایات کے مطابق اس دورِ ابتلا میں صرف ان کی بیوی ہی ان کے ساتھ رہ گئی تھیں اور وہ رات دن حضرت ایوبؑ کی خدمت میں لگی رہتی تھیں۔ اس واقعے سے ہمیں سزا میں تخفیف کا اصول معلوم ہوتا ہے۔ حالات و واقعات کے مطابق قانون میں ایسی تخفیف رکھی جا سکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حدود کے معاملے میں تخفیف کے اصول سے کام لیا ہے۔ کئی کتب حدیث کی روایات کے مطابق جب ایک مریض اور ضعیف سے بدکاری کا ارتکاب ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کھجور کا ایک ٹہنا لو جس میں سو شاخیں ہوں اور اس سے بیک وقت اس شخص کو مارو۔'' گویا ایسے فرد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علامتی سزا دی۔

[۲۳] روایات کے مطابق سب اہل جنت کے جسم ایسے ہوں گے، جیسے اٹھارہ سال کی عمر کے ہوتے ہیں۔ ایک خاتون کا سب سے زیادہ حسن اس کے شرمیلے پن میں ہوتا ہے، نہ کہ بے باکی میں۔ اسی لیے قرآن مجید نے اس صفت کا بطور خاص تذکرہ کیا ہے۔

هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ
وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا
النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۟ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ؕ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ
لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِى النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ اَ
تَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا
مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾
قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿۶۷﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾ مَا كَانَ لِىَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ
يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَىَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۰﴾

ایک طرف تو یہ ہے اور (دوسری طرف) سرکشوں کے لیے نہایت بُرا ٹھکانا ہوگا یعنی جہنم جس میں وہ داخل ہوں گے، پس کیا ہی بُری جگہ ہے۔ یہ لوگ چکھیں اِس کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کو۔ اسی طرح کی دوسری تلخیاں بھی ان کے لیے ہوں گی۔ (وہاں یہ سرکش رہنما ایک دوسرے سے کہیں گے): ''یہ بھیڑ بھی تمھارے ساتھ ہی (جہنم میں) پڑنے والی ہے۔ اِن پر اللہ کی مار، یہ تو دوزخ میں پڑنے والے ہیں۔'' (اُن سرکش رہنماؤں کے پیروکار اُن سے کہیں گے): ''بلکہ تم بھی۔ تمھارے لیے بھی (آج) کوئی خیر مقدم نہیں ہے۔ تم

ں نے ہمیں اس جگہ پہنچایا۔ کیا ہی بُری قیام گاہ ہے۔" پھر وہ کہیں گے: "اے ہمارے رب، جن لوگوں نے ہمیں یہاں پہنچایا، اُن و دوزخ کا دُگنا عذاب دے دے۔"

پھر یہ اہلِ دوزخ آپس میں کہیں گے: "کیا بات ہے ہم اُن لوگوں کو یہاں جہنم میں نہیں دیکھ رہے جن کو ہم دنیا میں بُرا سمجھتے تھے؟[۲۴] کیا ہم نے یوں ہی ان کا مذاق بنالیا تھا یا وہ کہیں نظروں سے اوجھل ہیں؟" بے شک، یہ بات سچی ہے کہ اہلِ دوزخ میں یہ باہمی جھگڑے ہوں گے۔

اے نبیؐ، کہہ دو: "میں تو بس ایک آگاہ کر دینے والا ہوں۔ اللہ واحد اور عظیم منتظم[۲۵] کے سوا کوئی معبود نہیں، آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ساری چیزوں کا مالک، غالب اور بخشنے والا۔" (ان سے مزید) کہو: "یہ ایک بڑی خبر ہے (جس کو سن کر) تم منہ پھیرتے ہو۔ مجھے عالمِ بالا کی باتوں کی کچھ خبر نہ تھی، جبکہ یہ (اہلِ دوزخ ایک دوسرے سے) جھگڑ رہے ہوں گے۔ یہ سب باتیں تو اس وجہ سے مجھے وحی کے ذریعے سے بتائی جاتی ہیں کہ میں کھلا کھلا خبردار کرنے والا ہوں۔[۲۶]" ۵۵-۷۰

[۲۴] یعنی جن لوگوں کے بارے میں ہم کہتے تھے کہ یہ ہمارے دیوتاؤں کے خلاف باتیں کر کے نہایت برا کام کر رہے ہیں، وہ لوگ تو ہمیں جہنم میں نظر نہیں آ رہے۔

[۲۵] 'قہار' کے معنی ہیں سب کو اپنے کنٹرول میں رکھنے والا۔ یعنی اللہ کو اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لیے کسی کی محتاجی کی ضرورت نہیں۔

[۲۶] یعنی یہ سب باتیں میں تم لوگوں کو اس وجہ سے بتا رہا ہوں تا کہ میں تمھیں آگاہ کر دوں۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿۷۱﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ فَقَعُوْا لَهٗ
سٰجِدِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾
قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَىَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ اَنَا
خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۷۷﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِىْ
اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۷۸﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِىْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰى يَوْمِ
الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾ قَالَ

فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾ ع

[۲۷] وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب تمھارے رب نے فرشتوں سے کہا: ''میں مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔ پھر جب میں اُس کو درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جاؤ۔'' چنانچہ سب فرشتوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، جس نے اپنی بڑائی کا غرور کیا اور یوں انکار کرنے والوں میں سے بن گیا۔ (رب نے) پوچھا: ''اے ابلیس، اِس بشر کو سجدہ کرنے سے تجھے کیا چیز مانع ہوئی، جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے تخلیق کیا ہے؟ کیا یہ تیرا تکبر ہے یا تم ہو ہی کوئی اونچی چیز؟'' ابلیس نے جواب دیا: ''میں اِس سے برتر ہوں۔ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اِس کو مٹی سے۔'' حکم ہوا: ''تم یہاں سے نکل جاؤ، کیونکہ تم مردود ہو۔ تیرے اوپر جزا و سزا کے دن تک میری لعنت ہے۔'' ابلیس نے کہا: ''اے میرے رب، مجھے اُس دن تک کے لیے مہلت دے دے جب یہ لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔'' ارشاد ہوا: ''تجھے اُس معین وقت تک کے لیے مہلت ہے۔''

ابلیس نے کہا: ''تیری عظمت کی قسم، میں اِن سب کو گمراہ کر کے رہوں گا، سوائے تیرے اُن بندوں کے جن کو تو نے خاص کر لیا ہے۔'' (اللہ کی طرف سے) ارشاد ہوا: ''پس حق یہ ہے اور میں حق ہی کہتا ہوں کہ میں جہنم کو تجھ سے اور اُن سب لوگوں سے بھر دوں گا جو تیری پیروی کریں گے۔''

(اے نبیؑ، ان مخاطبین سے) کہہ دو: ''میں (دین کے) اس (کام) پر تم سے کسی عوض کا طالب نہیں ہوں اور نہ میں بناوٹ کرنے والے لوگوں میں سے ہوں[۲۸]۔ یہ تو ایک نصیحت ہے تمام جہان والوں کے لیے۔ تھوڑی ہی مدت گزرے گی کہ تم اِس قرآن کی دی ہوئی خبر کو جان لو گے[۲۹]۔'' ۷۱-۸۸

[۲۷] اس سورہ کا بنیادی موضوع تکبر کی خرابی اور اس کے مقابلے میں توبہ و استغفار اور صبر کی خوبی کا بیان ہے۔ چنانچہ اس سورہ کے آخر میں قصۂ آدم و ابلیس کی طرف اس غرض سے اشارہ کیا جا رہا ہے کہ یہ بتایا جائے کہ تکبر شیطان کی خصوصیت ہے اور اس کے مقابلے میں توبہ و عاجزی انسان کی صفت ہونی چاہیے۔

[۲۸] یعنی میں ان بناوٹی اور ڈرامہ باز قسم کے لوگوں میں سے نہیں ہوں جو بے بنیاد بڑے بڑے دعوے کرتے رہتے ہیں۔ میری سابقہ زندگی اور میری دعوت تم لوگوں کے سامنے ہے۔

[۲۹] قرآن مجید نے پہلے دن سے ہی یہ خبر دی تھی کہ ایک خاص وقت گزر جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو اس سرزمین میں فیصلہ کن

پل جائے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر دشمن نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ یہاں بھی قرآن مجید نے اسی خبر کی یاددہانی کی ہے۔
اللہ نے اس خبر کو حرف بہ حرف پورا کیا اور اب یہ خبر ہمیشہ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور اسلام کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔
اسی آیت کے ساتھ یہ سورہ پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے۔

سورۂ زمر

[۳۹]

نام

اس سورہ کی آیت نمبر ۷۱ میں یہ لفظ آیا ہے جس کی وجہ سے اس کو یہ نام دیا گیا۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کی آیت نمبر ۱۰ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ سورہ، ہجرت حبشہ سے پہلے نازل ہوئی۔ یہ پوری سورہ ایک انتہائی موثر خطبہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی دور کے ظلم وتشدد اور مخالفت سے بھری ہوئی فضا میں دیا گیا۔ دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورہ میں بھی توحید، رسالت اور آخرت پر دلائل پیش کیے گئے ہیں اور انسانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ خالص اللہ کی بندگی کو اختیار کریں۔ اس سورہ میں بار بار یہ حقیقت انسان کے ذہن نشین کی گئی ہے کہ 'دین خالص' یعنی ساری اطاعت صرف اللہ ہی کا حق ہے۔

ایاتہا ۷۵ | # سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتہا ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿١﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ
الدِّيْنَ ﴿٢﴾ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ وقف لازم
زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ﴿٣﴾ لَوْ
اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٤﴾ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ
كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٥﴾ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا
وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ
ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿٦﴾ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ
عَنْكُمْ ۖ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى
رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٧﴾ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ
دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ
عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ﴿٨﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد و حساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

یہ قرآن مجید نہایت اہتمام سے اُس اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو زبردست اور دانا ہے۔

اے نبیؐ، بے شک، ہم نے یہ کتاب تمھاری طرف ایک فیصلہ کن بات کے ساتھ اتاری ہے، اس لیے تم اللہ ہی کی بندگی کرو، اُسی کی خالص اطاعت کے ساتھ[1] یاد رکھو کہ خالص اطاعت صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔ رہے وہ لوگ جنھوں نے اللہ کے سوا دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ سے قریب تر کردیں، اللہ یقیناً ان کے درمیان اُن تمام باتوں کا فیصلہ کردے گا جن میں یہ اختلاف کررہے ہیں۔ اللہ جھوٹوں اور ناشکروں کو ہدایت نہیں دے گا۔

اگر اللہ کسی کو اولاد بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا منتخب کرلیتا۔ وہ اِس سے پاک اور بالاتر ہے۔ وہی اللہ واحد ہے اور سب پر قابو رکھنے والا ہے۔ اُس نے آسمان وزمین کو مقصد کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ وہی رات کو دن پر ڈھانکتا ہے اور دن کو رات پر ڈھانکتا ہے۔ اُس نے سورج اور چاند کو یوں خدمت میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک مقررہ وقت کی پابندی کے ساتھ گردش کررہا ہے۔ جان رکھو کہ وہی غالب اور بخشنے والا ہے۔ اُسی نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر اسی کی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور تمھارے لیے مویشیوں کی آٹھ قسمیں اتاریں[2]۔ وہ تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں تخلیق دیتا ہے، ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے، تین تین تاریک پردوں کے اندر۔ وہی اللہ تمھارا رب ہے، بادشاہی اسی کی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو پھر (اے مشرکو)، تم لوگ کہاں بھٹکائے جارہے ہو؟

اے انسانو، اگر تم ناشکری کروگے تو اللہ تم سے بے نیاز ہے، لیکن وہ اپنے بندوں کے لیے ناشکری کا رویہ پسند نہیں کرتا۔ اور اگر تم اس کے شکرگزار رہوگے تو وہ اس رویے کو تمھارے لیے پسند کرتا ہے۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔[3] آخرکار تم سب کی واپسی تمھارے رب ہی کی طرف ہے، پھر وہ تمھیں آگاہ کرے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔ وہ سینوں کے رازوں سے بھی واقف ہے۔

جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوکر اسے پکارتا ہے۔ پھر جب اللہ اُس انسان کو اپنی نعمت سے نواز لیتا ہے تو وہ اُس آفت کو بھول جاتا ہے جس کے لیے وہ پہلے اللہ کو پکار رہا تھا۔ پھر وہ دوسروں کو اللہ کا شریک ٹھہرانے لگتا ہے تاکہ اس کے راستے سے لوگوں کو گمراہ کرے۔ (اے نبیؐ، ایسے شخص سے) کہہ دو کہ تھوڑے دن اپنے اس انکارِ حق سے لطف اٹھالو، تم دوزخ والوں میں سے بننے والے ہو[4]۔ ۱–۸

[۱] وہ فیصلہ کن قول یہ ہے کہ اس کائنات کی اصل حقیقت توحید ہے، اس لیے عبادت واطاعت کا حق دار صرف اللہ ہے۔

[۲] ان سے مراد ہیں بھیڑ، بکری، اونٹ اور گائے۔

[۳] یعنی روز قیامت ہر انسان خود اپنے عقیدے اور عمل کا ذمہ دار ہوگا۔

[۴] درج بالا آیت میں اس ناشکرے انسان کے رویے پر افسوس کا اظہار کیا گیا ہے جو مصیبت کے وقت تو صرف ایک اللہ کو یاد کرتا ہے اور جب ۔۔ت کا وقت گزر جاتا ہے تو پھر نہ صرف یہ کہ خود شرک کرتا ہے، بلکہ دوسروں کو بھی شرک کے راستے پر لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْ رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى
الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۹﴾ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ
لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ
حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ قُلْ اِنِّىْ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴿۱۱﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾
قُلْ اِنِّىْ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّىْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُ دِيْنِىْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا
شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ
الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ
يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ
عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا
الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِى النَّارِ ﴿۱۹﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ
غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿۲۰﴾

کیا وہ انسان جو عاجزی کرتا ہے، رات کے اوقات میں (اپنے رب کے آگے) سجدہ کرتا ہے اور کھڑا رہتا ہے، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہے، (یہ صفات نہ رکھنے والے انسان کی طرح ہوسکتا ہے؟) اے نبیؐ، (ان سے) پوچھو، کیا علم وبصیرت رکھنے والے، اور نہ رکھنے والے، دونوں کبھی برابر ہوسکتے ہیں؟ (ہرگز نہیں)، نصیحت تو عقل رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں۔

اے نبیؐ، کہہ دو کہ اے میرے بندو، جو ایمان لائے ہو، اپنے رب سے ڈرتے رہو۔ جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک رویہ اختیار کیا، اُن کے لیے (آخرت میں) بھلائی ہے۔ اللہ کی زمین وسیع ہے۔ ثابت قدم رہنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا[5]۔

اے نبیؐ، کہہ دو: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ ہی کی بندگی کروں، اسی کی خالص اطاعت کے ساتھ۔ مجھے حکم ملا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں۔'' یہ بھی کہہ دو: ''اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔''

اے نبیؐ، کہہ دو: ''میں تو اللہ ہی کی بندگی کرتا ہوں، اسی کی خالص اطاعت کے ساتھ۔ تم لوگ اللہ کے سوا جس کی چاہو بندگی کرو[6]۔''

کہہ دو: ''حقیقی نقصان میں پڑنے والے تو وہی ہیں جنھوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو نقصان میں ڈال دیا۔'' یاد رکھو کہ کھلا ہوا دیوالیہ یہی ہے۔ ایسے لوگوں پر اوپر سے بھی آگ کے پردے چھائے ہوں گے اور نیچے سے بھی۔ یہ وہ انجام ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہے۔ پس اے میرے بندو، مجھ سے ڈرو۔

جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف متوجہ رہے، اُن کے لیے خوش خبری ہے[7]۔ پس اے نبیؐ، میرے اُن بندوں کو خوش خبری پہنچا دو جو بات کو توجہ سے سنتے ہیں اور اس میں سے اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں[8]۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی اور یہی اصل میں عقل والے ہیں۔

اے نبیؐ، کیا جس شخص پر سزا کا فیصلہ ہو چکا ہے تو کیا تم ایسے شخص کو نجات دینے والے بن سکتے ہو جو دوزخ میں گر چکا ہے؟ (ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا[9])۔ البتہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں، اُن کے لیے بلند عمارتیں ہیں، آراستہ منزل پر منزل بنی ہوئی، جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔ یہ اللہ کا حتمی وعدہ ہے اور اللہ کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ ۹-۲۰

[۵] اگر کسی سرزمین میں ایک مردِ مومن کے لیے اپنے دین پر عمل کرنا ناممکن ہو جائے تو اسے چاہیے کہ کسی دوسری سرزمین کی طرف ہجرت کر جائے۔ ان آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے مسلمانوں کے لیے یہ اشارہ بھی موجود تھا کہ اگر مکہ میں ان پر ظلم وستم ہو رہا ہے تو عنقریب کوئی اور سرزمین ان کا خیر مقدم کرنے کے لیے تیار ہوگی۔

[۶] خالص اطاعت کا مطلب یہ ہے کہ عبادت میں کسی بھی غیر اللہ کو شریک نہ کیا جائے اور اللہ کے برخلاف کسی دوسرے کی بات نہ مانی جائے۔

[۷] طاغوت کے معنی ہیں 'سرکشی'۔ طاغوت کی عبادت کا مطلب ہے کہ ہر وہ عقیدہ وعمل جو بغاوت وسرکشی کے جذبے سے اللہ کے سکھائے ہوئے عقیدہ وعمل کے برخلاف اختیار کیا جائے۔

[۸] ایک بندۂ مومن کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر بات کو پوری توجہ سے سنے، سمجھے اور ان میں سے جو بات صحیح اور اچھی ہو، اس پر عمل کرے۔ ایسا نہیں

...چاہیے کہ دوسرے کی بات کو اپنے من مانے مطلب پہنا کر اس کے خلاف پروپیگنڈے کا بازار گرم کیا جائے۔

[۹] حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے لیے بے حد درد اپنے دل میں رکھتے تھے اور آپ کی آرزو یہ ہوتی تھی کہ یہ سب لوگ اس سچی بات کو قبول کرلیں۔ ...یہاں قرآن مجید نے اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ جو لوگ سرکشی کے راستے پر آخر وقت تک چلتے رہیں گے، ان کے لیے اللہ کا فیصلہ بالکل قطعی اور اٹل ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ
يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ
لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اَللّٰهُ
نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ
وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾
اَفَمَنْ يَّتَّقِىْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَذَّبَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْىَ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ
وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وقف لازم

اے لوگو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ ہی آسمان سے پانی برساتا ہے اور پھر اس کو جھیلوں، چشموں اور دریاؤں[10] کی شکل میں زمین کے اندر جاری کر دیتا ہے۔ پھر اس پانی سے وہ مختلف قسم کی کھیتیاں پیدا کرتا ہے، پھر وہ خشک ہونے لگتی ہیں، پھر تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہو گئی ہیں اور پھر وہ اُن کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ بے شک، اس کے اندر عقل والوں کے لیے بڑی نصیحت[11] ہے۔

کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے اور وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی پر ہے، (اس کے مقابلے میں وہ شخص جو سخت دل ہو چکا ہے، دونوں یکساں ہو سکتے ہیں؟) پس تباہی ہے اُن لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ کی نصیحت قبول کرنے کے معاملے میں سخت ہو گئے ہیں۔ یہی لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں[12]۔

اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے، ایک ہم رنگ کتاب کی شکل میں، (جس کی سورتیں) جوڑا جوڑا ہیں۔ اس کلام سے اُن لوگوں کے

رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں[۱۳] اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہوکر اللہ کے ذکر کی طرف جھک پڑتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس سے وہ سیدھے راستے پر لے آتا ہے جس کو (اپنے قانون کے مطابق) چاہتا ہے۔ اور جس کو اللہ (اپنے قانون کے مطابق) ہدایت نہ دے، اُس کو کوئی اور ہدایت دینے والا نہیں بن سکتا۔[۱۴]

کیا وہ شخص جو قیامت کے دن سزا کی سخت مار کے لیے اپنے چہرے کو ڈھال بنائے گا (اور وہ جو اس سزا سے محفوظ ہوگا، دونوں یکساں ہوسکتے ہیں؟) ایسے ظالموں کو کہا جائے گا کہ جو کمائی تم نے کی اب اس کا مزہ چکھو۔

اے نبیؐ، تیرے مخالفین سے پہلے والوں نے بھی اسی طرح جھٹلایا تھا تو اُن پر ایسے رخ سے سزا آگئی، جدھر ان کا خیال بھی نہ جاسکتا تھا۔ اس طرح اللہ نے اُن کو دنیا میں بھی رسوائی کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب تو اس سے شدید تر ہے۔ کاش، یہ لوگ اس بات کو سمجھتے۔[۱۵] ۲۱-۲۶

[۱۰] 'ینابیع' کے لفظ کا اطلاق ان تینوں چیزوں پر ہوتا ہے۔

[۱۱] ایک عقل مند آدمی اس سے یہ سبق لیتا ہے کہ دنیا کی زندگی اور اس کی زینتیں سب عارضی ہیں۔ ہر بہار کے لیے خزاں موجود ہے۔ اس لیے اصل زندگی تو صرف آخرت کی ہے۔

[۱۲] ایک بندۂ مومن ہمیشہ نرم دل ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کے اندر غرور، تعصب اور ضد نہیں ہوتی۔ ایسے انسان کا سینہ اسلام کی دعوت کے لیے کھلا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس سخت دلی دراصل ایک غیر انسانی روش ہے جس کی وجہ سے انسان نصیحت سے منہ موڑ لیتا ہے۔

[۱۳] یہاں قرآن مجید کی تین خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ ایک ایسا بہترین کلام ہے جس کا ہر جز و ایک دوسرے سے بالکل ہم آہنگ اور ہم رنگ ہے۔ اس کو جہاں سے بھی کھول کر پڑھیے، اس کی تمام بنیادی تعلیمات ذہن میں تازہ ہوجاتی ہیں۔ دوسری یہ کہ اس کی سورتیں باہم جوڑا جوڑا ہیں۔ مثلاً سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران ایک جوڑا ہیں۔ ایک میں جو بات تفصیل سے کہی گئی ہے، وہی بات دوسری سورہ میں اختصار کے ساتھ بیان کردی گئی ہے۔ تیسری یہ کہ یہ کتاب انسان کے دل کو نرم کرکے اس میں اللہ کا تقویٰ پیدا کرتی ہے اور اس کی نصیحت سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

[۱۴] جو انسان صدق دل سے ہدایت تلاش کرنا چاہتا ہے، اسے اللہ ہدایت بخشتا ہے اور جو شخص غرور، تعصب اور ضد کے راستے پر چلتا ہے، اسے اللہ ہدایت نہیں بخشتا۔

[۱۵] یہاں اسی قانون کا ذکر ہے جو اللہ کے رسولوں کے ساتھ خاص ہے۔ یعنی یہ کہ رسول کے دشمنوں اور جھٹلانے والوں کو اس دنیا میں بھی رسوائی کی سزا ملتی ہے اور آخرت کی سزا بھی۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ

يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾ ع

[پارہ نمبر 24]

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا

يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

ہم نے اِس قرآن میں لوگوں کے لیے طرح طرح کی مثالیں بیان کردی ہیں تا کہ ان کو نصیحت حاصل ہو۔ (ایسا قرآن) جو عربی زبان میں ہے اور جس کے اندر کوئی ٹیڑھ نہیں ہے تا کہ یہ لوگ تقویٰ اختیار کریں۔ اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے۔ ایک شخص ایسا ہے جس کے کئی مختلف غرض رکھنے والے آقا ہیں اور ایک دوسرا شخص ایسا ہے جس کا صرف ایک ہی آقا ہے۔ کیا ان دونوں کا حال یکساں ہوسکتا ہے؟ (ہرگز نہیں) شکر و تعریف صرف اللہ کے لیے ہے، لیکن ان میں سے بہت سے اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ ۱۶

اے نبیؐ، تم کو بھی مرنا ہے اور ان لوگوں کو بھی مرنا ہے۔ پھر تم سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرو گے۔

پھر اُس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور جب سچی بات اس کے سامنے آئی تو اسے جھٹلا دیا۔ کیا ایسے منکرینِ کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہوگا؟

جو شخص (یعنی نبیؐ) سچی بات لے کر آیا اور جنھوں نے اس کی تصدیق کی، یہی لوگ اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ انھیں اپنے رب کے پاس وہ سب کچھ ملے گا جس کی وہ خواہش کریں گے۔ بہترین طریقے سے نیک عمل کرنے والوں کا یہی صلہ ہے تا کہ اللہ اُن سے دفع

کرے اُن کے اعمال کے بدتر انجام کو اور اُن کو اُن کے اعمال کا خوب تر صلہ دے۔[17] ۲۷-۳۵

[۱۶] مذہب شرک میں انسان کو کئی ایسے خداؤں کی بندگی کرنی پڑتی ہے جن کے درمیان آپس میں بھی حقوق واختیارات کے جھگڑے چلتے رہتے ہیں اور جو بندے کو متضاد احکام دیتے ہیں۔ اس کے برعکس توحید کے راستے پر گامزن ہونے والا شخص صرف اور صرف ایک اللہ کی بندگی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ توحید پر گامزن انسان یقین اور ذہنی اطمینان سے مالا مال ہوتا ہے، جبکہ شرک پر عمل پیرا انسان ہر وقت اوہام وخرافات کا شکار رہتا ہے۔

[۱۷] اس دنیا میں آدمی اپنے اعمال کے اثرات ونتائج سے پوری طرح آگاہ نہیں ہوسکتا۔ ممکن ہے کہ ایک عمل کے فوری اثرات ونتائج کچھ اور ہوں اور اس کے طویل المیعاد اثرات کچھ اور۔ اللہ نے قیامت کا دن اسی لیے مقرر فرمایا کہ اس کے جو بندے ایمان وعملِ صالح کا راستہ اختیار کریں، ان کو اللہ ان کے اعمال کے تاریک پہلوؤں کے اثرات سے بچائے اور اُن کے اعمال کے اعلیٰ پہلوؤں کی برکتوں سے نوازے۔

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ط وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ط وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٣٦﴾
وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ ط أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿٣٧﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ط قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ
ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ ط قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ ط يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٣٨﴾ قُلْ
يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ج فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ
عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴿٤٠﴾ إِنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ج فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ ج وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا
يَضِلُّ عَلَيْهَا ج وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ﴿٤١﴾ ع اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا ج
فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ط إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ
يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾ أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ ط قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ﴿٤٣﴾ قُلْ
لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ط لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٤٤﴾

اے نبیؐ، کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟ یہ مشرکین اُس اللہ کے سوا دوسروں سے تم کو ڈراتے ہیں۔ جس کو اللہ (اپنے

قانون کے مطابق) گمراہی میں ڈال دے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں بن سکتا اور جس کو اللہ ہدایت بخشے، اسے بھٹکانے والا کوئی نہیں۔ کیا اللہ غالب اور بدلہ دینے والا نہیں؟[18]

اے نبیؐ، اگر تم ان مشرکین سے پوچھو کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا تو یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے۔ (ان سے) پوچھو: ''بھلا بتاؤ یہ بت جن کو تم پوجتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو یہ بت اُس کی پہنچائی ہوئی تکلیف کو دور کرنے والے بن سکتے ہیں؟ اور اگر اللہ مجھ پر کوئی فضل کرنا چاہے تو کیا یہ بت اُس کی رحمت کو روک سکتے ہیں؟'' (ان سے) کہہ دو: ''میرے لیے اللہ کافی ہے۔ بھروسا کرنے والے اُسی پر بھروسا کرتے ہیں۔''

اے نبیؐ کہہ دو: ''اے میری قوم کے لوگو، تم اپنے طریقے پر کام کرو، میں (اپنے طریقے پر) کام کرتا رہوں گا۔ تم بہت جلد جان لوگے کہ کس پر رُسوا کرنے والی سزا آتی ہے اور کس کو وہ سزا ملتی ہے جو ٹِک کے رہ جاتی ہے۔''[19]

اے نبیؐ، ہم نے سب انسانوں کی ہدایت کے لیے تم پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے۔ اب جو ہدایت اختیار کرے گا، اپنے ہی لیے کرے گا اور جو بھٹکے گا تو اس کی گمراہی کا عذاب اسی پر ہوگا۔ تم اِن لوگوں کے اوپر کوئی زور زبردستی حاکم مقرر نہیں کیے گئے ہو۔[20]

وہ اللہ ہی ہے جو جان داروں کو ان کی موت کے وقت وفات دیتا ہے اور جن کی موت ابھی نہیں آئی، اُن کو بھی اُن کی نیند کی حالت میں (موت دیتا ہے)۔ تو جن کی موت کا فیصلہ کر چکا ہوتا ہے۔ اُسے روک لیتا ہے اور دوسروں کی روحیں ایک وقتِ مقرر کے لیے واپس بھیج دیتا ہے۔ بے شک، اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

کیا ان مشرکین نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو سفارشی بنا رکھا ہے؟ اے نبیؐ، (ان سے) کہو: ''خواہ ان کے اختیار میں کچھ نہ ہو اور یہ کچھ سمجھتے بھی نہ ہوں؟'' (ان سے) کہو: ''سفارش تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ آسمان و زمین کی بادشاہی کا مالک وہی ہے۔ پھر تم لوگ اُسی اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' ۳۶-۴۴

[۱۸] 'انتقام' کا مطلب ہے بدلہ لینا۔ چونکہ انصاف کے حصول کے لیے اللہ قیامت کے دن اپنے حقوق پر ڈاکا ڈالنے والوں اور اپنے بندوں پر ظلم کرنے والوں کو ان کے اعمال کے بدلے میں سزا دے گا، اس لیے اللہ کو 'ذی انتقام' کہا گیا۔

[۱۹] ان آیات میں اس قانون کے نفاذ کی پیشگی پیشین گوئی کی گئی ہے جو اللہ نے اپنے رسولوں کے لیے مقرر کیا ہے۔ اس قانون کے مطابق رسول کے

یہ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی کی آیات ہیں اور ان میں باقی سب مخاطبین کے لیے بھی ایک بہت بڑا سبق پوشیدہ ہے۔ اس آیت سے مکی دور میں صحابہ کرامؓ کو حوصلہ ملا کہ اس دعوتِ حق کا بول بالا ہوگا۔ اسی طرح اس آیت سے ہمیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید کی پیشین گوئی سو فی صد پوری ہوئی۔

مخالفین پر اس دنیا میں رسوا کن سزا نافذ ہوتی ہے۔

[۲۰] رسول ہو، نبی ہو یا ایک عام مسلمان، سبھی کا اصل کام دین کی دعوت پہنچانا ہے۔ اس دعوت کو دوسروں پر بزور نافذ کرنا ان کی ذمہ داری نہیں ہے۔ البتہ رسولوں کے لیے اللہ نے یہ قانون مقرر کر دیا ہے کہ ان کے ساتھی لازماً کامیاب ہوں گے اور ان کے مخالفین کو دنیا میں سزا بھی دی جائے گی۔ اس قانون کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا کام اللہ کا ہے۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا
هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ
فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ
سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا
كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾ فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا
قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ
سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ
وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ ع

جب صرف اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل کُڑھنے لگتے ہیں اور جب اللہ کے سوا دوسروں کا ذکر آتا ہے تو یہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں[۲۱] اے نبیؐ، کہو: ''اے اللہ، آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے اور غائب و حاضر کے جاننے والے، تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اُس چیز کے بارے میں فیصلہ کرے گا جس میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں۔''

اگر ظلم (یعنی شرک) کرنے والوں کے پاس زمین کی ساری دولت ہو اور اس کے برابر اور بھی، تو یہ لوگ روزِ قیامت کی بُری سزا

ے بچنے کے لیے سب کچھ فدیے میں دینا چاہیں گے، وہاں اللہ کی طرف سے اُن کو وہ معاملہ پیش آئے گا جس کا انھوں نے کبھی گمان ہی نہیں کیا تھا۔ وہاں اپنی کمائی کے سارے بُرے نتائج ان کے سامنے آجائیں گے اور اُن کو وہ چیز (یعنی سزا) گھیر لے گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

جب انسان کو کوئی مصیبت چُھو جاتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اُس پر اپنی طرف سے نعمت کر دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو مجھے میرے (علم اور) تدبیر کی بدولت حاصل ہوئی۔ (یوں نہیں ہے)، بلکہ یہ تو ایک آزمائش ہے، لیکن بہت سے لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے[۲۲]۔ ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں نے بھی یہی بات کہی، لیکن اُن کی کمائی اُن کے کچھ بھی کام آنے والی نہ بنی۔ پھر اپنی کمائی کے بُرے نتائج ان کے سامنے آئے۔ اسی طرح اِن لوگوں میں سے بھی جو ظالم ہیں وہ عنقریب اپنی کمائی کے بُرے نتائج بھگتیں گے۔ یہ لوگ ہم کو ہرانے والے نہیں بن سکتے۔ کیا ان لوگوں کو یہ حقیقت معلوم نہیں ہو سکی کہ اللہ ہی ہے جو رزق کو کشادہ کر دیتا ہے، جس کے لیے چاہتا ہے اور رزق کو تنگ کر دیتا ہے، (جس کے لیے چاہتا ہے[۲۳]۔) بے شک، اس کے اندر ان لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو ایمان لانے والے ہیں۔ ۴۵-۵۲

[۲۱] مشرکانہ ذہنیت رکھنے والے لوگوں کے اندر یہ بات مشترک ہوتی ہے کہ وہ زبانی کلامی تو اللہ کو مانتے ہیں، لیکن جب بھی اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کو کوئی خاص خوشی نہیں ہوتی۔

[۲۲] انسان عموماً اس بات کو بھول جاتا ہے کہ اسے جو بھی علم اور صلاحیت عطا ہوئی ہے، یہ درحقیقت اس کی اپنی کمائی نہیں ہے، بلکہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ایک آزمائش ہے۔

[۲۳] یہاں خصوصی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف مشرکین کا ذکر ہے، جن کو دعوت حق نہ ماننے کی وجہ سے دنیا میں سزا کی دھمکی دی جارہی تھی۔ بطور دلیل یہ بات کہی گئی ہے کہ جس طرح اللہ لوگوں کے لیے رزق کو کشادہ اور تنگ کرتا ہے، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کو سزا دینا بھی اللہ کی طاقت میں ہے۔

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۵۳﴾ وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنْتُمْ

لَا تَشْعُرُونَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾
اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ
كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى
لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ
كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾ ع

اے نبیؐ، کہہ دو: اے میرے بندو، جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا، وہ بڑا ہی مغفرت کرنے والا، رحم کرنے والا ہے[۲۴] پلٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور اس کے فرماں بردار بن جاؤ، اس سے پہلے کہ تم پر سزا آجائے۔ اُس وقت تمھیں کہیں سے بھی مدد نہ مل سکے گی۔ پیروی کرو اس بہترین چیز (یعنی قرآن مجید) کی جو تمھارے رب کی جانب سے تمھاری طرف اتاری گئی ہے، قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تم کو اس کی خبر بھی نہ ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ (بعد میں) کوئی شخص کہے: ''ہائے افسوس، میری اس کوتاہی پر جو اللہ کے بارے میں مجھ سے صادر ہوئی۔ میں تو مذاق اڑانے والوں میں شامل رہا۔'' یا پھر وہ کہے: ''کاش، اللہ نے مجھے ہدایت دی ہوتی تو میں بھی متقین میں سے ہوتا۔'' یا پھر وہ عذاب کو دیکھ کر کہے: ''کاش، مجھے ایک موقع اور مل جائے تو میں بھی اچھے کام کرنے والوں میں سے بن جاؤں۔'' — ہاں، تمھارے پاس میری آیات آچکی تھیں، لیکن تم نے ان کو جھٹلایا، تکبر کیا اور انکار کرنے والوں میں سے بنے رہے۔

قیامت کے دن تم اُن لوگوں کو جنھوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا، دیکھو گے کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ کیا ان مغروروں کا ٹھکانا جہنم میں نہ ہوگا؟ اُس دن اللہ نجات دے گا اُن لوگوں کو جو ڈرتے رہے اُن کی امن والی جگہ (یعنی جنت) میں۔ نہ ان کو کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔[۲۵]

اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔ آسمان وزمین کی کنجیاں اسی کے قبضے میں ہیں۔ جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا، وہی لوگ خسارے میں رہنے والے ہیں۔ ۵۳-۶۳

[۲۴] انسان بہت جلد اپنے خالق سے مایوس و بدگمان بھی ہو جاتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے بار بار اللہ کی رحمت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اگر انسان صدقِ دل سے اللہ کی طرف رجوع کرے تو اس کے سارے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ ایسے خطاکار انسان نے اگر اللہ کے بندوں کے حقوق میں کوتاہی کی ہوتی ہے تو ان مظلوم بندوں کو اللہ کی طرف سے انعام دے کر اس خطاکار انسان کے حق میں معافی لے لی جاتی ہے۔

[۲۵] جنت میں داخل ہونے والے مستقبل کے تمام اندیشوں سے محفوظ ہوں گے اور ان کو ماضی کا کوئی پچھتاوا نہیں ہوگا۔

قُلْ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَأْمُرُونِّي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ ج لَئِنْ
أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٥﴾ بَلِ اللَّهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿٦٦﴾ وَمَا
قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ صلے وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ ط سُبْحَانَهُ
وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٧﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ
اللَّهُ ط ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ﴿٦٨﴾ وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ
وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٩﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ
وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٧٠﴾ ع وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ط حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا
وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ
هَٰذَا ط قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧١﴾ قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ
فِيهَا ط فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٢﴾ وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ط حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَ
بْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ﴿٧٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا

وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ
مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴿۷۵﴾ ع

اے نبیؐ، (اِن مشرکین سے) کہو کہ اے نادانو[۲۶]، کیا پھر بھی تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرنے کے لیے مجھ سے کہتے ہو۔ حالانکہ تمھاری طرف بھی اور تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کی طرف بھی یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمھارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تم نامرادوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ اس لیے تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو اور (اس کے) شکر گزار بندوں میں سے ہو جاؤ۔

اِن لوگوں نے اللہ کی صحیح قدر نہیں جانی۔ قیامت کے دن پوری زمین اُس اللہ کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان بھی اُس کے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے[۲۷]۔ وہ پاک اور بالاتر ہے، اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ (اُس روز) صور پھونکا جائے گا تو آسمان وزمین کی سب چیزیں بے ہوش ہو کر گر پڑیں گی سوائے اُن کے جن کو اللہ چاہے۔ پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو یکا یک وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی[۲۸]، اعمال کی کتاب رکھی جائے گی، انبیا اور تمام گواہ حاضر کیے جائیں گے، لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا، اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا اور ہر متنفس کو جو کچھ بھی اس نے کیا تھا، اُس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں، اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

جن لوگوں نے حق کا انکار کیا تھا وہ گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور اس کے کارندے اِن لوگوں سے پوچھیں گے: ”کیا تمھارے پاس تمھی میں سے رسول نہیں آئے تھے جنھوں نے تمھیں تمھارے رب کی آیات سنائی تھیں اور تمھیں آج کے دن کی ملاقات سے ڈرایا تھا؟“ (یہ لوگ جواب دیں گے: ”ہاں،) وہ آئے تو سہی، لیکن منکرینِ حق پر عذاب کا فیصلہ پورا ہو کر رہا۔“ اُن سے کہا جائے گا: ”داخل ہو جاؤ جہنم کے دراوزوں میں، یہاں اب تمھیں ہمیشہ رہنا ہے۔“ یہ بڑا ہی بُرا ٹھکانا ہے متکبرین کے لیے۔

جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا، انھیں گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور اس کے منتظمین اُن سے کہیں گے: ”تم پر سلام ہو، تم شاد و آباد رہو، داخل ہو جاؤ اِس جنت میں ہمیشہ کے لیے۔“ یہ لوگ کہیں گے: ”حمد و شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہم کو اِس جنت کی زمین کا وارث

دار یا۔اب ہم اپنی جنت میں جہاں چاہیں اپنی جگہ بنا سکتے ہیں[29]۔'' پس بہترین اجر ہے نیک عمل کرنے والوں کے لیے۔
(اُس دن) تم دیکھو گے کہ فرشتے عرشِ الٰہی کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے رب کی حمد اور تسبیح کرر ہے ہوں گے، لوگوں کے درمیان ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ حمد و شکر ہے اللہ رب العالمین کے لیے[30]۔ ۶۴-۷۵

[۲۶] جاہل اس شخص کو کہتے ہیں جو علم اور عقل کے بجائے جذبات اور خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔

[۲۷] یہ اللہ کی قدرت کا بطور استعارہ بیان ہے کہ کائنات کی حقیقت اللہ کے لیے ایسی معمولی ہے کہ وہ ایک مٹھی بھر کے برابر بھی نہیں ہے۔

[۲۸] قیامت کے دن ایک نئی زمین نئے قاعدوں اور قوانین کے ساتھ ظہور میں آجائے گی جو سورج کے بجائے اللہ کے خصوصی نور سے منور ہوگی۔ اس کی اصل حقیقت و نوعیت سے اس وقت ہم واقف نہیں ہو سکتے۔

[۲۹] انسانوں کے باپ و ماں آدمؑ و حواؑ کو یہ جنت ملی تھی، لیکن شیطان نے ان کو ورغلا کر اس جنت سے محروم کر دیا تھا۔ اس کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے اللہ نے یہ شرط ٹھہرائی تھی کہ آدمؑ کی اولاد دنیا میں جا کر شیطان سے مقابلہ کرے گی۔ پھر جو لوگ شیطان سے جیت جائیں گے، وہ اس جنت کے وارث ٹھہریں گے۔ جنت میں جانے کے بعد مومنین اسی بات کو یاد کر کے اللہ کا شکر ادا کریں گے۔

[۳۰] اس سورہ کی ابتدا اس ہدایت کے ساتھ ہوئی تھی کہ خالص اطاعت اللہ ہی کا حق ہے۔ اب اس سورہ کا اختتام اس بات کے ساتھ کیا جا رہا ہے کہ قیامت کے دن ساری اطاعت خالصتاً اللہ ہی کے لیے ہوگی۔

اس آیت کے ساتھ ہی یہ سورہ پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے۔

سورۂ مومن

[۴۰]

نام

اس سورہ میں قوم فرعون کے ایک خاص مومن کا ذکر آیا ہے، اس لیے اس سورہ کو یہ نام دیا گیا۔

زمانۂ نزول اور مضمون

سابقہ مکی سورتوں کی طرح اس سورہ کی بنیادی تعلیم بھی توحید ہے۔ اس سورہ میں خاندان فرعون سے تعلق رکھنے والے ایک مرد مومن کا کردار بھی بیان ہوا ہے۔ اس مرد مومن نے فرعون کے دربار میں توحید اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت پر ایک انتہائی موثر تقریر کی۔ وہ تقریر، اس پر فرعون اور دوسرے درباریوں کی طرف سے کیے گئے اعتراضات اور اس مرد مومن کے جوابات بھی اس سورہ کا حصہ بنائے گئے ہیں۔

آیاتہا ۸۵ | # سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٢﴾ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِی
الطَّوْلِ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿٣﴾ مَا يُجَادِلُ فِیْٓ اٰيَاتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِی
الْبِلَادِ ﴿٤﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجَادَلُوْا
بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ قف فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٥﴾ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ
كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحَابُ النَّارِ ﴿٦﴾ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (وقف لازم عليه السلام / وقف النبی)
وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ج رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ
عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿٧﴾ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ
وَذُرِّيّٰتِهِمْ ج اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٨﴾ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ط وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ط وَذٰلِكَ هُوَ
الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٩﴾ ع اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَی
الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ﴿١٠﴾ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰی خُرُوْجٍ مِّنْ
سَبِيْلٍ ﴿١١﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ج وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ط فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْكَبِيْرِ ﴿١٢﴾

ح۔م۔ اِس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست ہے، کامل علم والا ہے، گناہ معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا اور بڑی قدرت والا ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اُسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے۔

اے نبیؐ، اللہ کی (اِن) آیات (یعنی قرآن مجید) میں وہی لوگ غلط سلط بحث کر رہے ہیں جو انکار پر اڑے ہوئے ہیں۔ تو اِس سرزمین میں اُن کا چلنا پھرنا تمھیں کسی مغالطہ میں نہ ڈالے۔[1] ان سے پہلے نوحؑ کی قوم بھی جھٹلا چکی ہے اور اُن کے بعد کے گروہوں نے بھی (ایسا ہی کیا تھا)۔ ہر قوم نے اپنے رسول پر ہاتھ ڈالنے کا ارادہ کیا اور باطل کے ذریعے سے کج بحثیاں کیں تا کہ اِس سے حق کو پسپا کر دیں، مگر آخر کار میں نے اُن کو پکڑ لیا، پھر دیکھ لو کہ میری سزا کیسی سخت تھی۔ اسی طرح تیرے رب کی بات اُن سب لوگوں پر پوری ہو چکی ہے جنھوں نے حق کا انکار کیا ہے۔ یہی لوگ دوزخ میں پڑنے والے ہیں[2]۔

(وہ فرشتے) جو عرش کو اٹھائے ہوئے اور اس کے ارد گرد ہیں، سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہیں۔ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان لانے والوں کے لیے دعاے مغفرت کرتے ہیں[3]۔ (وہ کہتے ہیں): ”اے ہمارے رب، تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے پس اُن لوگوں کی مغفرت فرما جو توبہ کریں اور تیرے راستے کی پیروی کریں۔ اُن کو جہنم کے عذاب سے بچا۔ اے ہمارے رب، ان کو ہمیشہ رہنے والے اُن باغوں میں داخل کر جن کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے اور اُن کے والدین، بیویوں اور اولاد میں سے جو صالح ہوں۔ بے شک، قادرِ مطلق اور صاحبِ حکمت تو ہی ہے۔ اُن کو بُرے نتائجِ اعمال سے بچا لے۔ جس کو بھی تو نے اُس دن بُرے نتائج سے بچایا، اس پر تو نے بڑا رحم فرمایا۔ یہی درحقیقت بڑی کامیابی ہے۔“

جن لوگوں نے حق کا انکار کیا، (قیامت کے روز) ان کو پکار کر کہا جائے گا: ”آج تمھیں جتنا شدید غصہ اپنے اوپر آ رہا ہے، اللہ تم پر اُس سے زیادہ غضب ناک اُس وقت ہوتا تھا جب تمھیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم اس سے انکار کرتے تھے۔“ وہ کہیں گے: ”اے ہمارے رب، تو نے ہمیں دو دفعہ موت اور دو دفعہ زندگی دی۔ اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں، کیا اب یہاں سے نکلنے کا بھی کوئی راستہ ہے۔“ (اس وقت ان سے کہا جائے گا): ”یہ انجام تمھارے سامنے اس وجہ سے آیا کہ جب اللہ واحد کی دعوت تمھیں دی جاتی تھی تو تم اُس کا انکار کرتے تھے اور جب اُس کے ساتھ (دوسروں کو) شریک ٹھہرایا جاتا تو تم (اِس شرک کو) مان لیتے تھے۔ اب تو فیصلہ اللہ بلند و برتر ہی کے اختیار میں ہے۔“ ۱-۱۲

[۱] یہاں قرآن مجید اس قانون کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ رسول کے مخالفین لازماً نیست و نابود کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے سب لوگوں کو یہ بات بتائی جا رہی ہے کہ اس وقت یہ مخالفین رسولؐ بڑھ چڑھ کر اسلام سے دشمنی کر رہے ہیں اور بظاہر یہ لوگ بڑے طاقت ور اور کامیاب و خوش حال نظر آ رہے ہیں، لیکن وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے جب اللہ کی طرف سے ان کو اسی دنیا میں سزا ملے گی۔

[۲] یعنی جس طرح سابقہ رسولوں کے دشمنوں کو دنیا میں بھی سزا ملی تھی اور آخرت کی سزا بھی ان کا انتظار کر رہی ہے، اسی طرح کا انجام حضور صلی اللہ علیہ

کے مخالفین کا بھی ہوگا۔

قرآن مجید کی یہ بات سوفی صد پوری ہوئی اور یوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عظیم کامیابی ہمیشہ کے لیے آپ کی رسالت کی دلیل بن گئی۔

[۳] عرش کو اٹھائے رکھنے اور اس کے اردگرد ہونے کا مطلب ہے اپنے رب کے حکم کے مطابق کائنات کے مختلف کام سرانجام دینا۔ چونکہ مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے تھے، اس لیے یہاں بطور خاص یہ بات کہی گئی کہ فرشتے اللہ کی مخلوق ہیں اور اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمْ اٰیٰتِهٖ وَیُنَزِّلُ لَکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَمَا یَتَذَکَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ ﴿۱۳﴾ فَادْعُوا اللّٰهَ
مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ
یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ یَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْهُمْ شَیْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ ؕ
لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلْیَوْمَ تُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾
وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَی الْحَنَاجِرِ کٰظِمِیْنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ ﴿۱۸﴾
یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ وَاللّٰهُ یَقْضِیْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَقْضُوْنَ
بِشَیْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۲۰﴾ اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ کَانُوْا
مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ کَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا کَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ
وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ کَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَکَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾

وہی اللہ ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمھارے لیے آسمان سے رزق اتارتا ہے۔ (اِن نشانیوں سے) صرف وہی شخص نصیحت حاصل کرتا ہے جو متوجہ[۴] ہونے والا ہے۔

اے ایمان والو، اللہ ہی کو پکارو، اُسی کی خالص اطاعت کے ساتھ، خواہ تمھارا یہ فعل منکرینِ حق کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ وہی اللہ بلند درجوں والا اور عرش کا مالک ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے، اپنے حکم سے روح (یعنی وحی) نازل کر دیتا ہے تاکہ وہ

لوگوں کو اُس ملاقات کے دن سے آگاہ کردے ۵ ۔ وہ دن، جبکہ سب لوگ (اللہ کے آگے) بالکل بے نقاب ہوں گے اور اُن کی کوئی بات بھی اللہ سے مخفی نہیں ہوگی۔ (اُس دن پوچھا جائے گا): ''آج بادشاہی کس کی ہے؟ — اللہ واحد اور عظیم منتظم کے اختیار میں۔ آج ہر متنفس کو اُس کی کمائی کا بدلہ ملے گا۔ آج (کسی پر) کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ بے شک، اللہ جلد حساب چکا دینے والا ہے۔''

اے نبیؐ، اِن لوگوں کو قریب آ لگنے والی آفت سے ڈراؤ، جبکہ دل حلق میں آ پھنسیں گے اور یہ لوگ غم سے بھرے ہوئے ہوں گے۔ اُس دن ظالموں کا نہ کوئی ہمدرد ہوگا اور نہ کوئی ایسا سفارشی جس کی بات مانی جائے۔ اللہ تو نگاہوں کی چوری تک سے بھی واقف ہے اور اُن (رازوں) کو بھی جانتا ہے جو سینوں نے چھپا رکھے ہیں۔ (اُس دن) اللہ عدل کے ساتھ فیصلہ کرے گا۔ اور یہ مشرکین اللہ کے علاوہ جن دوسروں کو پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا بھی فیصلہ نہیں کر سکیں گے۔ اللہ ہی سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

اے نبیؐ، کیا یہ (تیرا انکار کرنے والے) لوگ اس زمین میں چلے پھرے نہیں کہ انھیں اُن لوگوں کا انجام نظر آتا جو اِن سے پہلے گزر چکے ہیں؟ وہ لوگ ان سے زیادہ طاقت ور تھے اور ان سے زیادہ زبردست آثار زمین میں چھوڑ گئے ہیں۔ پھر اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا اور (اُس وقت) اُن کو اللہ کی پکڑ سے کوئی بھی بچانے والا نہ بنا۔ (اُن کا یہ انجام) اس وجہ سے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے اور پھر بھی انھوں نے انکار کیا پس اللہ نے ان کو پکڑ لیا۔ بے شک، اللہ بڑی قوت والا اور سخت سزا دینے والا ہے۔ ۶ ۱۳-۲۲

[۴] یعنی اللہ کی نشانیوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے توجہ اور غور وفکر ضروری ہے۔

[۵] یہاں وحی کو 'روح' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح روح سے جسم کو زندگی حاصل ہوتی ہے، اسی طرح وحی سے انسان کی عقل کو زندگی، حرارت اور روشنی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کی پسند و ناپسند کو جاننے کا ذریعہ وحی ہے جو اللہ اپنے رسول پر نازل فرماتا ہے۔

[۶] ان آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین کی توجہ سابقہ اقوام، مثلاً عاد و ثمود کی طرف دلائی گئی ہے کہ جس طرح وہ اقوام اپنے رسولوں کی بات کو جھٹلا کر تباہ ہوئیں، یہی انجام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا ہوگا۔

یہ بات واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا بالکل وہی انجام ہوا جس کی دھمکی قرآن مجید نے بار بار دی۔ اس طرح یہ حقیقت ثابت ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی سلسلۂ رسالت سے تعلق رکھتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ

كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ
وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ
يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ
مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾ ع وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖۗ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا
اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا
يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ
ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ
اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾
مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ
اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا
لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَا
هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ﴿۳۴﴾

ہم نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں اور ایک واضح سند کے ساتھ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا، مگر انھوں نے کہا: ”یہ تو ایک جادوگر اور جھوٹا شخص ہے۔“ پھر جب وہ ہماری طرف سے حق لے کر اُن کے پاس آیا تو انھوں نے کہا: ”جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں اُن کے بیٹوں کو قتل کردو اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑو۔“ مگر ان منکرینِ حق کی چال بالکل ضائع چلی گئی۔

فرعون نے (اپنے درباریوں سے) کہا: ”مجھے چھوڑو، میں موسیٰؑ کو قتل کیے دیتا ہوں، یہ پکار دیکھے اپنے رب کو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ

کہیں یہ تمھارا دین نہ بدل ڈالے یا ملک میں بغاوت نہ پھیلا دے[7]۔"

موسیٰؑ نے کہا: "میں نے اپنے اور تمھارے رب کی پناہ لے لی ہر اُس متکبر کے مقابلے میں جو یومِ حساب پر ایمان نہیں رکھتا[8]۔"

فرعون والوں میں سے ایک مومن، جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، بول اٹھا[9]: "کیا تم لوگ ایک شخص کو صرف اس وجہ سے قتل کروگے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟ حالانکہ وہ تمھارے رب کی جانب سے تمھارے پاس نہایت واضح نشانیاں بھی لے کر آیا ہے۔ اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اُس کا جھوٹ خود اسی پر پلٹ آئے گا، لیکن اگر وہ سچا ہوا تو اس سزا کا کوئی حصہ تم کو پہنچ کر رہے گا جس کی وہ تم کو دھمکی دے رہا ہے۔ اللہ کسی ایسے شخص کو بامراد نہیں کرے گا جو حد سے گزر جانے والا اور جھوٹا ہو۔ اے میری قوم کے لوگو، آج تمھارے ہاتھ میں اقتدار ہے اور تم اس زمین میں غالب ہو، لیکن اللہ کی سزا کے مقابلے میں ہماری مدد کون کرے گا اگر وہ ہم پر آ گئی[10]؟"

فرعون بولا: "میں تم لوگوں کو اپنی سوچی سمجھی رائے بتا رہا ہوں اور میں ٹھیک سیدھی راہ کی طرف تمھاری رہنمائی کر رہا ہوں[11]۔"

اُس مردِ مومن نے کہا: "اے میرے ہم قومو، مجھے خوف ہے کہ کہیں تم پر بھی سزا کا وہ دن نہ آ جائے جس طرح کا عذاب دوسرے گروہوں، مثلاً قوم نوح، عاد، ثمود اور ان کے بعد والی قوموں پر آیا۔ اللہ تو اپنے بندوں پر کسی طرح کا ظلم نہیں چاہتا۔ اے میرے ہم قومو، مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم پر آہ و فریاد کا ایسا دن نہ آ جائے جب تم ایک دوسرے کو پکاروگے اور پیٹھ پھیر کر بھاگوگے، مگر (اُس وقت) تم کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ جس کو اللہ (اپنے قانون کے مطابق) گمراہ کر دے تو اس کو ہدایت دینے والا پھر کوئی نہیں بن سکتا۔ اس سے پہلے یوسفؑ تمھارے پاس واضح نشانیوں کے ساتھ آئے، لیکن تم لوگ یوسفؑ کی لائی ہوئی باتوں کی طرف سے برابر شک ہی میں پڑے رہے۔ یہاں تک کہ جب اُن کی وفات ہوگئی تو تم نے سمجھا کہ اب اُن کے بعد اللہ کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجے گا[12]۔ اسی طرح اللہ ان سب لوگوں کو گمراہی میں ڈال دیتا ہے جو حد سے گزرنے والے اور شکی ہوتے ہیں۔" ۲۳-۳۴

[۷] فرعون کو اپنی قوم میں سورج دیوتا کا مظہر سمجھا جاتا تھا۔ اس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت توحید کی زد براہ راست اس کی خدائی پر پڑتی تھی۔ اگر اس کی قوم یعنی قبطی اس دعوت کو قبول کر لیتے تو ان کا پورا طریقۂ زندگی بدل جاتا اور اگر بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں منظم ہو جاتے تو فرعون کے خیال کے مطابق، ملک میں بغاوت پھوٹ پڑتی۔ چنانچہ فرعون نے اپنی قوم کے سرداروں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کی اجازت مانگی۔

[۸] جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے اس ارادے کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے اعلان کیا کہ میں اپنے رب کی پناہ میں ہوں اور انانیت و خود پرستی میں مبتلا کوئی بھی متکبر مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

[۹] یہاں سے ایک ایسے بندۂ مومن کی سرگزشت شروع ہو رہی ہے جن کا تعلق فرعون کے شاہی خاندان سے تھا، لیکن اپنی حق پسندی اور خدا ترسی کی وجہ

ان کی ہمدردیاں شروع ہی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھیں۔ ان کا ذکر سورۂ قصص میں بھی گزر چکا ہے۔ مولانا اصلاحی کے مطابق سورۂ یٰس کی آیات ۱۳، ۱۴ اور ۲۰ تا ۲۷ میں جس 'تیسرے' اور مردِ حق کا ذکر ہے، وہ یہی مردِ مومن ہیں۔

[۱۰] دین و ایمان کو پوشیدہ رکھنا اسی وقت تک جائز ہے، جب تک اس سے دین کو کوئی نفع پہنچنے کی توقع ہو۔ لیکن اگر دین کو کوئی فیصلہ کن خطرہ پیش آجائے تو اس وقت ضروری ہے کہ اپنے ایمان کا کھلا اعلان کر دیا جائے۔ اسی لیے اس بندۂ مومن نے فیصلہ کن موقع آنے پر اپنی بات فرعون کے دربار میں نہایت وضاحت کے ساتھ کی۔

[۱۱] چونکہ اس مردِ مومن کی تقریر بھرے دربار میں فرعون کے سامنے ہو رہی تھی، جس سے فرعون کو یہ اندیشہ ہوا کہ اس سے اس کے دوسرے درباری کہیں متاثر نہ ہو جائیں، چنانچہ اس نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے نہایت سوچ سمجھ کے ساتھ اپنی رائے اہلِ دربار کے سامنے رکھی ہے۔

[۱۲] معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت یوسفؑ اپنی واضح نشانیوں کے ساتھ مصر میں آموجود ہوئے تو قبطیوں نے ان کی شخصی قدر تو بہت کی، لیکن حضرت یوسفؑ کی دینی تعلیمات کی طرف سے یہ لوگ بے پروائی اور شک ہی میں مبتلا رہے۔ پھر جب ان کی وفات ہو گئی تو یہ لوگ مطمئن ہو گئے کہ اب کوئی اور رسول نہیں آئے گا جو ہماری خواہشوں پر پابندیاں لگائے۔

الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۖ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ
كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿٣٥﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا هَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحًا لَعَلِّي أَبْلُغُ
الْأَسْبَابَ ﴿٣٦﴾ أَسْبَابَ السَّمَاوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا ۚ وَكَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ
سُوءُ عَمَلِهِ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيلِ ۚ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ ﴿٣٧﴾ وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُونِ
أَهْدِكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ﴿٣٨﴾ يَا قَوْمِ إِنَّمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿٣٩﴾ مَنْ
عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ
الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٤٠﴾ وَيَا قَوْمِ مَا لِي أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجَاةِ وَتَدْعُونَنِي إِلَى النَّارِ ﴿٤١﴾
تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَأُشْرِكَ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعَزِيزِ الْغَفَّارِ ﴿٤٢﴾ لَا جَرَمَ أَنَّمَا
تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ وَأَنَّ مَرَدَّنَا إِلَى اللَّهِ وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ

اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾

جولوگ اللہ کی آیات کے بارے میں غلط بحثیں کرتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی (سند یا) دلیل آئی ہو، یہ رویہ اللہ اور ایمان والوں کے نزدیک قابلِ اعتراض ہے۔اسی طرح اللہ ہر متکبر اور جبار کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔[۱۳]

فرعون نے کہا: ''اے ہامان، میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ تا کہ میں اطراف میں پہنچوں (یعنی) آسمانوں کے اطراف میں اور پھر میں موسیٰؑ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں۔ مجھے تو یہ موسیٰؑ بالکل ہی جھوٹا معلوم ہوتا ہے۔[۱۴]'' اس طرح فرعون کے لیے اس کی بد عملی خوش نما بنا دی گئی اور وہ سیدھے راستے سے روک دیا گیا۔فرعون کی چال بازی برباد ہو کے رہی۔[۱۵]

اُس مردِ مومن نے کہا: ''اے میری قوم کے لوگو، میری پیروی کرو، میں تمھاری رہنمائی سیدھی راہ کی طرف کر رہا ہوں۔اے میری قوم، یہ دنیا کی زندگی تو محض چند روزہ ہے، ہمیشہ کے قیام کی جگہ تو آخرت ہے۔ جو کوئی کسی برائی کا ارتکاب کرے گا، وہ اسی کے مانند بدلہ پائے گا اور جو کوئی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اور وہ مومن بھی ہو تو ایسے سب لوگ جنت میں داخل ہوں گے، جس میں وہ بے حساب رزق پائیں گے۔اے میرے ہم قومو، کیا بات ہے کہ میں تو تمھیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی دعوت دے رہے ہو۔تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کی توحید کا انکار کروں اور اس کے ساتھ اُن ہستیوں کو شریک ٹھہراؤں جن کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں۔ میں تمھیں اُس زبردست اور مغفرت کرنے والے اللہ کی طرف بلا رہا ہوں۔حقیقت یہ ہے کہ جن چیزوں کی تم مجھے دعوت دے رہے ہو، اُن کی کوئی آواز نہ دنیا میں ہے اور نہ آخرت میں۔ہم سب کی واپسی اللہ ہی کی طرف ہونی ہے۔ جو لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں، وہی دوزخی ہوں گے۔تم عنقریب ان باتوں کو یاد کرو گے جو میں تم سے کہہ رہا ہوں۔ میں اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کرتا ہوں، بے شک وہ اپنے بندوں کا نگہبان ہے۔[۱۶]''

آخرکار اللہ نے اُس مومن کو اِن فرعونیوں کی چالوں کی آفتوں سے محفوظ رکھا[۱۷] اور اِن فرعونیوں کو بُرے عذاب نے گھیر لیا۔آگ ہے جس پر وہ صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں اور پھر جب قیامت کی گھڑی آجائے گی (تو حکم ہوگا کہ) آلِ فرعون کو شدید تر عذاب میں

داخل کرو۔ ۳۵-۴۶

[۱۳] اس مردمومن کی تقریر کے درمیان میں یہ آیت قرآن مجید کی طرف سے بطور تبصرہ ہے۔

[۱۴] اس مردمومن کی تقریر کے درمیان میں فرعون نے پہلے کی طرح پھر مداخلت کی اور اپنی طرف سے توحید کے خلاف ایک دلیل پیش کرنے کی کوشش کی تاکہ اس کے درباریوں پر اس مردمومن کی تقریر کا اثر نہ ہو۔

[۱۵] چونکہ فرعون نے یہ بات محض درباریوں کو فریب دینے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نیچا دکھانے کے لیے کہی تھی، اس لیے قرآن نے اس کو 'کید' سے تعبیر فرمایا۔

[۱۶] اس مردمومن کی یہ تقریر اس قابل ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ پر غور کیا جائے اور یہ بات بھی ذہن میں رکھی جائے کہ یہ مومن فرعون کا قریبی رشتہ دار اور دربار کا ایک اہم رکن تھا۔

[۱۷] اس بندۂ مومن کی تقریر کے بعد فرعون اور اس کے درباری اس مومن کے دشمن بن کر کھڑے ہوئے اور طرح طرح کی سازشوں میں لگ گئے، لیکن اللہ نے ان کی سازشوں کے شر سے اس مومن کو محفوظ رکھا۔

[۱۸] چونکہ آل فرعون پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی دنیا میں اتمام حجت ہو چکا تھا، اس لیے اب برزخ کی زندگی میں ان کو صبح و شام دوزخ کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے تاکہ وہ دیکھیں کہ ان کا اصلی ٹھکانا یہ ہوگا۔ پھر روز قیامت ان کو دوزخ کی شدید ترین سزا میں جھونک دیا جائے گا۔

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِى النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا
نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ
فِى النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِىْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ ع اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ
سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِى
الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِىِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾

(وہ وقت آ کر رہے گا) جب یہ دوزخ والے آپس میں جھگڑیں گے۔ دنیا میں جو لوگ کمزور تھے، وہ بڑے بننے والوں سے کہیں گے: ''ہم تو تمھارے تابع تھے، اب کیا تم لوگ اس دوزخ کی سزا کا کچھ حصہ بھی ہماری جگہ اپنے اوپر لینے کے لیے تیار ہو؟'' وہ بڑے بننے والے جواب دیں گے: ''ہم سب یہاں ایک ہی حال میں ہیں۔ اللہ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہے۔'' پھر یہ دوزخ میں پڑے ہوئے لوگ جہنم کے اہل کاروں سے کہیں گے: ''اپنے رب سے درخواست کرو کہ ہمارے عذاب میں بس ایک دن کی کمی فرمادے۔'' وہ جواب دیں گے: ''کیا تمھارے پاس تمھارے رسول واضح دلائل لے کر نہیں آئے تھے؟'' یہ دوزخ والے جواب دیں گے: ''ہاں، (یقیناً آئے تھے۔)'' (اس پر) جہنم کے اہل کار بولیں گے: ''تو اب تم ہی درخواست کرو۔'' (اُس دن) منکرینِ حق کی درخواست بالکل ضائع ہی جائے گی۔

بے شک، ہم اپنے رسولوں اور ان کے ساتھی اہلِ ایمان کی مدد اِس دنیا کی زندگی میں بھی لازماً کرتے ہیں[19] اور اُس روز بھی ان کی مدد کریں گے، جب گواہ کھڑے ہوں گے، جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ بھی فائدہ نہیں دے گی، اور ان کے اوپر لعنت ہوگی اور ان کے لیے بدترین ٹھکانا ہوگا۔

ہم نے موسیٰ کو ہدایت عطا کی اور بنی اسرائیل کو اُس کتاب کا وارث بنادیا جو عقل والوں کی رہنمائی اور نصیحت کے لیے تھی۔ پس اے نبی تم صبر کرو، اللہ کا وعدہ برحق ہے، اپنے قصور کی معافی چاہتے رہو اور صبح وشام اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہو[20]۔ ۴۷-۵۵

[۱۹] یہ اللہ کا طریقہ ہے کہ اس دنیا میں بھی وہ اپنے رسولوں اور ان کے ساتھیوں کی لازماً مدد کرتا ہے۔ اللہ اپنے رسولوں کو کبھی بھی دشمن کے ہاتھ میں پڑنے نہیں دیتا اور اللہ رسول کے ساتھیوں کو لازماً ان کے مخالفین پر غالب کرتا ہے۔

[۲۰] یعنی جس طرح اللہ کا وعدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوا، اسی طرح اللہ کا وعدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کے حق میں پورا ہوگا۔ آپ کے مخالفین نیست ونابود ہوں گے اور آپ کے ساتھیوں کو غلبہ حاصل ہوگا۔

قرآن مجید میں جہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قصوروں سے استغفار اور تسبیح کی ہدایت کی گئی ہوتی ہے، وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم شخصاً مخاطب نہیں ہوتے، بلکہ امت کے وکیل کی حیثیت سے مخاطب ہوتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ اِنْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِیْهِ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۵۶﴾ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ؕ

قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ رَ

بُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ اَللّٰهُ

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾ كَذٰلِكَ

يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَ

كُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۴﴾

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۵﴾

جولوگ اللہ کی آیات کے بارے میں جھگڑے کررہے ہیں، بغیر اس کے کہ اُن کے پاس کوئی سند آئی ہو، اُن کے دلوں میں تکبر بھرا ہوا

ہے اگرچہ وہ کبھی بامراد ہونے والے نہیں ہیں۔ پس اے نبیؐ، تم اللہ کی پناہ مانگو، وہی حقیقی سننے اور دیکھنے والا ہے۔[21]

آسمان وزمین (اور ان کے درمیان کی تمام مخلوقات کا پہلی مرتبہ) پیدا کرنا لوگوں کے (دوبارہ) پیدا کرنے سے زیادہ مشکل ہے، لیکن

بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ جس طرح اندھا اور آنکھوں والا یکساں نہیں ہوسکتے، اسی طرح اہلِ ایمان وصالح اور بدکار برابر نہیں ہوسکتے۔

مگر تم لوگ بہت کم سوچتے ہو۔ بے شک، قیامت آکر رہے گی۔[22] اس (کے آنے) میں کوئی شک نہیں، لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں

لارہے ہیں۔

اے انسانو، تمھارے رب کا ارشاد ہے: ''مجھے پکارو، میں تمھاری دعائیں قبول کروں گا۔ جو لوگ (تکبر کرکے) میری بندگی سے

منہ موڑ رہے ہیں، وہ عنقریب ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے۔'' وہ اللہ ہی ہے جس نے تمھارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں

سکون حاصل کرو اور دن کو روشن بنایا۔ اللہ لوگوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے، لیکن بہت سے لوگ شکرگزار نہیں ہوتے۔ وہی اللہ تمھارا

پروردگار ہے، ہر چیز کا خالق، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر تم لوگ کدھر سے بہکائے جارہے ہو؟ اسی طرح وہ لوگ بھی بہکائے جاتے

رہے ہیں جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔[۲۳]

وہ اللہ ہی ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو قرار کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا۔ جس نے تمھاری صورت بنائی اور بڑی ہی عمدہ بنائی۔ جس نے تمھیں پاکیزہ چیزوں کا رزق بخشا۔ وہی اللہ تمھارا پروردگار ہے۔ پس بڑی ہی بابرکت ذات ہے اللہ، کائنات کے رب کی۔ وہی زندہ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس لیے تم اُسی کو پکارو، اُس کی خالص اطاعت کے ساتھ۔ سارا حمد و شکر اللہ، عالم کے خداوند، کے لیے ہے۔ ۵۶-۶۵

[۲۱] رسول کے زمانۂ حیات میں بہت سے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو یہ جان چکے ہوتے ہیں کہ یہی رسول برحق ہے، لیکن وہ اپنے خاندانی، قبائلی، مال و دولت اور مرتبے کے غرور کی وجہ سے اس کے ساتھ کٹ حجتی کرتے ہیں۔

[۲۲] یہ قیامت کی دلیل ہے کہ جس طرح اس دنیا کی زندگی میں اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح صالح انسان اور غلط کار انسان کو بھی برابر نہیں ہونا چاہیے۔

[۲۳] جو شخص بھی کائنات، دنیا اور خود اپنے وجود میں غور و فکر نہیں کرتا اور توحید سے غافل رہتا ہے، ایسا شخص عقل رکھتے ہوئے بھی بے عقلی سے کام لیتا ہے اور شیاطین جن و انس اور اپنے نفس امارہ کے کہے پر چل کر بہک جاتا ہے۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ وَاُمِرْتُ اَنْ
اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا
ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّی وَّلَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۶۸﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ
یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ اَنّٰی یُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ
یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ یُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾ فِی الْحَمِیْمِ ثُمَّ فِی النَّارِ
یُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ ثُمَّ قِیْلَ لَهُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ
نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَیْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۷۴﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ

معانقة عند المتأخرین

الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿٧٥﴾ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٧٦﴾

اے نبیؐ، کہہ دو: ''مجھے اس بات سے روک دیا گیا ہے کہ میں اُن (ہستیوں) کی بندگی کروں جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، جبکہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے واضح آیات آچکی ہیں اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں رب العالمین کے آگے سر جھکا دوں۔''

وہی اللہ ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر خون کے ایک لوتھڑے سے، پھر وہ تم کو وجود میں لاتا ہے ایک بچے کی صورت میں، پھر (وہ تم کو پروان چڑھاتا ہے) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور پھر (وہ تم کو مہلت دیتا ہے) تاکہ تم بڑھاپے کو پہنچو۔ تم میں سے بعض اس سے پہلے ہی مر جاتے ہیں۔ یہ اس لیے ہے تاکہ تم ایک معین مدت پوری کر لو اور اس لیے ہے کہ تم حقیقت کو سمجھ جاؤ۔[۲۴] وہی اللہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ پھر جب وہ کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس حکم فرماتا ہے کہ ہو جا اور وہ کام ہو جاتا ہے۔

اے نبیؐ، ذرا ان لوگوں کو تو دیکھو جو اللہ کی آیات کے بارے میں جھگڑے کرتے ہیں۔ یہ لوگ کہاں پھیرے دیے جا رہے ہیں؟ جن لوگوں نے اللہ کی کتاب کو جھٹلایا اور اُن چیزوں کو بھی جن کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا، ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گا، جب اُن کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں، وہ گرم پانی میں گھسیٹے جائیں گے اور پھر آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔ پھر ان سے پوچھا جائے گا: ''اب کہاں ہیں وہ معبود جن کو تم اللہ کے سوا شریک ٹھہراتے تھے؟'' وہ کہیں گے: ''وہ سب تو ہم سے کھو گئے، بلکہ (ہمیں تو یوں لگتا ہے جیسے) اس سے پہلے تو ہم کسی بھی چیز کو نہیں پوجتے رہے۔'' اس طرح اللہ اِن منکرینِ حق کے ہوش و حواس گم کر دے گا۔ (اُس وقت ان سے کہا جائے گا): ''یہ تمھارا انجام اس لیے ہوا ہے کہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے اور اکڑتے رہے۔ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ رہنے کے لیے۔ کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے اِن غرور کرنے والوں کا۔''[۲۵] ۶۶-۷۶

[۲۴] یعنی تمھیں زندگی کی یہ مہلت اس لیے دی جاتی ہے کہ اس میں تم حقیقت کو سمجھ جاؤ۔ گویا جس انسان کو اس دنیا میں جتنی زیادہ مہلت ملتی ہے، اسی کے مطابق اس سے حساب لیا جائے گا۔

[۲۵] یہ انجام ان منکرین حق کا ہو گا جن کو دین کی دعوت پوری طرح مل گئی اور پھر بھی غرور و تکبر کے مارے انھوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿٧٧﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿٧٨﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ

لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ
وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي
الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ
اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ
بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾
فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

پس اے نبیؐ، صبر کرو، بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ ہم جس سزا کی دھمکی اِن منکرینِ حق کو دے رہے ہیں یا ہم تمھارے سامنے ہی اُس کا کچھ حصہ تمھیں دکھادیں گے یا (اس سے پہلے) تمھیں وفات دے دیں گے۔[۲۶] پھر اِن کی واپسی ہماری طرف ہی ہوگی۔

اے نبیؐ، ہم نے تم سے پہلے بھی رسول بھیجے جن میں سے بعض کے حالات ہم نے تم کو سنادیے اور بعض کے حالات نہیں بتائے۔ کسی رسول کی بھی یہ طاقت نہ تھی کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر خود کوئی نشانی لے آئے۔ پس جب اللہ کا حکم آجائے گا تو عدل کے ساتھ فیصلہ کردیا جائے گا اور اُس وقت باطل راستوں پر چلنے والے نقصان میں جا پڑیں گے۔[۲۷]

اے لوگو، اللہ ہی نے تمھارے لیے چوپائے پیدا کیے تاکہ تم اِن میں سے کسی پر سوار ہو اور کسی کا گوشت کھاؤ۔ اِن کے اندر تمھارے لیے دوسرے فائدے بھی ہیں۔ وہ تمھارے اس کام بھی آتے ہیں کہ جہاں جانے کی تمھیں حاجت ہو تو ان کے ذریعے سے پہنچ سکو۔ ان جانوروں پر بھی اور کشتیوں پر بھی تم سوار کیے جاتے ہو۔ اللہ اپنی یہ نشانیاں تمھیں دکھا رہا ہے، آخر تم اللہ کی کن کن نشانیوں کا انکار کروگے؟

اے نبیؐ، کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں کہ اِن کو اُن لوگوں کا انجام نظر آتا جو اِن سے پہلے گزر چکے ہیں! وہ لوگ اِن سے تعداد میں زیادہ تھے، اِن سے بڑھ کر طاقت ور تھے اور زمین میں اِن سے زیادہ شاندار آثار چھوڑ گئے ہیں۔ تو پھر اُن کی یہ ساری کمائی آخر اُن کے کس کام آئی! جب اُن کے رسول اُن کے پاس نہایت واضح دلائل کے ساتھ آئے تو یہ لوگ اپنے اُسی علم پر نازاں رہے جو ان کے پاس تھا۔ چنانچہ اُن کو اسی عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ جب انھوں نے ہماری سزا دیکھ لی تو پکار اٹھے: ''ہم

"مگر ہمارا عذاب دیکھ لینے کے بعد اُن کا ایمان اُن کے لیے کچھ بھی فائدہ دینے والا نہیں بن سکتا تھا کیونکہ یہی اللہ کا مقرر کردہ ضابطہ ہے جو ہمیشہ اُس کے بندوں میں جاری رہا ہے۔ اُس وقت منکرینِ حق نقصان میں پڑ گئے[28]۔ ۷۷-۸۵

[۲۶] رسولوں کے ضمن میں اللہ کا قانون یہ ہے کہ ان کے ساتھیوں کو لازماً ان کے مخالفین پر غلبہ عطا کیا جاتا ہے۔ ضروری نہیں کہ اس غلبے کے وقت رسول خود بھی زندہ ہو۔ ممکن ہے کہ اللہ اپنے رسول کو اپنی حکمت کے مطابق اس غلبے سے پہلے ہی اٹھا لے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دشمنانِ حق کی سزا کے وقت رسول خود اس دنیا میں موجود ہو۔ یہاں اسی قانون کے اس پہلو کو بیان کیا گیا ہے۔

[۲۷] یعنی رسول کے لیے ہر نشانی اور رسول کے مخالفین کے لیے سزا کا ایک وقت مقرر ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کسی کی خواہش کے مطابق نہیں، بلکہ اپنی حکمت کے مطابق کرتا ہے۔ جب وہ وقت آ جائے گا تو سب لوگوں کو خود بخود سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

قرآن مجید کی یہ پیشین گوئی مکمل طور پر پوری ہوئی اور آج ہم جانتے ہیں کہ کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں پر قسط وار سزا نازل ہوئی جس کے نتیجے میں ان کا مکمل صفایا ہو گیا۔

[۲۸] یہاں دوسرے رسولوں کی قوموں کے ساتھ ساتھ بالخصوص فرعون اور قوم فرعون کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس سے پہلے ان کی سرگزشت کا کچھ حصہ سامنے لایا گیا تھا۔ فرعون کی سلطنت کے مقابلے میں ابوجہل وابولہب کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی، بادشاہانِ فرعون کے آثار آج بھی موجود ہیں اور جب فرعون کا لشکر دریا میں غرق ہونے لگا تو فرعون نے ایمان لانے کا اعلان کیا، مگر ظاہر ہے کہ اتمام حجت کے بعد ایمان کا اعلان بے فائدہ ہے۔

انھی آیات کے ساتھ اس سورہ کا اختتام ہوتا ہے۔

سورۂ حٰم سجدہ

[۴۱]

نام

اس سورہ کا آغاز حٰم سے ہوتا ہے اور اس میں ایک مقام پر آیت سجدہ آئی ہے جس کی وجہ سے اس کو یہ نام دیا گیا۔

زمانۂ نزول اور موضوع

مکی دور کی اس سورہ کا اصل مضمون توحید ہے۔ اس میں توحید کے دلائل بھی بیان ہوئے ہیں، جو لوگ اس دعوت توحید کی مخالفت کر رہے تھے، ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے براہ راست مخاطبین کی حیثیت سے اس دنیا میں سزا کی دھمکی دی گئی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اہل ایمان کو بشارت دی گئی ہے۔ اس سورہ میں اہل ایمان کو یہ ہدایت بھی فرمائی گئی ہے کہ دشمن خواہ کتنا ہی جاہلانہ اور مشتعل کرنے والا رویہ اختیار کریں، لیکن اس کا جواب ہمیشہ صبر اور بردباری سے دینا ہے۔ دعوت اسلام کی کامیابی اسی میں مضمر ہے۔

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٢﴾ كِتَابٌ فُصِّلَتْ اٰيَاتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٣﴾ بَشِيْرًا
وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٤﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا
وَقْرٌ وَّمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عَامِلُوْنَ ﴿٥﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ﴿٦﴾ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ
كٰفِرُوْنَ ﴿٧﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿٨﴾ ع قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ
بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩﴾ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ
فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿١٠﴾ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ
دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿١١﴾ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ
وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ۚ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿١٢﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

حٰم ۔ (یہ قرآن)، اللہ رحمان ورحیم کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات خوب کھول کر، قرآنِ عربی کی صورت میں، اُن لوگوں کے لیے بیان کی گئی ہیں، جو جاننا چاہیں۔ یہ کتاب خوش خبری دینے والی ہے اور آگاہ کرنے والی ہے۔ لیکن اے نبیؐ، ان لوگوں میں بہت سوں نے اس سے روگردانی کی اور وہ اس کو نہیں سن رہے۔ وہ کہتے ہیں: ”جس چیز کی طرف تم ہمیں دعوت دے رہے ہو اُس کے لیے ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں، ہمارے کان اُس چیز سے بہرے ہیں (جو تم ہمیں

سنا رہے ہو) اور ہمارے اور تمھارے درمیان ایک پردہ حائل ہے۔ اس لیے (جو کچھ تمھیں کرنا ہے وہ) کر گزرو، ہم بھی (جو کچھ کر۔
والے ہیں،) کر کے رہیں گے [1]۔"

اے نبیؐ، ان سے کہہ دو: "میں تو تمھارے ہی مانند ایک بشر ہوں۔ میرے پاس یہ وحی آتی ہے کہ تمھارا معبود بس وہی ایک ہی معب
ہے، اس لیے تم اُسی کی طرف یکسُو ہو کر اپنا رخ کرو اور اس سے مغفرت مانگو۔ اُن مشرکوں کے لیے تباہی ہے جو اللہ کے راستے میں خر
نہیں کرتے [2] اور آخرت کے اصلی منکر وہی ہیں [3]۔ البتہ جو لوگ ایمان لے آئے اور انھوں نے نیک عمل بھی کیے، اُن کے لیے ایسا اجر۔
جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔"

اے نبیؐ، ان سے پوچھو: "کیا تم لوگ اُس ہستی کا انکار کر رہے ہو جس نے زمین کو دو ادوار میں بنایا۔ کیا تم اُس کے شریک ٹھہرا۔
ہو، حالانکہ وہی تو سارے جہان والوں کا رب ہے! اُس اللہ نے اِس زمین میں اِس کے اوپر سے پہاڑ گاڑ دیے [4]، اس زمین میں برکت
رکھیں اور اِس میں اِس کے غذائی ذخیرے مہیا کر دیے، سب ضرورت مندوں کے لیے یکساں طور پر [5]۔ یہ سب کام چار ادوار میں ہو۔
پھر اُس نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی جو اُس وقت دھوئیں کی شکل میں تھا [8]۔ اللہ نے آسمان و زمین سے کہا: "میرے احکام کی تعمیل کرو، خ
رضامندی کے ساتھ، خواہ مجبوراً۔" انھوں نے کہا: "ہم فرماں برداروں کی طرح حاضر ہیں [9]۔" پس اللہ نے دو ادوار کے اندر سات آسما
ہونے کا فیصلہ فرما دیا اور ہر آسمان میں اُس کے قوانین وحی کر دیے [10]۔ اس آسمانِ دنیا کو ہم نے (ستاروں کے) چراغوں سے آراستہ کیا
اس کو خوب محفوظ کر دیا [11]۔ یہ سب اُس زبردست اور کامل علم والے کی منصوبہ بندی ہے [12]۔ ۱-۱۲

[۱] نزولِ قرآن کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کا ایک بڑا گروہ ایسا بھی تھا جو صاف صاف کہتا تھا کہ اگر یہ دعوت صحیح بھی ہے تب بھی ہم ا
کو کسی صورت میں نہ سنیں گے اور نہ مانیں گے، اس لیے کہ یہ ہمارے مفادات پر ضرب لگا رہی ہے۔

[۲] یہاں زکوٰۃ سے مراد 'انفاق فی سبیل اللہ' یعنی اللہ کی رضامندی کے لیے اللہ کے بندوں پر خرچ کرنا ہے۔ اس مفہوم کے لیے یہ لفظ اسلام کے مکی
میں بھی استعمال ہوتا تھا۔ مدنی دور میں آ کر اس کی باضابطہ شکل معین ہوگئی۔

[۳] یعنی آخرت کے اصل منکر یہی ہیں، اسی لیے تو یہ اپنے مال میں اللہ کے کمزور بندوں کا کوئی حق تسلیم نہیں کرتے۔

[۴] دنیا کے مختلف حصوں کے آپس میں ٹکرانے کی وجہ سے پہاڑ وجود میں آئے جو سطحِ زمین سے اوپر بھی اٹھ گئے اور زمین کے اندر میخوں کی طرح
گئے۔ چنانچہ یہ پہاڑ زمین کی موجودہ حالت کو برقرار رکھنے میں ایک بڑا کردار ادا کر رہے ہیں۔

[۵] یعنی اس زمین میں کروڑوں قسم کی مخلوقات کی بقا اور ان کے درمیان توازن کے لیے جس قسم کی غذا کی ضرورت تھی، ان کے ذخیرے پروردگار۔

اس دنیا میں رکھ دیے۔

[۶] قرآن مجید کے مطابق زمین کی تخلیق سے لے کر اس کو انسان کے لیے سازگار بنانے تک کا سارا کام چار مرحلوں میں مکمل ہوا۔

[۷] قرآن مجید میں 'ثـم' کا لفظ جس کے عام معنی 'پھر' کے ہیں، صرف ترتیب زمانی ہی کے لیے نہیں، بلکہ ترتیب بیان کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی اوپر کی آیات میں زمین کی تخلیق سے متعلق بات ہے اور اب آسمانوں کی تخلیق کے متعلق حقائق بیان کیے جا رہے ہیں۔

[۸] یہاں آسمان سے مراد پوری کائنات ہے اور دھوئیں سے مراد مادے کی وہ ابتدائی حالت ہے، جس میں وہ غبار کی شکل میں موجود تھا۔ اس کے لیے سحابیہ (Nebula) کی سائنسی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔

[۹] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کے اندر جتنی مخلوقات جبلی (Instinct کے) طور پر اللہ کے قوانین کی پابندی کرتی ہیں، ان کی اطاعت بھی مجبورانہ نہیں، بلکہ رضامندانہ ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز کے اندر ایک خاص طرح کا شعور موجود ہے اگرچہ ہم اس سے باخبر نہیں۔

[۱۰] یعنی کائنات کی موجودہ شکل کے پہلے دو مرحلوں میں سات آسمانی کائناتیں بنیں اور پھر چار مرحلوں میں زمین اپنی موجودہ شکل تک پہنچی۔ ظاہر ہے کہ ان چار مرحلوں میں باقی کائنات میں بھی اللہ کی طرف سے، بہت سے منصوبے پایۂ تکمیل کو پہنچ رہے ہوں گے۔

[۱۱] 'آسمان دنیا' سے مراد وہ کائنات ہے جو ہمیں اپنی آنکھوں اور آلات سے نظر آتی ہے۔ کائنات کے اس حصے کی صورت گری اللہ نے اس طریقے سے کی ہے کہ سب کچھ انتہائی مضبوط قوانین اور قاعدوں کے مطابق ہو رہا ہے اور ہر چیز پوری طرح محفوظ ہے۔

[۱۲] یعنی اب اس دنیا میں انسانوں کو بھی چاہیے کہ اپنی اختیاری زندگی میں وہی راستہ اختیار کریں جو اس عظیم کامل علم والے کی منصوبہ بندی کے مطابق ہے۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ
اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ
كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ
الَّذِىْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْٓ اَيَّامٍ
نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْىِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾
وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ

يُوزَعُونَ ﴿١٩﴾ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٠﴾
وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۭ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ
وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢١﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ
وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ
فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۭ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ
الْمُعْتَبِيْنَ ﴿٢٤﴾ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاۗءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ
اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ ع

اے نبیؐ، اب اگر یہ منکرینِ حق منہ موڑتے ہیں تو ان سے کہہ دو: ”میں تم کو اُسی طرح کے ایک اچانک ٹوٹ پڑنے والے کڑکے سے ڈراتا ہوں جیسا عاد و ثمود پر نازل ہوا تھا، جب رسول اُن کے پاس اُن کے آگے سے بھی آئے اور پیچھے سے بھی،[13] (اس دعوت کے ساتھ) کہ اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو، لیکن انھوں نے کہا کہ اگر ہمارا رب چاہتا تو (ہم پر) فرشتے اتارتا، اس لیے ہم اس پیغام کو نہیں مانتے جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو۔“

عاد کا معاملہ یوں تھا کہ انھوں نے زمین میں بغیر کسی حق کے تکبر کیا اور بولے: ”کون ہے ہم سے زیادہ طاقت ور؟“ کیا انھوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ جس اللہ نے اُن کو پیدا کیا ہے، وہ اُن سے زیادہ طاقت ور ہے؟[14] وہ ہماری آیات کا برابر انکار ہی کرتے رہے، آخر کار ہم نے چند منحوس دنوں میں[15] اُن پر ایک سخت طوفانی ہوا بھیجی تا کہ انھیں دنیا ہی کی زندگی میں رسوائی کا عذاب چکھائیں اور آخرت کا عذاب تو اِس سے کہیں زیادہ رسوا کن ہوگا۔ (وہاں) ان کی مدد کرنے والا کوئی بھی نہ ہوگا۔

رہے ثمود، تو ہم نے ان کو ہدایت کی راہ دکھائی، لیکن انھوں نے ہدایت کے بجائے اندھا رہنے کو پسند کیا، اس لیے ان کے کرتوتوں کی پاداش میں اُن پر ذلت کے عذاب کا کڑکا ٹوٹ پڑا۔ ہم نے اُن لوگوں کو بچالیا جو ایمان لے آئے اور جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا۔[16]

(اے لوگو، اُس دن کا دھیان کرو) جب اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف جانے کے لیے اکٹھے کیے جائیں گے اور پھر ان کی درجہ

(ہ)ادی ہو گی۔ یہاں تک کہ جب یہ سب اللہ کے پاس حاضر ہو جائیں گے تو اُن کے کان، آنکھیں اور کھالیں اُن پر اُن کے اعمال کی گواہی دیں گی۔ وہ اپنے جسموں سے کہیں گے: ''تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟'' وہ جواب دیں گے: ''ہمیں اسی اللہ نے (قو)ت گویائی دی ہے جس نے آج ہر چیز کو گویا کر دیا ہے۔ اُسی اللہ نے تمھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور اب اُسی کی طرف تم واپس لائے (ج)ا رہے ہو۔''

(اُس وقت منکرینِ حق سے کہا جائے گا): ''تم یہ اندیشہ نہیں رکھتے تھے کہ تمھارے خلاف تمھارے کان، آنکھیں اور تمھارے (ج)سموں کے رونگٹے گواہی دیں گے، بلکہ تم نے تو یہ سمجھا تھا کہ تمھارے بہت سے اعمال کی اللہ کو خبر بھی نہیں ہے۔ اپنے رب کے بارے میں تمھارا یہی گمان تھا جس نے تم کو غارت کیا اور اسی کی وجہ سے تم خسارے میں پڑنے والے بن گئے۔'' اب اگر یہ منکرینِ حق صبر کریں (یا نہ کریں)، دوزخ ہی ان کا ٹھکانا ہے اور اگر وہ معافی مانگیں گے تو ان کو معافی نہیں ملے گی۔ ہم نے ان منکرینِ حق پر بُرے ساتھی مسلط کر دیے جو اُن کو آگے اور پیچھے ہر چیز خوش نما بنا کر دکھاتے تھے،[۱۷] بالآخر اُن پر بھی وہی بات پوری ہو کر رہی جو جنات اور انسانوں کے اُن گروہوں پر پوری ہوئی جو اُن سے پہلے گزر چکے تھے۔ یقیناً وہ خسارے میں رہ جانے والے بنے۔ ۱۳-۲۵

[۱۳] یہاں عاد و ثمود کا ذکر بطور مثال ہوا ہے۔ مقصود ان تمام قوموں کی طرف اشارہ ہے، جنھوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا۔ اسی لیے یہاں لفظ 'رسل' بصورت جمع استعمال ہوا ہے۔

یہاں قرآن مجید اسی قانون کا ذکر کر رہا ہے، جس کے تحت رسول کے براہ راست دشمنوں کو آخرت کے علاوہ اس دنیا میں بھی سزا دی جاتی ہے۔

[۱۴] قوم عاد کو اللہ نے قوت و شوکت بخشی، لیکن وہ اللہ کے شکر گزار بندے بننے کے بجائے مغرور بن گئے۔

[۱۵] 'ایام نحسات'، سخت سردی کے ان دنوں کو بھی کہتے ہیں جن میں سردی کی شدت کے سبب سے ہر چیز پر اداسی، افسردگی، خشکی اور ایک طرح کی نحوست چھا جاتی ہے۔

[۱۶] یہ اللہ کا طریقہ ہے کہ رسول کے براہ راست مخالفین پر سزا نافذ کرتا ہے اور اس کے ساتھیوں کو نجات اور غلبہ عطا کرتا ہے۔

[۱۷] جو لوگ اللہ کی یاددہانی سے منہ موڑتے ہیں اور اس کے رسولوں کی مخالفت کرتے ہیں، اس کی ایک سزا اللہ کی طرف سے یہ بھی ہوتی ہے کہ ان پر نہایت برے لیڈر مسلط کر دیے جاتے ہیں جو ان کو خوب سبز باغ دکھاتے ہیں اور یوں اللہ کا وعدۂ عذاب پورا ہو جاتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
عَذَابًا شَدِيْدًا وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ

الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنّ
وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّ
عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْ
رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَ
تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِ
حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِ
الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾

ان منکرینِ حق نے کہا: "اس قرآن کو نہ سنو اور (جب یہ سنایا جائے تو) اس کے بیچ میں شور شرابا کرو تا کہ تم غالب رہو۔"[18] ا
منکرینِ حق کو ہم سخت سزا چکھائیں گے اور اُن کو ان کے عمل کا بدترین بدلہ دیں گے۔ یہ اللہ کے دشمنوں کا بدلہ ہے یعنی دوزخ۔ ان
لیے اسی دوزخ میں ہمیشگی کا گھر ہوگا۔ یہ ہے سزا اس جرم کی کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے رہے۔

جن لوگوں نے انکارِ حق کیا، وہاں وہ کہیں گے: "اے ہمارے رب، وہ جنات اور انسان ہمیں دکھا جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ ہ
انھیں پاؤں تلے روند ڈالیں گے تا کہ وہ ذلیل وخوار ہوں۔"

یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر وہ اِس بات پر ثابت قدم رہے، اُن پر فرشتے اتریں گے (اور ان سے کہیں
گے): "اب نہ کوئی اندیشہ کرو اور نہ کوئی غم۔ اس جنت کی خوش خبری قبول کرلو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھ
تمھارے ساتھی رہے اور آخرت (کی زندگی) میں بھی تمھارے ساتھی ہیں۔ تم کو اس (جنت) میں ہر وہ چیز ملے گی جس کو تمھارا دل
چاہے گا اور تمھارے لیے اِس (جنت) میں ہر وہ چیز موجود ہے جو تم طلب کرو گے۔ غفور ورحیم رب کی طرف سے مہمان نواز
کے طور پر۔"

اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے، نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ بھلائی اور برائی، دونوں یکساں نہیں ہیں۔ تم برائی کو اُس نیکی سے دفع کرو جو زیادہ بہتر ہے۔ اِس طرح تم دیکھو گے کہ وہی شخص جس کے ساتھ تمھاری دشمنی ہے، وہ گویا تمھارا ایک سرگرم دوست بن گیا ہے۔ یہ (دانائی) صرف انھی کو عطا ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ (مقام) صرف بڑے نصیب والوں کو ملتا ہے۔ اگر (بحث کے دوران میں) شیطان تمھارے دل میں کوئی اکساہٹ پیدا کر ہی دے تو اللہ کی پناہ ڈھونڈو۔ بے شک، حقیقی سننے والا، جاننے والا وہی ہے۔ [19] ٢٦-٣٦

[١٨] جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو قرآن مجید سنانے کے لیے بلاتے تو دشمنان اسلام شور وغل برپا کر دیتے یا موسیقی اور کھیلوں کی محفل شروع کر دیتے تا کہ لوگوں کو قرآن سننے کا موقع نہ ملے۔

[١٩] آیت نمبر ٣٣ میں بتایا گیا ہے کہ کسی اہل ایمان کی طرف سے دعوت اسلام کے لیے کوشش نہایت پسندیدہ ہے۔ اس کے بعد اگلی دو آیات میں وہ طریقہ بیان کیا گیا ہے جس پر مسلمانوں کو عمل کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ دوسرے کی طرف سے برائی کا جواب بھی بھلائی سے دے۔ اس رویے سے زمین میں امن وسلامتی اور صلح ومحبت کا دور دورہ ہو جائے گا۔ ایک انسان اپنے اندر اس رویے کو صرف اس وقت راسخ کر سکتا ہے جب وہ مسلسل خود اپنے آپ کو صبر کی تلقین کرے اور پوری کوشش کر کے صبر کے راستے پر چلے اور ردعمل اور اشتعال سے اپنے آپ کو بچائے۔ ایسا ہی شخص نہایت خوش قسمت ہوتا ہے۔ صبر کے راستے پر چلنا آسان نہیں ہوتا، اس دوران میں شیطان مسلسل انسان کو ردعمل ظاہر کرنے اور بدلہ لینے پر اکسانے کی کوشش کرتا ہے۔ شیطان کی ایسی ہر کوشش سے انسان کو اللہ کی پناہ ڈھونڈنی چاہیے۔

ومن ایاته الیل والنهار والشمس والقمر لا تسجدوا للشمس ولا للقمر ط واسجدوا لله الذی خلقهن
ان کنتم ایاه تعبدون ﴿٣٧﴾ فان استکبروا فالذین عند ربک یسبحون له بالیل والنهار وهم لا
یسئمون ﴿٣٨﴾ السجدة ومن ایته انک تری الارض خاشعة فاذا انزلنا علیها الماء اهتزت وربت ط ان الذی
احیاها لمحی الموتی ط انه علی کل شیء قدیر ﴿٣٩﴾ ان الذین یلحدون فی ایاتنا لا یخفون علینا ط
افمن یلقی فی النار خیر ام من یاتی امنا یوم القیامة ط اعملوا ما شئتم انه بما تعملون بصیر ﴿٤٠﴾
ان الذین کفروا بالذکر لما جاءهم ج وانه لکتاب عزیز ﴿٤١﴾ لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من

السجدة

خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِر
وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُ
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ
مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ
بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا
رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں یہ رات اور دن اور سورج اور چاند۔ سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو، بلکہ اُس اللہ کو سجدہ کرو جس نے اِن ساری چیزوں کو پیدا کیا ہے اگر تم واقعی اللہ کی عبادت کرنے والے ہو۔[20]

لیکن اے نبیؐ، اگر یہ منکرینِ حق غرور کریں (تو کرتے رہیں)، جو فرشتے تیرے رب کے پاس ہیں وہ شب و روز اُسی اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور کبھی نہیں تھکتے۔

اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تم زمین کو بالکل بے جان دیکھتے ہو، پھر جب ہم اُس پر پانی برسا دیتے ہیں تو وہ متحرک ہو جاتی ہے اور پھول جاتی ہے۔ بے شک، جس اللہ نے اِس زمین کو زندہ کر دیا وہ مُردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے۔ یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔
جو لوگ ہماری نشانیوں کے بارے میں ٹیڑھا راستا[21] اختیار کر رہے ہیں، وہ ہم سے مخفی نہیں ہیں۔ کیا وہ شخص بہتر ہے جو دوزخ میں ڈالا جائے گا یا وہ شخص جو قیامت کے دن امن کے سایے میں ہوگا؟ اے منکرینِ حق، کرلو جو کچھ تم چاہو۔ تمھاری ساری حرکتوں کو اللہ دیکھ رہا ہے۔
جن لوگوں نے اللہ کی نصیحت کا انکار کیا، جب وہ اللہ کی طرف سے اُن کے پاس آگئی، حالانکہ یہ تو ایک بلند پایہ کتاب ہے۔ باطل نہ سامنے سے اِس کتاب پر آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔[22] یہ کتاب اللہ حکیم و حمید کی طرف سے نہایت اہتمام کے ساتھ اتاری گئی ہے۔
اے نبیؐ، تم سے جو کچھ (مخالفین کی طرف سے) کہا جا رہا ہے، اُس میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو تم سے پہلے گزرے ہوئے رسولوں سے نہ کہی گئی ہو۔ بے شک، تیرا رب بہت معاف کرنے والا بھی ہے اور دردناک سزا دینے والا بھی۔ اگر ہم اِس کو عجمی قرآن

ما کر بھیجتے تو یہ لوگ اعتراض کرتے: ''اس قرآن کی آیات کی وضاحت کیوں نہیں کی گئی؟ (کیا عجیب بات ہے کہ) کلام عجمی اور مخاطب عربی!'' ان سے کہہ دو: ''یہ قرآن اہلِ ایمان کے لیے تو ہدایت اور شفا ہے۔ رہے وہ لوگ جو ایمان نہیں لا رہے ہیں تو اُن کے کانوں میں بہرا پن ہے اور یہ کتاب ان کے اوپر ایک حجاب ہے[۲۳] اب یہ لوگ ایک بہت دور (یعنی روزِ قیامت) کی جگہ سے پکارے جائیں گے۔

ہم نے موسیٰؑ کو بھی کتاب عطا کی تھی تو اُس میں اختلاف پیدا کیا گیا[۲۴]۔ اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو اِن اختلاف کرنے والوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا[۲۵]۔ یہ لوگ اِس (تورات) کی طرف سے ایک الجھن میں ڈال دینے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں[۲۶]۔

جو کوئی نیک عمل کرے گا تو وہ اپنے ہی لیے (اچھا) کرے گا اور جو بدی کرے گا تو اُس کی سزا اُسی پر آئے گی۔ تیرا رب اپنے بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ہے[۲۷]۔ ۳۷-۴۶

[۲۰] وحدت الوجود کے فلسفے کی رو سے اللہ ہر چیز کے ذریعے سے اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے چنانچہ اس فلسفے کو ماننے والوں کا یہ کہنا ہے کہ جب وہ کسی چیز کے آگے سر جھکاتے ہیں تو وہ دراصل اللہ کی عبادت کر رہے ہوتے ہیں۔ یہاں قرآن مجید نے اس فلسفے کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ سورج، چاند اور باقی سب چیزیں اللہ کا پرتو نہیں ہیں، بلکہ اللہ کی مخلوق ہیں، اس لیے ان کی عبادت منع ہے۔

[۲۱] 'الحاد' کے معنی ہیں انحراف کرنا، سیدھی راہ سے ٹیڑھی راہ کی طرف مڑ جانا اور کج روی اختیار کرنا۔

[۲۲] یہ قرآن کی عظمت کا ایک جامع بیان ہے۔ اس کو نازل کرنے والا اللہ ہے، اس کو لانے والے جبریل امینؑ ہیں، اس کے حامل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کو قبول کرنے والے پاکیزہ ترین انسان ہیں۔ اس کی حفاظت کا اہتمام خود اللہ نے فرمایا ہے۔ اس کے زمانۂ نزول میں اللہ نے اس بات کا خاص اہتمام فرمایا کہ قرآن کی وحی میں شیاطین کوئی مداخلت نہ کر سکیں۔ یہ کتاب اپنی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے معجزہ ہے۔ قرآن مجید کی زبان کی حفاظت کا بھی اللہ نے قیامت تک کے لیے وعدہ فرمایا ہے۔ کوئی شخص اس کی کسی بات کو غلط ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا اور بعد میں بھی کوئی ایسی حقیقت یا صداقت سامنے نہیں آ سکتی جو قرآن مجید کے پیش کردہ حقائق کے خلاف ہو۔

[۲۳] یعنی جو لوگ اس کتاب کو اچھی طرح سمجھنے کے باوجود اس پر ایمان نہیں لا رہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں کے کان بہرے ہیں اور قبولِ حق کی صلاحیت ان کے اندر مردہ ہو چکی ہے۔ اس قرآن کی روشنی نے ان کی نگاہیں خیرہ کر دی ہیں جس کے سبب سے یہ ان کے لیے رہنمائی کے بجائے اندھے پن کا ذریعہ بن گئی ہے۔

[۲۴] قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود لیا ہے، جبکہ تورات و انجیل کی حفاظت کی ذمہ داری ان کے حاملین پر ڈالی گئی تھی جو اس کا حق ادا نہ کر سکے اور یوں ان میں ایسا اختلاف پیدا کر دیا گیا جس کی وجہ سے اصل حقیقت تک پہنچنا نہایت دشوار، بلکہ ناممکن ہے۔

[۲۵] یعنی اہل یہود اللہ کی کتاب کے ساتھ جو ظلم کر چکے تھے، اس کے بعد وہ سزاوار تو اس بات کے تھے کہ اللہ کی عدالت اور سزا کے ذریعے سے ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا، لیکن چونکہ اللہ نے اہل کتاب کو قیامت تک مہلت دینے کا فیصلہ کیا ہے، اس لیے انھیں یہ مہلت ملی ہوئی ہے۔

[۲٦] یعنی موجودہ تورات وانجیل میں پائے جانے والے اختلافات کے باعث یہ لوگ خود ان کتابوں کے اصل منبع کی طرف سے ایک بڑے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

[۲۷] اللہ کے ہاں ہر شخص کی نیت، اس کو ملنے والا علم، اس کا گرد و پیش اور اس کے عمل کے محرکات موجود ہیں۔ اللہ کے ہاں روز قیامت کسی پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا اور ہر چیز کا فیصلہ عدل وانصاف کے مطابق کیا جائے گا۔

[پارہ نمبر 25]

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿۴۷﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾ لَا يَسْئَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾

قیامت کے علم کا معاملہ صرف اللہ ہی سے متعلق ہے۔ وہی اللہ اُن سارے پھلوں کو جانتا ہے جو اپنے غلاف سے باہر نکلتے ہیں، اُسی

کو معلوم ہے کہ کون سی مادہ حاملہ ہے اور کس نے بچہ جنا ہے۔ پھر جس روز وہ اِن مشرکین کو پکارے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں۔ یہ لوگ جواب دیں گے: ''ہم عرض کر چکے ہیں کہ آج ہم میں سے کوئی بھی اس کا گواہ نہیں رہا۔'' (اُس وقت) وہ سارے معبود اِن سے گم ہو جائیں گے جنھیں یہ اس سے پہلے پکارتے رہے تھے اور وہ جان لیں گے کہ اب اُن کے لیے کوئی پناہ کی جگہ باقی نہیں رہی۔

انسان بھلائی کی دعا مانگنے سے نہیں تھکتا اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو وہ مایوس اور دل شکستہ ہو جاتا ہے۔ اور اُس تکلیف کے پہنچنے کے بعد جب ہم اُس کو اپنی رحمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ کہتا ہے: ''میں تو اسی کا مستحق ہوں۔ میں نہیں سمجھتا کہ قیامت کبھی آئے گی، لیکن اگر واقعی میں اپنے رب کی طرف لوٹایا ہی گیا تو میرے لیے وہاں بھی بہتری ہی ہے۔[۲۸]'' پس جن لوگوں نے انکارِ حق کیا، ہم اُن کو ان کے اعمال سے ضرور آگاہ کریں گے اور انھیں ایک سخت عذاب کا مزہ لازماً چکھائیں گے۔

جب ہم انسان پر اپنی نعمت کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور اپنا پہلو بدل لیتا ہے۔ اور جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا بن جاتا ہے۔[۲۹]

اے نبیؐ، (ان منکرینِ حق سے) کہو: ''کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر (یہ قرآن) اللہ کی طرف سے ہوا اور تم اس کا انکار کرتے رہے تو اُس شخص سے بڑھ کر بھٹکا ہوا اور کون ہوگا جو (اِس قرآن کی) مخالفت میں دور تک نکل گیا ہو۔''

اے نبیؐ، اِن (مخاطبین) کو ہم اپنی نشانیاں کائنات میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کے اپنے نفس میں بھی، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ قرآن بالکل حق ہے۔[۳۰] کیا یہ بات کافی نہیں کہ تیرا رب ہر بات کا شاہد ہے؟[۳۱] آگاہ رہو، یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات کے بارے میں شک میں ہیں۔ آگاہ رہو کہ اللہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔[۳۲] ۴۷-۵۴

[۲۸] یہاں مختلف انسانوں کے مختلف رویوں کا ذکر ہے۔ بہت سے انسان ایسے ہوتے ہیں جو اللہ کی طرف سے کسی نعمت کے حصول کے بعد شکر کا رویہ اختیار نہیں کرتے اور غرور و تکبر اور بے حسی پر اتر آتے ہیں۔ اسی طرح بہت سے لوگ کسی تکلیف کے وقت صبر کا رویہ اختیار نہیں کرتے، بلکہ مایوس اور دل شکستہ ہو جاتے ہیں۔

[۲۹] یہاں اُن انسانوں کا ذکر ہے جو فضل کے وقت اپنے اللہ کو فراموش کر دیتے ہیں اور اللہ کی گرفت میں آنے کے بعد گریہ وزاری کرنے لگتے ہیں۔

[۳۰] یہاں اللہ کے اس قانون کا ذکر ہے جس کی رو سے رسول کے ساتھی لازماً رسول کے مخالفین پر غلبہ پاتے ہیں۔ یعنی بہت جلد وہ وقت آ رہا ہے کہ پوری سرزمین عرب میں اسلام کے غلبے کی نشانیاں ظاہر ہوں گی اور خود ان مخالفین کے اپنے گھروں میں بے شمار لوگ مسلمان ہو جائیں گے اور یہ لوگ اپنے دل کے اندر مان لیں گے کہ یہی سچی دعوت ہے۔ واضح رہے کہ یہ مکی دور کی آیات ہیں جب اسلام کے غلبے کا دور دور تک کوئی نام ونشان نظر نہیں آ رہا تھا، لیکن چند سال کے اندر اندر یہ دعویٰ روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا۔

[۳۱] یعنی غلبۂ حق کی یہ بشارت اگرچہ مستقبل سے متعلق ہے، لیکن چونکہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے، اس لیے اہل ایمان کو مطمئن ہونا چاہیے کہ ان میں

سے ہر بات پوری ہو کر رہے گی۔

[۳۲] یعنی اگر چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ مخالفین اس وقت روز آخرت کی پیشی پر یقین نہیں رکھتے اور اسی لیے یہ لوگ حق کی مخالفت کر رہے ہیں، لیکن چونکہ سب کچھ اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے، اس لیے وہی بات پوری ہو کر رہے گی جس کا دعویٰ قرآن مجید کر رہا ہے۔ ان آیات کے ساتھ اس سورہ کا اختتام ہوتا ہے۔

سورۂ شوریٰ

[۴۲]

نام

اس سورہ کی آیت نمبر ۳۸ میں یہ لفظ آیا ہے، جس کی وجہ سے اس سورہ کو یہ نام دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور موضوع

اس سورہ کے مضامین پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مکی دور کے آخر میں، ہجرت سے متصل زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اس سورہ کا مرکزی مضمون بھی توحید، رسالت اور آخرت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس سورہ میں کئی فکری اور اصولی امور بھی زیر بحث آئے ہیں۔

ایاتہا ۵۳ | رکوعاتہا ۵

سُوْرَةُ الشُّوْرٰی مَکِّیَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ عٓسٓقٓ ﴿۲﴾ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾ لَهٗ مَا فِي
السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۴﴾ تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾ وَالَّذِيْنَ
اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا
عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي
السَّعِيْرِ ﴿۷﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ
مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۸﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ﴿۹﴾ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖۗ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۱۰﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ کے لیے ہے۔

ح م، ع س ق۔ اے نبیؐ، اسی طرح اللہ غالب اور صاحبِ حکمت تمھاری طرف اور تم سے پہلے گزرے ہوئے پیغمبروں کی طرف وحی کرتا رہا ہے[1]۔ اُسی اللہ کا ہے جو کچھ بھی آسمان وزمین میں ہے۔ وہ برتر اور عظیم ہے۔ قریب ہے کہ (اللہ کی عظمت کے بوجھ سے) آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں۔ فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح اور زمین والوں کے لیے استغفار کر رہے ہیں۔ آگاہ رہو کہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا اللہ ہی ہے۔ جن لوگوں نے اُس کو چھوڑ کر اپنے کچھ دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں، اللہ اُن پر نگرانی کیے ہوئے ہے۔ اے نبیؐ، تم ایسے لوگوں پر نگران مقرر نہیں کیے گئے ہو[2]۔

اے نبیؐ، اسی طرح ہم نے تمھاری طرف یہ عربی قرآن وحی کیا ہے تاکہ تم بستیوں کے مرکز (یعنی شہر مکہ) اور اس کے گردوپیش میں

جس کے آنے میں کسی شک کی گنجایش نہیں۔ اُس

رہنے والوں کو خبردار کردو اور اُس دن سے ڈراؤ جو سب کے اکٹھے کرنے کا دن ہوگا،[3]

دن ایک گروہ جنت میں داخل ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں۔

اگر اللہ چاہتا تو سب انسانوں کو ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن وہ (اپنے قانون کے مطابق) اپنی رحمت میں جس کو چاہتا ہے، داخل کرتا

ہے۔ اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والوں کا نہ کوئی کارساز ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔[4] کیا اِن لوگوں نے اُس کے سوا دوسرے کارساز بنا رکھے

ہیں تو یاد رکھیں کہ کارساز تو اللہ ہی ہے۔ وہی مُردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس کسی چیز میں بھی تم نے اختلاف کیا ہے،

اُس کا فیصلہ اللہ کے حوالے ہے۔ اے نبیؐ، (اِن سے کہہ دو): ''وہی اللہ میرا رب ہے، اسی پر میں نے بھروسا کیا اور اسی کی طرف میں

رجوع کرتا ہوں۔'' ۱-۱۰

[۱] یعنی اللہ انسانی زبانوں کے ذریعے سے، پیغمبروں کو وحی بھیجتا ہے تا کہ وہ لوگوں کو سچائی کے راستے سے آگاہ کریں۔

[۲] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ لوگوں کو سیدھا راستہ دکھایا جائے اور ان کو حق کی طرف دعوت دی جائے۔ ان سے بزورِ حق منوانا پیغمبر کی ذمہ داری میں شامل نہیں ہے۔

[۳] 'ام القریٰ'، مرکزی بستی کو کہتے ہیں۔ سرزمین عرب کے لیڈر اور اکابرین شہر مکہ میں رہتے تھے، اسی لیے اس بستی کو یہ نام دیا گیا۔ 'ومن حولھا' سے مراد پوری سرزمین عرب ہے، جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت خاص ہوئی تھی۔

[۴] اگر اللہ چاہتا تو سارے انسان اسی کے دین پر رہتے، لیکن اللہ نے لوگوں کو ارادہ واختیار کی آزادی اس لیے دی کہ صحیح راستے پر چلنے والوں کو اپنی رحمت میں داخل کرے اور ظلم کرنے والوں کو سزا دے۔

فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۱۱﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ

وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا

وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا

تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا

جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ

اُورِثُوا الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِى شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿۱۴﴾ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ج وَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ ج وَلَا تَتَّبِعْ
اَهْوَآءَهُمْ ج وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ ج وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ط اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَآ
اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ط لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ط اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿۱۵﴾

وہی اللہ آسمان وزمین کو پیدا کرنے والا ہے، اُس نے تمھاری جنس سے تمھارے لیے جوڑے پیدا کیے اور چوپایوں کی جنس سے بھی جوڑے بنائے۔ اسی طریقے سے وہ تمھاری تخم ریزی کرتا ہے۔ کوئی چیز بھی اُس کی مثال میں پیش نہیں کی جاسکتی[5]۔ وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ آسمان وزمین کی کنجیاں اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ جسے چاہتا ہے، کھلا رزق دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے،) تنگ کردیتا ہے۔ بے شک، وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

اے نبیؐ، اُس اللہ نے تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کی ہدایت اُس نے نوحؑ کو فرمائی اور جس کی وحی ہم نے تمھاری طرف کی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا کہ اِس دین کو قائم رکھو اور اِس میں تفرقہ مت پیدا کرو[6]۔ یہی بات اِن مشرکین پر سخت ناگوار گزر رہی ہے جس کی طرف تم اِن کو دعوت دے رہے ہو۔ اللہ جس کو چاہتا ہے، اپنی طرف آنے کے لیے چُن لیتا ہے اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اُنھی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں[7]۔

لوگوں میں جو تفرقہ رونما ہوا وہ صحیح علم آنے کے بعد ہوا اور اس وجہ سے ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے[8]۔ اگر تمھارے رب کی طرف سے ایک بات ایک معین مدت کے لیے طے نہ پا چکی ہوتی تو اِن لوگوں کے درمیان فوراً فیصلہ کردیا جاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگلے لوگوں (یعنی تورات وانجیل کے پہلے پیروکاروں) کے بعد جو لوگ کتاب کے وارث بنائے گئے، وہ اِس کی طرف سے بڑی الجھن میں ڈالنے والے شک میں مبتلا ہیں۔

(چونکہ یہ حالت پیدا ہوچکی ہے،) اس لیے اے نبیؐ، تم اسی دین کی دعوت دو اور اِس پر جمے رہو، جیسا کہ تم کو حکم ہوا ہے، اور اِن منکرینِ حق کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔ اِن سے کہہ دو: ''اللہ نے جو کتاب اتاری ہے میں اس پر ایمان لے آیا۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان (حق و باطل کا) فیصلہ کردوں۔ اللہ ہی ہمارا رب بھی ہے اور تمھارا رب بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمھارے اعمال تمھارے لیے۔ ہمارے درمیان کسی بحث کی ضرورت نہیں رہی[9]۔ اللہ (ایک دن) ہم سب کو جمع کرے گا اور اُسی کی طرف سب کو جانا ہے۔ ۱۱-۱۵

[۵] اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ قرآن میں اللہ کے لیے سننے، دیکھنے، بنانے، پکڑنے اور اسی طرح کی دوسری تعبیرات کے لیے جو الفاظ آئے ہیں وہ متشابہات ہیں۔ان کی اصل حقیقت ہم نہیں جانتے۔

[۶] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نیا دین لے کر نہیں آئے، بلکہ ایک ہی دین حق ہے جو سارے پیغمبروں کو دیا گیا۔حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی دین کی دعوت دی اور اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی اسی دین کے ساتھ ہوئی ہے کہ اس دین کو مانا جائے اور اسے اپنی زندگی میں محفوظ اور برقرار رکھا جائے۔اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اس دین میں بدعتیں نہ نکالی جائیں۔ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ اس کی کسی بات کو تو مانا جائے اور کسی بات کو چھوڑ دیا جائے، کیونکہ اس طرح اہل ایمان متفرق ہوجائیں گے۔

سابقہ سارے مفسرین نے اس آیت کے بالاتفاق یہی معنی بیان کیے ہیں، لیکن مولانا مودودی نے اس کی تشریح مختلف انداز میں کی ہے۔اس کے نزدیک اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اس دین کو دنیا میں لوگوں پر عملاً قائم کردیا جائے یعنی اس کی حکومت نافذ کردی جائے۔ان کے نزدیک اس مقصد کے لیے جدوجہد لازم ہے۔انھوں نے اس بات کی یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ قرآن مجید میں مختلف جرائم کی جو سزائیں بیان کی گئی ہیں، اس کی رو سے بھی یہ ضروری ہے کہ اس دین کو عملاً نافذ کیا جائے۔

استاد محترم جاوید احمد غامدی نے اس نقطۂ نظر پر یہ تنقید کی ہے کہ 'اقیموا' سے مراد یہاں 'نافذ کرنا' مراد نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ قواعد زبان کی رو سے یہ ضروری ہے کہ ایسی صورت میں اس کے ساتھ 'علی الناس' کے الفاظ آئیں۔جہاں بھی 'اقیموا' کے ساتھ اس طرح کے الفاظ نہ آئیں تو پھر زبان کی رو سے اس کے معنی یہ بنتے ہیں کہ اسے بالکل درست اور اپنی زندگی میں پوری طرح محفوظ اور برقرار رکھا جائے۔آیت کے اگلے الفاظ 'لا تتفرقوا فیه' بھی صرف اسی معنی کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔قرآن مجید میں ہر جگہ 'اقامت صلٰوۃ' کے حکم کے بھی یہی معنی ہیں یعنی یہ کہ نمازوں پر قائم رہا جائے اور انھیں بالکل درست، محفوظ اور برقرار رکھا جائے۔ظاہر ہے کہ اس سے کوئی بھی یہ معنی مراد نہیں لے سکتا کہ سب لوگوں پر نماز نافذ کی جائے اور انھیں نماز پڑھنے پر مجبور کیا جائے۔

قرآن مجید میں ریاست کے متعلق جتنے احکام دیے گئے ہیں، ان سے مراد یہ ہے کہ جہاں بھی کسی مومن کو حکومت کرنے کا موقع ملے تو وہ ان ہدایات کو روبہ عمل لائے۔جس طرح قرآن مجید میں انفاق فی سبیل اللہ کی ہدایت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر انسان لازماً اتنا کمائے کہ وہ انفاق کرسکے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دولت مند لوگ اس پر عمل پیرا ہوں، اسی طرح ریاست سے متعلق احکام کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حکومت کے لیے کوشش کرنا ہر فرد پر لازم ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان میں سے جو بھی اقتدار میں آئے، وہ ان تمام ہدایات کا خیال رکھے۔

ایک مومن کا اصل کام دین پر عمل پیرا ہونا اور اس کی مدد و نصرت ہے۔اس کی بے شمار شکلیں ہوسکتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں بیسیوں مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ کا کام لوگوں سے یہ بات بزور منوانا نہیں ہے اور آپ ان پر کوئی حاکم یا داروغہ بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ گویا یہ ضروری نہیں کہ ہر مسلمان عملی سیاست میں حصہ لے۔اگر وہ اپنے رجحان، افتاد طبع اور رغبت کی وجہ سے عملی سیاست میں حصہ لینا چاہتا ہے تو ضرور لے

ورنہ وہ دین کی خدمت کے بے شمار میدانوں میں سے کسی بھی میدان میں دین کی خدمت میں اپنی صلاحیت لگا سکتا ہے۔

[۷] یہاں قرآن مجید نے اللہ کا وہ قانون بیان کر دیا ہے جس کے تحت اللہ لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔ وہ قانون یہ ہے کہ جو انسان بھی پوری سنجید
اور خلوص کے ساتھ حقیقت کو دریافت کرنا چاہتا ہو اور اللہ کی رضا حاصل کرنا چاہتا ہو، ایسے شخص کو اللہ ہدایت دیتا ہے۔

[۸] انسانیت کی ابتدا روشنی میں ہوئی تھی، لیکن ان کے تعصبات، ظلم اور تکبر کی بنیاد پر انھوں نے آسمانی کتابوں میں بھی تحریف کی اور اس زیادتی کو ح
بجانب ٹھہرانے کے لیے وہ فرقوں اور مخالف گروہوں میں بٹ گئے۔

[۹] یعنی اگر اتنی تفصیل کے بعد بھی یہ بات تمھاری سمجھ میں نہیں آتی تو اب ہمارے اور تمھارے درمیان مزید طول کلام کی ضرورت نہیں رہی۔ اب معامل
اللہ کے حوالے ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُحَاجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ
وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿١٦﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ
قَرِيْبٌ ﴿١٧﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ
الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلَالٍ بَعِيْدٍ ﴿١٨﴾ اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ
الْعَزِيْزُ ﴿١٩﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ
فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿٢٠﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةُ
الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢١﴾ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ
وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ
الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿٢٢﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ
اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿٢٣﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ

إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۲۴﴾ وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿۲۵﴾
وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ ط وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿۲۶﴾

جولوگ اللہ کے بارے میں جھگڑے کررہے ہیں، بعد اس کے کہ اللہ کو مانا جاچکا ہے، اُن کی یہ دلیل اُن کے رب کے آگے بالکل بے وزن ہے۔[10] اُن پر اللہ کا غضب ہے اور اُن کے لیے سخت عذاب ہے۔

وہ اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ یہ کتاب اور میزان اتاری۔[11] تمھیں کیا معلوم، شاید قیامت بھی قریب ہی آ لگی ہو! اِس قیامت کے لیے وہ لوگ جلدی مچائے ہوئے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے، مگر جو لوگ اِس پر ایمان رکھتے ہیں وہ اِس سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ لازماً برپا ہونے والی ہے۔ آگاہ رہو کہ جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں، وہ بہت دُور کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ جس کو چاہتا ہے، رزق بخشتا ہے۔ وہ قوت والا اور غالب ہے۔ جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہوتا ہے، اُس کی کھیتی کو ہم بڑھاتے ہیں۔ اور جو صرف دنیا کی کھیتی کا طالب ہوتا ہے، ہم اُس کو بھی اِس رزق میں سے کچھ دیتے ہیں، مگر آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے۔

اے نبیؐ، کیا اِن منکرینِ حق کے کچھ ایسے شریک خدا بھی موجود ہیں جنھوں نے اِن کے لیے وہ دین مقرر کیا ہے، جس کی اجازت اللہ نے نہیں دی؟ اگر فیصلے کی مدت طے نہ پا چکی ہوتی تو اِن منکرینِ حق کا فیصلہ کر دیا گیا ہوتا۔[12] بے شک، اِن ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ تم ظالموں کو اُس روزِ قیامت دیکھو گے کہ وہ اپنی کمائی کے انجام سے ڈر رہے ہوں گے اور وہ اِن پر آ کر رہے گا۔ البتہ جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک اعمال کرتے رہے، وہ جنتوں کے باغیچوں میں ہوں گے۔ اُن کے لیے اُن کے رب کے پاس وہ سب کچھ ہوگا، جو وہ چاہیں گے۔ یہی سب سے بڑا فضل ہے۔ یہ ہے وہ چیز جس کی خوش خبری اللہ اپنے اُن بندوں کو دے رہا ہے، جو ایمان لے آئے اور اچھے عمل کرتے رہے۔ اے نبیؐ، کہہ دو: ''میں اِس کام پر تم سے کسی صلہ کا طالب نہیں ہوں، بس قرابت کا حق ہے جو ادا کر رہا ہوں۔''[13] جو شخص کوئی نیکی کرے گا تو ہم اُس کے لیے اِس بھلائی میں بخوبی اضافہ کریں گے۔ بے شک، اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور بڑی قدر افزائی کرنے والا ہے۔

کیا یہ منکرینِ حق کہتے ہیں کہ اِس شخص (یعنی نبیؐ) نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے؟ اگر اللہ چاہے تو تمھارے دل پر بند لگا دے۔[14] اللہ اپنے کلمات کے ذریعہ سے باطل کو مٹاتا ہے اور حق کو مستحکم کرتا ہے۔ بے شک، وہ دلوں کے رازوں کو جاننے والا ہے۔ وہی ہے جو اپنے

بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے، برائیوں کو معاف کرتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والے جو (حق کو) قبول کرتے ہیں، اُن کو اللہ اپنے فضل میں سے مزید عطا فرمائے گا۔ رہے یہ انکار کرنے والے تو ان کے لیے دردناک سزا ہے۔ ١٦-٢٦

[١٠] یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اللہ کو مانتے ہیں، لیکن شرک پر بھی اصرار کرتے ہیں۔

[١١] قرآن مجید ہی میزان عدل اور کسوٹی ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ہر چیز کو اسی ترازو میں تولا جائے اور اسی کسوٹی پر جانچا جائے۔

[١٢] یعنی شرک اتنی بڑی گمراہی ہے کہ مناسب تو یہ تھا کہ ایسے سب لوگوں کو اسی دنیا میں سزا دی جاتی، لیکن چونکہ اللہ نے ان کو مہلت دینے کا فیصلہ کیا ہے، اس لیے ان کو ابھی سزا نہیں دی جا رہی۔

[١٣] چونکہ سرزمین عرب کے مشرکین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قوم کے لوگ تھے، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ہدایت کے لیے دن رات ایک کیے ہوئے تھے۔ اسی لیے یہاں قرآن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اعلان کیا کہ یہ رسول تم لوگوں سے کسی صلہ اور معاوضہ کا طالب نہیں ہے، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تم اس کے ہم قوموں کی حیثیت سے عذاب جہنم سے بچ جاؤ۔

کچھ مترجمین نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: ''میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں، البتہ قرابت کی محبت ضرور چاہتا ہوں'' ان مفسرین کے نزدیک اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں تم سے کوئی اجر تو نہیں مانگتا، لیکن یہ چاہتا ہوں کہ میرے اور تمھارے درمیان جو رشتہ داری ہے، اس کی بنا پر تم میرے ساتھ حسن معاشرت کا برتاؤ کرو۔ مولانا اصلاحی کے نزدیک یہ تاویل صحیح نہیں، اس لیے کہ حسن معاشرت کی اپیل بھی تو ایک اجر ہی کا سوال ہے۔ قریش تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر خواہش پوری کرنے اور آپ کا ہر حکم بجالانے کو تیار تھے بشرطیکہ آپ اس دعوت توحید سے باز آجائیں، لیکن آپ نے صاف انکار فرما دیا۔ اس کے بعد جب قریش کا رویہ مزید سخت ہوا تو آپ نے ان سے حسن معاشرت کی درخواست کرنے کے بجائے ان کو صاف الفاظ میں آگاہ کر دیا کہ تمھیں جو کچھ کرنا ہے کر گزرو، میں اپنی دعوت سے ہرگز باز نہیں آؤں گا۔

[١٤] یعنی اگر اس قرآن کے خلاف ان مخالفین نے یہ فتنہ اٹھایا ہے کہ یہ ہے تو تمھاری ایجاد، لیکن تم نے اس کو جھوٹ موٹ اللہ سے نسبت دے رکھی ہے تو تمھارے اطمینان کے لیے صرف یہی چیز کافی ہے کہ نہ تو تم نے اپنی خواہش سے یہ چیز پائی ہے اور نہ تم اپنی خواہش سے اس کو پا سکتے ہو، بلکہ اللہ ہی نے اس قرآن کو تمھارے دل پر اتارا ہے اور وہ جب چاہے اس کو روک بھی سکتا ہے۔ یہی مضمون سورۂ بنی اسرائیل آیات ٨٦-٨٧ میں بھی گزر چکا ہے۔

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌۢ
بَصِیْرٌ ﴿٢٧﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿٢٨﴾ وَمِنْ
اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِیْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ ﴿٢٩﴾ وَمَآ

أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ﴿٣٠﴾ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا
لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيرٍ ﴿٣١﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿٣٢﴾ إِنْ يَّشَأْ يُسْكِنِ
الرِّيحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلَىٰ ظَهْرِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿٣٣﴾ أَوْ يُوبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوا
وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ ﴿٣٤﴾ وَّيَعْلَمَ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا ۚ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيصٍ ﴿٣٥﴾

اگر اللہ اپنے سب بندوں کو کھلا رزق دے دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کا طوفان برپا کردیتے، مگر وہ جو کچھ نازل کرنا چاہتا ہے، ایک حساب کے ساتھ اتارتا ہے۔[15] یقیناً وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے اور ان پر نگاہ رکھتا ہے۔ وہی اللہ ہے جو اُس وقت بارش برسا دیتا ہے، جبکہ لوگ مایوس ہو چکے ہوتے ہیں اور اِس طرح اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے۔ وہی حقیقی کارساز ہے اور ساری صفات اُسی کے لیے ہیں۔ آسمان وزمین کی پیدایش اور ان کے درمیان اللہ نے جو جان دار مخلوقات پھیلائی ہوئی ہیں، اُس کی نشانیوں میں سے ہیں۔ وہ جب چاہے انھیں اکٹھا کرسکتا ہے۔

اے انسانو، تم پر جو مصیبت بھی آتی ہے، وہ تمھارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے آتی ہے[16] اور (تمھاری) بہت سی (برائیوں) کو اللہ ویسے ہی معاف کردیتا ہے۔[17] تم زمین میں اللہ کے قابو سے نہیں نکل سکتے۔ اللہ کے مقابلے میں تمھارا کوئی کارساز اور مددگار نہیں ہے۔

اسی اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں سمندروں میں چلنے والے پہاڑوں کے مانند یہ جہاز۔ اگر اللہ چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے اور یہ جہاز سمندر کی پیٹھ پر ٹھہرے ہی رہ جائیں۔ بے شک، اس کے اندر نشانیاں ہیں ہر صبر وشکر کرنے والے کے لیے۔ (اللہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ) اِن (جہازوں کے مسافروں) کو اِن کے کرتوتوں کی پاداش میں تباہ کر ڈالے یا اِن میں سے بہت سے لوگوں سے درگزر فرمائے تاکہ وہ لوگ جو ہماری آیات کے بارے میں جھگڑے کررہے ہیں، جان لیں کہ اُن کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔[18] ۲۷-۳۵

[۱۵] اللہ اپنی حکمت ومصلحت کے تحت اسباب دنیا نازل کرتا ہے تاکہ انسانوں کی آزمایش بھی ہوتی رہے اور وہ اس طرح حد سے بھی نہ نکل جائیں کہ اللہ کے باغی سب کچھ پر قبضہ کرلیں۔

[۱۶] اس آیت میں قرآن نے ہمیں اپنے حالات کا تجزیہ کرنے کا طریقہ سکھایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب بھی ہمیں کسی ناکامی یا شکست سے دوچار ہونا پڑے تو ہمیں فوراً اپنا احتساب کرنا چاہیے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ اس مصیبت کے آنے میں ہماری کون کون سی غلطیوں اور کوتاہیوں کو دخل ہے۔ جب ہم اس طرح اپنا تجزیہ کریں گے تو ہم آیندہ کے لیے ان غلطیوں سے بچ سکیں گے۔

جو ناکامیاں یا مصیبتیں ہمارے کسی اقدام کی وجہ سے نہیں، بلکہ قدرت کی طرف سے آئیں، وہ دراصل آزمائشیں ہیں، ایسی آزمائشوں کے موقع
رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

[۱۷] اگر کسی قوم کی برائیاں ایک حد کے اندر رہیں تو اللہ کی طرف سے اسے مہلت اور معافی ملتی رہتی ہے، لیکن اگر یہ برائیاں ہر حد کو پار کر جائیں
قوم کو اللہ شکستوں اور ناکامیوں سے دوچار کر دیتا ہے اور اس طرح ایسے لوگ دنیا میں بے عزت اور بے وقار بن جاتے ہیں۔

[۱۸] اگر انسان اس دنیا میں اپنی کمزوری اور قدرت کے سامنے اپنی بے بسی پر غور کرے تو تنہا یہی بات انسان کو اللہ کے سامنے عاجزی اور سر جھکا
مجبور کر دیتی ہے۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّ
يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِ
اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۖ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۖ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ
اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ
يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَ
الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ وَلَمَنْ صَ
وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾ ع

جو کچھ بھی تم لوگوں کو دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی چند روزہ زندگی کا ساز و سامان ہے۔ جو کچھ اللہ کے ہاں ہے، وہ بہتر بھی ہے ا
پائیدار بھی، یہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لائے ہیں اور اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں۔ یہ ایمان والے بڑے گناہوں اور بے حیا
کے کاموں سے اجتناب کرتے ہیں اور اگر غصہ آجائے تو معاف کر دیتے ہیں۔[19] اِن اہلِ ایمان نے اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہا اور نما
کا اہتمام کیا، ان کے تمام معاملات ان کے باہمی مشورے سے چلتے ہیں[20] اور ہم نے انھیں جو کچھ بھی رزق بخشا ہے، اُس میں سے خر
کرتے ہیں۔

وہ صرف اُس وقت بدلہ لیتے ہیں، جب اُن پر زیادتی کی جاتی ہے۔ — کسی برائی کا بدلہ اُس کے برابر کے عمل سے ہے، پھر ج

کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اُس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ [21] اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ جنھوں نے اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیا تو اُن کے اوپر کوئی الزام نہیں۔ الزام تو اُن پر ہے، جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ البتہ جو شخص صبر سے کام لے اور درگزر کرے تو بے شک، یہ بہت عزیمت کے اوصاف میں سے ہے۔ [22] ۳۶-۴۳

[۱۹] اوپر کی آیات میں اہل ایمان کی چند اہم صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ وہ 'اثــــم' سے بچتے ہیں۔ اس سے مراد حق تلفی، ناانصافی اور ظلم کے نوعیت کی برائیاں ہیں۔ پھر کہا گیا ہے کہ وہ 'فحشاء' سے بچتے ہیں۔ اس سے مراد وہ برائیاں ہیں جو شہوات اور خواہشات نفس کے راستے سے ابھرتی ہیں۔ اس کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ جب ان کو غصہ آجائے تو پھر بھی اپنے آپ کو قابو میں رکھتے ہیں اور مخالف ومخاطب کو معاف کر دیتے ہیں۔

[۲۰] یہاں 'شورائیت' کو اہل ایمان کی بہترین صفات میں شمار کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خاندان، برادری، قبیلے اور قومی معاملات، سب لوگوں کے باہمی مشورے سے چلائے جائیں اور ہر جگہ جمہوری روح کارفرما ہو۔ اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ اجتماعی معاملات میں ہر کسی کو اظہار رائے کی پوری آزادی حاصل ہونی چاہیے اور یہ بھی ہر کسی کا حق ہے کہ اجتماعی معاملات سے اسے پوری طرح باخبر رکھا جائے۔ یہ لازم ہے کہ ہر سربراہ کو لوگوں کی رضامندی سے مقرر کیا جائے اور اس کو مشورہ دینے کے لیے بھی وہی لوگ مقرر کیے جائیں جن کو قوم کا اعتماد حاصل ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مشورہ دینے والے اپنے علم اور ایمان وضمیر کے مطابق رائے دیں اور جس مشورے کو جمہور یعنی اکثریت کی تائید حاصل ہو، اسے تسلیم کیا جائے۔ گویا یہ آیت آمریت اور ڈکٹیٹرشپ کے ہر انداز کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔

اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ اگر دین کی کسی بات کی تعبیر میں اختلاف رائے ہو تو اس معاملے میں عملی طور پر اکثریت کی رائے کو نافذ کیا جائے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اکثریت کی رائے لازماً صحیح ہوگی۔ اکثریت کی رائے سے اختلاف کرنے والوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ لوگوں کی آرا کو تبدیل کرنے کی کوشش کریں اور اگر وہ اس کوشش میں کامیاب ہو جائیں تو ان کی رائے شورائیت کے ذریعے سے نافذ ہو جائے گی۔

[۲۱] اگر کسی جگہ ریاست کا نظام قائم ہو تو مظلوم کو انصاف کے لیے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہیے، لیکن اپنی مظلومیت کے بیان میں کمی یا بیشی نہیں کرنی چاہیے تاکہ مجرم کو اپنے جرم کا اتنا ہی بدلہ ملے جتنا جرم اس سے سرزد ہوا ہے۔ اگر کسی جگہ حکومت کی عمل داری نہیں ہے تو مظلوم اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا بدلہ خود بھی لے سکتا ہے، لیکن یہ بدلہ صرف اور صرف برابر ہی ہونا چاہیے اور جرم سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔

اگر کوئی مظلوم معاشرے کی اصلاح کی خاطر مجرم کو معاف کرنا چاہے تو یہ بھی اس کا اختیار ہے۔

[۲۲] یہاں اسی قاعدے کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اصل جرم ظلم اور سرکشی ہے۔

تاہم ظلم اور سرکشی کا اہل ایمان کی طرف سے سب سے اچھا جواب صبر اور درگزر کا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگرچہ ظلم کا بدلہ لینے کی اجازت موجود ہے، لیکن صبر و درگزر اس سے بھی بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی دور میں، دین کے معاملے میں، مخالفین کی تمام زیادتیوں کے جواب میں اہل ایمان کو صبر و تحمل ہی کی ہدایت کی۔ مدنی دور میں بھی انفرادی معاملات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ خود بھی صبر و تحمل سے کام لیا اور صحابۂ کرامؓ کو بھی

اسی کی تلقین کی۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْ بَعْدِهٖ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ
مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْۤا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ
مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ
سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا
لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقْنَا
الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ
يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

جس شخص کواللہ ہی (اپنے قانون کے مطابق) گمراہی میں پھینک دے تو اِس کے بعد اُس شخص کا کوئی بھی کارساز نہیں بن سکتا۔ تم دیکھو گے کہ جب یہ ظالم عذاب سے دوچار ہوں گے تو کہیں گے: ''کیا اب (دنیا میں) پھر واپس جانے کی کوئی راہ موجود ہے؟'' تم ان کو دیکھو گے کہ یہ لوگ دوزخ کے سامنے اس طرح لائے جائیں گے کہ وہ ذلت کے مارے جُھکے ہوئے ہوں گے اور کن انکھیوں سے دیکھتے ہوں گے۔ (اُس وقت) اہلِ ایمان کہیں گے: ''اصل نقصان والے تو وہی ہیں جنھوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو خسارے میں ڈال دیا۔'' آگاہ رہو کہ یہ ظالم ایک دائمی عذاب میں پڑیں گے۔ وہاں ان کا کوئی حامی و سرپرست نہیں ہوگا جو اللہ کے مقابلے میں اِن کی کوئی مدد کر سکے۔ جس شخص کو اللہ گمراہی میں پھینک دے تو پھر اس کے لیے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

اے لوگو، اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہو قبل اس کے کہ اللہ کی طرف سے ایک ایسا دن آجائے جسے ٹالا نہ جا سکے۔ اُس دن تمھارے لیے کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہوگی اور نہ کوئی تمھارے حال کو بدلنے کی کوشش کرنے والا ہوگا۔

اے نبیؐ، اگر یہ تمھارے مخاطبین اس پیغام سے منہ موڑ لیں تو ہم نے تم کو اِن پر کوئی زور زبردستی حاکم مقرر نہیں کیا۔ تم پر تو صرف بات پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔[۲۳] انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اُسے اپنی کسی رحمت سے نوازتے ہیں تو وہ اِس پر اترانے لگتا ہے اور اگر اس کے اپنے ہاتھوں کے کیے دھرے کے نتیجے میں اُس پر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو وہ ناشکرا بن جاتا ہے۔[۲۴]

آسمان وزمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے، بیٹیاں عطا فرماتا ہے، جس کو چاہتا ہے، بیٹے عطا فرماتا ہے، جس کو چاہتا ہے، بیٹے اور بیٹیاں، دونوں ملا کر بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے، بے اولاد رکھتا ہے۔ وہی اللہ کامل علم رکھنے والا اور (ہر چیز پر) قدرت رکھنے والا ہے۔ ۴۴-۵۰

[۲۳] قرآن مجید کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل ذمہ داری یہ تھی کہ وہ دعوت اسلام کو بہترین طریقے سے اپنے مخاطبین کو پہنچا دیں۔ اس دعوت کی کامیابی، صحابۂ کرامؓ کا دنیاوی غلبہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا کام اللہ کی اپنی اسکیم کے مطابق لازماً ظہور پذیر ہوتا ہے۔

[۲۴] یہاں انسانوں کی یہ عمومی خامی اس مقصد سے بیان کی گئی ہے کہ لوگ اس کمزوری پر قابو پانے کی کوشش کریں۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۗ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۗ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۗ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾

کسی بشر کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اُس سے سامنے کلام کرے۔ اللہ کی بات یا وحی (یعنی دل میں بات ڈال دینے) کے ذریعے ہوتی ہے یا پردے کے پیچھے سے اور یا پھر وہ کوئی فرشتہ بھیجتا ہے اور وہ فرشتہ اللہ کے حکم سے جو کچھ اللہ چاہتا ہے، وحی کرتا ہے۔[۲۵] وہ بڑا ہی عالی مقام اور بڑا ہی حکمت والا ہے۔[۲۶] اے نبیؐ، اسی طرح ہم نے تمھاری طرف بھی وحی کی ہے جو ایک روح ہے ہمارے امر میں سے۔ تمھیں کچھ پتا نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے، لیکن ہم نے اس کو ایک نور بنایا جس سے ہم ہدایت دیتے ہیں اپنے بندوں میں سے جس کو (اپنے قانون کے مطابق) چاہتے ہیں۔[۲۷] یقیناً تم سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کر رہے ہو، اُس اللہ کے راستے کی طرف جو آسمان وزمین کی ہر چیز کا مالک ہے۔ آگاہ رہو کہ سارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔[۲۸] ۵۱-۵۳

[۲۵] یہاں قرآن مجید نے اللہ کے کلام کی عظمت کو بیان کیا ہے۔ انسان ضعیف ہے اور اس کے مقابلے میں اللہ کی ذات ایسے انوار وتجلیات کا مظہر ہے کہ کوئی بشر اس کی تاب نہیں لاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اللہ اپنے بندوں میں سے کسی سے خطاب کرتا ہے تو تین طریقوں سے کرتا ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ اللہ اپنے پیغمبر کے دل میں اپنی بات ڈال دیتا ہے اور پیغمبر اس کو محفوظ کرلیتا ہے۔ سنت کے عملی طریقے، احادیث قدسی اور قرآن کی موجودہ ترتیب ان معاملات میں سے چند ہیں، جو اس طریقے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر القا ہوئے تھے۔ پیغمبر کا خواب بھی اس میں شامل ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے کی قربانی کا حکم رؤیا میں ہوا۔ اسی طرح غزوۂ بدر سے متعلق بہت سے واقعات بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشگی طور پر رؤیا میں مشاہدہ کرائے گئے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پیغمبر اللہ کا کلام اور اس کی آواز تو سنتا ہے، لیکن اس کو دیکھتا نہیں، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں ہوا تھا۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ اپنا کوئی رسول یعنی فرشتہ بھیجتا ہے اور وہ فرشتہ اللہ کے حکم سے اللہ کا کلام پیغمبر کے دل پر القا کردیتا ہے۔ قرآن مجید اسی طریقے سے حضرت جبریلؑ کے ذریعے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا گیا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فرشتہ ایک بشر کی شکل میں ظاہر ہوکر اللہ کا پیغام پہنچاتا ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت مریمؑ کے ضمن میں ہوا۔

[۲۶] یہاں قرآن نے 'وحی' کو 'روح' سے تعبیر کرکے یہ حقیقت بیان کردی ہے کہ یہ وحی حقیقی زندگی کا ذریعہ ہے۔ یہ وحی اللہ کے امورِ غیب میں سے ہے۔ اس کی حقیقت و ماہیت صرف اللہ اور اس کا رسول جانتا ہے۔

[۲۷] یعنی یہ وحی ایک نور ہے اور اللہ نے اس نور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو اس طرح جگمگا دیا ہے کہ وہ خلق کے اندر ایک منارۂ نور بن گئے۔ جن لوگوں کے اندر اس نور سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت ہوتی ہے، ان کو اللہ اس سے بہرہ ور فرماتا ہے۔

[۲۸] اس سورہ کی ابتدا بھی وحی کے تذکرے سے ہوئی اور اس کا اختتام بھی وحی ہی کی تفصیل پر ہو رہا ہے۔

سورۂ زخرف

[۴۳]

نام

اس سورہ کی آیت نمبر ۳۵ میں یہ لفظ آیا ہے جس سے یہ نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

حا۔میم کے ساتھ شروع ہونے والی یہ تمام سورتیں دراصل ایک ہی سلسلے کی ہیں اور اسی طرح یکے بعد دیگرے نازل ہوئی ہیں جس طرح یہ قرآن مجید میں موجود ہیں۔اس سورہ کے بنیادی مضامین بھی توحید، رسالت اور آخرت ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ اس میں حکمت ودانائی کی بہت سی اہم باتیں بھی ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

مِنْ

ایاتها ۸۹ | رکوعاتها ۷

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ

عند المتقدمین ط

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ۚ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۳﴾ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا
لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۴﴾ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ﴿۵﴾ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۷﴾ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۹﴾ الَّذِيْ جَعَلَ
لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍۚ
فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًاۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ
وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا
سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

حٰ۔مٓ۔ یہ واضح کتاب خود گواہ ہے[1] ہم نے اِس کو عربی قرآن بنا کر اتارا تا کہ تم لوگ سمجھو۔ بے شک، یہ قرآن 'اُمّ الکتاب' (یعنی اصل کتاب) میں ثبت ہے، ہمارے ہاں بڑی بلند مرتبہ اور حکمت سے لبریز کتاب[2]۔

اے مخالفینِ نبیؐ، کیا ہم تمھیں نصیحت کرنے سے اس لیے رُک جائیں کہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو[3]؟ پہلے گزری ہوئی قوموں میں بھی بار ہا ہم نے پیغمبر بھیجے۔ جو نبی بھی اُن کے پاس آتا تو وہ اُس کا مذاق ہی اڑاتے۔ پھر جو لوگ اِن (مشرکینِ قریش) سے بدرجہا زیادہ طاقت ور تھے، انھیں ہم نے ہلاک کر دیا۔ پچھلی قوموں کی مثالیں گزر چکی ہیں۔

اے نبیؐ ، اگر تم ان لوگوں سے پوچھو کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ لوگ لازماً یہی جواب دیں گے کہ انھیں اُسی زبردست، کامل علم والے نے پیدا کیا ہے[۴]۔ (وہی اللہ ہے) جس نے تمھارے لیے زمین کو گہوارہ بنایا اور اس میں تمھارے لیے راستے رکھے تاکہ تم راہ پاؤ۔ اُسی اللہ نے ایک خاص مقدار میں آسمان سے پانی اتارا اور پھر اس پانی کے ذریعے سے ہم نے ایک مُردہ زمین کو تازہ زندگی بخش دی۔ اسی طرح تم بھی قبروں سے نکالے جاؤ گے۔ (وہی اللہ ہے) جس نے (یہ تمام جوڑے اور) گوناگوں قسم کی چیزیں پیدا کیں[۵] اور تمھارے لیے کشتیوں اور جانوروں کو سواری بنایا تاکہ تم اُن کی پیٹھوں پر جم کر بیٹھو۔ جب تم اِن جانوروں پر بیٹھو تو اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو اور کہو: ''پاک ہے وہ ذات جس نے ان چیزوں کو ہماری خدمت میں لگا دیا ورنہ ہم تو انھیں قابو میں لانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ بے شک، (ایک روز) ہمیں اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے[۶]'' ۱-۱۴

[۱] 'و' کے معنی قسم کے ہیں اور قسم کے معنی دراصل گواہی دینے کے ہیں۔ یعنی یہ قرآن خود اپنے ہر دعوے پر حجت ہے اور یہ کسی خارجی دلیل کا محتاج نہیں۔

[۲] 'ام الکتاب' یعنی لوح محفوظ جس میں کائنات کے سارے قوانین اور ہدایات درج ہیں، اس میں سے جو چیزیں انسانوں کی ہدایت کے لیے ضروری ہیں وہ سب کی سب اس قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے لوگوں تک پہنچادی گئی ہیں۔

[۳] یعنی اگرچہ تم لوگ ناشکرے ہو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم تمھیں تمھارے حال پر چھوڑ دیں۔ تم اس قرآن کی قدر کرو یا نہ کرو، لیکن یہ یاددہانی اس وقت تک جاری رہے گی، جب تک تم پر اللہ کی حجت تمام نہ ہو جائے۔

[۴] مذہب شرک کے علم برداروں کے فکر کا تضاد اس بات سے واضح ہے کہ وہ اللہ کو کائنات کا خالق و مالک تو مانتے ہیں، مگر دوسری طرف اسی خالق کے شریک ٹھہرانے لگتے ہیں۔ آگے کی آیات میں اللہ کی صفات بیان کی گئی ہیں جن کا وہ بلا شرکت غیرے حامل ہے اور اس طرح شرک کی تردید کر دی گئی ہے۔

[۵] 'ازواج' کا لفظ عربی زبان میں جوڑے جوڑے اور گوناگوں، دونوں معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

[۶] قرآن کی اسی ہدایت کی پیروی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی سواری پر بیٹھتے تو یہ دعا پڑھتے۔ یہی دعا ساری ترقی یافتہ سواریوں کے لیے بھی موزوں ہے۔ بحری سواریوں کے لیے 'بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا' بھی ایک اور موزوں دعا ہے۔

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۭ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ۭ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْــَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا لَوْ شَاۗءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ۭ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ

عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا
وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ
نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ
بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع

النصف

ان مشرکین نے اللہ کے بندوں میں سے بعض کو اللہ کا جزو بنا ڈالا۔ بے شک، انسان کھلا ہوا ناشکرا ہے۔ اے مشرکو، کیا اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے اپنے لیے بیٹیاں پسند کیں اور تمھیں بیٹوں سے نوازا؟[8] — جب اِن مشرکین میں سے کسی کو اُس چیز (یعنی بیٹی) کی بشارت دی جاتی ہے جس کو وہ خداے رحمان کی طرف منسوب کرتے ہیں تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے، وہ غم سے بھر جاتا ہے کہ کیا (وہ پیدا ہوئی ہے) جو زیوروں میں پلتی ہے اور بحث میں اپنا مدعا پوری طرح واضح بھی نہیں کر سکتی۔[9]

اِن مشرکین نے فرشتوں کو جو خداے رحمان کے بندے ہیں، بیٹیوں کا درجہ دے رکھا ہے۔ کیا یہ لوگ اِن فرشتوں کی ولادت کے وقت موجود تھے؟ ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور ان مشرکین سے اس کی پوچھ گچھ ہوگی۔

یہ مشرکین کہتے ہیں: ''اگر اللہ چاہتا تو ہم اِن فرشتوں کو پوجنے والے نہ بنتے۔'' یہ لوگ اِس معاملے (یعنی تقدیر) کی حقیقت کو قطعی نہیں جانتے۔[10] یہ محض اٹکل کے تیر چلا رہے ہیں۔ کیا ہم نے اِن مشرکین کو اِس سے پہلے کوئی کتاب دی تھی جس کی سند یہ اپنے پاس رکھتے ہیں؟ نہیں، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم بھی انھی کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ اے نبیؐ، اسی طرح ہم نے تم سے پہلے جس بستی میں بھی کوئی ڈرانے والا پیغمبر بھیجا تو اُس بستی کے اونچے لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انھی کے نقشِ قدم پر چلتے رہیں گے۔ ہر ڈرانے والے پیغمبر نے کہا: ''اگر میں اس سے زیادہ ہدایت بخش طریقہ لے کر تمھارے پاس آیا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، (تو کیا پھر بھی تم اپنے باپ دادا کے نقشِ قدم کی پیروی کرو گے؟'') انھوں نے جواب دیا: ''جس دین کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو، ہم اُس کا انکار کرتے ہیں۔'' آخر کار ہم نے اُن

سے انتقام لیا تو دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا[11]۔ ۱۵-۲۵

[۷] یہاں 'انسان' سے مراد مشرکین ہیں۔ ویسے بھی اللہ کے خاص بندوں کے سوا ہر شخص کسی نہ کسی وقت ناشکری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

[۸] مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے تھے اور اسی حیثیت میں ان کی عبادت کرتے تھے۔ یہاں قرآن نے مشرکین کو ان کے اپنے تضادِ فکر اور بے عقلی کی طرف توجہ دلائی ہے کہ تم اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہو اور اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہو۔

[۹] یہ مشرکین کے اس احساس کی تعبیر ہے جو لڑکی کی ولادت کی خبر سن کر ان کے دل میں پیدا ہوتا تھا اور ان کے لیے گھٹن کا باعث بن جاتا تھا۔ وہ اس سوچ میں پڑ جاتے تھے کہ کیا وہ مخلوق وجود میں آئی ہے جو زیوروں میں پلتی ہے اور مقابلوں میں بالکل بے زبان ہے۔ 'خصام' کے معنی ہیں مبارزت اور مفاخرت۔ عرب جاہلیت کے دور میں خواتین نہ تو جنگ میں کوئی اہم کردار ادا کرتی تھیں اور نہ فخر کے دوسرے میدانوں، مثلاً خطابت و شاعری میں ان کا کوئی مقام تھا، اس لیے ان لوگوں کے نزدیک عورت ایک بالکل بے فائدہ مخلوق تھی۔ مولانا اصلاحی کے مطابق یہ بات یہاں اچھی طرح ملحوظ رہنی چاہیے کہ عورت پر یہ تبصرہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے، بلکہ ان اہل عرب کی طرف سے ہے جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔

[۱۰] بہت سے لوگ تقدیر کو اپنے گناہوں اور غلط عقائد کے لیے جواز کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں قرآن نے اس جواز کی تردید کی ہے۔ اللہ کی پسند و ناپسند کو جاننے کا اصل ذریعہ تو آسمانی کتابیں اور پیغمبروں کی تعلیمات ہیں۔ لوگوں کو غور و فکر کے ذریعے سے انھی کی پیروی کرنی چاہیے۔

[۱۱] یہاں قرآن نے پروردگار کی اس سنت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کے تحت رسولوں کے براہ راست مخالفین کو دنیا میں سزا دی جاتی ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ﴿۲۶﴾ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ ﴿۲۷﴾
وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هَٰؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْحَقُّ
وَرَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِ كَافِرُونَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا
الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ﴿۳۱﴾ أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ط نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا ط وَرَحْمَتُ رَبِّكَ
خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۳۲﴾ وَلَوْلَا أَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَن يَكْفُرُ بِالرَّحْمَٰنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا
مِّن فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوتِهِمْ أَبْوَابًا وَسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُونَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ط وَإِن كُلُّ

وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِىْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ
الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ
تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ
الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىْٓ اُوْحِىَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ
رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ ع

جو شخص رحمان کے ذکر سے منہ موڑ لیتا ہے، ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔[15] یہ شیاطین ایسے لوگوں کو (اللہ کی) راہ سے روکتے ہیں اور یہ لوگ اپنی جگہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔ آخر کار جب یہ شخص ہمارے پاس آئے گا تو (اپنے شیطان سے) کہے گا: ''کاش، میرے اور تیرے درمیان مشرق کے دونوں کناروں جیسی دوری ہوتی، تم تو نہایت بدترین ساتھی نکلے۔'' (اُس وقت اِن سب سے کہا جائے گا): ''چونکہ تم لوگ ظلم کر چکے ہو تو آج یہ بات تمھارے لیے کچھ بھی نفع بخش نہیں ہے کہ تم عذاب میں ایک دوسرے کے شریک ہو۔''[16]

پس اے نبیؐ، کیا تم بہروں کو سناؤ گے یا اندھوں اور صریح گمراہی میں پڑے ہوئے لوگوں کو راہ دکھاؤ گے؟ اب تو ہمیں ان کو سزا دینی ہے، خواہ اِس سے پہلے تمھیں دنیا سے اٹھا لیں یا تم کو وہ سزا دکھا دیں جس کا ہم نے اِن سے وعدہ کیا ہے۔[17] ہمیں ان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ پس تم اس کتاب کو مضبوطی سے تھامے رکھو جو تمھارے اوپر وحی کی گئی ہے۔ یقیناً تم سیدھے راستے پر ہو۔ یہ تمھارے لیے اور تمھاری قوم کے لیے نصیحت ہے اور عنقریب تم لوگوں کو اس کی جواب دہی کرنی ہوگی۔

اے مشرکو، ہم نے تم سے پہلے اپنے رسولوں میں سے جن کو بھیجا، اُن سب سے پوچھ دیکھو کہ کیا ہم نے خدائے رحمان کے سوا کچھ دوسرے معبود بھی ٹھہرائے ہیں کہ اُن کی بندگی کی جائے؟[18] ۳۶-۴۵

[۱۵] یعنی جب ایک شخص جان بوجھ کر اپنی نفسانی خواہشات کے تحت اللہ کے پیغام کو رد کر دیتا ہے، تب اللہ کی طرف سے اس پر شیطان کو مسلط کر دیا جاتا

ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ ع

وہ وقت یاد کرنے کا ہے، جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: ''میں اُن چیزوں سے بالکل بَری ہوں جن کی بندگی تم کرتے ہو۔ میں تو صرف اُسی اللہ کو پوجتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا۔ بے شک، وہی میری رہنمائی فرمائے گا۔'' ابراہیمؑ نے اس بات کو ایک پائیدار روایت کی حیثیت سے اپنی اولاد میں چھوڑا تا کہ لوگ اسی کی طرف رجوع کریں۔

پھر (یوں ہوا کہ) میں اِن لوگوں کو اور ان کے باپ دادا کو دنیا کی خوشحالی دیتا رہا، یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور بات واضح کردینے والا رسول آ گیا۔ جب اِن لوگوں کے پاس حق آ گیا تو انھوں نے کہا: ''یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔''[۱۲] اے نبیؐ، اِن مشرکین نے اعتراض اٹھایا: ''یہ قرآن دونوں شہروں (یعنی مکہ اور طائف) کے بڑے آدمیوں میں سے کسی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا؟'' کیا تیرے رب کی رحمت کو یہی لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ دنیا کی زندگی میں ان کی معیشت کا سامان تو ہم نے تقسیم کیا ہے اور ایک کے درجے دوسرے پر بلند کردیے ہیں تا کہ یہ لوگ ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔ تیرے رب کی رحمت اُس دولت سے زیادہ قیمتی ہے جو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔[۱۳]

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سارے لوگ ایک ہی ڈگر پر چل پڑیں گے تو جو لوگ خدائے رحمان کے منکر ہیں، ہم ان کے گھروں کی چھتیں اور اُن کی سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں، چاندی کی کردیتے۔ اسی طرح ہم اُن کے گھروں کے دروازے اور ان کے وہ تخت جن پر وہ ٹیک لگا کر بیٹھتے ہیں، وہ بھی (چاندی کے کردیتے)، بلکہ سونے کے کردیتے۔ لیکن یہ چیزیں تو بس دنیا کی زندگی کا سامان ہیں اور آخرت تیرے رب کے ہاں پرہیزگاروں کے لیے ہے۔[۱۴] ۲۶-۳۵

[۱۲] مشرکین عرب اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ کا پیرو کار ظاہر کرتے تھے چنانچہ یہاں قرآن نے حضرت ابراہیمؑ کا اصل عقیدہ بیان کردیا اور یہ بھی کہا کہ اسی عقیدے کی از سرِ نو وضاحت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق یعنی قرآن کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔

[۱۳] عرب کے بڑے بڑے سردار یہ سمجھتے تھے کہ جس کے پاس دنیوی مال و دولت زیادہ ہے، وحی بھی اسی پر آنی چاہیے۔ یہاں قرآن نے ان کی اس بات کی تردید کی ہے کہ دنیوی مال و دولت کی تقسیم کا قانون مختلف ہے اور اللہ کی وحی بھیجنے کا قانون بالکل مختلف ہے۔

[۱۴] یعنی انسان کی آزمایش کے لیے یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اہل ایمان کو دنیوی دولت سرے سے دی ہی نہ جاتی اور ساری مال و دولت منکرین حق کو دے دی جاتی۔ لیکن چونکہ اس آزمایش میں پورا اترنا انسان کے لیے بہت مشکل ہوتا، اس لیے اللہ نے یوں نہیں کیا۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ

ہے۔ یہ شیاطین جنات میں سے بھی ہو سکتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔

[۱۶] یعنی ویسے تو ساتھی کسی بھی شخص کے لیے تسلی کا باعث ہوتا ہے، لیکن جہنم کے ساتھی ایک دوسرے پر مسلسل لعنت ملامت کرتے رہیں گے اور یوں ان کا ایک دوسرے کا ساتھ ان کے لیے کسی فائدے کا باعث نہ ہوگا۔

[۱۷] یہاں اللہ کا وہی قانون بیان کیا گیا ہے جس کے تحت رسول کے براہ راست مخالفین اور دشمنوں کو اتمام حجت کے بعد سزا دی جاتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سزا رسول کی زندگی ہی میں دی جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ رسول کے اٹھائے جانے کے بعد یہ سزا دشمنوں کو ملے۔

[۱۸] یعنی اللہ نے جتنے بھی رسول بھیجے، ان سب کی تعلیمات اور صحیفے اٹھا کر دیکھ لو۔ کیا تمھیں کہیں بھی ان میں شرک کی تعلیم نظر آتی ہے؟

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ
بِاٰيٰتِنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۡوَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا
كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَنَادٰی فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ
وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ
يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْلَاۤ اُلْقِیَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ
فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّاۤ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾
فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ ع

بے شک[۱۹]، ہم نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے ساتھی سرداروں کے پاس بھیجا۔ موسیٰؑ نے اُن سے کہا: ''میں تمھارے پاس سارے جہانوں کے پروردگار کا رسول بن کر آیا ہوں۔'' پھر جب وہ اُن لوگوں کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آیا تو وہ اِن نشانیوں کا مذاق اڑاتے رہے۔ ہم اُن لوگوں کو ایک سے ایک بڑھ کر نشانیاں دکھاتے رہے اور ہم نے اُن کو (چھوٹی چھوٹی) سزاؤں میں بھی پکڑا تاکہ یہ لوگ اپنی روش سے باز آ جائیں[۲۰]۔ (ہر ایسی سزا کے موقع پر) وہ درخواست کرتے: ''اے ساحر[۲۱]، تیرے رب نے جو عہد تم

سے کرر کھا ہے، اُس کی بنا پر تم ہمارے لیے دعا کرو۔ اب ہم ضرور ہدایت پانے والے بن کر رہیں گے۔'' مگر جب ہم اُن پر سے وہ سزا ہٹا دیتے تو وہ اپنی بات سے پھر جاتے۔

فرعون نے اپنی قوم میں اعلان کرایا: ''اے میری قوم کے لوگو، کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے اور کیا یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہ رہیں۔ کیا تم لوگ یہ چیز نہیں دیکھتے۔ کیا میں بہتر ہوں یا یہ شخص، جو ایک حقیر آدمی ہے اور اپنی بات بھی کھل کر نہیں کہہ سکتا۔ تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ اس پر سونے کے کنگن اتارے گئے ہوتے یا فرشتے اِس کے ساتھ صف باندھے ہوئے آتے؟''

اس طرح فرعون نے اپنی قوم کو بے وقوف بنالیا اور انھوں نے اِس کی بات مان لی۔ یہ لوگ خود بھی نافرمان تھے۔[22] آخر کار جب اِن لوگوں نے ہم کو غصہ دلا دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا،[23] ان سب کو غرق کر دیا، ان کو ماضی کی ایک داستان اور بعد والوں کے لیے ایک نمونۂ عبرت بنا دیا۔ ۴۶-۵۶

[۱۹] یہاں سے آگے کی آیات میں قصۂ موسیٰ علیہ السلام وفرعون کے کچھ واقعات اس غرض سے بیان کیے گئے ہیں کہ سب لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ رسول کے براہ راست منکرین پر اللہ کی سزا اسی دنیا میں نافذ ہو کر رہتی ہے، خواہ وہ فرعون جیسا زبردست حکمران ہی کیوں نہ ہو۔

[۲۰] غرقابی کی بڑی سزا سے پہلے قوم فرعون پر چھوٹی چھوٹی تنبیہی سزائیں بھی بھیجی گئیں۔ ان کی تفصیل سورۂ اعراف آیات ۱۳۳-۱۳۵ میں گزر چکی ہیں۔

[۲۱] اس زمانے میں ساحروں کو سوسائٹی میں ایک اونچا مقام حاصل تھا، اس لیے ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تعظیم کا یہ خطاب استعمال کیا۔

[۲۲] یہ لوگ خود بھی اللہ کے نافرمان اور نفسانی خواہشات کے اسیر تھے، اس لیے فرعون کے ہتھے چڑھ گئے۔

[۲۳] اللہ کو انسانوں کے لیے فرماں برداری کا رویہ پسند ہے۔ چنانچہ جب انسان پوری طرح مہلت ملنے کے باوجود نافرمانی پر جم جاتا ہے تو اللہ کی صفت غضب حرکت میں آجاتی ہے۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ
لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِ
يْلَ ﴿۵۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا
وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾ وَلَمَّا

جَآءَ عِيسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ
بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾

اے نبیؐ، جب ابنِ مریمؑ کی مثال دی جاتی ہے تو تمھاری قوم کے لوگ اِس پر چیخنے چلانے لگتے ہیں اور کہتے ہیں: ’’کیا ہمارے معبود اچھے ہوئے یا ابنِ مریمؑ ؟‘‘ یہ بات وہ تمھارے سامنے محض غلط بحث کے لیے اٹھاتے ہیں، اس لیے کہ یہ ہیں ہی جھگڑالو لوگ۔[۲۴] ابنِ مریمؑ تو بس ہمارا ایک بندہ تھا جس پر ہم نے اپنا انعام فرمایا اور بنی اسرائیل کے لیے اُس کو ایک مثال بنایا۔ (ہمارے لیے کچھ بھی بنانا مشکل نہیں)۔ اگر ہم چاہیں تو تمھارے اندر سے بعض کو فرشتے بنا دیں جو زمین میں (تمھارے بجائے) حکومت کریں۔[۲۵]

(اے نبیؐ، اِن مخاطبین سے کہو): ’’بے شک، وہ (یعنی عیسیٰؑ ابنِ مریمؑ) قیامت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے،[۲۶] اس لیے تم لوگ اِس میں شک نہ کرو اور میری پیروی کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے۔ شیطان تم کو (اِس سے) روکنے نہ پائے۔ بے شک، وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔‘‘

جب عیسیٰؑ کھلی نشانیوں کے ساتھ آیا تو اس نے بنی اسرائیل سے کہا: ’’میں تمھارے پاس دانائی لے کر آیا ہوں اور تاکہ میں تم پر بعض اُن باتوں کی حقیقت کھول دوں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو، اس لیے اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ بے شک اللہ ہی میرا رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے تو اسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔‘‘ پھر (بھی یوں ہوا کہ) عیسیٰؑ کے پیروکاروں کے اندر سے مختلف گروہوں نے آپس میں اختلاف کیا۔ پس ہلاکی ہو اُن لوگوں کے لیے جنھوں نے ظلم کا ارتکاب کیا، ایک دردناک دن کے عذاب کی۔[۲۷] ۵۷-۶۵

[۲۴] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین یہ پروپیگنڈا کرتے تھے کہ یہ شخص ہمارے بتوں کو برا کہتا ہے اور مسیحؑ کی تعریف کرتا ہے حالانکہ ہمارے معبود تو فرشتے یعنی اللہ کی بیٹیاں ہیں اور مسیحؑ تو اللہ کے بیٹے ہیں، پھر ہمارے عقیدے پر اعتراض کیوں؟

اِس پر قرآن نے یہ تبصرہ کیا کہ یہ بات کر کے یہ لوگ محض کج بحثی کر رہے ہیں۔ اس کے بعد آگے قرآن نے بتایا کہ مسیحؑ اللہ کے بندے تھے، اللہ کے بیٹے نہیں تھے۔

[۲۵] یعنی اگر اللہ چاہے تو سب کچھ کر سکتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بن باپ کے اس لیے تخلیق کیا گیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے لیے آخری نشانی اور اتمام حجت بن جائیں۔ اس سے وہ اللہ کے بیٹے نہیں بن جاتے۔ اسی طرح اگر اللہ چاہے تو تم سے فرشتے پیدا ہو جائیں اور آیندہ وہ اس دنیا میں حکومت

کریں۔ اگر اللہ نے فرشتوں کو نور سے پیدا کیا ہے تو اس سے وہ اللہ کی بیٹیاں نہیں بن جاتے۔

[۲۶] حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے بن باپ کے پیدا ہوئے تھے، وہ مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں پھونک مارتے تھے اور اس میں زندگی آجاتی تھی۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں سے بہت سے دوسرے معجزے بھی صادر ہوئے۔ یہ سب کچھ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر اللہ کسی انسان کو معجزے عطا کر سکتا ہے تو وہی اللہ قیامت بھی برپا کر سکتا ہے۔

[۲۷] حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تو اس لیے تھے کہ بنی اسرائیل نے اپنے دین میں جو بدعات داخل کر دی تھیں، ان کو واضح کر کے بنی اسرائیل کو صحیح دین سمجھا سکیں، لیکن بعد میں جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار بنے، انھوں نے بھی آپس میں اہم ترین عقائد میں اختلاف کیا۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض گروہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا کر شرک یعنی ظلم کا ارتکاب کیا۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٦﴾ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ

عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٧﴾ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿٦٨﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا

مُسْلِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿٧٠﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ

وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٧١﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ

تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٢﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٣﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿٧٤﴾

لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٦﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ

لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿٧٧﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٨﴾

اے نبیؐ، کیا یہ لوگ اب بس اسی چیز کے منتظر ہیں کہ اچانک اِن پر قیامت آجائے اور انھیں اس کی خبر بھی نہ ہو؟ اُس دن تو سب دوست ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔ (اُس دن متقین سے کہا جائے گا): "اے میرے بندو، آج تمھارے لیے کوئی خوف نہیں اور نہ تمھیں کوئی غم لاحق ہوگا۔ (تم وہی ہو) جو ہماری آیات پر ایمان لائے اور فرماں بردار رہے۔ داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمھارے زوج۔ تمھیں خوش کر دیا جائے گا۔[۲۸]" اُن کے سامنے سونے کے تھال اور پیالے پیش کیے جائیں گے۔ اِن میں سب دل پسند اور آنکھوں کے لیے لذت بخش چیزیں ہوں گی۔ (پھر متقین سے کہا جائے گا): "اب تم ہمیشہ یہاں رہو گے۔ یہ وہ

جنت ہے، جس کے تم وارث بنائے گئے ہو، اپنے اعمال کے صلے میں۔ تمھارے لیے یہاں بہت سے میوے ہیں جن میں سے تم کھا
گے۔''

بے شک، مجرم ہمیشہ جہنم کے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ وہ اِن کے لیے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور وہ اس میں مایوس پڑے ہوں
گے۔ اِن لوگوں پر ہم نے ظلم نہیں کیا، بلکہ یہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنے۔[29] وہ پکاریں گے: ''اے مالک، (یعنی جہنم
کے داروغے)، اب تیرا رب ہمارا خاتمہ ہی کر دے۔'' وہ جواب دے گا: ''تمھیں اسی حال میں رہنا ہے۔ ہم تمھارے پاس حق لے کر
آئے تھے، لیکن تم میں سے زیادہ تر حق سے بیزار ہی رہے۔'' ۶۶-۷۸

[۲۸] 'زوج' کا لفظ عربی زبان میں میاں بیوی کے لیے بھی آسکتا ہے اور بعض دوسرے معنوں میں بھی۔ مثلاً کسی شخص کے ہم مسلک ساتھی اور
دوست۔ یہاں اس لفظ کے مفہوم میں دونوں داخل ہیں۔

[۲۹] ہیشگی کے عذاب کی سزا ان لوگوں کو دی جائے گی جنھوں نے زندگی کے ہر میدان میں مسلسل ظلم سے کام لیا۔ آخرت کے اعتبار سے یہ ظلم خود ان کی
جانوں پر ظلم ثابت ہوا۔

أَمْ أَبْرَمُوٓا أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ﴿٧٩﴾ أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ ۚ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ
يَكْتُبُونَ ﴿٨٠﴾ قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدٌ ۖ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ ﴿٨١﴾ سُبْحَانَ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٨٢﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٨٣﴾
وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿٨٤﴾ وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٥﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ
الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٨٧﴾ وقف لازم
وَقِيلِهِ يَا رَبِّ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٨٩﴾ ع

اے نبی، کیا تیرے دشمنوں نے کوئی اقدام کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟ اچھا تو پھر ہم بھی ایک قطعی فیصلہ کیے دیتے ہیں۔[30] کیا ان کا گمان

ہے کہ ہم ان کی راز کی باتیں اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سن رہے؟ ہاں، (ہم سب کچھ سن رہے ہیں) اور ہمارے فرشتے اِن کے پاس ہی لکھ رہے ہیں۔

اے نبیؐ، کہہ دو: ''اگر واقعی خداے رحمان کی کوئی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے عبادت کرنے والا میں ہوتا۔'' پاک ہے آسمان وزمین کا فرماں روا، عرش کا مالک، اُن باتوں سے جو یہ لوگ اُس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ تو اِن کو چھوڑ و یہ فضول باتیں اور ہنسی مسخری کرلیں یہاں تک کہ یہ اُس دن سے دوچار ہوں جس کی انھیں دھمکی دی جارہی ہے۔ [31]

وہی اکیلا آسمانوں میں بھی معبود ہے اور وہی زمین میں بھی معبود ہے۔ وہی حقیقی حکیم وعلیم ہے۔ بہت بابرکت ہے وہ ذات جس کے اختیار میں آسمان وزمین اور اِن کے درمیان کی ساری چیزوں کی بادشاہی ہے۔ اُسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اُس کو چھوڑ کر یہ مشرکین جنھیں پکارتے ہیں، وہ کسی سفارش کا اختیار نہیں رکھیں گے سوائے اس کے کہ کوئی علم کی بنا پر حق کی شہادت دے۔ [32]

اے نبیؐ، اگر تم ان سے پوچھو کہ انھیں کس نے پیدا کیا ہے تو یہ خود کہیں گے کہ اللہ نے۔ جب ایسا ہے تو پھر یہ کہاں بھٹک جاتے ہیں؟ (اُس دن حق کی گواہی دینے والوں کا) قول یہ ہوگا کہ اے رب، یہ لوگ خود ایمان لانے والے نہ بنے۔ [33]

پس اے نبیؐ، تم اِن کو نظر انداز کرو اور کہو: ''اچھا، میرا اسلام لو۔'' عنقریب یہ خود جان لیں گے۔ [34] ۷۹-۸۹

[۳۰] یہ سورہ ان حالات میں نازل ہوئی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین آپ کے خلاف فیصلہ کن اقدام کے لیے تیاری کر رہے تھے۔ ان آیات میں انھی حالات کی طرف اشارہ ہے۔ یہاں قرآن مجید نے واضح کر دیا ہے کہ آپ کے دشمنوں کے اقدامات ناکام رہیں گے اور اس کے برعکس اللہ کے فیصلے کے تحت وہی نیست ونابود ہو جائیں گے۔

[۳۱] یعنی آپ انھیں مثبت دعوت تو ضرور دیتے رہیں، لیکن اگر یہ لوگ اپنے غلیظ پروپیگنڈوں اور الزامات میں لگے رہیں تو ان کی پروا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بہت جلد یہ اپنے کیفرکردار کو پہنچ جائیں گے۔

یہ وہ وقت تھا جب اسلام کی دعوت سخت ترین حالات سے گزر رہی تھی۔ چونکہ قرآن اللہ کا کلام ہے، اس لیے ان سنگین حالات میں بھی قرآن نے مضبوط ترین بات کہی۔

[۳۲] روز قیامت سفارش کے لیے صرف وہ لوگ زبان کھولیں گے جن کو اللہ کی طرف سے اجازت ملے گی اور صرف اسی شخص کے لیے زبان کھولیں گے جس کے بارے میں ان کو اجازت ملے گی۔ اللہ کے یہ مقرب بندے زبان سے صرف وہی بات کہیں گے، جو ان کے علم میں ہوگی۔

[۳۳] آیت نمبر ۸۸ میں اسی بات کی مزید توضیح کی گئی ہے جو آیت نمبر ۸۶ میں بیان ہوئی۔ وہ بات یہ ہے کہ اس دن حق کی گواہی دینے والے جن میں

فرشتے اور مقرب انسان شامل ہوں گے، ان مشرکین کی سفارش ہرگز نہ کریں گے، بلکہ اس کے برعکس یہ گواہی دیں گے کہ ان مشرکین کو حق کی دعوت پ
طرح پہنچی تھی اور اس کے باوجود یہ لوگ ایمان نہیں لائے۔

[۳۴] یعنی اگر یہ مخالفین آپ کی نصیحت نہیں مانتے تو ان کو سلام کر کے الگ ہو جایئے، عنقریب یہ لوگ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ سزا کو خود دیکھ
گے۔

ان آیات پر یہ سورہ اپنی تکمیل کو پہنچتی ہے۔

سورۂ دخان

[۴۴]

نام

اس سورہ کی آیت نمبر۱۰ میں یہ لفظ آیا ہے جس کی وجہ سے اس سورہ کو یہ عنوان دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ سورہ بھی مکی دور کی آخری مدت کی سورہ ہے۔ اس کا مضمون بھی سابقہ سورتوں کی طرح توحید، رسالت اور آخرت ہے۔ سابقہ سورتوں کی طرح اس سورہ میں بھی کئی اصولی باتیں زیر بحث آئی ہیں۔

رکوعاتہا

سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ

اٰیاتہا ۵۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿۳﴾ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْ
حَكِيْمٍ ﴿۴﴾ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ط اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۵﴾ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶﴾ رَبِّ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۷﴾ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ط رَبُّكُمْ وَرَبُّ
اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸﴾ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۹﴾ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾ يَّغْشَى
النَّاسَ ط هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَ
هُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ م اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ
عَآئِدُوْنَ ﴿۱۵﴾ م يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ج اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾

عند المتقدمین ط

وقف لازم

وقف لازم

وقف لازم

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

ح۔م۔ قسم ہے اِس واضح کردینے والی کتاب کی۔ بے شک، اِس کو ہم نے ایک خیروبرکت والی رات میں نازل کیا ہے، کیونکہ ہم لوگوں کو آگاہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اِس رات میں ہر معاملے کا حکیمانہ فیصلہ خاص ہمارے حکم سے صادر کیا جاتا ہے۔ بے شک، ہم رسول بھیجنے والے تھے، تیرے رب کی رحمت سے۔ بے شک، حقیقی سننے اور جاننے والا وہی ہے۔ آسمان وزمین اوران کے درمیان کی سب چیزوں کا رب، بشرطیکہ تم یقین کرنے والے بنو۔ اُس اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ وہی تمھارا بھی رب ہے اور تمھارے اگلے آباواجداد کا بھی رب ہے۔

لیکن اے نبیؐ، یہ لوگ تو شک میں پڑے ہوئے کھیل کودرہے ہیں۔ پس انتظار کرو اُس دن کا، جب آسمان ایک کھلے ہوئے دھوئیں کے ساتھ نمودار ہوگا۔ وہ دھواں لوگوں پر چھا جائے گا۔ یہ ایک دردناک سزا ہے۔ (اُس وقت یہ لوگ کہیں گے): ''اے ہمارے رب،

ہم پر سے یہ عذاب دور کردے۔ ہم ایمان لانے والے بنتے ہیں۔'' لیکن اب اِن کے لیے نصیحت پکڑنے کا موقع کہاں باقی رہا؟ اِن کے پاس تو بات واضح کرنے والا رسول آچکا تھا، تب بھی انھوں نے اُس سے منہ موڑا اور کہا: ''یہ تو سکھایا پڑھایا پاگل ہے۔'' اگر ہم کچھ وقت کے لیے اس عذاب کو کھول بھی دیں تو تم لوگ پھر وہی کچھ کروگے جو پہلے کررہے تھے۔ (ایک دن آئے گا)، جب ہم ایک بڑی ضرب لگائیں گے۔ اُس دن ہم پورا بدلہ لے کر رہیں گے۔[۴] ۱-۱۶

[۱] جب اللہ کی طرف سے قسم کھائی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ چیز گواہی دے رہی ہے۔ یہاں قسم کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید خود اپنے اوپر گواہ ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ ایسی کتاب ہے جو اللہ کے دین کو واضح ترین انداز میں پیش کررہی ہے۔

[۲] اس مبارک رات سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ یہ ایک ایسی رات ہے جس میں مستقبل قریب کے متعلق اہم ترین فیصلے کیے جاتے ہیں۔ قرآن مجید کا نزول اسی مبارک رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شروع ہوا۔ اس مبارک رات کی مزید تفصیل سورۂ بقرہ آیت ۱۸۵ اور سورۂ قدر میں آئی ہے۔

[۳] اللہ کا دین انسانیت کے لیے سراسر رحمت ہے۔ اسی لیے دنیا میں اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد بھی اللہ کی خاص رحمت ہے۔

[۴] ان آیات کے مفہوم میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ کچھ قدیم مفسرین حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حوالے سے یہ نقطۂ نظر رکھتے ہیں کہ جب اہل قریش کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت بہت بڑھ گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ ان لوگوں پر قحط نازل ہو۔ چنانچہ بہت سخت قحط پڑا اور حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ جو شخص آسمان کی طرف دیکھتا تھا، اسے بھوک کی شدت میں بس دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا۔ آخر کار ابوسفیان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ تو صلۂ رحمی کی دعوت دیتے ہیں، اس لیے اللہ سے دعا کیجیے کہ اس مصیبت کو دور کردے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب قریش کے لوگوں نے کہا کہ اگر ہم پر سے یہ عذاب دور ہوجائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ درج بالا آیات میں اسی واقعہ کا ذکر ہے اور بڑی ضرب سے مراد جنگ بدر کی ضرب ہے۔ تاہم اس تفسیر میں کچھ باتیں کھٹکتی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ اس ایک روایت کے سوا اس بات کی کوئی شہادت نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کے لیے بددعا فرمائی ہو۔ اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ترین مواقع پر بھی ہمیشہ اپنی قوم کے لیے دعا فرمائی ہے۔ دشمنوں کے خلاف اگر کوئی کلمہ زبان مبارک سے نکلا ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ رعب ڈال دے اور ان کے قدموں کو متزلزل کردے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ کسی دعا کی ہدایت کی گئی ہے اور نہ کسی بددعا کی، بلکہ صبر کے ساتھ ایک ایسے دن کے انتظار کی ہدایت فرمائی گئی ہے جس دن آسمان ایک دھوئیں کے ساتھ نمودار ہوگا۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قحط کی بددعا فرمائی ہوتی تو اس کی زد میں صرف مکہ اور طائف کے سردار ہی تو نہ آتے، بلکہ اس قحط کا اصلی حملہ تو غریبوں اور عوام پر ہوتا جن کی ایک بڑی تعداد مسلمان تھی۔ چوتھی بات یہ ہے کہ قحط کے لیے **دُخان مبین** کوئی موزوں تعبیر نہیں ہے۔ عربی زبان میں قحط کے لیے اس لفظ کو استعمال نہیں کیا گیا۔ سرزمین عرب میں سردیوں کے زمانے میں عموماً قحط کی سی حالت پیدا ہوجاتی اور بعض علاقوں میں حالات نہایت سنگین بھی ہوجاتے۔ چنانچہ یہ بات تو صحیح لگتی ہے کہ ایسے ہی کسی قحط کے موقعے پر ابوسفیان کی درخواست پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قحط کے خاتمے کی دعا مانگی ہوگی، لیکن یہ بات دل کو نہیں لگتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بددعا فرمائی ہو۔ ایک اور نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ

دراصل ویسی ہی ایک دھمکی ہے جو عاد، ثمود، قوم لوط اور قوم شعیب کو دی گئی۔ **'دخان مبین'** سے مراد Tornado یعنی جھکڑ، بگولا اور سخت ترین طوفان گردوغبار ہے۔ چونکہ قریش کی اکثریت بعد میں مسلمان ہوگئی، اس لیے اس دھمکی کو عملی جامہ نہیں پہنایا گیا۔ اگر قریش اتمام حجت کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے تو یہ عذاب ان پر لازماً آجاتا۔ مولانا اصلاحی اس نقطۂ نظر کی تائید کرتے ہیں۔ تیسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ **'دخان مبین'** دراصل قیامت کے بالکل قریب زمانے میں آئے گا اور اسی زمانے میں ساری زمین پر چھا جائے گا۔ گویا ان آیات میں سارا ذکر قیامت کے قریبی زمانے کا کیا گیا ہے۔ مفتی محمد شفیع اس نقطۂ نظر کی تائید کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿١٧﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ط اِنِّيْ لَكُمْ
رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٨﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ط اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٩﴾ وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ
تَرْجُمُوْنِ ﴿٢٠﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿٢١﴾ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿٢٢﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ
لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿٢٤﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ
وَّعُيُوْنٍ ﴿٢٥﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿٢٦﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿٢٧﴾ كَذٰلِكَ قف وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا
اٰخَرِيْنَ ﴿٢٨﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿٢٩﴾ ع وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ
الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿٣٠﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ط اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى
الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿٣٣﴾

اِن سے پہلے ہم نے فرعون کی قوم کو آزمائش میں ڈالا۔ اُن کے پاس ایک باعزت رسول آیا[5]۔ (اُس نے فرعون سے کہا): "اللہ کے بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو میرے حوالے کرو۔ میں تمھارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ تم اللہ کے مقابلے میں سرکشی نہ کرو۔ میں تمھارے سامنے ایک واضح دلیل پیش کرتا ہوں۔ میں اپنے اور تمھارے رب کی پناہ لے چکا ہوں، اِس بات سے کہ تم مجھے سنگ سار کرو۔ اگر تم میری تصدیق نہیں کرتے تو (کم ازکم) میرا راستہ چھوڑ دو (اور بنی اسرائیل اور دوسرے اہل ایمان کو میرے ساتھ جانے دو)[6]۔"

آخر کار موسیٰؑ نے اپنے رب کو پکارا کہ یہ لوگ مجرم ہیں۔ (حکم ہوا): "میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ۔ (آگاہ رہو کہ) تمھارا پیچھا کیا جائے گا۔ سمندر کو ساکن چھوڑ دو، یہ لوگ ڈوبنے والی فوج بنیں گے۔"

کتنے ہی باغ، چشمے، کھیتیاں اور شان دار محل تھے، اور کتنے ہی عیش کے سامان جن میں وہ مگن رہتے تھے، چھوڑ گئے۔ ہم (مجرموں کے ساتھ) ایسا ہی معاملہ کرتے ہیں۔ اِن چیزوں کا وارث ہم نے دوسروں کو بنایا[7]۔ پس اِن مجرموں پر نہ آسمان رویا نہ زمین، اور ذرا سی مہلت بھی اُن کو نہ دی گئی۔

ہم نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت کے عذاب یعنی فرعون سے نجات دی۔ بے شک، وہ بڑا ہی سرکش اور حد سے نکل جانے والا تھا۔ اور اُن کی حالت جانتے ہوئے ان کو دنیا کی دوسری قوموں پر ترجیح دی[8] اور انھیں ایسی نشانیاں دیں جن میں کھلا ہوا (انعام اور) آزمایش تھی[9]۔ ۱۷-۳۳

[۵] چونکہ ہر رسول اللہ کا سفیر ہوتا ہے، اس لیے اس حیثیت میں وہ انتہائی معزز ہوتا ہے۔

[۶] مختلف اوقات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے جو باتیں کیں، یہاں ان کا ایک خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔

[۷] اہل مصر میں سے جتنے لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالف تھے اور جن پر اتمام حجت ہو چکا تھا، وہ سب کے سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کرتے ہوئے دریا میں غرق ہو گئے۔ جتنے لوگوں پر اتمام حجت نہیں ہوا تھا، ان پر یہ سزا نافذ نہیں کی گئی اور اقتدار ان کو منتقل ہو گیا۔

[۸] 'عَلٰی عِلْمٍ' سے مراد اللہ کا علم ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں قوموں کا عروج و زوال محض اتفاقی واقعات کے طور پر نہیں ہوتا، بلکہ اللہ اپنے معیار پر جانچ کر جس قوم کو اہل پاتا ہے، اس کو منتخب کرتا ہے اور جس کو نااہل پاتا ہے، اس کو رد کر دیتا ہے۔ اس سے ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ زوال یافتہ قوم کو چاہیے کہ دوسروں کو الزام دینے کے بجائے اپنی خامیوں اور کمزوریوں کی طرف توجہ کرے اور انھیں دور کرنے کی کوشش کرے۔

[۹] 'بَلٰٓؤٌا' کے معنی امتحان و آزمایش کے ہیں۔ امتحان نعمت اور مصیبت، دونوں ذریعوں سے ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل پر اللہ نے دونوں طرح کے امتحان بار ہا ڈالے۔

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَيَقُولُونَ ﴿٣٤﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِينَ ﴿٣٥﴾ فَأْتُوا بِآبَائِنَا إِنْ كُنْتُمْ
صَادِقِينَ ﴿٣٦﴾ أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٣٧﴾ وَمَا
خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ ﴿٣٨﴾ مَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا
يَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٠﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَنْ مَوْلًى شَيْئًا وَلَا هُمْ

يَنصَرُونَ ﴿٤١﴾ إِلَّا مَن رَّحِمَ اللّٰهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٤٢﴾ إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ الْأَثِيمِ ﴿٤٤﴾
كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿٤٥﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ﴿٤٦﴾ خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ صُبُّوا
فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ﴿٤٨﴾ ذُقْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴿٤٩﴾ إِنَّ هَٰذَا مَا كُنتُم بِهِ
تَمْتَرُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ يَلْبَسُونَ مِن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ
مُّتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾ كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿٥٤﴾ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ﴿٥٥﴾ لَا
يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ۖ وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا مِّن رَّبِّكَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ ﴿٥٧﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ فَارْتَقِبْ إِنَّهُم مُّرْتَقِبُونَ ﴿٥٩﴾

معانقة عند المتاخرين

یہ لوگ (یعنی مشرکین قریش) کہتے ہیں: ''بس یہ ہماری پہلی موت ہی حقیقی موت ہے اور اس کے بعد ہم دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے۔ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو اٹھا لاؤ۔'' (اُن کی اِس بات کا جواب یہ ہے کہ) کیا یہ لوگ بہتر حالت میں ہیں یا تُبّع کی قوم[10] اور اِن سے پہلے گزرے ہوئے لوگ؟ ہم نے اُن کو بھی (اسی بناپر) تباہ کیا کہ وہ مجرم ہو گئے تھے۔

ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزیں کھیل کے طور پر نہیں بنائیں۔ ہم نے ان کو ایک عظیم مقصد کے ساتھ پیدا کیا ہے، لیکن اِن میں سے بہت سے لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے[11]۔ بے شک، فیصلے کا دن اِن سب کے اٹھائے جانے کا وقت ہے۔ جس دن کوئی رشتہ دار اپنے کسی قریبی عزیز کے کام نہ آسکے گا اور نہ (کہیں سے) ان کو کوئی مدد پہنچے گی، سوائے اس کے کہ اللہ ہی کسی پر رحم فرمائے۔ بے شک اللہ، زبردست اور رحم کرنے والا ہے۔

زقوم کا درخت گناہ گاروں کا کھانا ہوگا جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا۔ پیٹ میں اس طرح جوش کھائے گا، جیسے کھولتا ہوا پانی جوش کھاتا ہے۔ (اِن لوگوں کے لیے حکم ہوگا): ''پکڑو اِسے اور گھسیٹتے ہوئے جہنم کے بیچ تک لے جاؤ اور اس کے سر پر گرم پانی کی سزا انڈیل دو۔ چکھو اس کو، تم اپنے آپ کو بڑا اقتدار والا اور باعزت سمجھتے رہے۔ یہ وہی چیز ہے جس کے بارے میں تم شک میں پڑے رہے۔''

ہاں، اللہ سے ڈرنے والے لوگ امن کے مقام میں ہوں گے۔ باغوں اور چشموں میں، باریک ریشم اور بھاری ریشم کے لباس پہنے، آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ (اللہ سے ڈرنے والوں کے ساتھ) یہی معاملہ ہوگا۔ ہم اُن سے غزال چشم حوریں بیاہ دیں گے[12]۔ وہ

اس جنت میں طلب کریں گے ہر قسم کے میوے، نہایت اطمینان سے۔ اِس جنت میں وہ دوبارہ موت کو نہیں چکھیں گے، (بس دنیا میں جو موت آچکی سو آچکی)۔ اللہ نے اِن متقین کو جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھا۔ یہ خاص تیرے رب کے فضل سے ہوگا۔ یہی ہے درحقیقت بڑی کامیابی۔

پس اے نبیؐ، ہم نے اس قرآن کو تمھاری زبان میں نہایت خوبی سے آراستہ کیا[۱۳] تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ اب تم بھی انتظار کرو، یہ لوگ بھی انتظار کر رہے ہیں۔[۱۴] ۳۴-۵۹

[۱۰] اس سے مراد یمن کی ایک قوم ہے جس کی مادی شوکت و عظمت اور ذہنی صلاحیتوں کی سرزمین عرب میں بڑی شہرت تھی۔ ان لوگوں پر بھی دنیا میں سزا آئی۔

[۱۱] انسان کے حوالے سے وہ عظیم مقصد یہ ہے کہ دنیا میں انسانوں کی آزمائش کی جائے اور جو لوگ اس آزمائش میں پورے اتریں، انھیں اللہ کی طرف سے ابدی زندگی عطا کر کے مقربین میں شامل کر دیا جائے۔

[۱۲] جنت میں ہر مرد و عورت کو خوب صورت ترین شبیہ دی جائے گی اور ان کو جوڑے جوڑے بنا دیا جائے گا۔ یہ اسی کی تعبیر ہے۔

[۱۳] تیسیر، کے معنی کسی شے کو کسی خاص مقصد کے لیے موزوں، سازگار اور ہر پہلو سے مستحکم اور استوار بنانا ہے۔ چونکہ قرآن مجید کو قیامت تک کے لیے کتاب ہدایت بنانا مقصود تھا، اس لیے اسے عام لوگوں کے لیے نصیحت و یاددہانی کے حوالے سے آسان بنایا گیا اور اہل علم کے لیے ایک ایسی کتاب بنایا گیا جس پر ساری زندگی غور و فکر کیا جائے اور جس سے زندگی کے ہر معاملے میں رہنمائی حاصل کی جائے۔

[۱۴] اس سورہ کا آغاز بھی قرآن کی عظمت کے بیان سے ہوا تھا اور اس سورہ کا اختتام بھی اسی کے ساتھ ہو رہا ہے۔ یہاں اس عظمت کا یہ پہلو بھی بیان کیا جا رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت کو لازماً کامیاب ہونا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو لازماً ناکام ہونا ہے۔

سورۂ جاثیہ

[۴۵]

نام

اس سورہ کی آیت نمبر ۲۸ میں یہ لفظ آیا ہے جس کی وجہ سے اس کو یہ نام دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

سابقہ مکی سورتوں کی طرح اس سورہ میں بھی توحید، رسالت اور آخرت کے موضوعات زیر بحث ہیں۔ اس سورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو واضح الفاظ میں فتح اور غلبہ کی بشارت بھی دی گئی اور ان سے کہا گیا کہ اگر تم صبر اور استقلال کے ساتھ اپنے موقف پر ڈٹے رہو گے تو آخری کامیابی تمھارے ہی لیے ہے۔

آیاتہا ۳۷ # سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّ فِى السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيَاتٍ
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ وَفِىْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيَاتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيَاحِ اٰيَاتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۵﴾
تِلْكَ اٰيَاتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَىِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيَاتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ
اَثِيْمٍ ﴿۷﴾ يَسْمَعُ اٰيَاتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۸﴾
وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيَاتِنَا شَيْئًا نِاتَّخَذَهَا هُزُوًا ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹﴾ مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِىْ
عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰﴾ هٰذَا هُدًى
وَّالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

ح۔م۔ اِس کتاب کا نزول اللہ زبردست اور حکمت والے پروردگار کی طرف سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آسمان وزمین میں ایمان لانے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ اسی طرح خود تمھاری اپنی پیدائش میں اور اُن حیوانات میں جو اللہ نے زمین میں پھیلا رکھے ہیں، اُن لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو یقین کرنا چاہیں۔ رات اور دن کی آمدورفت میں، اُس رزق کے ذریعے میں جو اللہ آسمان سے اتارتا ہے (یعنی بارش)، پھر اس کے ذریعے سے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے اور ہواؤں کی گردش میں بھی بہت سی نشانیا ں ہیں، اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لینا چاہیں۔

اے نبیؐ، یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم تمھیں بالکل حق کے ساتھ سنا رہے ہیں۔ اب آخر اللہ اور اس کی آیات کے بعد اور کون سی بات ہے جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے؟ ہلاکت ہے ہر اُس جھوٹے بداعمال شخص کے لیے جو اللہ کی اُن آیات کو سنتا ہے، جو اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں اور پھر پورے غرور کے ساتھ اپنی بات پر اِس طرح اَڑا رہتا ہے، گویا اس نے یہ آیات سنی ہی نہیں۔ ایسے شخص کو دردناک عذاب کی خبر سنادو۔ جب اُس کو ہماری آیات میں سے کسی بات کا علم ہو جاتا ہے تو وہ اُس کو مذاق بنالیتا ہے[1]۔ ایسے سب لوگوں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ اُن کے آگے جہنم ہے۔ جو کچھ بھی انھوں نے کمایا ہے، اُس میں سے کوئی چیز اُن کے کسی کام نہ آئے گی۔ اسی طرح اُن کے وہ (سرپرست) بھی اِن کے کسی کام آنے والے نہیں بنیں گے، جنھیں اللہ کو چھوڑ کر انھوں نے اپنا کارساز بنا رکھا ہے۔ اِن لوگوں کے لیے ایک بڑی سزا ہو گی۔

یہی (قرآن) اصل ہدایت ہے۔ جن لوگوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا، اُن کے لیے ایک ایسا دردناک عذاب ہے، جو اِن پر کپکپی پیدا کر دے گا[2]۔ ۶-۱۱

[۱] یعنی جن لوگوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی شخصیت کے ذریعے سے اتمام حجت ہو چکا ہے اور پھر بھی وہ نہ صرف کفر کے راستے پر ضد کر رہے ہیں، بلکہ اس دعوت کا مذاق اڑاتے ہیں، ایسے سب لوگوں کے لیے دنیا اور آخرت میں تباہی ہے۔
ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزول کے وقت دشمنان اسلام کی طرف سے انتہائی ظلم و ستم کیا جارہا تھا۔

[۲] یعنی یہ قرآن کوئی ایسی چیز نہیں جس کا مذاق اڑایا جائے، بلکہ یہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہدایت ہے۔ جو لوگ بھی اس کا مذاق اڑائیں گے، ان کے لیے ایک ایسی سخت سزا ہو گی جو دلوں کو لرزا دے گی۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾
وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمَاوَاتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَاتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾
قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجْزِیَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ
صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتَابَ
وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّیِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ ﴿۱۶﴾ وَاٰتَیْنَاهُمْ بَیِّنَاتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ

فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا
فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾
اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾

وہ اللہ ہی ہے جس نے تمھارے لیے سمندر کو سازگار بنادیا تاکہ اُس کے حکم سے کشتیاں اِس سمندر میں چلیں، تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور شکر گزار بن جاؤ۔ اُسی اللہ نے آسمان وزمین کی سب چیزوں کو اپنی طرف سے تمھاری خدمت میں لگا رکھا ہے۔ بے شک، اس بات کے اندر بڑی نشانیاں ہیں، اُن لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرنے والے ہیں۔

اے نبیؐ، اہلِ ایمان سے کہہ دو کہ اُن لوگوں سے چشم پوشی کریں جو 'ایام اللہ' (یعنی اللہ کی طرف سے بہت عظیم دنوں) کے آنے کا کوئی اندیشہ نہیں رکھتے تاکہ اللہ خود ایک گروہ کو اُس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دے[۳]۔ جو کوئی نیک عمل کرے گا اپنے ہی لیے کرے گا، اور جو برائی کرے گا تو وہ خود ہی اس کی سزا بھگتے گا۔ پھر تم سب کو جانا تو اپنے رب ہی کی طرف ہے۔

بے شک، ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت اور نبوت عطا کی، اُن کو پاکیزہ رزق عطا کیا، دنیا والوں پر اُن کو فضیلت بخشی اور اُن کو کھلے کھلے احکام دیے۔ پھر جو اختلاف اُن کے درمیان رونما ہوا، وہ علم آنے کے بعد ہوا اور اس بنا پر ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے[۴]۔ بے شک، تیرا رب قیامت کے دن اُن کے درمیان اُن تمام معاملات کا فیصلہ فرمادے گا، جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔

اس کے بعد اب اے نبیؐ، ہم نے تم کو دین کے معاملے میں ایک واضح قانون پر قائم کیا، اس لیے تم اِسی دین پر چلو اور اُن لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔ یہ لوگ اللہ کے سامنے تمھارے کچھ بھی کام آنے والے نہیں بن سکتے[۵]۔ اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے یہ لوگ، ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور اللہ متقین کا کارساز ہے۔ ۱۲-۱۹

[۳] 'ایام اللہ' سے مراد وہ تاریخی دن ہیں جن میں اللہ نے رسولوں کو جھٹلانے والوں کو اسی دنیا میں اتمام حجت کے بعد سزا دی۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کا اصل کام ان لوگوں تک دین کی دعوت پہنچانا ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یہ لوگ اس دعوت کو جھٹلائیں گے تو گزری ہوئی اقوام کی طرح ایک عظیم دن ان کو بھی سزا مل کر رہے گی۔

[۴] ایک طرف قریش نے حضرت اسماعیلؑ کی ہدایات کو فراموش کر دیا اور دوسری طرف بنی اسرائیل نے بھی آپس میں ضد اور ایک دوسرے پر زیا
کی خواہش کی وجہ سے اللہ کے واضح احکامات میں آپس میں اختلاف کیا۔

[۵] چونکہ اللہ نے اپنے دین کی امانت مسلمانوں کے حوالے کی ہے، اس لیے ان کو چاہیے کہ بنی اسرائیل کی گمراہیوں سے بچیں اور اللہ کے دین پر
رہیں۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوقِنُونَ ﴿۲۰﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ
نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَخَلَقَ اللّٰ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ
اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ
بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا
لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّا اَنْ
قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ
الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ
السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

(قرآن کی) یہ (آیات) سب لوگوں کے لیے دل کی آنکھیں کھولنے والی روشنیاں ہیں اور جو لوگ یقین کرنا چاہیں، اُن کے لیے
۶
ہدایت و رحمت ہے۔

کیا وہ لوگ جنھوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے، سمجھتے ہیں کہ ہم انھیں، اہلِ ایمان اور نیک عمل کرنے والوں جیسا کر دیں گے کہ

والوں کا جینا اور مرنا یکساں ہو جائے؟ بہت ہی برا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔[۷] اللہ نے آسمان و زمین کو مقصد کے ساتھ پیدا کیا ہے تاکہ ہر انسان کو اُس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے۔ لوگوں پر ہرگز کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اے نبیؐ، کیا تم نے کبھی اُس شخص کو دیکھا، جس نے اپنے نفس کی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے اور اللہ نے علم ملنے کے بعد اُسے گمراہی میں پھینک دیا، اُس کے کان اور دل پر مہر کر دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا![۸] اللہ کے بعد اب ایسے لوگوں کو کون ہدایت دے سکتا ہے؟ (اے نبیؐ، اِن سے کہو): ''کیا تم لوگ اِس سے کوئی سبق نہیں لیتے؟''[۹]

یہ (منکرینِ آخرت) کہتے ہیں: ''ہماری زندگی تو بس یہی دنیا کی زندگی ہے۔ (یہیں) ہم مرتے اور جیتے ہیں۔ دن رات کے چکر کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو۔'' اِن لوگوں کو اِس بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ یہ محض گمان کی بنا پر یہ باتیں کرتے ہیں۔ جب ان کو ہماری نہایت واضح آیات سنائی جاتی ہیں تو اِن کے پاس کوئی دلیل اِس کے سوا نہیں ہوتی کہ اٹھا لاؤ ہمارے باپ دادا کو اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو۔ اے نبیؐ، ان کو بتا دو: ''اللہ ہی تمھیں زندگی بخشتا ہے، پھر وہی تم کو موت دیتا ہے اور پھر وہی تم کو اُس قیامت کے دن جمع کرے گا، جس کے آنے میں کسی شبہ کی گنجایش نہیں ہے،[۱۰] لیکن بہت سے لوگ اِس حقیقت کو نہیں جانتے۔''

آسمان و زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔ جس دن قیامت ہوگی، اُس دن باطل پرست لوگ خسارے میں پڑ جائیں گے۔ تم دیکھو گے کہ ہر گروہ دوزانو بیٹھا ہوگا۔[۱۱] ہر گروہ کو اُس کے اعمال کی کتاب کی طرف پکارا جائے گا۔ (اُن سے کہا جائے گا): ''آج تم لوگوں کو اُن اعمال کا بدلہ دیا جا رہا ہے، جو تم نے کیے۔ یہ ہمارا (تیار کیا ہوا) اعمال نامہ ہے، جو تمھارے اوپر بالکل ٹھیک ٹھیک گواہی دے گا۔ جو کچھ بھی تم کرتے تھے، اُسے ہم لکھواتے جا رہے تھے۔'' ۲۰-۲۹

[۶] یعنی پورا قرآن دراصل عقل و دانائی کی روشنی پر مشتمل ہے، لیکن یہ انھی لوگوں کے لیے ہدایت و رحمت بنتا ہے، جو اس پر یقین کر لیں۔

[۷] اس دنیا میں بے شمار اچھے لوگوں کو ان کی اچھائی کی کوئی جزا نہیں ملتی اور اسی طرح بے شمار برے لوگوں کو ان کے جرائم کی کوئی سزا بھی نہیں ملتی۔ چونکہ اللہ منصف حقیقی ہے، اس لیے اللہ نے آخرت مقرر کی ہے تاکہ اچھوں اور بروں کے درمیان فرق کیا جائے۔

[۸] اگر کسی انسان کو صحیح بات کا علم ہو بھی جائے اور اس کے باوجود وہ اپنی خواہشات نفس کے راستے پر چلتا رہے تو اللہ کی طرف سے ایسے انسان کے لیے گمراہی کا راستہ آسان بنا دیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا بھی آ جاتا ہے، جب اس پر اتمام حجت کے بعد اس سے قبول حق کی صلاحیت واپس لے لی جاتی ہے اور پھر ایسا شخص محض دوسروں کی آزمائش کے لیے زندہ رہتا ہے۔

[۹] یعنی ہر شخص کو ہوش سے کام لینا چاہیے کہ کہیں وہ اپنی خواہش نفس کو تو اپنا معبود نہیں بنا بیٹھا؟

[۱۰] مرنے والے قیامت کے دن ہی اٹھیں گے۔ اس لیے جو لوگ یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ ان کے باپ دادا کو زندہ کر کے دکھا دیا جائے، ان کا مطالبہ

بے معنی ہے۔

[۱۱] یہ قیامت کے دن لوگوں کی بے بسی ولاچاری کی ایک تعبیر ہے۔ سب لوگ دوزانو بیٹھے ہوئے اپنی قسمت کے فیصلے کا انتظار کر رہے ہوں گے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾
وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۫ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا
قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ
بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَقِيْلَ الْيَوْمَ
نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ
اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾
فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۠
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾ ع

پس جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کیے، انھیں اُن کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یہی دراصل صریح کامیابی ہے۔ رہے وہ لوگ جنھوں نے حق کا انکار کیا، (اُن سے کہا جائے گا): ''کیا تم کو میری آیات نہیں سنائی جاتی تھیں! مگر تم نے تکبر کیا اور مجرم بن کر رہے۔ جب تم سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہوتی ہے۔ ہم تو بس ایک گمان سا رکھتے ہیں، مگر ہمیں اس بات پر یقین نہیں ہے۔''[۱۲]

(اُس وقت) اُن پر ان کے اعمال کی برائیاں واضح ہو جائیں گی اور وہی چیز اُن کو گھیر لے گی جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اُن سے کہا جائے گا: ''آج ہم تم کو اُسی طرح نظر انداز کر دیں گے جس طرح تم نے اپنے اِس دن کی ملاقات کو بھلائے رکھا۔ تمھارا ٹھکانا دوزخ ہے اور اب کوئی بھی تمھارا مددگار بننے والا نہیں ہے۔ یہ تمھارا انجام اس لیے ہوا ہے کہ تم نے اللہ کی آیات کا مذاق اڑایا اور دنیا کی زندگی نے تم کو دھوکے میں ڈالے رکھا۔[۱۳] پس آج نہ تو یہ لوگ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ اُن کو معافی مانگنے کا موقع دیا جائے گا۔''

پس ساری تعریف وشکر اللہ ہی کے لیے ہے، جو آسمان وزمین اور سارے جہان والوں کا رب ہے۔ آسمان وزمین میں ساری بڑائی اسی اللہ کے لیے ہے۔ وہی زبردست اور حکمت والا ہے۔ [۱۴] ۳۷-۳۰

[۱۲] بہت سے منکرین آخرت اس کے آنے کا ایک گمان تو رکھتے ہیں، مگر عدم یقین کی وجہ سے اپنی زندگی آخرت کے عقیدے کے مطابق بسر کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

[۱۳] معافی مانگنے کا موقع دنیا میں ہے، آخرت تو جزا وسزا کی جگہ ہے۔

[۱۴] اس سورہ کی ابتدا بھی اللہ عزیز وحکیم کے نام سے ہوئی تھی اور اس کی تکمیل بھی اللہ کی انھی صفات کے ساتھ ہو رہی ہے۔ اللہ حکیم ہے، اس لیے انصاف کی خاطر وہ قیامت کو برپا کرے گا اور وہ عزیز ہے، اس لیے وہ جزا وسزا پر اختیار رکھتا ہے۔

سورۂ احقاف

[۴۶]

نام

اس سورہ کی آیت نمبر ۲۱ میں یہ لفظ آیا ہے جس کی مناسبت سے اس کو یہ نام دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ سورہ پانچویں گروپ کی آخری مکی سورہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دور مکہ کے آخری سالوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورہ کے پس منظر میں دشمنان اسلام کی ساری مخالفت جھلکتی ہے۔ اس سورہ کا اصل مضمون بھی توحید، رسالت اور آخرت ہے۔ اس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واضح الفاظ میں تسلی دی گئی ہے کہ مخالفین کی ذرا بھی پروانہ کی جائے، آپ کا کام لوگوں تک اس پیغام کو پہنچا دینا ہے۔ آپ صبر کے ساتھ اپنا کام کرتے رہیں اور دشمنوں کو ان کا انجام خود گھیر لے گا، جس کے آنے میں اب کوئی زیادہ دیر نہیں ہے۔

آیاتها ۳۵ — رکوعاتها ۴

سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ

[پارہ نمبر 26]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾ مَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا
بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ﴿٣﴾ قُلْ اَرَاَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثَارَةٍ
مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ﴿٤﴾ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ
الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غَافِلُوْنَ ﴿٥﴾ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِيْنَ ﴿٦﴾
وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
افْتَرَاهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًا
بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿٨﴾ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ
اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٩﴾ قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ
وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ ﴿١٠﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

ح۔م۔ یہ کتاب نہایت اہتمام کے ساتھ اللہ زبردست اور دانا کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔[1]

ہم نے آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو ایک مقصد اور ایک معین مدت کے لیے پیدا کیا ہے۔ مگر جن لوگوں نے

انکار کیا، وہ اُس حقیقت سے منہ موڑے ہوئے ہیں، جس سے اُن کو خبر دار کیا گیا ہے۔[۲]

اے نبیؐ، اِن مشرکین سے کہو: "کیا تم نے کبھی اُن چیزوں پر غور کیا ہے جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو؟ ذرا مجھے دکھاؤ کہ زمین کی چیزوں میں سے انھوں نے کیا پیدا کیا ہے یا اُن کی آسمانوں کی ملکیت میں کوئی حصہ داری ہے؟ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو میرے سامنے اِس سے پہلے کی کوئی کتاب پیش کر دو یا کوئی ایسی روایت جس کی بنیاد علم پر ہو۔" اُن لوگوں سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو اللہ کو چھوڑ کر اُن چیزوں کو پکارتے ہیں، جو قیامت تک اِن کو کوئی جواب نہیں دے سکتیں، بلکہ وہ تو اِن کی دعاؤں سے بھی بے خبر ہیں۔ جب سب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے تو اُس وقت وہ (یعنی اِن مشرکین کے معبود)، اِن کے دشمن اور اِن کی عبادت کے منکر ہوں گے۔[۳]

جب ان حق کا انکار کرنے والوں کو ہماری واضح آیات سنائی جاتی ہیں اور حق اِن کے سامنے آ جاتا ہے، تو یہ کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ کیا اِن لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ اِس پیغمبر نے اس قرآن کو خود گھڑ لیا ہے؟ اے نبیؐ، کہہ دو: "اگر میں نے اِس قرآن کو خود گھڑ لیا ہے تو تم لوگ مجھے اللہ کی پکڑ سے ذرا بھی نہ بچا سکو گے۔ جو باتیں تم لوگ بنا رہے ہو، اللہ اُن سے خوب واقف ہے۔ میرے اور تمھارے درمیان گواہی دینے کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔ وہ بڑا ہی معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔[۴]"

اے نبیؐ، اِن منکرین سے کہو: "میں کوئی پہلا رسول تو نہیں ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اور میں یہ بھی نہیں (جانتا کہ) تمھارے ساتھ (کیا معاملہ کیا جائے گا۔) میں تو صرف اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے۔ میں تو صرف ایک صاف صاف خبر دار کرنے والا ہوں۔"

اے نبیؐ، ان منکرین سے پوچھو: "اُس وقت کیا ہوگا، اگر یہ قرآن اللہ کی جانب سے ہوا اور تم نے اِس کا انکار کیا؟ جبکہ بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اِس کی مانند کتاب کی گواہی بھی دی ہے۔ پس وہ تو اِس پر ایمان لے آیا اور تم لوگوں نے تکبر کیا۔[۵] بے شک، اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ ۱-۱۰

[۱] 'تنزیل' کا مطلب نہایت اہتمام کے ساتھ اتارنا ہے۔

[۲] ایک متعین مدت کے بعد خاتمہ اور جزا و سزا ضروری ہے، اس لیے کہ کئی نیکیوں اور برائیوں کے نتائج اور اثرات ایک لمبے عرصے تک چلتے رہتے ہیں چنانچہ یہ ضروری ہے کہ ان تمام اثرات کو بھی متعلقہ شخص کے عمل نامے میں درج کر دیا جائے۔

[۳] مشرکین عام طور پر سابقہ بزرگوں اور فرشتوں کو اپنے معبود بناتے ہیں۔ قیامت کے دن یہ سب اِن مشرکین سے لاتعلقی کا اعلان کر دیں گے اور کہہ

یں گے کہ ہماری عبادت کی آڑ میں دراصل یہ اپنی خواہشات نفس کو پورا کرنا چاہتے تھے۔

[۴] یعنی ایک طرف تم مجھے صادق اور امین جانتے ہو اور دوسری طرف تم مجھ پر اتنا بڑا الزام لگا رہے ہو کہ میں اللہ کے نام پر باتیں گھڑ رہا ہوں۔ ایک دن آئے گا، جب اسی قرآن کا بول بالا ہوگا اور یہی اللہ کی طرف سے اس کلام کی صداقت کی گواہی ہوگی۔

[۵] یہاں 'شاھد' یعنی گواہ سے کون مراد ہے؟ اس کے چار جوابات دیے گئے ہیں۔ ایک موقف یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت عبداللہؓ بن سلام ہیں، جو مدینہ کے مشہور یہودی عالم تھے اور ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ اِس موقف پر یہ اعتراض آتا ہے کہ عبداللہؓ بن سلام تو اس سورہ کے نازل ہونے کے بہت بعد مدینہ میں اسلام لائے تو ایک مکی سورہ میں ان کی گواہی کا ذکر کیسے آسکتا ہے۔ دوسرا موقف یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت موسیٰؑ ہیں۔ چونکہ آگے حضرت موسیٰؑ کا ذکر ان کے نام کے ساتھ علیحدہ سے آرہا ہے، اس لیے یہ قول بھی زیادہ وزنی محسوس نہیں ہوتا۔

تیسرے گروہ کے مطابق اس سے مراد کوئی خاص شخص نہیں، بلکہ بنی اسرائیل کا ایک عام آدمی ہے۔ یہ موقف بھی زیادہ وزنی محسوس نہیں ہوتا، اس لیے کہ بنی اسرائیل کے عوام کو بطور شہادت پیش کرنا، ان کے عقائد و اعمال کی خرابیوں کی وجہ سے کچھ موزوں نہیں لگتا۔ مولانا اصلاحی کا موقف یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت مسیحؑ ہیں، اس لیے کہ انھوں نے اپنی بعثت کا خاص مقصد ہی یہی بتایا ہے کہ میں آنے والے کی راہ صاف کرنے آیا ہوں۔ انھوں نے نام لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خوش خبری دی، جیسا کہ سورۂ صف آیت ۶ میں ارشاد ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے قرآن مجید، اس کی دعوت اور دنیا پر اس دعوت کے غلبے کا نہایت واضح الفاظ میں ذکر کیا۔ متی کی انجیل میں تحریر ہے:

''یسوع نے ان سے کہا کہ کیا تم نے کتابِ مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا، وہی کونے کے سرے کا پتھر ہوگیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے، اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اُس قوم کو جو اس کے پھل لائے، دے دی جائے گی۔ جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا لیکن جس پر وہ پتھر گرے گا اُسے پیس ڈالے گا۔'' (متی: باب ۲۱: ۴۱-۴۴)

یوحنا کی انجیل میں تحریر ہے:

''میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمھیں دوسرا مددگار بخشے گا تا کہ وہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے۔'' (یوحنا: باب ۱۴: ۱۷)

''اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔'' (یوحنا: باب ۱۴: ۳۱)

اس موضوع پر مزید بحث ان شاء اللہ سورۂ فتح میں کی جائے گی۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ ۚ وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ فَسَيَقُولُونَ هَٰذَا إِفْكٌ قَدِيمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِن قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۚ وَهَٰذَا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنذِرَ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَبُشْرَىٰ لِلْمُحْسِنِينَ ﴿۱۲﴾ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٣﴾ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾ وَوَصَّيْنَا
الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا
بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ
أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٥﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا
يُوعَدُونَ ﴿١٦﴾ وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَكُمَا أَتَعِدَانِنِي أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِي وَهُمَا
يَسْتَغِيثَانِ اللَّهَ وَيْلَكَ آمِنْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَيَقُولُ مَا هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٧﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿١٨﴾ وَلِكُلٍّ
دَرَجَاتٌ مِمَّا عَمِلُوا ۖ وَلِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى
النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا
كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ﴿٢٠﴾ ع

منکرینِ حق نے ایمان لانے والوں کے بارے میں کہا: "اگر قرآن کوئی خیر ہوتا تو یہ لوگ اس معاملے میں ہم سے سبقت نہ لے جاسکتے تھے۔" اصل بات یہ ہے کہ چونکہ ان منکرینِ حق نے اِس قرآن سے ہدایت حاصل نہیں کی، اس لیے اب یہ ضرور کہیں گے کہ یہ تو پرانا جھوٹ ہے۔

اِس قرآن سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب رہنما اور رحمت کے طور پر موجود ہے۔ یہ قرآن، اُس کتاب کی (پیشین گوئیوں کی) مصداق ہے، زبانِ عربی میں (آئی ہے) تاکہ اُن لوگوں کو آگاہ کرے، جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم ڈھایا اور یہ بشارت ہے نیک روش اختیار کرنے والوں کے لیے۔

بے شک، جن لوگوں نے اقرار کیا کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے اور پھر اس اقرار پر جمے رہے تو ایسے لوگوں کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہی لوگ جنت والے ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اُن کے اعمال کی جزا ہوگی۔

ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بہترین سلوک کی ہدایت کی۔ اُس کی ماں نے مشقت کے ساتھ اُس کو پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر ہی اُس کو جنا۔ اُس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری پختگی تک پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا تو اس نے دعا کی: ''اے رب، مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائیں۔ (مجھے یہ بھی توفیق دے کہ) میں ایسا نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو اور میری اولاد میں بھی میرے نیک بخت وارث اٹھا۔ میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور فرماں برداروں میں سے بنتا ہوں۔'' ایسے ہی لوگ ہیں، جن کے اچھے اعمال کو ہم قبول کریں گے اور جن کی برائیوں سے درگزر کریں گے۔ یہ جنتی لوگوں میں شامل ہوں گے۔ یہ سچا وعدہ ہے، جو اِن سے کیا جاتا رہا ہے۔[۶]

رہا وہ شخص جس نے اپنے والدین سے کہا: ''اُف ہے تمھارے لیے۔ کیا تم لوگ مجھے اس بات سے ڈراتے ہو کہ میں دوبارہ قبر سے نکالا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے کتنی ہی تو میں گزر چکی ہیں۔'' اُس کے ماں باپ اللہ سے فریاد کر رہے ہوتے ہیں: ''اے بدنصیب، ایمان لاؤ، اس لیے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔'' پھر وہ جواب دیتا ہے: ''یہ سب محض اگلے لوگوں کے افسانے ہیں۔'' یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کا فیصلہ پورا ہو چکا ہے۔ یہ اپنے سے پہلے گزرے ہوئے جنوں اور انسانوں کے گروہوں میں شامل ہو جائیں گے۔ بے شک، یہی خسارے میں رہ جانے والے لوگ ہیں۔[۷]

اِن دونوں گروہوں میں سے ہر ایک کے لیے اُن کے اعمال کے اعتبار سے درجے ہوں گے تا کہ اللہ اُن کے اعمال کا پورا پورا بدلہ اُن کو دے اور اُن پر ہرگز ظلم نہیں کیا جائے گا۔[۸] (اُس دن کو یاد رکھو)، جب انکارِ حق کرنے والے جہنم کے سامنے لا کھڑے کیے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا): ''تم اپنے حصے کی اچھی چیزیں دنیا کی زندگی میں ختم کر چکے اور ان کا لطف تم نے اٹھا لیا۔ آج تم بدلے میں ذلت کا عذاب پاؤ گے، اس لیے کہ تم زمین میں بغیر کسی حق کے تکبر کرتے رہے اور نافرمانیاں کرتے رہے۔ ۱۱-۲۰

[۶] ایک باضمیر اور سلیم الفطرت انسان کو تھوڑے سے غور و فکر کے ساتھ اپنے فرائض کا پورا احساس و شعور ہو جاتا ہے۔ اللہ کے بعد انسان پر سب سے بڑا حق اس کے والدین ہی کا ہے اور پھر والدہ کا حق تو بہت ہی زیادہ ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ہر انسان اپنے والدین کا حق پہچانے۔ جوانی کو پہنچ جانے کے بعد یہ

شعور ہر صحیح المزاج انسان کے اندر بیدار ہو جانا چاہیے، لیکن اگر کسی شخص پر جذبات و خواہشات کا غلبہ ہو تو چالیس سال کی عمر کے بعد تو ضرور اس کی فطرت کی آنکھ کھل جانی چاہیے۔

[۷] یہاں ان نوجوانوں کا ذکر ہے جو بالکل مادر پدر آزاد زندگی گزارتے ہیں اور اگر ان کے والدین اس بے راہ روی پر ان کو ٹوکتے ہیں تو ان کو بھی بڑی بے دردی سے جھڑک دیتے ہیں۔

[۸] اس سے پہلے دونوں گروہوں کے انتہائی افراد کا ذکر کیا گیا۔ بے شمار لوگوں کے اعمال میں اچھے اور برے، دونوں رویوں کی آمیزش ہوتی ہے، اس لیے ہر ایک شخص کو اس کے اعمال کے حساب سے درجہ دیا جائے گا۔ معافی کا دروازہ تو بہت سے لوگوں کے لیے کھلا ہوگا، لیکن ظلم کسی پر نہیں کیا جائے گا۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ڮ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ڮ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

قومِ عاد کے بھائی (ہودؑ) کو یاد کرو، جبکہ اُس نے اُس احقاف میں[۹] اپنی قوم کو آگاہ کیا —— ایسے خبردار کرنے والے ہودؑ سے پہلے بھی گزر چکے تھے اور اُس کے بعد بھی آتے رہے —— (ہودؑ نے کہا): "اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو۔ میں تمھارے لیے

ایک ہول ناک دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں[10]۔" انھوں نے جواب دیا: "کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ جھوٹ بول کر ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کرو؟ اچھا تو لے آؤ ہم پر وہ چیز جس کی دھمکی تم ہمیں سنا رہے ہو۔" ہودؑ نے کہا: "اس کا صحیح علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ میں تو صرف وہ پیغام تمھیں پہنچا رہا ہوں جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ بالکل جہالت میں مبتلا ہو۔"

پھر جب اُن لوگوں نے اُس عذاب کو بادل کی شکل میں اپنی وادیوں کی طرف بڑھتے دیکھا تو کہنے لگے: "یہ بادل ہے جو ہم کو سیراب کر دے گا۔" —— (اصل صورتِ حال نے اُن کو بتایا): "نہیں، بلکہ یہ تو وہی چیز ہے جس کے لیے تم نے جلدی مچا رکھی تھی۔ یہ ہوا کا طوفان ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ یہ طوفان اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تہس نہس کر دے گا۔" بالآخر اُن کا حال یہ ہوا کہ اُن کے گھروں کے سوا کسی چیز کا نشان بھی وہاں باقی نہ رہا۔ ہم مجرموں کو اِسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

اے قریش کے لوگو، ہم نے قومِ عاد کو وہ کچھ دیا تھا جو تم لوگوں کو نہیں دیا[11]۔ ہم نے اُن کو کان، آنکھیں اور دل سب کچھ دے رکھا تھا، مگر نہ وہ کان اُن کے کسی کام آئے، نہ آنکھیں اور نہ دل، کیونکہ انھوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا اور اُسی چیز نے اُن کو گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ تمھارے اردگرد کی بہت سی بستیوں کو ہم ہلاک کر چکے۔ ہم نے اپنی آیات کے ذریعے سے بار بار اور ہر طرح سے اُن کو سمجھایا تا کہ وہ باز آ جائیں۔ پھر کیوں نہ اُن ہستیوں نے اُن کی مدد کی جنھیں انھوں نے اللہ کا قُرب حاصل کرنے کے لیے معبود بنا رکھا تھا؟ بلکہ وہ سب اِن سے کھوئے گئے۔ یہ تھا اُن کا جھوٹ اور اُن کا بہتان۔ ۲۱-۲۸

[9] احقاف کے معنی ہیں ریت کے لمبے لمبے ٹیلے۔ یہاں مراد وہ ریگستان ہے، جو صحرائے عرب کے جنوب مغربی حصے میں واقع ہے۔ یہی قوم عاد کا اصل مسکن تھا۔ اپنے عروج کے دور میں یہ علاقہ سرسبز وشاداب اور آباد تھا، لیکن اس عذاب کے بعد وہاں کی آب وہوا ایسی تبدیل ہوئی کہ وہ بس ایک لق ودق صحرا بن گیا۔ یہاں قرآن نے یہ لفظ استعمال کر کے اس عظیم تباہی کی طرف توجہ دلائی ہے، جو اس علاقے پر آئی۔

[10] یہ اسی عذاب کی دھمکی ہے جو رسول کی آمد کے بعد اور اتمام حجت کے بعد اس کا انکار کرنے والوں پر آتا ہے۔

[11] قریش کے بہت سے سردار بھی اس غرور میں مبتلا تھے کہ ہماری سرداری کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔ یہاں قرآن نے ان کو بتایا کہ دنیوی اعتبار سے قوم عاد تم سے بہت برتر تھی، اس کے باوجود جب اس قوم نے اپنے رسول کو جھٹلایا تو اللہ کی سزا کے آگے وہ نہ ٹھہر سکے۔ یہ آیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مکی دور کے سخت ترین حالات میں نازل ہوئیں، جب اسلام کے غلبے کا دور دور تک نام ونشان بھی نظر نہیں آتا تھا۔ ان آیات میں ہمارے لیے غور وفکر کا بہت بڑا سامان موجود ہے کہ کس طرح اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصلہ کن فتح عطا فرمائی اور ایک عظیم امت کا آغاز ہو گیا۔ یہ رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم ترین ثبوت ہے۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْٓا اِلٰى

قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ
اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ
وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِى الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ
اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ
بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾
فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ
يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

اے نبیؐ، وہ واقعہ یادرکھنے کا ہے، جب ہم نے جنات کے ایک گروہ کوتمھاری طرف متوجہ کردیا تاکہ وہ قرآن سنیں۔[12] جب وہ اُس جگہ پہنچے تو انھوں نے (آپس میں) کہا: ''خاموش ہوکرسنو۔'' پھر جب قرآن پڑھا جاچکا تو وہ آگاہ کرنے والے بن کر اپنی قوم کی طرف لوٹے۔ انھوں نے کہا: ''اے ہماری قوم کے لوگو، ہم نے ایک کتاب سنی ہے، جو موسیٰؑ کے بعد نازل کی گئی ہے۔ اُن (پیشین گوئیوں) کی تصدیق کرتی ہے، جواس کے بارے میں پہلے سے موجود ہیں۔ یہ کتاب حق اور راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔[13] اے ہماری قوم کے لوگو، اللہ کے راستے کی طرف دعوت دینے والے کی دعوت پر لبیک کہو اور اُس پر ایمان لے آؤ۔ اللہ تمھارے گناہوں کو بخش دے گا اور تمھیں ایک دردناک عذاب سے پناہ دے گا۔''[14]

جو شخص اللہ کے داعی (یعنی نبیؐ) کی دعوت پر لبیک نہیں کہے گا (وہ یادرکھے کہ) وہ زمین میں اللہ کے قابو سے باہر نہیں نکل سکے گا۔ اور اللہ کے مقابلے میں اُس شخص کے کوئی بھی مددگار نہیں ہوں گے۔[15] ایسے لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ کیا اِن لوگوں نے غور نہیں کیا کہ جس اللہ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور ان کو بناتے ہوئے وہ نہیں تھکا، وہی اللہ مُردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ ہاں، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

ایک دن (آئے گا)، جب یہ حق کا انکار کرنے والے دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے (اور ان سے پوچھا جائے گا): ''کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟'' وہ جواب دیں گے: ''ہاں، ہمارے رب کی قسم، (یہ تو حقیقت ہے)۔'' ارشاد ہوگا: ''اب یہ عذاب چکھو، اپنے انکارِ حق کے نتیجے میں۔''

پس اے نبیؐ، صبر کرو جس طرح صاحبِ عزم رسول ثابت قدم رہے اور اِن منکرینِ حق کے لیے جلدی نہ کرو۔ جس دن یہ لوگ اُس چیز کو دیکھ لیں گے، جس سے اِن کو ڈرایا جارہا ہے (تو اِن کو ایسا محسوس ہوگا کہ) جیسے یہ لوگ دنیا میں دن کی ایک ساعت سے زیادہ نہیں رہے۔ ـــ بات پہنچادی گئی ہے۔ بالآخر وہی لوگ تباہ ہوں گے، جو نافرمانی کرنے والے ہیں۔[16] ۲۹-۳۵

[۱۲] مکی دور کے گیارہویں سال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس ارادے سے طائف تشریف لے گئے کہ وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ اِس سے پہلے تین برس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں انتہائی سختی کے سال تھے۔ ان برسوں میں قریش کے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان اور محلے کی مکمل ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ نبوت کے دسویں برس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب وفات پاگئے اور اس کے ایک مہینے بعد آپ کی رفیقۂ حیات حضرت خدیجہؓ بھی انتقال فرماگئیں۔ یہ دونوں افراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے، بہت سکون اور تسلی کا باعث تھے۔ ان پے در پے تکلیفوں کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سال کو 'عام الحزن' یعنی رنج و غم کا سال فرمایا کرتے تھے۔ اس کے بعد اللہ کے حکم سے آپ اس ارادے سے طائف تشریف لے گئے کہ وہاں کے سرداروں کو اسلام کی دعوت دیں۔ واضح رہے کہ اس سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعوت اسلام کے لیے مکے سے باہر تشریف نہیں لے گئے تھے۔ طائف کے سرداروں نے آپ کی دعوت سے صاف انکار کردیا اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے چلنے لگے تو راستے کے دونوں طرف طائف کے غنڈے آپ پر آوازے کستے، گالیاں دیتے اور پتھر مارتے، یہاں تک کہ آپ کے بدن پر بہت سے زخم آئے اور آپ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں۔ اس حالت میں آپ طائف کے باہر ایک باغ کی دیوار کے سایے میں بیٹھ گئے اور آپ نے اپنے رب سے عرض کیا: ''اے اللہ، میں تیرے ہی حضور اپنی بے بسی و لاچاری اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین، تو ہی سارے کمزوروں کا رب ہے اور میرا رب بھی تو ہی ہے۔ مجھے کس کے حوالے کررہا ہے؟ کیا کسی بے گانے کے حوالے، جو مجھ سے سختی کے ساتھ پیش آئے یا کسی دشمن کے حوالے، جو مجھ پر قابو پالے؟ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی مصیبت کی پروا نہیں، لیکن اگر تیری طرف سے مجھے عافیت نصیب ہوجائے تو اس میں میرے لیے زیادہ کشادگی ہے۔ میں تیری ذات کے اس نور کی پناہ میں آتا ہوں جو اندھیرے میں اجالا لاتا ہے اور دنیا و آخرت کے معاملات کو درست کرتا ہے۔ مجھے اِس سے بچالے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا میں تیرے عتاب کا مستحق ہوجاؤں۔ میں تیری مرضی پر راضی ہوں، یہاں تک کہ تو مجھ سے راضی ہوجائے۔ کوئی زور اور طاقت تیرے بغیر نہیں۔'' اس اثنا میں جبریلؑ آپ کے پاس آئے اور کہا: ''آپ کی قوم نے جو جواب آپ کو دیا ہے، اللہ نے اسے سن لیا۔ اب یہ پہاڑوں کا منتظم فرشتہ اللہ نے بھیجا ہے، آپ جو حکم دینا چاہیں، اسے دے سکتے ہیں۔'' پھر پہاڑوں کے فرشتے نے آپ کو سلام کرکے عرض کیا: ''آپ کہیں تو دونوں طرف کے پہاڑ اِن لوگوں پر الٹ دوں۔'' آپ نے جواب دیا: ''نہیں، میں یہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کرے گا، جو اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی کریں گے۔'' راستے میں نخلہ نامی ایک مقام پر آپ نے رات گزاری۔ وہیں شب کی نمازوں میں سے کسی نماز میں آپ قرآن مجید کی تلاوت فرمارہے تھے کہ جنات کے ایک گروہ کا وہاں سے گزر ہوا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جنات کی آمد کا علم نہیں ہوا، بلکہ بعد میں اللہ نے وحی کے ذریعے سے آپ کو یہ خبر دی۔

[۱۳] جہاں ایک طرف اہل طائف نے قرآن سننے سے انکار کر دیا، وہاں دوسری طرف جب جنات نے اس عظیم کلام کو سنا تو نہ صرف یہ کہ وہ فوراً متوجہ ہو گئے، بلکہ وہ اس کلام پر ایمان بھی لے آئے۔

[۱۴] جنوں اور انسانوں کی تخلیق دو مختلف عناصر سے ہوئی ہے اور دونوں کی معاشرتی، سماجی اور تمدنی ضروریات میں بڑا فرق ہے، اس لیے دونوں کے لیے اللہ کے احکام میں بھی فرق ہوگا۔ تاہم یہ بات بھی واضح ہے کہ توحید، آخرت اور بنیادی اخلاقی ہدایات یکساں ہوں گی۔ چونکہ ہم جنات کو نہیں دیکھ سکتے اس لیے ہم ان کے پیغمبروں کو نہیں جانتے۔ لیکن جنات ہمیں دیکھ سکتے ہیں، اس لیے یہ ممکن ہے کہ کسی خاص علاقے میں رہنے والے جنات وہاں کے پیغمبر کو بھی جانتے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جنات کے لیے یہ بات اللہ کی طرف سے لازم کر دی گئی ہو کہ اگر وہ انسانوں میں سے کسی پیغمبر کی تعلیمات سنیں تو انھیں اپنے ہم جنسوں تک پہنچائیں۔

[۱۵] یہاں قرآن نے ایک دفعہ پھر اللہ کے مقرر کردہ اس ضابطے کی طرف توجہ دلائی ہے کہ رسول کے براہ راست مخاطبین میں سے جو بھی رسول کا ساتھ نہیں دے گا، اسے دنیا میں بھی سزا دی جائے گی۔

[۱۶] اس آخری آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کی اسی دنیا میں ہلاکت کی پیشین گوئی کر دی گئی ہے۔ اس سورہ کی پہلی آیت میں منکرین آخرت کی طرف توجہ دلائی گئی تھی، یوں آخری آیت نے مضمون کو پورا کر دیا۔ واضح رہے کہ یہ آیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر طائف سے واپسی پر راستے میں اس وقت نازل ہوئیں، جب دعوت اسلام کو ہر طرف سے دھتکارا جا رہا تھا، لیکن قرآن نے جس لب و لہجے میں اس وقت بھی یہ پیشین گوئی دہرائی، یہ صرف اللہ کی طرف سے نازل کردہ کلام ہی کر سکتا ہے۔

سورۂ محمد

[۴۷]

نام

اس سورہ کی آیت نمبر ۲ میں یہ لفظ آیا ہے، جس کی وجہ سے اس سورہ کو یہ نام دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

قرآن مجید کی سورتوں کے اس پانچویں گروپ میں یہ پہلی مدنی سورہ ہے۔ اس کے مضامین سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ بدر سے پہلے نازل ہوئی۔ گویا یہ ریاست مدینہ کی بالکل ابتدائی سورتوں میں سے ایک ہے۔

اس سورہ کی ابتدا بہت عجیب طریقے سے ہوئی ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ اس وقت مدینے کی چھوٹی سی بستی ہر طرف سے دشمنوں کے نرغے میں گھری ہوئی تھی اور وہ اسے مٹا دینے پر تلے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کے مقابلے میں دشمن کی طاقت کئی گنا زیادہ تھی۔ اس کے باوجود اس سورہ کی ابتدا اس ہدایت سے ہوئی کہ جب دشمن سے تمھارا مقابلہ ہو تو پہلے اسے اچھی طرح کچل دو اور پھر انھیں جنگی قیدی بنا دو۔ اس کے بعد جنگی قیدیوں سے متعلق مزید احکام دیے گئے ہیں۔ گویا یہ بات تو قرآن مجید کے نزدیک بالکل طے شدہ تھی کہ دشمن سے مقابلے میں اہل ایمان غالب آئیں گے۔

قرآن کی مدنی سورتوں کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر آنے والے معرکے میں پیش آنے والے ہر معاملے کے متعلق قرآن نے پیشگی ہدایات دی ہیں۔ چونکہ آئندہ جنگ بدر پیش آنی تھی اور اس میں مسلمانوں کے ہاتھ میں جنگی قیدی بھی آنے تھے، اس لیے پہلے سے ہی اس کے متعلق ہدایات دی گئیں۔

آگے کی آیات میں قرآن مجید نے اہل مکہ کے بدترین دشمنان اسلام کی ہلاکت کی پیشین گوئی کی۔ اس کے بعد مدینہ کے منافقین کا تجزیہ کیا گیا اور پھر مسلمانوں سے کہا گیا کہ اب انفاق فی سبیل اللہ کا وقت آ گیا ہے۔

آیاتہا ۳۸

سُوْرَۃُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِیَّۃٌ

رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا
بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ﴿۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ
اَمْثَالَهُمْ ﴿۳﴾ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا
بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ڔ ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا
بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿۴﴾ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ﴿۵﴾
وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴿۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ﴿۷﴾
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿۸﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۹﴾

عند المتقدمین

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

جن لوگوں نے انکارِ حق کیا اور اللہ کے راستے سے روکا، اللہ نے اُن کے تمام اعمال ضائع کر دیے۔ جو لوگ ایمان لے آئے، انھوں نے اچھے عمل کیے اور اُس چیز کو مان لیا جو محمدؐ پر نازل ہوئی ـــــ جو اُن کے رب کی طرف سے سراسر حق ہے ـــــ اللہ نے اُن کی برائیاں، اُن سے دور کر دیں اور اُن کا حال درست کر دیا۔ یہ اس لیے ہوا کہ منکرینِ حق نے باطل کی پیروی کی اور ایمان لانے والوں نے اُس حق کی پیروی کی جو اُن کے رب کی طرف سے آیا ہے۔ اِس طرح اللہ لوگوں کو اُن کی ٹھیک ٹھیک حیثیت بتا رہا ہے۔

اے ایمان والو، جب ان منکرینِ حق سے تمھارے مقابلہ کی نوبت آئے تو اُن کی گردنیں اڑاؤ۔ یہاں تک کہ جب تم اُن کو اچھی طرح کچل دو، تب اُن (میں سے قیدیوں) کو مضبوط باندھ لو۔ پھر یا تو احسان کرکے (ان قیدیوں کو) چھوڑنا ہے یا فدیہ لے لو، یہاں

تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے[2]۔ یہ ہے (تمھارے کرنے کا کام)۔ اگر اللہ چاہتا تو خود ہی اُن سے نمٹ لیتا، لیکن (اللہ نے تم کو یہ حکم اس لیے دیا) کہ (تم لوگوں کو) ایک دوسرے کے ذریعہ سے آزمائے[3]۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں گے، اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ وہ ان کی رہنمائی (منزلِ مقصود کی طرف) کرے گا، ان کا حال سنوارے گا اور اُن کو اُس جنت میں داخل کرے گا، جس سے وہ اُن کو واقف کرا چکا ہے۔

اے ایمان والو، اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدم مضبوط جما دے گا[4]۔ رہے وہ لوگ جنھوں نے انکارِ حق کیا تو اُن کے لیے ہلاکت ہے اور اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیے۔ یہ اس لیے ہوا کہ انھوں نے اُس چیز کو ناپسند کیا جسے اللہ نے نازل کیا، لہٰذا اللہ نے اُن کے اعمال ضائع کر دیے۔ ۱-۹

[۱] درج بالا آیات میں ماضی (past) کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، حالانکہ یہ سب کچھ وقوع پذیر ہونے میں ابھی چند سال باقی تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ کی فتح اور دشمنانِ اسلام کی شکست کا فیصلہ اللہ کے ہاں ہو چکا تھا اور یہ لازماً ہو کر رہنا تھا۔

[۲] اب جبکہ مدینے کی ایک چھوٹی سی ریاست وجود میں آ چکی تھی، قرآن مجید نے مسلمانوں کو پہلے سے خبردار کر دیا کہ دشمنوں کی طرف سے بہت سے حملے ہوں گے اور لڑائیوں کی نوبت آئے گی۔ ان لڑائیوں میں لازماً اہلِ ایمان کامیاب ہوں گے، بشرطیکہ وہ اس بات کا خیال رکھیں جو آگے آیت نمبر ۷ میں بیان کی گئی ہے۔

ان آیات کے ذریعے سے قرآن نے یہ بات بھی بتادی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین پر دنیوی سزا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے ذریعے سے نافذ کی جائے گی۔ گویا اگلے رسولوں کے مخالفین کے لیے جو کام طوفان اور سیلاب سے لیا گیا تھا، وہی کام صحابۂ کرامؓ کے ذریعے سے پورا کیا جائے گا۔ یہاں قرآن نے ایک اور اہم قانون بھی بیان کر دیا۔ اس سے پہلے یہ طریقہ تھا کہ سب جنگی قیدیوں کو غلام بنالیا جاتا تھا۔ یہی غلام اور ان کی اولاد آگے فروخت کی جاتی تھی۔ قرآن نے اس طریقے کو ختم کر دیا اور اہلِ ایمان کو بتادیا کہ جب ان کے پاس جنگی قیدی آئیں تو ان کو غلام نہیں بنانا چاہیے، بلکہ یا تو معاوضہ لے کر چھوڑ دیا جائے یا احسان کر کے چھوڑ دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدین کے زمانے کی کسی جنگ میں قیدیوں کو غلام نہیں بنایا گیا۔ البتہ بنی قریظہ کا معاملہ اس ضمن میں ایک استثنا کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اپنے مقرر کردہ حَکم یعنی حضرت سعدؓ بن عبادہ نے ان کے معاملے کا فیصلہ تورات کے مطابق کیا تھا۔ اس طرح اسلام نے مستقبل کے لیے غلامی کی جڑ کاٹ دی۔ جہاں تک پہلے سے موجود غلاموں کا تعلق ہے، ان کے متعلق قرآن مجید نے ایسی اصلاحات کر دیں جس کی وجہ سے غلامی عملاً ختم ہوگئی۔

[۳] یعنی اگرچہ اگلے رسولوں کی نافرمان اقوام کی طرح اللہ ان نافرمانوں پر بھی آسمان سے سزا نازل کر سکتا تھا، لیکن ان کے لیے اللہ نے یہ طریقہ مقرر فرما دیا ہے کہ ان نافرمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے ہاتھوں سزا دی جائے گی۔

[۴] یہاں پیشگی طور پر صحابۂ کرامؓ کو وہ شرط بھی بتادی گئی، جس کے تحت ان کو فتح نصیب ہونی تھی۔ وہ یہ کہ اگر ان کا ایمان مضبوط ترین حالت میں ہوگا تو ہر معرکے میں ان کی مدد کی جائے گی۔ اس دنیا میں اللہ کے دین کی حفاظت کے کام کو اللہ نے اپنا کام قرار دیا ہے، اسی لیے یہاں اس کام کے لیے جنگ کو بھی

اللہ نے اپنی مدد قرار دیا ہے۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ
وَلِلْكٰفِرِیْنَ اَمْثَالُهَا ﴿۱۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ
یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ
وَیَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾ وَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْیَتِكَ
الَّتِیْ اَخْرَجَتْكَ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ
عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ
لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ
الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾

کیا یہ لوگ (مشرکینِ عرب) اِس ملک میں چلے پھرے نہیں کہ اُن لوگوں کا انجام دیکھتے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ اللہ نے اُن کو تباہ کر کے چھوڑا اور ایسے ہی نتائج اِن منکرینِ حق کے لیے بھی ہوں گے۔ یہ اس لیے کہ اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے اور اِن منکرینِ حق کا کارساز کوئی نہیں[5]۔

بے شک، اہلِ ایمان اور عملِ صالح کرنے والوں کو اللہ اُن جنتوں میں داخل کرے گا، جن میں نہریں بہ رہی ہوں گی۔ حق کا انکار کرنے والے تو بس دنیا کی چند روزہ زندگی سے بہرہ مند ہو رہے ہیں اور جانوروں کی طرح کھا پی رہے ہیں۔ اُن کا آخری ٹھکانا جہنم ہے۔

اے نبیؐ، کتنی ہی بستیاں (ایسی گزر چکی) ہیں جو تمھاری اس بستی (مکہ) سے قوت میں کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں جس نے تمھیں نکال دیا ہے۔ اُنھیں ہم نے اِس طرح ہلاک کر دیا کہ اُن کی مدد کرنے والا کوئی بھی نہ بن سکا۔

بھلا کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ جو لوگ اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہیں، وہ اُن لوگوں کی طرح ہو جائیں جن کے لیے اُن کا بُرا عمل خوش نما بنا دیا گیا ہے اور وہ اپنی خواہشاتِ نفس کے پیرو کار بن گئے ہیں[6]؟ پرہیزگاروں کے لیے جس جنت کا وعدہ کیا گیا

ہے، وہ یہ ہے کہ اس میں ایسے پانی کی نہریں بہ رہی ہوں گی جس میں ذرا بھی تغیر نہ ہوا ہوگا، اُس میں ایسے دودھ کی نہریں ہوں گی جس کا ذائقہ تبدیل نہ ہوا ہوگا، اس میں ایسی شراب کی نہریں ہوں گی جو پینے والوں کے لیے خالصتاً لذت ہوگی، اس میں صاف وشفاف شہد کی نہریں ہوں گی، اس میں اُن کے لیے ہر طرح کے پھل ہوں گے اور اُن کے رب کی طرف سے مغفرت بھی ہوگی[۷] (کیا یہ لوگ جن کو یہ نعمتیں حاصل ہوں گی)، اُن لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں، جو ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں اور جنھیں ایسا گرم پانی پلایا جائے گا، جو اُن کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دے گا؟ ۱۰-۱۵

[۵] قوم عاد وثمود کی بستیاں ان لوگوں کے تجارتی راستوں میں پڑتی تھیں اور سرزمین عرب کے لوگ ان بستیوں کی طاقت وقوت اور ان کی داستانوں سے واقف تھے۔ قرآن نے بتایا کہ جس طرح اگلے پیغمبروں کے دشمن ہلاک ہوئے، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر دشمن کو ہلاک کر دیا جائے گا۔

[۶] قرآن مجید نے کئی مرتبہ یہ بات فرمائی ہے کہ رسول کے دشمن حق کو اچھی طرح پہچان جاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لاتے، اس لیے کہ وہ اپنی خواہشات نفس کے پیروکار بن جاتے ہیں اور وہ اپنے غلط کاموں کی لذت کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔

[۷] جنت کی ساری نعمتیں خالص اور بے آمیز ہوں گی۔ ان کی لذت اس دنیا کی لذت سے ہزاروں گنا زیادہ ہوگی۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۟ قف
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ
تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ
ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ ع وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا
الْقِتَالُ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾
طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۟ قف فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۟ قف فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾

اے نبیؐ، اِن میں سے کچھ لوگ (یعنی منافقین) ایسے ہیں، جو تمھاری طرف کان تو لگاتے ہیں، مگر جب تمھارے پاس سے نکلتے ہیں

تو علم والوں سے پوچھتے ہیں کہ ابھی انھوں نے کیا بات فرمائی؟[8] یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے۔ یہ اپنی خواہشات کے پیرو بنے ہوئے ہیں۔ رہے وہ لوگ جنھوں نے ہدایت کی راہ اختیار کی، اللہ نے اُن کی ہدایت میں مزید اضافہ فرمادیا اور اُن کے حصے کی پرہیزگاری بھی اُن کو عطا فرمائی۔

یہ لوگ تو بس اسی بات کے منتظر ہیں کہ قیامت اِن پر اچانک آجائے۔ اُس کی علامات تو ظاہر ہو چکی ہیں[9]۔ پھر جب وہ آہی جائے گی تو اِن لوگوں کے لیے نصیحت قبول کرنے کا کون سا موقع باقی رہ جائے گا؟ پس اے نبیؐ، جان رکھو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اپنے، مومن مردوں اور مومن عورتوں کی خطاؤں کی معافی مانگتے رہا کرو[10]۔ اللہ تم سب کے آنے جانے کی جگہوں اور تمھارے ٹھکانوں سے واقف ہے۔

جو لوگ ایمان لائے ہیں، وہ کہتے تھے کہ (جنگ کی اجازت کے متعلق) کوئی سورہ کیوں نازل نہیں ہو رہی۔ مگر جب ایک واضح سورہ نازل کردی گئی اور اُس میں جنگ کا ذکر بھی تھا تو اے نبیؐ، تم نے دیکھا کہ جن کے دلوں میں بیماری تھی وہ تمھاری طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے اُن پر موت کی غشی طاری ہو[11]۔ افسوس ہے اُن کے حال پر۔ (اُن کے لیے پسندیدہ طریقہ تو) اطاعت اور بہترین بات کا تھا اور پھر جب معاملے کا قطعی فیصلہ ہو جاتا (یعنی اہلِ ایمان کو فیصلہ کن کامیابی حاصل ہو جاتی) تو اگر وہ اللہ سے راست باز ثابت ہوتے تو یہ بات اُن کے لیے بہت بہتر ہوتی[12]۔ ۱۶-۲۱

[۸] جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ایک ریاست قائم کردی تو وہاں منافقین کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جو بظاہر تو مسلمانوں کے ساتھ تھا، لیکن اس کی ساری ہمدردیاں اسلام کے مخالفین کے ساتھ تھیں۔ چونکہ آیندہ ایسے معرکے پیش آنے تھے جن میں ان منافقین کی وجہ سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا، اس لیے قرآن نے پیشگی طور پر اس گروہ کے بارے میں اہل ایمان کو خبردار کردیا۔ اس گروہ کے متعلق قرآن مجید نے سورۂ نساء، مائدہ، انفال اور توبہ میں بھی تبصرہ کیا ہے۔ یہ لوگ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل سے نکلتے تھے تو لوگوں کو یہ تاثر دیتے تھے کہ ہم بھی ہر معرکے کے لیے حاضر ہیں، لیکن ابھی تو بات ہماری سمجھ میں آئی ہی نہیں۔ اسی طرح یہ منافقین کہتے تھے کہ یہ باتیں ایسی نہیں ہیں کہ بے سوچے سمجھے ان پر ہاں کردی جائے، بلکہ ان پر اچھی طرح غور کرنے اور ان کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس طرح دراصل یہ لوگ عام مسلمانوں کی حوصلہ شکنی کرتے کہ تم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات فوراً مان کر غلطی کر رہے ہو۔

[۹] یہاں قرآن مجید نے دونوں عذابوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک وہ عذاب جو رسول کے مخالفین پر آتا ہے اور اس کے بعد وہ عذاب جو قیامت کے دن ایسے لوگوں پر آئے گا۔ اسی لیے صحیح احادیث کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کو اٹھا کر فرمایا کہ جس طرح ان دونوں کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہے، اسی طرح میری رسالت اور قیامت کے درمیان بھی کوئی فاصلہ نہیں ہے۔

[۱۰] یعنی منافقین تو مجرم اور باغی ہیں۔ جہاں تک سچے اہل ایمان کا تعلق ہے، ان سے بھی غلطیاں اور قصور سرزد ہو سکتے ہیں تاہم ان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمہ وقت مغفرت کی دعا کرنی چاہیے۔ یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری امت کے وکیل اور شفیع کی حیثیت سے ہے۔ قرآن مجید میں جہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے قصوروں کے لیے مغفرت مانگنے کو کہا گیا ہے، ان سب جگہوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات امت کے وکیل شفیع کی حیثیت سے کی گئی ہے۔

[۱۱] مکی دور میں تو جنگ پر مکمل پابندی تھی، کیونکہ جنگ کے لیے اہم ترین شرط ریاست وحکومت کا وجود ہے۔ ایسے ہی جیسے نماز کے لیے وضو یا تیمم، زکواۃ کے لیے مال، اور روزے کے لیے صحت ضروری ہیں۔ مدنی دور کے شروع میں بھی اللہ کی طرف سے اہل ایمان کو جنگ کی اجازت دینے کی آیات ابھی نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت عام اہل ایمان کے دلوں میں یہ بات تھی کہ اللہ کی طرف سے جنگ کا حکم آ جانا چاہیے، تا کہ ہمارے خلوص کا عملی مظاہرہ ہو سکے۔ ان کی دیکھا دیکھی منافقین بھی بڑھ چڑھ کر اس طرح کے دعوے کرتے تھے، لیکن جب اسی سورہ کی آیت نمبر ۴ میں جنگ کی اجازت دے دی گئی تو یہ لوگ بہت بڑی تشویش میں پڑ گئے کہ اب ہم کیا کریں گے۔

[۱۲] یعنی اگر قرآن پر ان کا سچا ایمان ہوتا تو یہ جان لیتے کہ اللہ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے ساتھیوں کو لازماً کامیابی عطا کی جائے گی۔ لیکن چونکہ یہ لوگ قرآن پر ایمان نہیں رکھتے، اس لیے یہ سب کچھ انھیں بہت بڑا بوجھ لگ رہا ہے۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ
اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ط وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَ
نَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِىْ بَعْضِ الْاَمْرِ ج وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَيْفَ اِذَا
تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا
رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ ع اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ
نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ط وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِىْ لَحْنِ الْقَوْلِ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾

(اے نبیؐ، ان منافقین سے کہو): ''پس اگر تم نے منہ پھیرا تو اِس کے سوا تم سے کچھ توقع نہیں کہ تم زمین میں فساد برپا کرو گے اور اپنے خون اور نسب کے رشتوں پر چھری چلاؤ گے[۱۳]۔'' یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور اُن کو بہرا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں پر ہدایت واضح ہوگئی اور اس کے بعد وہ اس ہدایت سے منہ موڑ گئے، اُن کو شیطان نے فریب دے دیا۔ اِن کو ڈھیل دی جا رہی ہے۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ انھوں نے اللہ کے نازل کردہ دین کو ناپسند کرنے والوں (یعنی منکرینِ حق یہودیوں) سے کہا کہ بعض معاملات میں ہم آپ لوگوں ہی کی بات مانیں گے[۱۴]۔ اللہ اِن منافقین کی اِن رازدارانہ باتوں کو خوب جانتا ہے۔ پھر اُس وقت کیا حال ہوگا، جب فرشتے ان کی روحیں قبض کریں گے اور ان کے منہ اور پیٹھوں پر مارتے ہوئے انھیں لے جائیں گے؟ ایسا اس وجہ سے ہوگا کہ انھوں نے اُس چیز کی پیروی کی، جو اللہ کو ناراض کرنے والی تھی اور اِن لوگوں نے اللہ کی خوشنودی (کے راستے سے) نفرت کی، پس اللہ نے اِن کے اعمال ضائع کر دیے[۱۵]۔

کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے، یہ گمان کر رہے ہیں کہ اللہ اُن کے کینے (اور بغض) کو کبھی بے نقاب نہیں کرے گا؟ اے نبیؐ، اگر ہم چاہتے تو ہم یہ لوگ تمھیں دکھا دیتے اور تم اِن کی علامتوں سے ان کو پہچان لیتے۔ تم ان کے لہجے کے تذبذب سے اِن کو پہچان ہی لو گے۔ اللہ تم سب کے اعمال سے واقف ہے[۱۶]۔ ۲۲-۳۰

[۱۳] دور جاہلیت میں سرزمین عرب کے اندر فساد اور قتل و غارت گری کا ایک بازار گرم تھا اور رشتوں کے حقوق کی کوئی خاص پروا نہیں کی جاتی تھی۔ یہاں منافقین سے یہ کہا گیا ہے کہ کیا تم واپس اسی دور میں جانا چاہتے ہو اور تمھیں اللہ کا راستہ پسند نہیں ہے؟

[۱۴] ریاست مدینہ کے آغاز میں ہی اسلام دشمن یہودیوں اور منافقین کے درمیان سازباز شروع ہو چکی تھی۔ یہاں قرآن نے اس سازباز سے پردہ اٹھا دیا تاکہ عام اہل ایمان متنبہ ہو جائیں۔

[۱۵] یعنی ان منافقین پر اللہ کی طرف سے کوئی ظلم نہیں ہوگا، بلکہ انھوں نے خود اپنے آپ کو اس انجام کا مستحق بنا دیا ہے اور اپنے تکبر اور خواہشات نفس کی پیروی کی وجہ سے حق کی اس دعوت سے منہ موڑ لیا ہے۔

[۱۶] اس سورہ کے نزول کے وقت چونکہ ان منافقین کی سازشوں کی ابتدا ہو رہی تھی، اس لیے قرآن نے صرف ان کی علامتوں کو بیان کیا تاکہ ان میں سے زیادہ سے زیادہ لوگ متنبہ ہو جائیں اور اپنی منافقت کی روش چھوڑ دیں۔ یہاں یہ بات بتا دی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو لازماً غلبہ عطا کیا جائے گا اور منافقین کے دلوں کا سارا کھوٹ ظاہر کر دیا جائے گا۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ
أَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٣﴾ إِنَّ الَّذِينَ
كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ﴿٣٤﴾ فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى
السَّلْمِ صلے وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ صلے وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَن يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٥﴾ إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ط
وَإِن تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ﴿٣٦﴾ إِن يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا وَيُخْرِجْ
أَضْغَانَكُمْ ﴿٣٧﴾ هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ج فَمِنكُم مَّن يَبْخَلُ ج وَمَن يَبْخَلْ فَإِنَّمَا
ع
يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ ط وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاءُ ج وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم ﴿٣٨﴾

اے نبیؐ کے ساتھیو، ہم لازماً تم لوگوں کو آزمائش میں ڈالیں گے تاکہ ہم دیکھ لیں کہ تم میں مجاہد اور ثابت قدم کون ہیں، اس طرح ہم تمھارے حالات کی جانچ کریں گے۔[17] جن لوگوں نے انکارِ حق کیا، اللہ کی راہ سے روکا اور رسول کی مخالفت کی، جبکہ اُن پر ہدایت واضح ہو چکی تھی،[18] وہ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اللہ اُن کے سارے اعمال ڈھا دے گا۔

اے اہلِ ایمان، اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔[19] بے شک، انکارِ حق کرنے والوں، اللہ کے راستے سے روکنے والوں اور پھر مرتے دم تک انکارِ حق پر جمے رہنے والوں کو اللہ ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ پس تم کمزور نہ پڑو اور صلح کی درخواست نہ کرو۔ تم ہی غالب رہو گے۔[20] اللہ تمھارے ساتھ ہے اور وہ تمھارے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔

(آخرت کے تصور کے بغیر) یہ دنیا کی زندگی تو محض ایک کھیل تماشا ہے۔ اگر تم ایمان لاؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تمھارے اجر تم کو دے گا اور تمھارا مال (سمیٹ کر) تم سے نہیں مانگے گا۔ (اللہ جانتا ہے کہ) اگر وہ تم سے مال مانگے اور سارا مال تم سے طلب کرے تو تم بخیلی کرو گے اور پھر وہ تمھارے کھوٹ کو ظاہر کر دے گا۔[21]

آگاہ رہو، تم وہ لوگ ہو جنھیں اللہ کی راہ میں خرچ کی دعوت دی جا رہی ہے۔ تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں، جو بخل کر رہے ہیں، حالانکہ جو بھی بخیلی کرتا ہے، وہ درحقیقت اپنے آپ ہی سے کنجوسی کر رہا ہے۔[22] اللہ غنی ہے اور تم محتاج ہو۔ اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمھاری

جگہ دوسروں کو لائے گا اور وہ تم جیسے نہیں ہوں گے[۲۳]۔ ۳۱-۳۸

[۱۷] یہ بھی اللہ کا قاعدہ ہے کہ وہ رسول کے ساتھیوں کو بہت سی آزمایشوں سے گزارتا ہے تاکہ کھرا اور کھوٹا سامنے آجائے۔ چونکہ اوپر کی ساری بحث جنگ سے متعلق ہے، اس لیے یہاں مجاہد کے لفظ میں جنگ کا پہلو غلبہ پا گیا ہے۔

[۱۸] قرآن مجید کے مطابق اصل کفر وہ ہے، جب ایک انسان پر حقیقت واضح ہوجائے اور پھر بھی وہ آس حقیقت کو چھپا کر اپنے تکبر اور خواہشات نفس کے پیچھے چلے۔

[۱۹] یعنی اہل ایمان کو ہر وقت متنبہ رہنا چاہیے کہ ان کے خیالات یا اعمال میں منافقت کی دخل اندازی تو نہیں ہو رہی۔

[۲۰] منافقین کی ایک چال یہ بھی تھی کہ وہ اپنے آپ کو مصلح ظاہر کرتے اور لوگوں کو یہ تاثر دیتے کہ ہم مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان صلح کرانا چاہتے ہیں تاکہ یہ سب لوگ سرزمین عرب میں امن سے رہیں۔ اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ مسجد حرام اور خانہ کعبہ پر مشرکین کا قبضہ برقرار رہے گا۔ اس کے برعکس مدنی دور کی بالکل ابتدا ہی میں سورۂ حج میں قرآن نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ مسجد حرام پر مشرکین کا قبضہ بالکل ناجائز ہے اور اس کو ختم کرنا مسلمانوں پر لازم ہے، چنانچہ اس کے بارے میں کوئی سمجھوتا ممکن نہیں ہے۔ اسی وجہ سے یہاں مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ منافقین کی چال میں نہ آئیں، کیونکہ دین کے معاملے میں کسی سمجھوتے کا امکان نہیں ہے۔ البتہ جہاں تک دنیاوی معاملات اور حکمت عملی کا تعلق ہے، اس میں دشمن سے سمجھوتا ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عملی معاملات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں حتیٰ کہ دشمنوں سے بھی معاہدے کیے۔ اس ضمن میں سب سے اہم معاہدہ صلح حدیبیہ ہے، جس کی تفصیل اگلی سورہ میں آرہی ہے۔

[۲۱] یعنی اللہ بس ایک حد کے اندر ہی لوگوں کو آزماتا ہے، کیونکہ وہ انسان کی نفسیات کو سب سے بہتر جانتا ہے۔

[۲۲] اب وہ وقت آگیا تھا، جب اہل ایمان کو اللہ کے راستے میں مال کی ایک بڑی قربانی دینی تھی چنانچہ قرآن نے بروقت سب مسلمانوں کو اس جانب متوجہ کر دیا۔

[۲۳] ان آیات کے ذریعے سے اُس وقت موجود مسلمانوں کو متنبہ کر دیا گیا کہ اگر وہ دل و جان سے اور پورے خلوص کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں دیں گے تو اللہ انھیں مسترد کر کے ان کے بجائے دوسرے لوگوں کو اسلام قبول کرنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی بننے کی توفیق دے دے گا۔ ان آیات کے ساتھ اس سورہ کا اختتام ہوتا ہے۔

سورۂ فتح

[۴۸]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے، جس کی وجہ سے اس سورہ کو یہ نام دیا گیا ہے۔ یہ نام مضمون کے اعتبار سے بھی اس سورہ کا عنوان ہے، اس لیے کہ اس میں اس عظیم فتح کے بارے میں بات کی گئی ہے، جو صلح حدیبیہ کی شکل میں اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کو عطا فرمائی۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کا نزول ذی قعد ۶ ہجری میں اس وقت ہوا تھا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین مکہ سے صلح کا معاہدہ کرنے کے بعد واپس تشریف لے جا رہے تھے۔

اس سورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی بشارت دی گئی ہے کہ صلح حدیبیہ کی شکل میں تمھیں ایک کھلی فتح حاصل ہوگئی ہے اور اب عنقریب تمھیں اس سرزمین پر کامل فتح بھی نصیب ہو جائے گی۔ اس کے بعد اس صلح کے پس منظر میں اس وقت کے سارے حالات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس سارے تجزیے کی ایک بہت بڑی تاریخی اور فکری اہمیت ہے اور اس سے ہمارے ایمان و یقین میں بڑا اضافہ ہوتا ہے۔

ایاتہا ۲۹

سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ

رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴿۱﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ
وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲﴾ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴿۳﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ
الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۴﴾
لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ
ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۵﴾ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ
ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۶﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

اے نبیؐ[1]، بے شک ہم نے تم کو کھلی فتح عطا فرمائی[2] تا کہ اللہ تمھاری اگلی اور پچھلی ہر کوتاہی سے درگزر فرمائے، تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کردے، تمھارے لیے ایک بالکل سیدھی راہ کھول دے اور تمھیں اپنی اعلیٰ ترین مدد سے نوازے[3]۔

وہی اللہ ہے جس نے مومنوں کے دلوں پر اطمینان وسکون نازل فرمایا تا کہ اُن کے ایمان میں مزید اضافہ ہو۔ آسمان وزمین کی تمام فوجیں اللہ ہی کی ہیں اور وہ کامل علم اور کامل دانائی کا مالک ہے[4]۔ (یہ سب اس لیے ہوا) تا کہ اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے، جن میں نہریں بہ رہی ہوں گی۔ وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔ (یہ سب اس لیے ہوا) تا کہ اللہ اُن کی بُرائیاں اُن سے دور کردے۔ اللہ کے نزدیک یہی بڑی کامیابی ہے۔

(یہ سب اس لیے ہوا) تا کہ اللہ سزا دے اُن منافق مردوں وعورتوں اور اُن مشرک مردوں وعورتوں کو جو اللہ کے بارے میں بُرے گمان کرتے رہے۔ یہ لوگ خود ہی بُرائی کے پھیر میں آگئے، ان پر اللہ کا غضب ہوا، ان پر اللہ نے لعنت کی اور اِن کے لیے اللہ نے جہنم

تیار کر رکھی ہے، جو بہت برا ٹھکانا ہے [5] ل۔ ٦

[۱] آگے کی آیات صلح حدیبیہ کے بارے میں ہیں۔ ٦ ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں یہ بشارت ہوئی کہ آپ صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت کے ساتھ مکہ تشریف لے گئے ہیں اور عمرہ ادا فرمایا ہے۔ چونکہ پیغمبر کا خواب بھی وحی کی ایک صورت ہوتی ہے چنانچہ آپ نے اعلان کر دیا کہ سفر کی تیاری شروع کر دی جائے اور جتنے لوگ جانا چاہیں، وہ آ جائیں۔

اس وقت ظاہری حالات نہایت پر خطر تھے۔ کفار قریش نے چھ برس سے مسلمانوں کے لیے بیت اللہ کا راستہ بند کر رکھا تھا۔ ابھی پچھلے ہی سال شوال ۵ ہجری میں قریش نے باقی عرب کی متحدہ طاقت کے ساتھ مدینے پر حملہ کیا تھا اور غزوۂ احزاب کا معرکہ پیش آ چکا تھا۔ چنانچہ اس بات کا قوی اندیشہ تھا کہ کفار قریش لازماً مزاحمت کریں گے اور جنگ کی نوبت آئے گی۔ یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ مسلمان اسلحہ لے کر چلتے، اس لیے کہ اس صورت میں مشرکین پروپیگنڈا کرتے کہ مسلمان تو دراصل لڑائی کے لیے آ رہے ہیں اور عمرے کی ادائیگی تو محض ایک بہانہ ہے۔ دوسری طرف منافقین نے بھی مسلمانوں کا حوصلہ پست کرنے کی بہت کوشش کی اور سب کو ڈرایا کہ جو لوگ مکہ جائیں گے، ان کو گھر پلٹنا نصیب نہیں ہوگا، لیکن مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب پر پورا اعتماد تھا، اس لیے چودہ یا پندرہ سو صحابہؓ تیار ہو گئے۔

رجب یا ذی قعد ٦ ہجری میں یہ قافلہ عمرے کے لیے روانہ ہوا۔ عرب کے معروف قاعدے کے مطابق سب نے صرف ایک ایک تلوار سامان میں رکھی اور اس کے سوا کوئی سامان جنگ ساتھ نہ لیا۔ یہ مہینے حج و عمرہ کی ادائیگی کی وجہ سے حرمت کے مہینے کہلاتے تھے، جن کا احترام اہل عرب ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے اور ان میں جنگ و جدل سے احتراز کرتے تھے۔ مدینے سے چھ میل باہر سب نے احرام باندھا اور قربانی کے لیے مقرر ستر اونٹوں کی گردنوں میں علامت کے طور پر ہدی کے پٹے ڈال دیے گئے تا کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ یہ عمرے کا قافلہ ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ نامی مقام پر پہنچے تو قریش کے سرداروں کی طرف سے کئی ایلچی آئے تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس جانے پر آمادہ کریں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو کہہ دیا کہ ہم لڑائی کے ارادے سے نہیں آئے، بلکہ بیت اللہ کی تعظیم کرنے والے بن کر عمرہ ادا کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اس دوران میں قریش کے لوگ یہ کوشش بھی کرتے رہے کہ کسی نہ کسی طرح صحابۂ کرامؓ کو مشتعل کر کے ان سے ایسا اقدام کرا لیں جس سے لڑائی کا بہانہ ہاتھ آ جائے۔ ایک دفعہ ان کے چالیس پچاس افراد نے رات کے وقت حملہ کیا۔ صحابہؓ نے ان سب کو گرفتار کر لیا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو چھوڑ دیا۔ ایک اور موقع پر نماز فجر کے وقت اسی (۸۰) افراد نے اچانک چھاپہ مارا۔ یہ لوگ بھی گرفتار کر لیے گئے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی رہا کر دیا۔

آخر کار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاص سفیر کی حیثیت سے حضرت عثمانؓ کو مکہ بھیجا۔ انھوں نے بھی قریش کو اطمینان دلانے کی پوری کوشش کی، لیکن قریش اپنی ضد پر قائم رہے۔ اسی بحث مباحثے میں حضرت عثمانؓ کی واپسی میں کچھ دیر ہو گئی جس کی وجہ سے مسلمانوں کے کیمپ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے ہیں۔ سفیر کے قتل کا صاف مطلب یہی ہوتا ہے کہ مقابل فریق جنگ پر تلا ہوا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو جمع کیا اور ان سے اس بات پر بیعت کی کہ اب ہم یہاں سے مرتے دم تک پیچھے نہ ہٹیں گے۔ یہی وہ بیعت ہے، جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔

جب قریش کو معلوم ہوا کہ مسلمان ہر انجام کے لیے تیار ہیں تو انھوں نے سہیل بن عمرو کی قیادت میں ایک وفد صلح کی بات چیت کے لیے بھیجا۔ اس دوران میں حضرت عثمانؓ بھی واپس پہنچ گئے۔ طویل بحث کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم کے تحت قریش کی کچھ اہم شرائط مان لیں۔ صحابۂ کرامؓ یہ

شرطیں قبول کرنے پر کسی طرح بھی راضی نہیں تھے اور سب لوگ سخت مضطرب تھے، تاہم انکار کی مجال کسی کو بھی نہ تھی۔ صلح کی شرائط درج ذیل تھیں:

۱۔ دس سال تک فریقین کے درمیان جنگ بند رہے گی اور ایک دوسرے کے خلاف خفیہ یا علانیہ کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔

۲۔ اس دوران میں قریش کا جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر بھاگ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلا جائے گا، اسے آپ واپس کر دیں گے، لیکن اگر آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص قریش کے پاس چلا جائے تو وہ اسے واپس نہ کریں گے۔

۳۔ قبائل عرب میں سے جو قبیلہ بھی فریقین میں سے کسی ایک کا حلیف بن کر اس معاہدے میں شامل ہونا چاہے گا، اسے اس کا اختیار ہوگا۔

۴۔ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں اور آیندہ سال وہ عمرے کے لیے آ کر مکہ میں تین دن تک ٹھہر سکتے ہیں۔ ہر شخص صرف ایک تلوار میان میں لا سکتا ہے۔ ان تین دنوں میں اہل مکہ شہر خالی کر دیں گے تاکہ کسی تصادم کا اندیشہ نہ رہے۔

شرط نمبر ۲ اور ۴ مسلمانوں کو شدید ناگوار تھی اور وہ ان کو اعتراف شکست کے ہم معنی سمجھتے تھے۔ مسلمان بے تاب تھے کہ ہم آخر دب کر یہ ذلیل شرائط کیوں قبول کریں۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر اپنے جذبات کا اظہار اتنے تند و تیز الفاظ میں کیا کہ زندگی بھر اس پر پچھتاتے رہے۔ عین اس وقت جب صلح کا معاہدہ لکھا جا رہا تھا، سہیل بن عمرو کا اپنا بیٹا ابوجندل جو مسلمان ہو چکا تھا اور کفار مکہ نے اس کو قید کر رکھا تھا، کسی نہ کسی طرح بھاگ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کیمپ میں پہنچ گیا۔ اس کے جسم پر تشدد کے نشان تھے اور اس کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی کہ اسے ساتھ لے جائیں۔ صحابہؓ کے لیے ضبط مشکل ہو گیا، مگر سہیل بن عمرو نے کہا کہ صلح نامے کی تحریر چاہے مکمل نہ ہوئی ہو، شرائط تو ہمارے اور آپ کے درمیان طے ہو چکی ہیں، اس لیے اس لڑکے کو میرے حوالے کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دلیل تسلیم کر لی اور ابوجندل کو دوبارہ ان ظالموں کے حوالے کر دیا۔

مسلمان اس صریح نامساوی شرط پر بھی حیران تھے کہ اگر مکہ سے بھاگ کر آنے والوں کو ہم لازماً واپس کریں گے تو مدینہ سے بھاگ کر ان کے پاس جانے والوں کو وہ لوگ کیوں نہ واپس کریں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص ہمارے ہاں سے بھاگ کر ان کے پاس چلا جائے وہ آخر ہمارے کس کام کا ہے؟ اللہ اسے ہم سے دور ہی رکھے۔ اور جو شخص ان کے ہاں سے بھاگ کر ہمارے پاس آئے گا، جب ہم اسے واپس کریں گے تو اللہ اس کے لیے خلاصی کی کوئی اور صورت پیدا فرما دے گا۔'' مسلمانوں کے دلوں میں یہ سوال بھی اٹھ رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خواب میں یہ دیکھا تھا کہ ہم مکہ میں طواف کر رہے ہیں، لیکن یہاں تو ہم طواف کیے بغیر واپس جا رہے ہیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو سمجھایا کہ خواب میں آخر اسی سال طواف کرنے کی صراحت تو نہ تھی۔ اس سال نہیں تو اگلے سال ان شاء اللہ ضرور طواف ہوگا۔

صلح نامہ طے پا جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ سب لوگ قربانی کر کے سر منڈوائیں اور احرام اتار دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہ ہدایت کی، لیکن صحابہؓ کے رنج و غم کا یہ عالم تھا کہ ایک شخص بھی اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے دور رسالت میں یہ پہلا موقع تھا کہ صحابہؓ نے آپ کے حکم کی تعمیل میں تاخیر کی۔ آپ نے اپنے خیمے میں جا کر ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے یہ ذکر کیا۔ انھوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ خاموشی کے ساتھ تشریف لے جا کر خود اپنا اونٹ ذبح کر لیں اور حجام کو بلا کر اپنا سر منڈوا لیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ اس سے صحابہؓ سمجھ گئے کہ جو فیصلہ ہو چکا ہے، وہ بدلنے والا نہیں ہے اور ان سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی۔

اس کے بعد جب یہ قافلہ اپنی دانست میں اس صلح کو ایک شکست اور ذلت سمجھتے ہوئے مدینے کی طرف جا رہا تھا، اس وقت مکہ سے تقریباً پچیس میل کے فاصلے پر یہ سورہ نازل ہوئی۔ اس موقعے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا کہ آج مجھ پر وہ چیز نازل ہوئی ہے، جو میرے لیے دنیا اور اس کی سب دولت سے زیادہ قیمتی ہے۔ پھر آپ نے یہ سورہ تلاوت فرمائی اور خاص طور پر حضرت عمرؓ کو بلا کر سنایا، کیونکہ وہ اس وقت سب سے زیادہ رنجیدہ تھے۔

[۲] اس صلح کے وقت کوئی شخص بھی ان مصلحتوں اور خیر عظیم کو نہیں سمجھ رہا تھا، جنھیں نگاہ میں رکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ شرائط قبول فرما رہے تھے۔ مگر کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ اس صلح کے فوائد کھلتے چلے گئے۔ اس جنگ بندی کے معاہدے سے مسلمانوں کو امن میسر آ گیا۔ گویا اس صلح کے ذریعے سے مسلمانوں نے اپنے لیے امن کا وقفہ دشمن کی شرائط پر خرید لیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے سرزمین عرب میں ہر طرف پھیل کر اس تیزی سے اسلام کی اشاعت کی کہ اس سے پہلے پورے انیس برس میں اتنے لوگ مسلمان نہ ہوئے تھے، جتنے اس کے بعد دو سال کے اندر اندر ہو گئے۔ اس جنگ بندی کے نتیجے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاست مدینہ کو اچھی طرح مستحکم کر لیا اور دو سال کے اندر اندر سرزمین عرب میں طاقت کا توازن اتنا بدل گیا کہ دشمنان اسلام کی قوت دب گئی اور مسلمانوں کی طاقت میں بہت اضافہ ہو گیا۔

جو چیز اس صلح میں مسلمانوں کو ناگوار گزری تھی، وہ یہ تھی کہ مکہ سے بھاگ کر مدینہ جانے والوں کو تو واپس کر دیا جائے گا اور مدینہ سے بھاگ کر مکہ جانے والوں کو واپس نہ کیا جائے گا۔ صلح کے کچھ دنوں بعد مکہ سے ایک مسلمان ابو بصیرؓ قریش کی قید سے بھاگ کر مدینہ پہنچے۔ قریش نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدے کے مطابق ابو بصیرؓ کو ان لوگوں کے حوالے کر دیا جو ان کی گرفتاری کے لیے مکہ سے بھیجے گئے تھے۔ راستے میں ابو بصیرؓ ان سے بچ نکلے اور ایک ایسی جگہ پر جا کر ڈیرا ڈال دیا جس سے قریش کے تجارتی قافلے گزرتے تھے۔ اس کے بعد جس مسلمان کو بھی قریش کی قید سے بھاگ نکلنے کا موقع ملتا، وہ مدینہ جانے کے بجائے ابو بصیرؓ کے ٹھکانے پر پہنچ جاتا، حتیٰ کہ یہاں ستر مسلمان جمع ہو گئے اور انھوں نے قریش کے قافلوں پر حملے کر کر کے ان کو خوب تنگ کیا۔ چونکہ یہ مسلمان ریاست مدینہ کی حدود سے باہر رہتے تھے اور انھوں نے ایک چھوٹی سی ریاست کی صورت میں اپنے آپ کو ڈھال لیا تھا، اس لیے ان پر صلح حدیبیہ کا اطلاق بھی نہیں ہوتا تھا۔ آخر کار قریش نے خود ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اس شرط کو ختم کیا جائے۔ چنانچہ اس کے بعد یہ سب مسلمان مدینہ آ گئے۔

[۳] یہاں قرآن مجید نے بتایا ہے کہ اس فتح کے بعد اب چار چیزوں سے اللہ اپنے پیغمبرؐ کو نوازے گا۔ ایک یہ کہ اب وہ وقت قریب ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشن کی ذمہ داریوں سے فارغ ہو جائیں گے اور اللہ آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہوں کو معاف کر کے اپنی رحمت سے نوازے گا۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جس 'ذنب' کی نسبت کی گئی ہے، اس کی وضاحت یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام سے کبھی کبھی جانب حق ایسی بات صادر ہو جاتی ہے جس پر اللہ ان کی گرفت فرماتا ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ اس کی مثالیں موجود ہیں۔

دوسری چیز یہ کہ اللہ اپنے پیغمبرؐ پر دین کی نعمت کو مکمل کرنے والا ہے۔ تیسری چیز یہ کہ اللہ اپنے پیغمبرؐ کو اس صراط مستقیم کی ہدایت بخشے گا جس سے شیطان نے لوگوں کو ہٹا دیا تھا یعنی بہت جلد اللہ تک پہنچانے والا اصل نشان راہ اور منارۂ توحید — مسجد حرام و خانہ کعبہ — اہل اسلام کے قبضے میں آ جائے

گا اور اس طرح وہ مرکز نور بے نقاب ہو جائے گا جو ہدایت کی اصل شاہراہ کی طرف رہنمائی کے لیے تعمیر ہوا تھا۔ اور چوتھی چیز یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفر کے مقابلے میں ایسی فتح و نصرت ملے گی، جس کو چیلنج نہ کیا جا سکے گا۔ یہ اللہ کا وہی وعدہ ہے جو اللہ نے اپنے ہر رسول سے کیا ہے۔

[۴] عمرے کے اس سفر کے لیے نکلنا دراصل موت کے منہ میں جانے کے مترادف تھا، لیکن اللہ نے مومنوں کے دلوں میں حوصلہ اور اطمینان پیدا کیا، جس کی وجہ سے وہ اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے اور اس طرح اللہ نے ان کے ایمان کی قوت میں مزید اضافہ کر دیا۔

[۵] اسی امتحان کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ جس طرح اس امتحان نے اہل ایمان کے لیے ایک عظیم خیر کا راستہ کھول دیا، اسی امتحان نے منافقین و مشرکین کے لیے تباہی، یعنی دوزخ کی راہ کھول دی۔ منافقین اس بات کے منتظر رہے کہ اس سفر میں مسلمان ختم ہو جائیں گے، لیکن ان کی یہ آرزو پوری نہیں ہوئی اور اہل ایمان صحیح سلامت رہے۔

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۷﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا
وَّنَذِيْرًا ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ
اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ
عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۰﴾ سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا
فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ
ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ؕ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۖۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا ۢ بُوْرًا ﴿۱۲﴾
وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ ۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ
لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ
لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ
قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾

آسمان وزمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں اور وہ سب پر غالب اور کامل دانائی کا مالک ہے۔ اے نبیؐ، بے شک ہم نے تم کو گواہی دینے والا، خوش خبری پہنچانے والا اور آگاہ کر دینے والا بنا کر بھیجا ہے تا کہ (اے لوگو) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اس کا ساتھ دو، اُس کی تعظیم وتوقیر کرو اور صبح وشام اللہ کی تسبیح کرتے رہو۔

اے نبیؐ، جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں، وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اُن کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ جو بھی اِس عہد کو توڑتا ہے، اُس کی عہد شکنی کی سزا اس کی اپنی ہی ذات پر ہوگی۔ اور جو اُس عہد کو پورا کرے گا، جو اُس نے اللہ سے کیا ہے تو اللہ اس کو ایک عظیم اجر عطا فرمائے گا۔[٦]

اے نبیؐ، بدوی عربوں میں سے جو لوگ پیچھے چھوڑ دیے گئے[٧]، وہ اب (آکر) تم سے کہیں گے: ''ہمیں اپنے مال مویشی اور خاندان والوں (کی ذمہ داریوں) نے مشغول کر رکھا تھا، اس لیے آپؐ ہمارے لیے مغفرت کی دعا کیجیے۔'' یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتی۔ اِن سے کہو: ''کون ایسا ہو سکتا ہے، جو تمھارے لیے اللہ سے کچھ اختیار رکھتا ہو، اگر اللہ تم کو کوئی نقصان یا نفع پہنچانا چاہے؟ بلکہ اللہ اُن سب باتوں سے باخبر ہے جو تم کر رہے ہو۔'' اے بدویو، تم نے تو یہ گمان کیا کہ رسول اور مومنین کو اب کبھی اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنا نصیب نہ ہوگا۔ یہ خیال تمھارے دلوں کو بہت بھلا لگا، تم نے بہت بُرے گمان کیے اور بالآخر تم ایک ہلاک ہونے والی قوم بنے[٨]۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے، ایسے منکرینِ حق کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ آسمان وزمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔ جس کو چاہے گا (اپنے قانون کے مطابق) معاف کر دے گا اور جس کو چاہے گا (اپنے قانون کے مطابق) سزا دے گا۔ اللہ مغفرت فرمانے والا ہے اور وہ بہت رحیم ہے۔[٩]

اے حضورؐ کے ساتھیو، جب تم مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے جانے لگو گے تو یہ پیچھے چھوڑے جانے والے لوگ تم سے ضرور کہیں گے: ''ہمیں بھی اجازت دی جائے کہ آپ لوگوں کے ساتھ چلیں[١٠]۔'' یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی بات کو بدل دیں[١١]۔ (اِن سے) کہہ دو: ''تم لوگ ہمارے ساتھ ہرگز نہیں چل سکتے۔ یہی بات اللہ نے تم کو پہلے بھی فرمائی ہے۔'' یہ لوگ کہیں گے: ''نہیں، بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کر رہے ہو۔'' دراصل یہ لوگ (صحیح بات کو) بہت کم سمجھتے ہیں[١٢]۔ ٧-١٥

[٦] یعنی جو لوگ بھی آپؐ کے سامنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں، درحقیقت وہ اللہ سے ایک وعدہ کرتے ہیں، چنانچہ اگر کوئی اس وعدے کو توڑتا ہے تو یہ

بہت بڑا گناہ ہے۔

[۷] اب یہاں ان لوگوں کی بات ہو رہی ہے جو مدینے کے اردگرد دیہاتوں میں رہتے تھے اور انھوں نے محض نام کی حد تک اسلام قبول کرنے کا عہد کیا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرے کے سفر کے لیے لوگوں کو اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی تو ان لوگوں نے جان بوجھ کر سنی ان سنی کر دی اور یوں منافقت کا ارتکاب کیا۔ یہاں ان منافقین کے لیے لفظ 'مخلفون' استعمال ہوا ہے، یعنی وہ لوگ جو پیچھے چھوڑ دیے گئے، حالانکہ یہ لوگ خود پیچھے رہ جانے والے بنے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان لوگوں نے پیچھے بیٹھ رہنے ہی میں اپنی زندگی کی عافیت سمجھی تو اللہ نے بھی ان کو پیچھے پھینک دیا۔

[۸] 'بور' جمع ہے 'بائر' کی جس کے معنی ہیں 'ہلاک ہونے والا'۔ یہاں ان دیہاتی منافقین کو یہ دھمکی دی گئی ہے کہ اگر ان کی یہی روش جاری رہی تو جس طرح رسول کے مخالفین کو اللہ کی طرف سے ہلاک کر دیا جاتا ہے، اسی طرح ان کو بھی ہلاک کر دیا جائے گا۔

[۹] یہاں ان منافقین کو نجات کا راستہ دکھایا گیا ہے کہ اگر اب بھی وہ اللہ کے سامنے توبہ کریں تو اللہ مغفرت قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

[۱۰] یہاں قرآن نے پیشین گوئی کی ہے کہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے، جب ایسے مواقع آئیں گے جن میں تم کو بغیر کسی جنگ کے بھرپور مالِ غنیمت حاصل ہونے کی توقع ہوگی تو یہ لوگ خود تمھارے پاس دوڑے دوڑے آئیں گے کہ انھیں بھی ساتھ چلنے کی اجازت دی جائے۔ یہ پیشین گوئی بہت جلد پوری ہوئی۔ صلح حدیبیہ کے صرف تین مہینے بعد اہل ایمان نے خیبر کو فتح کر لیا اور اس کے بعد بے شمار دوسرے دشمنوں کو بھی زیر کر لیا۔

[۱۱] یہاں آیت نمبر ۶ میں فرمائی گئی بات کی طرف اشارہ ہے۔

[۱۲] یعنی اگرچہ یہ لوگ اجازت نہ ملنے پر بہت برہم ہوں گے اور مسلمانوں کو حسد کرنے کا طعنہ دیں گے، لیکن درحقیقت یہ نہایت کم فہم لوگ ہیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ دین کے نام پر سب فائدے حاصل کریں، لیکن دین کے لیے کوئی قربانی نہ دیں۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ
تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾ لَيْسَ
عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ
جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾ ع لَقَدْ رَضِىَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ النصف
يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِىْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ لا وَّمَغَانِمَ
كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ

هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ وَّاُخْرٰى

لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾

اے نبیؐ، دیہاتی عربوں میں سے ان پیچھے چھوڑے جانے والے لوگوں سے کہہ دو: ''عنقریب تمھیں ایسے لوگوں سے لڑنے کے لیے بلایا جائے گا، جو بڑے زور آور ہیں، تم کو اُن سے جنگ کرنی ہوگی یا وہ اسلام قبول کرلیں گے۔ چنانچہ اگر تم نے اِس حکم کی اطاعت کی تو اللہ تمھیں اچھا اجر دے گا اور اگر تم پھر اُسی طرح منہ موڑ گئے، جس طرح تم پہلے منہ موڑ چکے ہو تو اللہ تم کو دردناک سزا دے گا۔[۱۳]''

نابینا، لنگڑے اور مریض پر (جنگ میں شرکت نہ کرنے کے حوالے سے) کوئی گناہ نہیں[۱۴]۔ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا رہے گا تو اللہ اُس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں جاری ہوں گی۔ اور جو کوئی منہ موڑے کرے گا تو اللہ اُسے ایک سخت سزا دے گا۔

اے نبیؐ، اللہ اُن اہلِ ایمان سے راضی ہوا، جب وہ اُس درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے[۱۵]۔ اُن کے دلوں کا حال اللہ کو معلوم تھا، اس لیے اللہ نے اُن پر اطمینان نازل فرمایا[۱۶]، اُن کو ایک عنقریب ظاہر ہونے والی فتح سے نوازا اور بہت سا مالِ غنیمت بھی، جس کو وہ حاصل کریں گے۔ اللہ غالب اور حکیم ہے[۱۷]۔

اے اہلِ ایمان، اللہ تم سے بہت سے اموالِ غنیمت کا وعدہ کرتا ہے، جنھیں تم حاصل کروگے۔ فوری طور پر اللہ نے یہ (فتح) تمھیں عطا کردی اور لوگوں کے ہاتھ تمھارے خلاف اٹھنے سے روک دیے تاکہ یہ مومنوں کے لیے ایک نشانی ہو[۱۸] اور اللہ تمھیں سیدھے راستے کی ہدایت بخشے۔ اس کے علاوہ ایک دوسری فتح بھی ہے جس پر تم ابھی قادر نہیں ہوئے ہو، لیکن اللہ نے وہ تمہارے لیے مقدر کردی ہے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے[۱۹]۔ ۱۶-۲۱

[۱۳] یہاں عمرے کے اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ جانے والوں کے سامنے امتحان کے لیے ایک کسوٹی رکھ دی گئی ہے کہ کچھ مدت بعد تمھیں ایک ایسے طاقت ور گروہ سے جنگ کی دعوت دی جائے گی، جس سے تمھیں اس عزم کے ساتھ جنگ کرنی پڑے گی کہ یا تو یہ لوگ اسلام قبول کرلیں یا جنگ جاری رکھی جائے۔

یہاں قرآن نے پوری بات کو نہیں کھولا، لیکن بعد کے واقعات سے یہ معلوم ہوا کہ یہ دراصل بیت اللہ کی آزادی کے لیے فیصلہ کن جنگ کی طرف اشارہ تھا۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی براہ راست بعثت مشرکین عرب اور خصوصاً قریش کی طرف ہوئی تھی، اس لیے رسالت کے قانون کے مطابق ایک وقت آنا تھا، جب اتمام حجت کے بعد ان کے سامنے صرف دو ہی راستے رہتے یعنی قبولیت اسلام یا جنگ۔ واضح رہے کہ یہ قانون خالصتاً رسولوں کے لیے ہے۔

[۱۴] دین اسلام میں ہر جگہ معذوروں کے لیے رعایت وگنجایش موجود ہے۔ یہاں اسی رعایت کی طرف اشارہ ہے۔

[۱۵] جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کی افواہ پھیلی تو یہ مسلمانوں کے لیے انتہائی غم اور صدمے کا باعث بنی۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیکر کے ایک درخت کے نیچے سب مسلمانوں سے موت تک لڑنے کی بیعت لی۔ کیکر کے اس درخت کی طرف اشارے کے ذریعے سے غربت ومسافرت کی اس حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے، جس میں اسلام کی تاریخ کا یہ عظیم واقعہ پیش آیا۔ اس وقت مسلمانوں کے پاس صرف تلواریں موجود تھیں اور صرف انھی تلواروں کے ذریعے سے ایک بڑے دشمن سے مقابلہ درپیش تھا، اس کے باوجود مسلمانوں نے انتہائی جوش وخروش کے ساتھ، عین دشمن کے مرکز میں، یہ بیعت کی۔ اس بیعت نے اللہ کی نگاہوں میں ایسی قدر کی جگہ پائی کہ ان جاں بازوں کے لیے ابدی خوشنودی کا اعلان کر دیا گیا۔

[۱۶] ظاہری حالات نہایت کٹھن تھے، اس کے باوجود صحابۂ کرامؓ پر اطمینان وسکون کی ایک عظیم کیفیت طاری تھی اور وہ ہر طرح کے حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھے۔

[۱۷] اشارہ ہے خیبر کی فتح اور اس کے مال غنیمت کی طرف۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ماہ صفر ۷ ہجری میں خیبر پر حملے کے لیے نکلے تو آپؐ نے صرف بیعت رضوان میں شریک صحابہؓ کو ساتھ لیا۔

[۱۸] معاہدۂ حدیبیہ میں دونوں فریق یہ پابندی قبول کر چکے تھے کہ دس برس تک ایک دوسرے کے خلاف کوئی جنگی اقدام نہیں کریں گے۔ اس سے مسلمانوں کو یہ فائدہ پہنچا کہ انھیں خیبر کے دشمن یہودیوں کے خلاف اقدام کے لیے بہترین موقع مل گیا۔ معاہدے کی وجہ سے یہودیوں کو قریش کی پشت پناہی حاصل نہ ہو سکی، جس کی وجہ سے وہ بہت جلد حوصلہ ہار بیٹھے۔ چنانچہ معاہدۂ حدیبیہ کے تین مہینے کے اندر اندر یہ کامیابی اہل ایمان کے لیے فتح کی ایک نشانی بن گئی۔

[۱۹] یہ فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ کو یہ معلوم تھا کہ مشرکین قریش کی نیت صاف نہیں ہے چنانچہ وہ اس معاہدے کی خلاف ورزی کریں گے، جس کے نتیجے میں فتح مکہ کا راستہ ہموار ہوگا۔

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ
خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ
عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾ هُمُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ
مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ

شَاءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ

الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا

اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾ ع

اے حضورؐ کے ساتھیو، اگر یہ منکرینِ حق (اِس موقعے پر) تم سے جنگ کرتے تو یقیناً پیٹھ پھیر جاتے اور پھر نہ کوئی کارساز پاتے نہ مددگار۔ یہ اللہ کا ٹھہرایا ہوا طریقہ ہے، جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ تم اللہ کے اِس طریقے میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔[۲۰]

وہی اللہ ہے جس نے وادیٔ مکہ میں اُن کے ہاتھ تم سے روک دیے اور تمھارے ہاتھ اُن سے روک دیے، حالانکہ اللہ تمھیں اُن پر غلبہ عطا کر چکا تھا۔ (اُس وقت) تم جو کچھ کر رہے تھے، اُسے اللہ دیکھ رہا تھا۔[۲۱]

یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے انکارِ حق کیا، تم کو مسجدِ حرام سے روکا اور قربانی کے جانوروں کو بھی قربانی کی جگہ پر نہ پہنچنے دیا۔ اگر (مکہ میں) ایسے مومن مرد اور مومن عورتیں موجود نہ ہوتیں، جنھیں تم نہیں جانتے، اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم لاعلمی میں انھیں روند ڈالو گے اور اس سے تم پر الزام آئے گا (تو ہم تمھیں جنگ کی اجازت دے دیتے، لیکن اللہ نے یہ اجازت اس وجہ سے نہ دی) تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے، داخل کرے۔ اگر وہ مومن اِن منکرینِ حق سے الگ ہو گئے ہوتے تو ہم اِن منکرینِ حق کو ضرور سخت سزا دیتے۔[۲۲]

وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے، جب اِن منکرینِ حق نے اپنے دلوں میں جاہلانہ حمیت[۲۳] بٹھائی تو اللہ نے اپنے رسول اور مومنین پر اطمینان نازل فرمایا اور اُن کو تقویٰ کی بات کا پابند رکھا۔[۲۴] وہی اس کے حق دار اور اہل تھے۔ اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ ۲۲-۲۶

[۲۰] اس معاملے میں اللہ کا مقرر کردہ اصول یہ ہے کہ جب رسول کے ساتھی اپنے ایمان و یقین کی بہترین حالت میں ہوں تو لڑائی کے وقت وہ اپنے سے دس گنا زیادہ ساز و سامان و افرادی طاقت والے دشمن پر بھی غالب آئیں گے۔ چونکہ بیعت رضوان کرنے والے سارے صحابہؓ کی یہی کیفیت تھی، اس لیے اگر جنگ کی نوبت آتی تو دشمن کو لازماً شکست ہوتی۔

[۲۱] یعنی اللہ کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ ابھی یہ جنگ نہ ہو۔

[۲۲] یہاں وہ حکمت بیان ہوئی ہے کہ اس موقعے پر اللہ نے جنگ کیوں نہ ہونے دی۔ اصل وجہ یہ تھی کہ مکے میں ایسے بہت سے اہل ایمان مرد اور عورتیں موجود تھیں، جن سے صحابۂ کرامؓ واقف نہیں تھے چنانچہ اگر حملہ ہوتا تو یہ مظلوم اہل ایمان بھی اس کی زد میں آ جاتے۔ اللہ کو یہ منظور تھا کہ مکے کے وہ مسلمان، جنھوں نے اپنا دین ابھی چھپایا ہوا تھا، سلامت رہیں۔

دوسری مصلحت یہ تھی کہ اہل مکہ میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو اگرچہ ابھی ایمان نہیں لائے تھے، لیکن وہ ایمان لانے کے قریب تھے۔ اللہ نے چاہا کہ

ایسے لوگوں کو بھی اپنے دامن رحمت میں جگہ دے دے۔

[۲۳] جاہلانہ حمیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص محض اپنی ناک اونچی رکھنے کی خاطر ایک ناروا اور حق وعدل کے خلاف کام کرے۔ عرب کے قدیم ترین مسلمہ اصول کے مطابق کسی شخص کو بھی حج وعمرے سے نہیں روکا جاسکتا تھا، لیکن قریش کے سرداروں نے صرف اس خیال کی بنیاد پر مسلمانوں کو عمرہ کرنے نہیں دیا کہ اس سے عرب میں ہماری ناک کٹ جائے گی۔

[۲۴] یہاں سکینت وتقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ اہل ایمان کے دل میں بے شماروسوسے آتے رہے اور کئی باتوں کی حکمت اس وقت ان پر واضح نہیں تھی، اس کے باوجود انھوں نے پوری طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کیے رکھا اور جذباتی رویے سے اپنے آپ کو روکے رکھا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ ج لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ لا مُحَلِّقِيْنَ
رُؤُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لا لَا تَخَافُوْنَ ط فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ
الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾ مُحَمَّدٌ
رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ
معانقة عند المتأخرين وَرِضْوَانًا ز سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ صلے وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ قف
كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ط وَعَدَ اللّٰهُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ ع

یقیناً اللہ نے اپنے رسول کو حق پر مبنی خواب دکھایا۔ ان شاء اللہ تم ضرور مسجد حرام میں پورے امن کے ساتھ داخل ہوگے، اپنے سر منڈواؤ گے یا بال ترشواؤ گے اور تمھیں کوئی خوف نہ ہوگا۔[25] اللہ اُس بات کو جانتا تھا جسے تم نہ جانتے تھے، اس لیے (وہ خواب پورا ہونے سے) پہلے اللہ نے تمھیں یہ قریبی فتح عطا فرمادی۔[26] وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اِس کو سارے ادیان پر غالب کردے اور (اس حقیقت پر) اللہ کی گواہی کافی ہے۔[27]

محمدؐ، اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپؐ کے ساتھ ہیں وہ منکرینِ حق پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔ تم اُن کو اللہ کے فضل اور اُس کی خوشنودی کی طلب میں رکوع اور سجدوں میں سرگرم پاؤ گے۔[28] اُن کا امتیاز اُن کے چہروں پر سجدوں کے نشان سے ہے۔[29] اُن کی یہ مثال

تورات میں بھی ہے اور انجیل میں اُن کی مثال یوں دی گئی ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو جس نے پہلے کونپل نکالی، پھر اُس کو سہارا دیا، پھر وہ سخت ہوئی اور پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی۔ وہ کسانوں کے دلوں کو خوش کرتی ہے تا کہ منکرینِ حق اِن کے پھلنے پھولنے پر جلیں۔[30] اِن لوگوں میں سے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، اللہ نے ان سے مغفرت اور ایک عظیم اجر کا وعدہ کیا ہے۔[31] ۲۷-۲۹

[۲۵] بہت سے لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ نبی کا خواب غلط تو نہیں ہوتا، پھر ہم عمرہ کیوں نہ کر سکے۔ قرآن نے اس کا یہ جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کے عین مطابق اگلے برس تم کو عمرے کا موقع ملے گا۔ عمرے کا یہ وعدہ اگلے سال ذی قعدے ہجری میں پورا ہوا۔ یہ عمرہ ''عمرۃ القضاء'' کے نام سے مشہور ہے۔

[۲۶] اگلے سال عمرے سے پہلے ہی مسلمانوں کو بہت بڑی فتوحات ملیں اور وہ جان گئے کہ صلح حدیبیہ دراصل 'فتح مبین' تھی۔

[۲۷] یہ آیت معمولی لفظی تغیر کے ساتھ سورۂ توبہ میں گزر چکی ہے اور آگے سورۂ صف میں بھی آئے گی۔ یہ دراصل اس بات کی بشارت ہے کہ بہت جلد سرزمین عرب کے اندر سارے ادیان اسلام کے آگے سرنگوں ہو جائیں گے، یہ پوری سرزمین صحابۂ کرامؓ کے قبضے میں آجائے گی اور یہاں ہمیشہ کے لیے اسلام کا بول بالا ہوگا۔

یہ اللہ کے اسی قاعدے کا بیان ہے، جس کے تحت رسول کے ساتھیوں کو لازماً اپنے مخالفین پر فیصلہ کن فتح اور بالادستی عطا کی جاتی ہے، اسی لیے قرآن نے ہر جگہ اس وعدے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔ جہاں تک صحابۂ کرامؓ کے علاوہ باقی امت کا تعلق ہے، اس کے ساتھ اللہ نے یہ وعدہ نہیں فرمایا۔ ان کے لیے دنیوی فتح و شکست کے وہی پیمانے ہیں، جو باقی دنیا کے لیے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس خصوصی وعدے کو قرآن میں بار بار اس لیے بیان کیا گیا اور اللہ نے اسے تاریخ میں مکمل طور پر اس وجہ سے محفوظ کیا تا کہ یہ رہتی دنیا تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی سب سے بڑی دلیل بنے۔

[۲۸] یہ صحابۂ کرامؓ کی امتیازی خصوصیت بیان ہوئی ہے۔ یعنی انھوں نے اپنے سارے جذبات، اپنی سرگرمیوں اور اپنی ساری محبتوں کا مرکز و محور اسلام کو بنالیا ہے۔ اسی لیے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اطاعت کرتے ہیں، دوسرے صحابہؓ سے محبت کرتے ہیں اور دشمنان اسلام کے لیے سخت ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہاں عام غیر مسلموں کی بات نہیں ہو رہی۔

[۲۹] اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا اس سے مراد وہی نشان ہے جو کثرت سجود سے پیشانی پر پڑ جاتے ہیں یا پھر اس سے مراد شرافت اور حسن اخلاق کے وہ اثرات ہیں، جو ایک مومن کے چہرے پر نمایاں ہو جاتے ہیں۔

[۳۰] یہ اشارہ ان پیشین گوئیوں کی طرف ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کے متعلق تورات، زبور اور انجیل میں پائی جاتی ہیں۔ اس کے متعلق کچھ تفصیل پہلے پیش کی جا چکی ہے۔ جہاں تک درج بالا مثال کا تعلق ہے، یہ انجیل میں تین جگھوں میں آئی ہے، یعنی متی باب ۱۳، مرقس باب ۴ اور لوقا باب ۸۔ متی باب ۱۳ میں حضرت عیسیٰؑ کی زبانی یہ تمثیل ان الفاظ میں آئی ہے:

''اُس نے ایک اور تمثیل پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہی اُس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے، لیکن جب وہ بڑھتا ہے تو اُگ کر سب ترکاریوں سے بڑا ہو جاتا ہے اور ایسا درخت بن جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آ کر اُس کی شاخوں میں بسیرا کرتے ہیں۔''

'آسمان کی بادشاہی' سے مراد دراصل رسول کی بعثت ہے، کیونکہ رسول اس دنیا میں اللہ کا نمائندہ بن کر آتا ہے اور اس سے دشمنی کرنے والا نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ یہاں حضرت مسیحؑ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے متعلق یہ پیشین گوئی کی ہے کہ رائی کے دانے کی مانند اس دعوت کا آغاز بہت چھوٹے پیمانے پر ہوگا، لیکن پھر اسے تقویت اور سہارا ملتا جائے گا، حتیٰ کہ اس دعوت کا درخت سب پر حاوی ہو جائے گا۔ گویا حق کا جو تخم سرزمین عرب میں بویا جائے گا، وہ ایک دن اتنا بڑا ہو جائے گا کہ اس کا ساتھ دینے والے خوش ہو جائیں گے اور اس کے مخالفین جل بھن جائیں گے۔

حضرت مسیحؑ کی یہ پیشین گوئی لفظ بہ لفظ پوری ہوئی۔

[۳۱] یعنی وہ سب لوگ جو تورات و انجیل میں بیان کردہ پیشین گوئیوں والی صفات کے مصداق بن جائیں گے اور ایمان و عمل میں پختہ رہیں گے، ان کو اللہ مغفرت اور اجر عظیم سے نوازے گا۔

ان آیات کے ساتھ اس سورہ کا اختتام ہوتا ہے۔

سورۂ حجرات

[۴۹]

نام

اس سورہ کی آیت نمبر ۴ میں یہ لفظ آیا ہے، چنانچہ اس سورہ کو یہ نام دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کے مضامین سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب صلح حدیبیہ کے بعد بہت بڑی تعداد میں لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے تو ان کی طرف سے بعض ایسی باتیں سامنے آئیں جن سے ظاہر ہوا کہ یہ لوگ نہ حضورؐ کے اصلی مقام و مرتبہ سے اچھی طرح واقف ہیں اور نہ اسلامی معاشرے کے اندر اپنی ذمہ داریوں کو پہچانتے ہیں۔ چنانچہ اس سورہ میں اہل ایمان کو حضورؐ کے ساتھ تعلق اور مسلمانوں کے باہمی حقوق کے متعلق ہدایات دی گئیں۔ اس سورہ میں اہل ایمان کو ایسی ہدایات بھی دی گئی ہیں جو اس زمانے سے متعلق نہیں تھیں، بلکہ مستقبل میں ان کے ظاہر ہونے کا اندیشہ ہوسکتا تھا۔ مثلاً حضورؐ کے زمانے میں یہ تصور بھی ممکن نہیں تھا کہ مسلمانوں کے دو گروہ یا دو ملک آپس میں لڑ پڑیں گے، لیکن چونکہ مستقبل میں ایسے حالات پیش آسکتے تھے، اس لیے قرآن نے اس کے متعلق بھی ہدایات دے دیں۔

آیاتھا ۱۸

سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ

رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱﴾ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ
تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ
اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ
نٰدِمِيْنَ ﴿۶﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ
اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الرّٰشِدُوْنَ ﴿۷﴾ۙ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۸﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، اللہ اور رسول کے سامنے (اپنی رائے) مقدم نہ کرو[۱] اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک، اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

اے اہلِ ایمان، تم اپنی آواز نبیؐ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نبیؐ کو اِس طرح آواز دے کر نہ پکارو، جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال غارت ہو جائیں اور تم کو احساس بھی نہ ہو[۲]۔ (یاد رکھو کہ) جو لوگ رسول اللہ کے

سامنے اپنی آواز پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پرہیزگاری میں اضافے کے لیے منتخب کرلیا ہے۔ ان کے لیے مغفرت ہے اور اجرِ عظیم ہے۔

اے نبیؐ، جو لوگ تم کو (ازواجِ مطہرات کے) کمروں کے باہر سے پکارتے ہیں، اُن میں سے بہت سے ناسمجھ ہیں۔ اگر یہ لوگ صبر کے ساتھ اتنا انتظار کرلیتے کہ تم خود اُن کے پاس نکل کر آجاتے تو یہ بات انھی کے لیے بہتر ہوتی۔[۳] اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔

اے اہلِ ایمان، اگر کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی اہم خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پچھتاؤ۔[۴] اچھی طرح جان رکھو کہ تمھارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے۔ اگر وہ بہت سے معاملات میں تمھاری بات مان لیا کرے تو تم بڑی مشکل میں پھنس جاؤ گے۔[۵] لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی، اُس کو تمھارے لیے دل پسند بنادیا اور کفر، فسق اور نافرمانی سے تم کو متنفر کردیا۔ ایسے ہی لوگ اللہ کے فضل وانعام سے راہِ راست پانے والے بنے ہیں۔[۶] اللہ کامل علم والا اور کامل صاحبِ حکمت ہے۔ ۱-۸

[۱] چونکہ اس زمانے میں کثرت سے لوگ مسلمان ہو رہے تھے اور ابھی ان کی اچھی طرح تربیت نہیں ہوئی تھی، اس لیے جب یہ لوگ مدینہ آتے تو بلا ضرورت تجاویز اور مشورے دینے کی کوشش کرتے۔ ایسا بھی ہوتا کہ ان کے درمیان جو دشمنیاں زمانۂ جاہلیت سے چلی آرہی تھیں، ان میں ہر ایک حضورؐ کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کرتا۔ چونکہ وہ مقامِ رسالت سے ناواقف تھے، اس لیے ان سے یہ افعال سرزد ہوتے تھے۔

واضح رہے کہ یہاں ممانعت حضورؐ کے سامنے اپنی رائے پیش کرنے میں پہل کرنے یا اپنی رائے کو حضورؐ کے حکم پر مقدم کرنے کی ہے، نہ کہ رائے پیش کرنے کی۔ حضورؐ خود سارے معاملات میں صحابۂ کرامؓ سے ان کی رائے معلوم کرتے اور بعض اوقات صحابہؓ کرام حضورؐ کے سامنے یہ بھی عرض کرتے کہ اگر حضورؐ کا فلاں اقدام وحی پر مبنی نہ ہو تو اس کی جگہ فلاں تدبیر زیادہ موزوں رہے گی۔

[۲] اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین میں ذاتِ رسولؐ کا اتنا عظیم مقام ہے اور حضورؐ کے متعلق بے ادبی اور آپؐ کے احترام میں کمی اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے آدمی کی عمر بھر کی کمائی غارت ہوسکتی ہے۔ اس زمانے میں بعض بدوی حضورؐ کو مخاطب کرتے وقت 'یارسول اللہ' کہنے کے بجائے 'یا محمدؐ' کہہ کر پکارتے، جس طرح اپنے برابر کے ایک عام آدمی کو خطاب کیا جاتا ہے۔ یہاں اس غیر مہذب طریقۂ کلام سے روکا گیا، کیونکہ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ حضورؐ کا اصل مرتبہ ومقام نہیں پہچانا، بلکہ ان کے اندر اپنی برتری کا وہ زعم بھی موجود ہے جو بالآخر ان کے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر سکتا ہے۔

[۳] یہ بدوی لوگ جب مسجدِ نبویؐ میں آکر دیکھتے کہ حضورؐ مجلس میں موجود نہیں ہیں تو آتے ہی ازواجِ مطہراتؓ کے کمروں کے باہر ہی سے آپؐ کو چیخ چیخ کر پکارنا شروع کردیتے۔ واضح رہے کہ مسجدِ نبویؐ کے ساتھ ہی حضورؐ کی ہر زوجہ کا کمرا اور صحن ہوتا تھا اور دروازے پر ایک پردہ پڑا رہتا تھا۔ چنانچہ کبھی یہ لوگ مسجد کے اندر ہی حضورؐ کو پکارنے لگتے اور کبھی باہر جاکر کمروں کے پیچھے سے حضورؐ کو آوازیں دینے لگتے۔ چنانچہ ان لوگوں کو تہذیب سکھائی گئی۔

[۴] جب سرزمینِ عرب کے لوگ بڑی تعداد میں مسلمان ہونے لگے تو اس کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ ابھی تربیت سے محرومی کے باعث اسلامی اخوت کے صحیح احساس سے بھی یہ لوگ ناآشنا تھے اور زمانۂ جاہلیت کی دشمنیوں کے اثرات بھی باقی تھے۔ جب یہ لوگ مدینہ آتے تو اپنے حریفوں کے متعلق جھوٹی سچی

اطلاعات دے کر حضوؐر کو بدگمان کرنے کی کوشش کرتے تاکہ مرکز کی طاقت کو اپنے دشمنوں کے خلاف استعمال کر سکیں۔اس کے ساتھ ساتھ یہ لوگ اکابر صحابہ کرامؓ کے کان بھرنے کی کوشش بھی کرتے۔ چنانچہ قرآن نے یہ ہدایت دے دی کہ ہر اہم خبر کے موقع پر اس خبر اور خبر لانے والے کی اچھی طرح تحقیق کی جائے اور تعجیل میں کوئی اقدام نہ کیا جائے۔

فاسق سے مراد شریعت کے حدود و قیود سے بے پروا آدمی ہے۔اس آیت میں فاسق کی لائی ہوئی اہم خبر کی تحقیق کا حکم ہے۔اس سے آپ سے آپ یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اگر کسی شخص کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ وہ قابل اعتماد ہے یا نہیں، تو اس کے متعلق بھی اچھی طرح تحقیق کی جائے۔ کسی شخص کے اندر عملی بے پروائی بھی ہو سکتی ہے اور ممکن ہے کہ اس کے عقیدے میں خرابی ہو، چنانچہ ان سب چیزوں کی پوری تحقیق ضروری ہے۔

اکثر مفسرین کا بیان ہے کہ یہ آیت ولیدؓ بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب ولید بن عقبہ کو زکوۃ کی وصولی کے لیے بنی مصطلق نامی قبیلے کے پاس بھیجا گیا تو وہ لوگ ایک جلوس کی شکل میں ان کے خیر مقدم کے لیے نکلے۔اس پر ولیدؓ ڈر گئے کہ یہ لوگ لڑنے کے لیے آرہے ہیں۔ کچھ مفسرین کے مطابق وہ ڈرے نہیں، بلکہ ان کے دل میں پہلے سے ہی بنی مصطلق کے خلاف رنجش تھی۔ بہر حال وہ واپس آگئے اور حضوؐر کو خبر دی کہ وہ لوگ مرتد ہو گئے ہیں اور انھوں نے زکوۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ یہ خبر سن کر حضوؐر بہت برہم ہوئے۔ کچھ مفسرین کے مطابق حضوؐر نے جنگ کے لیے ایک دستہ روانہ کر دیا تھا اور بعض مفسرین کے مطابق روانہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کچھ مفسرین کے مطابق اس مہم پر آپؐ نے حضرت علیؓ کو بھیجا اور دوسرے مفسرین کے مطابق آپؐ نے حضرت خالدؓ کو بھیجا۔ جب بنی مصطلق کے لوگوں کو اس کی اطلاع ہوئی تو اُن کے سردار نے فوراً مدینہ حاضر ہو کر حضوؐر کو اطمینان دلایا کہ ہم نے تو ولیدؓ کی شکل تک نہیں دیکھی، زکوٰۃ روکنے کا کیا سوال؟ چنانچہ یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

مولانا اصلاحی کے مطابق یہ واقعہ صحیح نہیں ہے۔ان کے اعتراضات درج ذیل ہیں:

ایک یہ کہ اس آیت میں فاسق کی روایت پر اعتماد کرنے سے روکا گیا ہے، جب کہ اس واقعے سے پہلے کوئی ایسی بات سامنے نہیں آئی تھی کہ نعوذ باللہ ولیدؓ بن عقبہ فاسق ہیں۔ اگر ان کے اندر کسی قسم کی خرابی ہوتی تو حضوؐر ان کو اتنی اہم خدمت کے لیے کس طرح منتخب فرماتے۔ دوسرا یہ کہ کیا نعوذ باللہ، حضوؐر اپنے صحابہؓ سے اتنے ناواقف تھے کہ ایسے لوگوں کو ذمہ داری کا منصب دے دیتے تھے جو اپنی دروغ گوئی سے حکومت اور رعایا، دونوں کو خطرے میں ڈال دیں۔ حضوؐر کے متعلق تو اس طرح کی بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر ولیدؓ استقبال کرنے والے لوگوں کو جنگجو گروہ سمجھ کر ڈر کر واپس آگئے تھے اور انھوں نے اپنا یہ تاثر حضوؐر کے سامنے بیان کیا کہ بنی مصطلق نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے تو ان کی اس بات کو سادہ لوحی اور کمزوری تو قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن از روے شریعت اس کو فسق نہیں کہا جا سکتا۔ چوتھی بات یہ ہے کہ ولیدؓ کو حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں کوفہ کا گورنر بنا دیا تھا۔ کیا حضرت عثمانؓ اس بات سے ناواقف تھے کہ ولیدؓ از روے قرآن فاسق قرار دیے جا چکے ہیں اور اب اسلامی قانون کی رو سے وہ گورنری تو درکنار، گواہی دینے کے اہل بھی نہیں ہیں؟ اگر ایسا ہوتا تو اکابر صحابہ کرامؓ فوراً حضرت عثمانؓ کو قرآن کے حکم کی خلاف ورزی پر ٹوکتے۔

درج بالا وجوہات کی بنا پر مولانا اصلاحی کے خیال میں شان نزول کے ضمن میں بیان کیا جانے والا یہ واقعہ صحیح نہیں ہے۔

[۵] حضوؐر ہر قدم اللہ کی رہنمائی میں اٹھاتے تھے چنانچہ اِن لوگوں سے کہا گیا کہ تم رسول کو اپنے پیچھے چلانے کی کوشش مت کرو، بلکہ تمھیں حضوؐر کے

چلنا ہے۔ اگر تمھیں کوئی رائے پیش کرنی ہو تو ادب سے اپنی رائے پیش کر کے فیصلہ حضوؐر پر چھوڑ دو اور یہ خواہش نہ کرو کہ تمھاری ہر رائے لازماً مان ہی لی جائے۔ تمھارے بہت سارے مشورے خام ہوتے ہیں، اگر حضوؐر ان سب کو مان لیں تو تم لوگ بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔

[۶] یہاں اہل ایمان کو متوجہ کیا گیا ہے کہ تم ایمان کو محبوب رکھتے ہو اور اللہ کی نافرمانی سے متنفر ہو، اس لیے تمھیں ان ہدایات کی پیروی کرنی چاہیے۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا
الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٩﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿١٠﴾ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ
خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ
يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿١١﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا
تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢﴾

اے اہلِ ایمان، اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اُن کے درمیان مصالحت کراوَ۔ پھر اگر اُن میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے فیصلے کی طرف رجوع کرے۔ پھر اگر وہ رجوع کر لے تو اُن کے درمیان عدل کے ساتھ مصالحت کرادو اور ٹھیک ٹھیک انصاف کرو۔ ۷ بے شک، اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، اس لیے اپنے بھائیوں کے درمیان مصالحت کراوَ اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اے اہلِ ایمان، نہ مَردوں کی کوئی جماعت دوسرے مَردوں کا مذاق اُڑائے، ممکن ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اُڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں۔ ۸ آپس میں ایک دوسرے پر الزامات نہ لگاوَ ۹ اور نہ ایک دوسرے کو بُرے

القاب سے یاد کرو۔[10] ایمان کے بعد فِسق کا تو نام بھی بُرا ہے۔ جو لوگ توبہ نہ کریں گے، وہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنیں گے۔[11]

اے اہلِ ایمان، بہت سے گمانوں سے بچو، کیونکہ بعض گمان واضح گناہ ہوتے ہیں۔[12] تجسس نہ کرو[13] اور تم میں سے کوئی بھی کسی دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اِس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ دیکھو، اس چیز کو تم خود بھی ناگوار سمجھتے ہو۔[14] اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک، اللہ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا اور مہربان ہے۔ ۹-۱۲

[۷] اگر کبھی مسلمانوں کی دو حکومتیں آپس میں لڑنے لگیں تو یہ ضروری ہے کہ دوسری مسلمان حکومتیں اس تنازعے میں مداخلت کریں۔ اسی طرح اگر کسی ریاست کے اندر دو مسلمان گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اس ریاست پر یہ لازم ہے کہ اس جھگڑے میں مداخلت کرے۔ اس سے خود بخود یہ بات نکلتی ہے کہ عالمی سطح پر مسلمانوں کی ایک مضبوط تنظیم ہونی چاہیے۔ دونوں ممالک یا دونوں گروہوں کے درمیان صلح حالات و واقعات کے مطابق پورے انصاف کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اگر اس صلح کے بعد کوئی فریق دوسرے فریق پر حملہ کر دے تو پھر زیادتی کرنے والے یعنی حملہ آور فریق کے خلاف سب کو جنگ کرنی چاہیے۔ اگر اس کے بعد زیادتی کرنے والا فریق دوبارہ مصالحت پر رضامند ہو جائے تو ایک دفعہ پھر دونوں کے درمیان انصاف کے مطابق صلح کر دی جائے۔

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کسی مسلمان حکومت کے خلاف مسلح بغاوت کے کیا احکام ہیں۔ قرآن مجید اور صحیح احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان حکومتیں تین طرح کی ہو سکتی ہیں۔ ایک وہ حکومت جسے 'خلافت علیٰ منہاج النبوۃ' کہا جاتا ہے یعنی بالکل معیاری حکومت۔ دوسری وہ حکومت جس میں کچھ باتیں صحیح ہوں اور کچھ غلط، گویا یہ ایک غیر معیاری حکومت ہوتی ہے۔ تیسری وہ حکومت جو واضح کفر کا ارتکاب کرتی ہو، مثلاً شراب یا سود کو حلال کہتی ہو یا اپنے باشندوں پر بزور کوئی غلط کام مسلط کرتی ہو مثلاً انھیں شراب پینے پر مجبور کرتی ہو۔

معیاری حکومت کی اطاعت لازم ہے۔ دوسری قسم یعنی غیر معیاری حکومتوں کے متعلق دین کی ہدایت یہ ہے کہ اگر وہ کوئی غلط کام کریں تو اس غلط کام کی حد تک ان سے علیحدہ رہا جائے، تاہم ان کے سامنے مسلسل کلمۂ حق کہا جائے۔ جہاں تک تیسری قسم یعنی واضح کفر کا ارتکاب کرنے والی حکومتوں کا تعلق ہے، اس کے بارے میں دین کی ہدایت یہ ہے کہ اگر وہ گناہ یا کفر کا حکم دیں تو اس خصوصی معاملے میں ان کی بات نہ مانی جائے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے: ''اللہ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔'' (مسلم، کتاب الامارہ) مسند احمد کی ایک روایت کے مطابق حضورؐ نے فرمایا: ''اہلِ ایمان پر لازم ہے کہ خواہ انھیں پسند ہو یا ناپسند، وہ بہرحال اپنے حکمرانوں کی بات سنیں اور مانیں، سوائے اس کے کہ انھیں کسی گناہ کا حکم دیا جائے۔ پھر اگر گناہ کا حکم دیا گیا تو اُن کے لیے سننا اور ماننا ضروری نہیں۔''

واضح کفر کا ارتکاب کرنے والی حکومت کے خلاف بھی مسلح بغاوت جائز نہیں، اس لیے کہ اس سے مسلمانوں کو بحیثیتِ مجموعی نقصان پہنچتا ہے۔ 'کفر بواح' کی مرتکب ہر حکومت کے وقت میں پوری پوری کوشش کرنی چاہیے کہ عدم تشدد اور پرامن طریقے سے اصلاح کی کوشش کی جائے۔ حضورؐ نے اس ضمن میں آخری حد یہ بیان کی ہے کہ ''سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ ظالم حکمران کے سامنے سچی بات کہی جائے'' (ترمذی، حدیث نمبر2174)۔ واضح رہے کہ پچھلے چودہ سو برس میں ابھی تک کوئی ایسی مسلمان حکومت وجود میں نہیں آئی جو ''کفرِ بواح'' کی تعریف پر پوری اترتی ہو، یعنی ایسی حکومت جو واضح کفر کا ارتکاب کرے اور یہ بھی علی الاعلان کہے کہ ہاں ہم کفر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ پچھلی چودہ صدیوں میں مسلمانوں میں بہت سی خراب حکومتیں وجود میں آئی ہیں، لیکن اُن کی خرابی اور گناہ اُن کی اپنی ذات تک ہی محدود تھے۔ انہوں نے کسی اور کو گناہ کا ارتکاب کرنے پر بزور مجبور نہیں کیا۔

اگر کسی مسلمان حکومت اور وہاں موجود باغیوں کے درمیان لڑائی چھڑ جائے تو اس صورت میں بھی باقی مسلمان حکومتوں پر یہ لازم ہے کہ وہ اس تنازعے میں عادل کردار ادا کر کے انصاف کے ساتھ امن کے قیام کی کوشش کریں۔

[۸] گویا کسی بھی شخص کا تمسخر اڑانا یا تضحیک منع ہے۔ یہاں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کا ذکر بھی خاص اہتمام سے ہوا ہے، حالانکہ بظاہر اس کی ضرورت نہیں تھی۔'**لا یسخر قوم من قوم**' کے الفاظ دونوں صنفوں کے لیے کافی تھے، لیکن چونکہ اس بیماری سے خواتین کو بھی خصوصی طور پر بچانا مقصود ہے، اس لیے قرآن نے اہتمام کے ساتھ ان کا ذکر کیا۔

[۹] '**لمز**' کے معنی ہیں کسی پر طعن کرنا، چوٹیں کرنا، پھبتیاں کسنا، الزام دھرنا، اعتراض جڑنا، عیب چینی کرنا اور آنکھوں یا چہرے کے اشاروں سے کسی کو نشانہ ملامت بنانا۔

[۱۰] کسی شخص کو ایسا نام یا لقب دینا جو اس کو ناگوار ہو یا جس سے اس کی تحقیر ہوتی ہو، غلط ہے۔

[۱۱] گویا درج بالا سارے کام فسق کے دائرے میں آتے ہیں اور ان پر اللہ کی طرف سے پکڑ ہوگی۔

[۱۲] ہر شخص کو دوسرے شخص کے متعلق نیک گمان رکھنا چاہیے، سوائے اس کے کہ واضح دلیل کی بنیاد پر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ شخص نیک گمان کا مستحق نہیں ہے۔

[۱۳] جس طرح اوپر والے ٹکڑے میں اچھے گمان سے نہیں، بلکہ برے گمان سے روکا گیا ہے، اسی طرح اس ٹکڑے میں اس تجسس سے منع کیا گیا ہے جو برے مقصد سے ہو۔ دوسروں کی پرائیویٹ زندگی کا کھوج لگانا، ان کی خامیوں سے آگاہی حاصل کرنا اور اسکینڈلوں کو تلاش کرنا غلط ہے۔ البتہ اگر کسی شخص سے کوئی معاملہ درپیش ہو تو اس کی تحقیق جائز ہے۔

واضح رہے کہ یہ پابندی افراد پر ہے۔ جہاں تک حکومت کا تعلق ہے، چونکہ ملک کا امن، عدل اور سلامتی بھی اس کی ذمہ داری ہوتی ہے، اس لیے اس کو یہ حق ہے کہ جہاں کہیں اس کو کوئی شبہ گزرے، وہ اس کی تحقیق کرے۔ تاہم یہ ظاہر ہے کہ ہر حق کے استعمال پر کچھ اخلاقی و قانونی پابندیاں ہوتی ہیں جن کا لحاظ حکومت کو بھی لازماً کرنا چاہیے۔ اس آیت کی تشریح میں بعض مفسرین نے حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ اس واقعے کا نہ تو سند کے لحاظ سے کوئی درجہ ہے اور نہ متن کے پہلو سے یہ قابل اعتبار ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک رات حضرت عمرؓ مدینے کی گلیوں میں پھر رہے تھے کہ انھوں نے ایک شخص کے گانے کی آواز سنی۔ آپ کو شک گزرا تو آپ دیوار پر چڑھ گئے اور دیکھا کہ وہاں شراب بھی موجود ہے اور ایک عورت بھی۔ حضرت عمرؓ نے پکار کر کہا: "اے دشمن خدا، کیا تو نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تو اللہ کی نافرمانی کرے گا اور اللہ تیرا پردہ فاش نہ کرے گا؟" اس شخص نے جواب دیا: "امیر المومنین، جلدی نہ کیجیے۔ اگر میں نے ایک گناہ کیا ہے تو آپ نے اکٹھے تین گناہ کر ڈالے ہیں۔ اللہ نے تجسس سے منع کیا تھا اور آپ نے تجسس کیا، اللہ نے حکم دیا کہ گھروں میں دروازوں سے داخل ہو اور آپ دیوار پر چڑھ کر آئے، اللہ نے حکم دیا تھا کہ دوسروں کے گھروں میں اجازت کے بغیر داخل نہ ہوا کرو اور آپ میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں داخل ہوئے۔" یہ جواب سن کر حضرت عمرؓ اپنی غلطی مان گئے اور اس شخص کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی، البتہ اس سے یہ وعدہ لے لیا کہ آیندہ وہ بھلائی کی راہ اختیار کرے گا۔

مولانا اصلاحی کے مطابق یہ واقعہ بالکل نا قابل قبول ہے۔ اس واقعے پر ان کے درج ذیل اعتراضات ہیں۔ ایک یہ کہ یہ بات نا قابل قیاس ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں مدینہ منورہ کے اندر جو اس وقت بارہ پندرہ ہزار کی آبادی کا ایک شہر تھا، کوئی شخص اتنی بڑی جسارت کر سکے کہ اپنے صحن میں بیٹھ کر عورت اور شراب کے ساتھ اُس طرح رنگ رلیوں میں مصروف ہو کہ گانے کی آواز حضرت عمرؓ کو باہر گلیوں میں سنائی دے۔ کیا کوئی شخص یہ تصور کر سکتا ہے کہ عین مرکز اسلام میں خلیفۂ دوم کے وقت میں یہ حال ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس روایت کو مان لیجیے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ 'العیاذ باللہ' حضرت عمرؓ کو سورۂ نور اور سورۂ حجرات کی تلاوت کا شاید کبھی موقع نہیں ملا تھا اور قرآن وحدیث کے ان صریح احکام سے حضرت عمرؓ کو پہلی مرتبہ ایک شرابی و بدکار شخص نے آگاہ کیا۔ تیسری بات یہ ہے کہ تاریخ میں ایسے متعدد مصدقہ واقعات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے خود بھی بطور حکمران تجسس کر کے لوگوں کے حالات معلوم کیے اور ان کے گورنروں نے بھی ایسا ہی کیا۔ چوتھی بات یہ ہے کہ اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر ایک مسلمان حکومت میں کچھ لوگ اپنے گھروں میں شرابیں پئیں، بازاری عورتوں سے رنگ رلیاں منائیں، حتیٰ کہ غیر قانونی اسلحہ کے ذخیرے جمع کریں، تو تب بھی حکومت کی پولیس کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان کے گھروں میں گھس کر تلاشی لے۔ یہ واضح ہے کہ یہ سب کچھ نا قابل تسلیم ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت غلط اور بے بنیاد ہے۔

[۱۴] غیبت کے معنی ہیں کسی شخص کی اس کی پیٹھ پیچھے برائی بیان کرنا۔ گویا غیبت کے مفہوم میں یہ بات لازماً داخل ہے کہ غیبت کرنے والا یہ چاہتا ہے کہ اس کے اس کام کی خبر اس شخص کو نہ ہو جس کی وہ برائی بیان کر رہا ہے۔ گویا غیبت سے نہ تو کسی حق کی حمایت کا مقصد حاصل ہوتا ہے اور نہ کسی اصلاح کی توقع ہوتی ہے، بلکہ اس طرح ایک بزدل شخص صرف اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ظالم کے خلاف مظلوم کی شکایت، اصلاح کی نیت سے کسی شخص کی برائیوں کا ذکر ایسے لوگوں کے سامنے کرنا جن سے یہ امید ہو کہ وہ ان برائیوں کو دور کرنے کے لیے کچھ کر سکیں گے، لوگوں کو کسی شخص یا گروہ کے شر سے خبردار کرنا تا کہ وہ نقصان سے بچ سکیں، اجتماعی برائیوں میں ملوث افراد کے خلاف آواز بلند کرنا اور شہادت حق نہ صرف یہ کہ غیبت کی تعریف میں نہیں آتیں، بلکہ یہ سب کچھ لازم ہیں۔

ایک مردہ شخص اپنی مدافعت سے بالکل قاصر ہوتا ہے، اسی طرح جس فرد کی غیبت کی جاتی ہے، وہ بھی اپنی مدافعت سے قاصر ہوتا ہے۔ اسی لیے غیبت کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ
عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا
وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْــًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ
وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ
اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ ع

اے لوگو، ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور پھر تم کو کنبوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرو۔[۱۵] درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے، جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔[۱۶] بے شک، اللہ سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز سے باخبر ہے۔

اِن بدویوں نے کہا: ''ہم ایمان لائے۔'' اے نبیؐ، اِن کو بتادو: ''تم ایمان نہیں لائے، ہاں یوں کہو کہ ہم نے اطاعت قبول کر لی۔ ابھی ایمان تمھارے دلوں کے اندر داخل نہیں ہوا۔[۱۷] اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو گے تو اللہ تمھارے اعمال کے اجر میں کوئی کمی نہ کرے گا۔ یقیناً اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔[۱۸] حقیقت میں تو مومن بس وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر شک میں نہیں پڑے اور اپنے مال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جدوجہد کی۔ یہی سچے لوگ ہیں۔''

اے نبیؐ، (اِن بدویوں سے) کہہ دو: ''کیا تم اللہ کو اپنے دین کی اطلاع دے رہے ہو؟ حالانکہ اللہ آسمان وزمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔''

اے نبیؐ، یہ بدوی تم پر احسان جتاتے ہیں کہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (اِن سے) کہو: ''اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ یہ تم پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کی توفیق بخشی، اگر تم (اپنے ایمان کے دعوے میں) سچے ہو۔ اللہ آسمان وزمین کی ہر پوشیدہ چیز کا علم رکھتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو، وہ سب اللہ کی نگاہ میں ہے۔''[۱۹] ۱۳-۱۸

[۱۵] دنیا کے اندر ہر فرد کی اپنی ایک شخصیت ہے۔ اس کے بعد وہ خاندان، کنبے، قبیلے، ملک، امت مسلمہ اور انسانیت کے بندھن میں بندھا ہوا ہے۔ دنیوی اعتبار سے ان مختلف رشتوں کی بنیاد پر اس پر کچھ حقوق وفرائض عائد ہوتے ہیں جن کو پورا کرنا اس پر لازم ہے۔ تہذیب وتمدن کا ارتقا اسی طرح ہوتا ہے۔

قرآن ان تمام رشتوں اور ان کی بنیاد پر بننے والے حقوق و فرائض کو تسلیم کرتا ہے۔

[۱۶] تاہم جہاں تک آخرت کا تعلق ہے، وہاں سارے فیصلے تقویٰ اور پرہیزگاری کی بنیاد پر ہوں گے۔ چنانچہ جس طرح ایک انسان اس دنیا میں اپنی مختلف ذمہ داریاں پوری کرتا ہے، اسی طرح اسے آخرت ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے۔

[۱۷] یہاں انھی بدویوں کا ذکر ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد اسلام کی ابھرتی ہوئی سیاسی طاقت سے مرعوب ہو کر مسلمانوں میں شامل ہو گئے تھے۔ چونکہ ابھی ان لوگوں کی تربیت نہیں ہوئی تھی، اس لیے یہ لوگ ہر وقت حضورؐ پر یہ احسان جتانے کی کوشش کرتے تھے کہ ہم بغیر لڑے بھڑے مسلمان ہوئے ہیں۔ یہاں قرآن نے ان کی تربیت کرتے ہوئے کہا کہ ابھی ایمان حقیقی معنوں میں تمھارے دلوں میں داخل نہیں ہوا، البتہ تم نے ظاہری اطاعت قبول کر لی ہے۔

[۱۸] یعنی اب تم پر یہ لازم ہے کہ تم سچی فرماں برداری اختیار کر لو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تمھیں بخش دے گا اور تم پر رحم فرمائے گا۔

[۱۹] یہاں قرآن نے ان بدویوں کی فکری غلطیوں کی اصلاح کی ہے۔ اس سے ہمارے سامنے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ دین کی کوئی خدمت کر کے کوئی شخص نہ تو اللہ و رسول پر احسان کرتا ہے اور نہ دین پر، بلکہ وہ خود اپنے اوپر احسان کرتا ہے، کیونکہ اس سے اس کی اپنی آخرت سنورتی ہے۔

ان آیات پر اس تربیتی سورہ کا اختتام ہوتا ہے۔

ساتویں منزل

سورۂ ق ۵۰ تا سورۂ تحریم ۶۶

سورۂ ق سے سورتوں کا چھٹا گروپ شروع ہوتا ہے۔اس گروپ میں کل سترہ سورتیں ہیں جن میں سے پہلی سات سورتیں بالترتیب مکی ہیں اوراس کے بعد دس سورتیں بالترتیب مدنی ہیں۔اس گروپ کی مکی سورتوں کا غالب مضمون آخرت وقیامت ہے۔چونکہ قیامت پرایمان کا لازمی نتیجہ اللہ اوراس کے رسول کی کامل اطاعت ہے،اس لیے مدنی سورتوں میں اسی اطاعت کے عملی تقاضے بیان کیے گئے ہیں۔

سورۂ ق

[۵۰]

نام

اس سورہ کے آغاز میں یہ حرف آیا ہے چنانچہ اس وجہ سے اس سورہ کو یہ نام دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کے مضامین سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضورؐ پر مکی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔ اس سورہ کا مرکزی مضمون آخرت کا اثبات ہے۔ اس ضمن میں اس حقیقت کے بہت سے پہلو واضح کیے گئے ہیں۔

آیاتها ۴۵ | # سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتها ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ﴿١﴾ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿٢﴾
ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ ﴿٣﴾ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ
حَفِيْظٌ ﴿٤﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ﴿٥﴾ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ
كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ﴿٦﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ
كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ ﴿٧﴾ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿٨﴾ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ
جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ﴿٩﴾ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ﴿١٠﴾ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ
كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿١١﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴿١٢﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ
لُوْطٍ ﴿١٣﴾ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿١٤﴾ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۭ
بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿١٥﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

ق، قسم ہے قرآن مجید کی، بلکہ اِن لوگوں کو اِس بات پر تعجب ہوا کہ ایک خبردار کرنے والا خود اِنھی میں سے ان کے پاس آ گیا۔ چنانچہ منکرینِ حق نے کہا: ”یہ تو ایک نہایت عجیب بات ہے۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی بن جائیں گے (تو ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟) یہ واپسی تو (عقل سے) بہت بعید ہے۔“

زمین اِن لوگوں کے جسم میں سے جو کچھ کم کرتی ہے، وہ سب ہمارے علم میں ہے۔ ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس میں سب کچھ

محفوظ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اِن لوگوں نے حق کو جھٹلا دیا ہے، جبکہ حق اِن کے پاس آ چکا ہے۔ چنانچہ اب یہ لوگ ایک بڑے فکری تضاد میں مبتلا ہیں[2]۔

کیا اِن لوگوں نے کبھی اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے کس طرح اُس کو بنایا، آراستہ کیا اور اِس میں کہیں کوئی رخنہ نہیں ہے؟ ہم نے زمین کو بچھایا، اُس میں پہاڑ جما دیے اور اس میں ہر قسم کی خوش منظر چیزیں اگائیں۔ یہ چیزیں آنکھیں کھولنے والی اور نصیحت ہیں ہر متوجہ ہونے والے بندے کے لیے۔ ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا جس سے ہم نے باغ بھی اگائے اور کاٹی جانے والی فصلیں بھی۔ ہم نے اس سے کھجوروں کے بلند و بالا درخت بھی اگائے جن میں تہ بہ تہ پھلوں کے خوشے لگتے ہیں۔ یہ بندوں کے لیے رزق ہے۔ ہم نے اِس پانی سے مُردہ زمین کو زندہ کر دیا۔ (مرنے کے بعد انسانوں کا زمین سے) نکلنا بھی اسی طرح ہوگا۔

اِن (مشرکینِ قریش) سے پہلے قومِ نوح، اصحاب الرس، ثمود، عاد، فرعون، لوط کے بھائی، اصحاب الایکہ اور قومِ تبع بھی جھٹلا چکے ہیں۔ ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا چنانچہ ہماری دھمکی اُن پر پوری ہو کر رہی[3]۔ کیا ہم پہلی بار کی تخلیق سے عاجز تھے؟ مگر یہ لوگ دوسری دفعہ کی تخلیق کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ۱-۱۵

[۱] 'مجید' کے معنی ہیں بزرگ، برتر، باعظمت اور بہت نفع پہنچانے والا۔ قرآن ان سب حیثیتوں سے ہر چیز سے بالا و برتر ہے۔ اس کتاب کی ہر آیت اس کی عظمت پر دلیل ہے۔

[۲] مشرکین مکہ ایک طرف تو اللہ کی ذات کا اقرار کرتے تھے، حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ کو اللہ کا پیغمبر مانتے تھے اور مسجد حرام و خانہ کعبہ کو اللہ کے حکم کے تحت تعمیر کردہ مقدس ترین جگہ مانتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب عقائد قیامت کو لازم کرتے ہیں۔ لیکن یہی مشرکین دوسری طرف قیامت کا انکار کرتے تھے۔ یہ ایک زبردست فکری تضاد تھا، لیکن اس تضاد کو جائز ثابت کرنے کے لیے وہ جتنی دلیلیں ایجاد کرتے تھے، وہ سب ان کے موقف کے بودے پن کو مزید ظاہر کرتی تھیں۔

[۳] سورۂ فرقان آیت ۳۸ میں بھی اصحاب الرس کا ذکر گزر چکا ہے۔ اسی طرح باقی اقوام کا ذکر بھی دوسری جگہوں پر آیا ہے۔ ان اقوام میں سے جن لوگوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا، ان سب پر اللہ کی طرف سے سزا نازل کی گئی۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ چونکہ حضورؐ بھی اللہ کے رسول ہیں، اس لیے آپؐ کے مخاطبین میں سے جو بھی آپؐ کو جھٹلائیں گے، ان کو بھی دنیا میں اللہ کی طرف سے سزا دی جائے گی۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿١٦﴾ إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿١٧﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿١٨﴾ وَجَآءَ

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ط ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ ط ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾
وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ
فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَیَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾ اَلْقِيَا فِیْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ
عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ﴿۲۵﴾ نِ الَّذِیْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيَاهُ فِی الْعَذَابِ
الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَا اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ
وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ
هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ
لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾ مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ﴿۳۳﴾ نِ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ط ذٰلِكَ
يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾

ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اُس کے دل میں گزرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں۔ ہم (اُس کی) شہ رگ سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں۔

(دھیان رکھو) کہ دو کاتب اُس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ہر چیز کو ریکارڈ کر رہے ہیں۔ ہر لفظ بولتے وقت اُس کے پاس ایک مستعد نگرانی کرنے والا موجود ہوتا ہے۔ ۴

۵ (دیکھو)، موت کی غشی لازماً واقع ہو کر آ پہنچی۔ اے انسان، یہ ہے وہ چیز جس سے تم کترا رہے تھے۔ پھر صور پھونکا جائے گا۔ یہ ہے وہ دن جس کا تمھیں خوف دلایا جاتا تھا۔ اُس وقت ہر جان اس طرح حاضر ہوگی کہ اُس کے ساتھ ایک ہانک کر لانے والا ہوگا اور ایک گواہ۔

اے انسان، تم اس چیز کی طرف سے غفلت میں پڑے رہے تو ہم نے تیرے آگے پڑا ہوا پردہ ہٹا دیا۔ آج تو تمھاری نظر بہت تیز ہے! اُس کا ساتھی (یعنی اُس کو ہانک کر لانے والا) کہے گا: ”یہ جو میری تحویل میں تھا، حاضر ہے۔“ حکم ہوگا: ”پھینک دو جہنم میں ہر

ناشکرے، دین سے عناد رکھنے والے، خیر سے روکنے والے، حد سے گزرنے والے اور شک میں مبتلا اُس شخص کو جس نے اللہ کے ساتھ دوسرے معبود ٹھہرائے۔ اب ڈال دو اُس کو سخت عذاب میں[6]۔''

اُس کا (دنیا کے اندر شیطان) ساتھی کہے گا[7]: ''اے ہمارے رب، میں نے اِس شخص کو سرکش نہیں بنایا، بلکہ یہ خود انتہائی درجے کی گمراہی میں پڑا رہا[8]۔'' ارشاد ہوگا: ''اب میرے سامنے جھگڑا نہ کرو، میں نے پہلے ہی تمھیں اس خراب انجام سے آگاہ کر دیا تھا۔ میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی اور میں بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔''

(اُس دن کو یاد رکھو)، جب ہم جہنم سے پوچھیں گے: ''کیا تو بھر گئی؟'' وہ جواب دے گی: ''کیا ابھی اور کچھ بھی ہے؟ — ''پھر جنت پرہیزگاروں کے قریب لائی جائے گی، وہ اُن سے کچھ بھی دور نہ ہوگی۔ (ارشاد ہوگا): ''یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہر بار پلٹنے والے اور (حدودِ الٰہی کی) حفاظت کرنے والے کے لیے۔ وہ بے دیکھے خدائے رحمان سے ڈرتا تھا اور جو ایک متوجہ رہنے والے دل کے ساتھ (آج) حاضر ہوا ہے[9]۔ داخل ہو جاؤ، اِس جنت میں سلامتی کے ساتھ۔'' وہ دن ہمیشہ کی زندگی کا دن ہوگا۔ وہاں اِن جنتیوں کے لیے وہ سب کچھ ہوگا، جو وہ چاہیں گے، اور ہمارے پاس اس سے زیادہ بھی بہت کچھ (اُن کے لیے) ہے۔ ۱۶-۳۵

[۴] ہر انسان پر دو فرشتے مامور ہیں جو اس کی ایک ایک بات کو نوٹ کر رہے ہیں۔ یہ سب اہتمام اس لیے ہو رہا ہے کہ قیامت کے دن سارا حساب کتاب خالصتاً انصاف کے ساتھ ہو۔

[۵] یعنی روز قیامت ایک فرشتے کے پاس ریکارڈ ہوگا اور دوسرا فرشتہ اس شخص کو اپنے مقام تک پہنچائے گا۔

[۶] یہاں قرآن نے سزاوار جہنم لوگوں کے پانچ اہم جرائم بتائے ہیں یعنی انھوں نے جان بوجھ کر ناشکری کی، اللہ کے دین سے دشمنی کی، لوگوں کو اچھائی کے راستے سے روکا، خود بھی اللہ کے قوانین کو بغاوت کے ساتھ توڑا اور ہر وقت اپنی نفسانی خواہشات کی بنا پر حق میں شک کر کے اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے رہے۔

[۷] ویسے تو ہر انسان کے اوپر شیاطین جن کے حملے ہر وقت جاری رہتے ہیں، لیکن ہر شخص کے لیے ابلیس نے کسی شیطان جن کی خصوصی ڈیوٹی بھی لگائی ہوتی ہے، جو مسلسل اسے حق کے راستے سے دور لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔

[۸] اس دن شیطان یہ موقف اختیار کرے گا کہ اس شخص پر عملاً میرا کوئی بس نہیں چلتا تھا، میں تو خواہشات نفس کے راستے پر لے جانے کے لیے اسے صرف اکساتا تھا۔

[۹] یہاں جنت میں داخلے کے حق داروں کی پانچ صفات بیان کی گئی ہیں۔ یہ کہ وہ متقین ہوں گے یعنی اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کا پورا خیال رکھیں گے، وہ بار بار توبہ کرنے والے ہوں گے، وہ حدود الٰہی کی حفاظت کرنے والے ہوں گے، اگرچہ انھوں نے اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں تھا، لیکن

اس کے باوجود وہ اللہ سے ڈرتے تھے اور دنیا میں ان لوگوں کا دل ہر وقت متوجہ اور متنبہ رہتا تھا۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ۖ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٦﴾ إِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ
وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿٣٨﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ
طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿٣٩﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿٤٠﴾ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ
مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٤١﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿٤٢﴾ إِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَإِلَيْنَا
الْمَصِيْرُ ﴿٤٣﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿٤٤﴾ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ
وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿٤٥﴾ ع

ہم اِن (مشرکینِ عرب) سے پہلے بہت سی ایسی قوموں کو ہلاک کرچکے ہیں جو قوت میں ان سے بڑھ کر تھیں۔ دنیا کے ملکوں کو انھوں نے چھان مارا تھا، پھر کیا وہ کوئی پناہ کی جگہ پا سکے؟ بے شک، اِس (تاریخ) میں عبرت کا بڑا سبق ہے ان سب لوگوں کے لیے جو دل رکھتے ہوں اور وہ متوجہ ہو کر بات سننے کے لیے کان لگائیں[10]۔

ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ ادوار میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہ ہوئی۔ پس اے نبیؐ، جو کچھ یہ منکرینِ حق کہتے ہیں، اُس پر صبر کرو اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرتے رہو، طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب سے پہلے۔ رات کے وقت بھی اللہ کی تسبیح کرتے رہو اور سجدوں سے فارغ ہونے کے بعد بھی[11]۔

کان لگائے رکھو کہ ایک دن اعلان کرنے والا بہت قریب ہی سے پکارے گا۔ جس دن لوگ اِس لازماً واقع ہونے والی چیخ کو سنیں گے، وہ نکل کھڑے ہونے کا دن ہوگا۔ بے شک، ہم ہی زندگی بخشتے ہیں، ہم ہی موت دیتے ہیں اور ہماری ہی طرف سب کو لوٹنا ہے۔ اُس دن زمین پھٹ جائے گی (اور لوگ اس کے اندر سے) تیز تیز (نکل رہے ہوں گے)۔ یہ اکٹھا کر لینا ہمارے لیے بہت آسان ہے۔

اے نبیؐ، جو کچھ یہ لوگ (یعنی مشرکین) کہہ رہے ہیں، اُسے ہم خوب جانتے ہیں۔ تمھارا کام ان سے جبراً بات منوانا نہیں ہے۔ بس

اِس قرآن کے ذریعے سے اُن سب لوگوں کونصیحت کرو، جو میری وارننگ سے ڈرتے ہوں[12] ۳۶-۴۵

[۱۰] یہاں رسول کے بھیجے جانے کی اہمیت کو اس طریقے سے واضح کیا گیا ہے کہ جس جگہ رسول بھیجا جائے، تو اس کی مخالفت کرنے والے خواہ جتنے بھی طاقت ور ہوں، اللہ کی سزا سے نہیں بچ سکتے۔ چنانچہ حضوؐر کے براہ راست مخاطبین کو بھی یہ بات یاد رکھنی چاہیے۔

بعد کے حالات نے یہ ثابت کردیا کہ حضوؐر کے ہر دشمن کو اللہ کی طرف سے دنیا میں سزا دی گئی۔

[۱۱] مومن کا کام اپنی طرف سے پوری کوشش اور تدبیر ہے۔ اس کو صبر کے ساتھ اللہ کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہیے اور ہر وقت نماز کے ذریعے سے اللہ کی یاد کا اہتمام کرنا چاہیے۔

[۱۲] رسول کا اصل کام حق کے پیغام کو بہترین طریقے سے ہر فرد تک پہنچا دینا ہے۔ جہاں تک دشمنوں کو سزا دینے اور مخالفین کو ہلاک کرنے کا تعلق ہے، یہ کام اللہ اپنی حکمت کے مطابق اپنے وقت پر خود ہی انجام دیتا ہے۔

حضوؐر نے سرزمین عرب کے ہر فرد کو دین کا پیغام، بہترین شکل میں پہنچانے کا انتظام فرمایا۔ اس کے بعد اللہ اپنی حکمت کے مطابق حضوؐر کے دشمنوں کو قسط وار سزا دیتا گیا، مثلاً جنگ بدر میں وہ لوگ سزا پانے کے لیے خود ہی حملہ آور ہوئے۔ اس طرح وقتاً فوقتاً اللہ کی طرف سے حضوؐر کے مخالفین کو سزا ملتی رہی۔

یہاں یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ یہ آیات حضوؐر کے مکی دور کے بالکل ابتدائی دنوں کی ہیں، جب اسلام کی کامیابی کا دور دور تک کوئی نام و نشان بھی نظر نہ آتا تھا۔

ان آیات کے ساتھ یہ سورہ اپنے اختتام کو پہنچتی ہے۔

سورۂ ذاریات

[۵۱]

نام

اس سورہ کے پہلے لفظ سے اس کا نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس کا زمانۂ نزول وہی ہے جو سورۂ ق کا ہے۔ اس سورہ کا بنیادی مضمون بھی آخرت کا اثبات ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس سورہ میں ان اقوام کے نافرمان لوگوں کی تباہی کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے جنھوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا۔

رکوعاتہا ۳ | ایاتہا ۶۰

سُوْرَةُ الذّٰرِیٰتِ مَکِّیَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ﴿۱﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿۲﴾ فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا ﴿۳﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴿۴﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ
لَصَادِقٌ ﴿۵﴾ وَّاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ﴿۷﴾ اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿۸﴾ یُّؤْفَكُ عَنْهُ
مَنْ اُفِكَ ﴿۹﴾ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ﴿۱۱﴾ یَسْئَلُوْنَ اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۱۲﴾
یَوْمَ هُمْ عَلَی النَّارِ یُفْتَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ
فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ ﴿۱۶﴾ كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ
الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

یہ تُند وتیز ہوائیں گواہ ہیں، جو غبار اُڑاتی ہیں، پھر بوجھ اٹھالیتی ہیں، پھر آہستہ آہستہ چلنے لگتی ہیں اور پھر ایک بڑے کام (بارش) کی تقسیم کرتی ہیں۔ کہ (اے مخالفینِ نبیؐ) جس عذاب کی تمھیں دھمکی دی جارہی ہے، وہ سچ ہے اور یقیناً جزاوسزا واقع ہوکر رہے گی۔

شاہد ہے یہ دھاریوں والا آسمان کہ بے شک (جزاوسزا سچ ہے، لیکن) تم ایک اختلاف میں پڑے ہوئے ہو۔ اس (عذاب کی دھمکی) سے وہی منہ موڑ رہے ہیں جن کی عقل الٹ دی گئی ہو۔ اٹکل کے تیر تکّے چلانے والے ہلاک ہوں، جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور بالکل بے خبر ہیں۔ پوچھتے ہیں: ''جزاوسزا کا دن کب آئے گا؟'' (یہ وہی دن ہوگا) جس دن یہ لوگ آگ پر تپائے جائیں گے۔ (اُن سے کہا جائے گا:) ''چکھو مزہ اپنے فتنہ کا یہی وہ چیز ہے جس کے لیے تم جلدی مچائے ہوئے تھے۔''

(اُس روز) پرہیزگار لوگ یقیناً باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ جو کچھ اُن کے رب نے اُن کو بخشا ہے، اُسے پا رہے ہوں گے۔ یہ لوگ اِس (دن کے آنے) سے پہلے بہترین نیکی کمانے والوں میں سے تھے۔ وہ راتوں کو کم ہی سوتے تھے، صبح کے اوقات میں

مغفرت مانگتے تھے اور اُن کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق تھا۔[۴] ۱۹-۱۵

[۱] 'ذاریات' غبار اڑانے والی ہواؤں کو کہتے ہیں۔ 'ذروًا' معنی میں مزید تاکید اور اضافے کے لیے آیا ہے۔ ہوائیں غبار اڑاتی ہیں، پھر زمین سے آبی بخارات کو اٹھا کر اوپر لے جاتی ہیں اور پھر اللہ کے حکم سے کسی زمین کو سیراب کر لیتی ہیں، کسی جگہ میں طوفان لے آتی ہیں اور کسی جگہ کو خشک بنجر چھوڑ دیتی ہیں۔ جس طرح یہ سارے کام پروردگار کے حکم سے ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح اللہ کا یہ قانون بھی سچ ہے کہ رسول کے دشمنوں کو دنیا میں ہلاک کر دیا جاتا ہے اور قیامت کے دن جزا و سزا واقع ہو کر رہے گی۔

[۲] سابقہ نافرمان اقوام پر عذاب عام طور پر رنگارنگ دھاریوں والے بادلوں کے ذریعے سے آیا تھا۔ یہ عذاب روز قیامت کے عذاب کی دلیل تھا، لیکن حضورؐ کو جھٹلانے والے اس کو نہیں مانتے تھے۔

[۳] یعنی یہ لوگ خواہشات نفس کی غفلت اور دنیا کی طمع کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

[۴] یعنی یہ نیکوکار لوگ جس طرح اللہ کا حق پہچانتے تھے، اسی طرح اللہ کے بندوں کے حقوق بھی ادا کرنے والے تھے۔ وہ اپنے مالوں میں اپنے آپ اور اپنے اہل خانہ کے حق کے ساتھ ساتھ سائلوں اور محروموں کا حق بھی تسلیم کرتے تھے۔ انھیں اس حقیقت کا شعور تھا کہ اگر اللہ نے ان کی ضروریات سے زیادہ ان کو دیا ہے تو یہ دراصل دوسروں کا حق ہے جو ان کی امانت میں دیا گیا ہے۔ اس امانت کا یہ حق ہے کہ وہ اس کے مستحقین کو ادا کر دی جائے۔ اگر یہ امانت ادا نہ کی گئی تو یہ خیانت ہوگی اور اس کے بارے میں اللہ کے ہاں پوچھا جائے گا۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿۲۰﴾ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿۲۱﴾ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا
تُوعَدُونَ ﴿۲۲﴾ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ ﴿۲۳﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ
إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ﴿۲۴﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ
فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿۲۷﴾ فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ
وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ﴿۲۸﴾ فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوا
كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿۳۰﴾

وقف لازم

[پارہ نمبر 27]

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿۳۱﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ

حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾

فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾

یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں بھی نشانیاں ہیں اور خود تمھارے اپنے وجود میں بھی نشانیاں موجود ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں؟ آسمان میں تمھاری روزی بھی ہے اور وہ چیز بھی جس کی تم کو دھمکی دی جا رہی ہے[5]۔ پس آسمان و زمین کے مالک کی قسم، یہ بات لازماً ہو کر رہے گی، (ایسے ہی یقینی) جیسے (کہ مثال کے طور پر) تم بول رہے ہو۔

اے نبیؐ، [6] کیا تمھیں ابراہیمؑ کے معزز مہمانوں کی داستان پہنچی ہے؟ جب وہ ابراہیمؑ کے پاس آئے اور انھوں نے سلام کیا۔ ابراہیمؑ نے بھی سلام کا جواب دیا — (اور دل میں کہا کہ) کچھ اجنبی سے لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ پھر وہ نظر بچا کر اپنے گھر والوں کے پاس گیا، اِن مہمانوں کے لیے موٹے بچھڑے (کا بھنا ہوا گوشت) لایا اور اُس کو اِن کے سامنے پیش کیا۔ ابراہیمؑ نے کہا: ''آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں؟'' پھر اُس نے اپنے دل میں اِن مہمانوں سے ایک قسم کا اندیشہ محسوس کیا[7]۔ انھوں نے ابراہیمؑ سے کہا: ''ڈرو نہیں۔'' اور پھر اُس کو ایک علم والے بیٹے کی پیدائش کی خوش خبری دی۔ (یہ سن کر) ابراہیمؑ کی بیوی حیران ہو کر بڑھی، اپنا منہ پیٹ لیا اور بولی: ''کیا ایک بڑھیا، بانجھ (اس عمر میں جنے گی)؟'' انھوں نے کہا: ''تیرے رب نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ وہ بڑا ہی حکیم و علیم ہے۔'' ابراہیمؑ نے پوچھا: ''اے اللہ کی بھیجی ہوئی ہستیو، اِس وقت آپ کے سامنے کیا مہم ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ اُن کے اوپر پکی ہوئی مٹی کے پتھروں کی بارش کر دیں۔ یہ پتھر تیرے رب کے ہاں حد سے گزر جانے والوں کے لیے نشان زدہ ہیں[8]۔''

پھر اُس بستی میں جتنے اہلِ ایمان تھے، اُن کو ہم نے نکال لیا، اور وہاں ہم نے ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔ اس طرح ہم نے اُس بستی میں ایک بڑی نشانی اُن لوگوں کے لیے چھوڑ دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہوں[9]۔ ۲۰-۳۷

[۵] مراد ہے بارش، جس کے ذریعے سے انسان کو رزق بھی ملتا ہے، لیکن اسی بارش کے ذریعے سے بہت سے علاقوں پر مصیبتیں بھی آتی ہیں۔

[۶] یہاں سے آگے ایک ایسا واقعہ بتایا گیا ہے جس میں فرشتوں نے ایک طرف حضرت ابراہیمؑ کو ایک بڑی خوش خبری دی اور دوسری طرف یہی فرشتے حضرت لوطؑ کی نافرمان قوم پر عذاب لے آئے۔ گویا اس واقعے کے ذریعے سے حضورؐ کو خوش خبری دی گئی اور اللہ کے نافرمانوں کو سزا کی دھمکی سنائی گئی۔

[۷] ان لوگوں کے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھانے سے حضرت ابراہیمؑ کے دل میں یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ یہ لوگ بشر نہیں ہیں اور شاید یہ لوگ میری ہی

قوم پر عذاب لانے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔

[۸] اللہ کی طرف سے رسول کے نافرمانوں کو باقاعدہ نشان زد کر کے ہلاک کیا جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ایک ایسا عذاب بھیج دیا جائے جو مومن اور منکر حق کی تمیز کیے بغیر سب کو ہلاک کر ڈالے۔ یہاں قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس نافرمان قوم پر پھینکا جانے والا ہر پتھر بھی نشان زدہ تھا اور اسے معلوم تھا کہ اسے کس منکر حق کو جا کر لگنا ہے۔

[۹] یعنی اس بستی کی داستان میں ان لوگوں کے لیے ایک بڑی نشانی ہے، جہاں رسول کی بعثت ہو جائے، کیونکہ رسول کی بعثت کے بعد اگر یہ لوگ رسول سے انکار کر بیٹھیں تو ان کے اوپر بھی عذاب کا نزول یقینی ہے۔

وَفِیْ مُوْسٰۤی اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰی فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰی بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ وَهُوَ مُلِیْمٌ ﴿۴۰﴾ؕ وَفِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ ﴿۴۱﴾ؕ مَا

تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ ﴿۴۲﴾ؕ وَفِیْ ثَمُوْدَ اِذْ قِیْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا

عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِیَامٍ وَّمَا كَانُوْا

مُنْتَصِرِیْنَ ﴿۴۵﴾ۙ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۴۶﴾ؑ وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْىدٍ وَّاِنَّا

لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّكُمْ

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْۤا اِلَی اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۰﴾ۚ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ

مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۱﴾

موسیٰ[۱۰] (کے حالات) میں بھی (تمہارے لیے) نشانی ہے، جب ہم نے اسے ایک واضح سند کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا تو فرعون نے گھمنڈ کے ساتھ منہ موڑا اور بولا: "یہ شخص تو ایک جادوگر ہے یا مجنون ہے۔" آخر کار ہم نے فرعون اور اُس کی فوج کو پکڑا، اُن کو سمندر میں پھینک دیا اور وہ ملامت زدہ ہو کر رہ گیا۔

عاد (کی سرگزشت) میں بھی نشانی ہے، جبکہ ہم نے اُن پر خیر سے خالی ہوا بھیج دی۔ وہ ہوا جس چیز پر سے بھی گزرتی، اُسے ریزہ

ریزہ کر کے چھوڑتی۔

ثمود (کے واقعے) میں بھی عبرت ہے، جب اُن سے کہا گیا کہ تھوڑی مدت کے لیے اور عیش کرلو۔ انھوں نے سرکشی کر کے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی۔ آخر کار اُن کے دیکھتے دیکھتے ایک کڑک نے اُن کو آ پکڑا۔ پھر نہ وہ اٹھ سکے اور نہ اپنا بچاؤ کر سکے۔

اِن سب سے پہلے (ہم نے) قومِ نوح کو بھی (ہلاک کیا) کیونکہ وہ نافرمان لوگ تھے۔

ہم نے آسمان کو اپنی قدرت کے ذریعے سے پیدا کیا اور ہم بڑی ہی وسعت رکھنے والے ہیں[11]۔ زمین کو ہم نے بچھایا اور ہم کیا ہی خوب بچھانے والے ہیں! ہر چیز سے ہم نے جوڑے پیدا کیے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو[12]۔ پس (اے نبیؐ، اِن لوگوں سے کہو:) ''دوڑو اللہ کی طرف۔ میں اللہ کی طرف سے تمھارے لیے ایک صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو شریک نہ بناؤ۔ میں اللہ کی طرف سے تمھارے لیے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔'' ۳۸-۵۱

[۱۰] آگے کی آیات میں بطور مثال ان چار اقوام کی داستان کی طرف مختصر اشارہ کیا گیا ہے جن کے پاس رسول آئے، لیکن ان کی ایک بڑی تعداد نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا جس کے نتیجے میں ان پر آخرت سے پہلے اسی دنیا میں بھی عذاب آیا۔ ان سب داستانوں میں حضورؐ کے مخاطبین کے لیے یہ سبق تھا کہ تم میں سے جو بھی حضورؐ کی مخالفت کرے گا اور ایمان قبول نہیں کرے گا، اسے اسی دنیا میں ہلاک کر دیا جائے گا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ دھمکی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔

[۱۱] یعنی نہ صرف یہ کہ ہم ہی نے اس کائنات کو تخلیق کیا ہے، بلکہ ہم اس میں مسلسل توسیع بھی کر رہے ہیں اور ہر آن اس کائنات میں ہماری تخلیق کے نئے نئے کرشمے ظاہر ہو رہے ہیں۔

[۱۲] کائنات کی سب چیزیں جوڑوں کی شکل میں ہیں۔ ہر چیز میں جو کمی نظر آتی ہے، وہ اس کے جوڑے کے ساتھ مل کر پوری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس دنیا کا جوڑا آخرت ہے۔ اگر آخرت کو نہ مانا جائے تو یہ دنیا بالکل عبث چیز بن جاتی ہے، لیکن آخرت کو مان لینے کے بعد یہ دنیا ایک بامقصد اور باحکمت چیز بن جاتی ہے۔

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ

هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾
فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾

پہلے بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ اِن (مشرکینِ عرب) سے پہلے کی قوموں کے پاس جو رسول بھی آیا، اُس کو انھوں نے جادوگر یا دیوانہ کہا۔ کیا اِن منکرینِ حق نے آپس میں ایک دوسرے کو اِس کی وصیت کر چھوڑی ہے (کہ یہ لوگ ہر رسول پر یہی الزام لگائیں گے)۔ دراصل یہ ہیں ہی سرکش لوگ[۱۳] پس اے نبیؐ، تم اِن سے رُخ پھیر لو، تم پر کوئی الزام نہیں[۱۴]۔ البتہ نصیحت کرتے رہو، کیونکہ یاددہانی و نصیحت اہلِ ایمان کو نفع پہنچاتی ہے۔

میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری بندگی کریں۔ میں اُن سے کوئی رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں[۱۵]۔ بلاشبہ اللہ خود ہی روزی رساں، زور آور اور قوت والا ہے۔

پس اِن ظالموں (یعنی نبیؐ کے دشمنوں) کے لیے بھی ویسا ہی پیمانہ مقرر ہے، جیسا اُن کے اگلے دوستوں کے لیے تھا۔ تو یہ لوگ جلدی نہ مچائیں۔ اِن منکرینِ حق کے لیے اُن کے اُس دن کے سبب سے بڑی خرابی ہے، جس کی اِن کو دھمکی دی جارہی ہے[۱۶]۔ ۵۲-۶۰

[۱۳] یعنی یہ لوگ اپنی سرکشی کی وجہ سے اس طرح کے الزامات لگا رہے ہیں ورنہ ان کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ان کے الزمات غلط ہیں۔

[۱۴] قرآن نے غلط الزامات لگانے والوں کو ہمیشہ دلیل پر مبنی جواب دیا ہے اور پھر حضوؐر سے کہا ہے کہ اگر یہ لوگ غلط الزامات دہراتے رہیں تو بار بار ان کا جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

[۱۵] اللہ اپنے بندوں سے صرف یہی چاہتا ہے کہ وہ اللہ کی بندگی کریں اور اس کے احکام پر چلیں۔ اس میں خود انسانوں ہی کا بھلا ہے۔ اللہ اور اس کی طرف بلانے والے بندے لوگوں سے اپنے لیے کچھ نہیں چاہتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضوؐر اور خلفاے راشدین بالکل ایک عام آدمی کی سطح کی زندگی بسر کرتے تھے۔

[۱۶] یعنی حضوؐر کے ہر مخالف کے لیے ایک ایسا دن آئے گا، جب اس پر تباہی آئے گی۔ یہ دن اس کے لیے بڑی ہی خرابی کا دن ہوگا۔ بعد کے حالات نے اس دھمکی کو پوری طرح سچ ثابت کر دکھایا اور حضوؐر کے ہر دشمن کو سزا مل کر رہی۔

ان آیات پر اس سورہ کا اختتام ہوتا ہے۔

سورۂ طور

[۵۲]

نام

اس سورہ کے پہلے ہی لفظ سے یہ نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ سورہ حضوؐر پر مکہ معظمہ کے درمیانی دور میں سورۂ ذاریات کے بعد نازل ہوئی۔ اس سورہ میں حضوؐر کے مخاطبین کو یہ دھمکی دی گئی ہے کہ اگر انھوں نے اپنی روش نہ بدلی تو ان کے اوپر عذاب آ کر رہے گا اور کوئی بھی اس کو ٹال نہ سکے گا۔ اس کے علاوہ اس سورہ میں اس مضمون سے تعلق رکھنے والے کئی دوسرے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

ركوعاتها ۲ | سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ | اٰیاتها ۴۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالطُّوْرِ ﴿۱﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ﴿۲﴾ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ﴿۳﴾ وَّالْبَیْتِ الْمَعْمُوْرِ ﴿۴﴾ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ﴿۵﴾
وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ﴿۶﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ﴿۸﴾ یَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ﴿۹﴾ وَّتَسِیْرُ
الْجِبَالُ سَیْرًا ﴿۱۰﴾ فَوَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۱۱﴾ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ خَوْضٍ یَّلْعَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ یَوْمَ یُدَعُّوْنَ اِلٰی وقف لازم
نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿۱۳﴾ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱۵﴾
اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ
جَنّٰتٍ وَّنَعِیْمٍ ﴿۱۷﴾ فٰكِهِیْنَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ﴿۱۸﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓئًۢا
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ مُتَّكِئِیْنَ عَلٰی سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ ﴿۲۰﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

گواہ ہے کوہِ طور اور وہ جلی کے کھلے اوراق میں لکھی ہوئی کتاب[1]۔ گواہ ہے آباد گھر، بلند چھت[2] اور لبریز سمندر کہ تیرے رب کا عذاب واقع ہوکر رہے گا اور کوئی بھی اُس کو ٹالنے والا نہیں بن سکے گا[3]۔

(اُس دن کو یاد رکھو،) جب آسمان ڈانواں ڈول ہوجائے گا اور پہاڑ چلنے لگ جائیں گے۔ پس تباہی ہے اُس دن اُن جھٹلانے والوں کے لیے جو دلیلیں گھڑتے ہوئے کھیل کود رہے ہیں[4]۔ جس دن انھیں دھکے دے دے کر جہنم کی آگ کی طرف لے جایا جائے گا۔ (اُس وقت اُن سے کہا جائے گا): ''یہ ہے وہ آگ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ (اب بتاؤ) کیا یہ جادو ہے یا تمھیں (کوئی جواب) نہیں سوجھ رہا؟ اِس میں داخل ہوجاؤ۔ اب تم خواہ صبر کرو یا نہ کرو، تمھارے لیے یکساں ہے۔ تم بدلے میں وہی پا رہے ہو جیسے عمل تم نے کیے تھے۔

بے شک، متقی بندے (وہاں) باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔ وہ اُن نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے جو اُن کا رب انھیں دے گا۔ اُن کا رب انھیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ (اُن سے کہا جائے گا:) ''کھاؤ اور پیو مزے سے، اپنے اُن اعمال کے صلے میں جو تم نے کیے۔'' وہ صف بہ صف تختوں پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے اور ہم خوب صورت آنکھوں والی حوریں اُن سے بیاہ دیں گے[۵] ۱۔۲۰

[۱] یہاں مراد تورات ہے کیونکہ اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو کوہ طور پر ہی یہ کتاب عطا فرمائی۔ 'رق' باریک کھال کو کہتے ہیں۔ تورات ابتدا میں صاف کی ہوئی باریک کھال پر لکھی جاتی، پھر اسے لپیٹ کر رکھا جاتا اور تلاوت کے وقت ان کو پھیلا لیا جاتا۔

[۲] سارے مفسرین کے نزدیک 'اونچی چھت' سے مراد آسمان ہے۔ جہاں تک 'آباد گھر' کے الفاظ کا تعلق ہے، بعض مفسرین اس سے مراد بیت اللہ لیتے ہیں اور کچھ مفسرین کے خیال میں یہ جنت کے اندر ایک گھر ہے۔ مولانا اصلاحی کے خیال میں اس سے مراد روے زمین ہے کیونکہ یہی مطلب آگے آنے والے لفظ یعنی آسمان سے مناسبت رکھتا ہے۔

[۳] یہ ہے وہ اصل بات جس پر اوپر پانچ چیزوں کو گواہ بنایا گیا۔ کوہ طور وہی جگہ ہے، جہاں حضرت موسیٰؑ کو پہلی مرتبہ اللہ کی تجلی کا مشاہدہ ہوا، یہیں وہ رسالت سے سرفراز ہوئے، فرعون کی ہلاکت کے بعد اسی پہاڑ پر اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو تورات دینے کے لیے بلایا اور جب بنی اسرائیل سے انتہائی بڑا گناہ سرزد ہوا تو اسی پہاڑ کے دامن میں حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کے سب سرداروں کو لے کر حاضر ہوئے۔ تورات اللہ کی طرف سے نازل کردہ پہلی تحریری کتاب ہے۔ اس میں اللہ کی طرف سے حضرت موسیٰؑ کو مخاطب کر کے جو ہدایات دی گئی ہیں، ان کا ایک بڑا حصہ تحریف سے محفوظ ہے۔ اسی طرح زمین میں اللہ نے اپنے بندوں کی پرورش کے لیے جو بے شمار اسباب و وسائل مہیا فرمائے ہیں، وہ اس بات کی دلیل ہیں کہ اس دنیا میں انسان شتر بے مہار نہیں، بلکہ اپنے رب کے آگے جواب دہ ہے۔ یہ آسمان جس کے اندر کارفرما قوانین اور سورج و چاند کی وجہ سے اس زمین کی آبادی اور یہاں ہوا ممکن ہوئی، اللہ کی عظیم قدرت کو ظاہر کر رہا ہے۔

درج بالا سارے حقائق اس بات کی دلیل ہیں کہ قیامت لازماً واقع ہو کر رہے گی اور غلط کار لوگوں کو سزا ملے گی۔

[۴] 'خوض' کا لفظ حق کی مخالفت اور باطل کی حمایت میں فضول دلیل بازیوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ منکرین حق اپنی خواہشات نفس کی تسکین کے لیے آخرت کا انکار کرتے ہیں تاکہ انھیں حساب کتاب کی فکر کیے بغیر دنیا میں کھیل کود کا موقع ملے۔

[۵] حور کا مطلب ہے گوری عورت۔ ممکن ہے کہ ہر شخص کی اسی دنیا میں شریک حیات کو آخرت میں آخری درجے میں حسین بنا کر اس کے ساتھ بیاہ دیا جائے۔ آگے کی آیت میں اولاد کا ذکر ہے، اس سے بھی اس خیال کو تقویت ملتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ
كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا

لَا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَأْثِيْمٌ ﴿٢٣﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿٢٤﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ
عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٥﴾ قَالُوْٓا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ أَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ
السَّمُوْمِ ﴿٢٧﴾ إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ إِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿٢٨﴾ فَذَكِّرْ فَمَآ أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ
وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿٢٩﴾ أَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿٣٠﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَإِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ
الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿٣١﴾ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿٣٢﴾ أَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا
يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَأْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ إِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿٣٤﴾

جولوگ ایمان لے آئے اور اُن کی اولاد نے بھی ایمان میں اُن کی پیروی کی، ایسے لوگوں کے ساتھ ہم اُن کی اولاد کو بھی اکٹھا کردیں گے اور اُن کے عمل میں ذرا بھی کمی نہیں کریں گے۔[6] ہر شخص اپنی اس کمائی کے بدلے میں رہن رکھا گیا[7] ہے جو اس نے کی ہوگی۔ ہم اُن کی پسند کے میوے اور گوشت اُن کو برابر دیتے رہیں گے۔ اُن کے درمیان (ایسی شراب کے) پیالوں کی گردش ہو رہی ہوگی جو لغویت اور گناہ سے پاک ہوگی۔ محفوظ موتیوں کے مانند لڑکے اُن کی خدمت میں سرگرم ہوں گے۔

یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے ایک دوسرے کا حال دریافت کریں گے۔ وہ کہیں گے: ''ہم اِس سے پہلے اپنے خاندان والوں کے بارے میں بڑے ہی چوکنے رہے، اس لیے اللہ نے ہم پر اپنا فضل فرمایا اور ہمیں جُھلسا دینے والی ہوا کے عذاب سے بچالیا۔ ہم پچھلی زندگی میں اللہ ہی سے دعائیں مانگتے تھے۔ بے شک، اللہ بڑا ہی وعدہ پورا کرنے والا اور مہربان ہے۔[8]''

پس اے نبیؐ، تم نصیحت کرتے رہو، اپنے رب کے فضل سے نہ تم کاہن ہو اور نہ مجنون[9]۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شخص ایک شاعر ہے، جس کے لیے ہم زمانے کے اُلٹ پھیر کے منتظر ہیں[10]؟ اِن سے کہہ دو: ''تم انتظار میں رہو، میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں[11]۔'' کیا اِن لوگوں کی عقلیں ان کو یہی باتیں سجھاتی ہیں یا یہ دراصل ہیں ہی سرکش لوگ؟ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اِس شخص نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان لانا ہی نہیں چاہتے۔ اگر یہ لوگ (اپنے اِس قول میں) سچے ہیں تو اِسی شان کا ایک کلام بنا لائیں[12] ۲۱-۳۴

[۶] یہ نیک لوگوں پر اللہ کی طرف سے ایک فضل ہوگا کہ ان کی وہ اولاد جو نعمت ایمان سے مالا مال ہوگی، لیکن عمل میں اس مرتبے کی مستحق نہ ہوگی جوان کے والدین کا تھا، اس کے باوجود ان کی اولاد کے درجے بلند کر کے انھیں اپنے والدین سے ملادیا جائے گا تا کہ ان کے والدین کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔

[۷] بنیادی طور پر ہر شخص کے اپنے اعمال ہی اس کے کام آئیں گے۔ جہاں تک اوپر بیان کی گئی رعایت کا تعلق ہے، یہ اللہ کا ایک خصوصی فضل ہوگا۔

[۸] اس سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ درج بالا خصوصی فضل ان والدین پر ہوگا جنھوں نے دنیا میں اپنے بچوں کی تربیت میں کوئی کوتاہی نہ کی ہوگی۔

[۹] اُس زمانے میں 'کاہن' دراصل جوتشی اور غیب گو کو کہا جاتا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ ایک مستقل پیشہ تھا۔ یہ لوگ کھوئی ہوئی چیزوں یا چوری وغیرہ کے بارے میں معلومات فراہم کرتے تھے۔ یہ لوگ دعویٰ کرتے تھے کہ ان کا ارواح، شیاطین اور جنات سے ایک خصوصی تعلق ہے۔ یہ لوگ ذومعنی قسم کے فقرے اور مشکل الفاظ بولتے تھے تا کہ ہر شخص اس سے اپنے مطلب کی بات نکال لے۔ قریش کے سردار لوگوں کو دھوکا دینے کی خاطر حضورؐ کے متعلق یہ پروپیگنڈا کرتے تھے کہ یہ شخص تو محض ایک کاہن ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ پروپیگنڈا سراسر جھوٹ پر مبنی تھا۔

حضورؐ کے متعلق سرداران قریش کا ایک اور پروپیگنڈا یہ تھا کہ یہ تو (نعوذ باللہ) ایک مجنون شخص ہے، جو الٹی سیدھی ہانکتا رہتا ہے۔

[۱۰] کچھ لوگ حضورؐ کے متعلق یہ پروپیگنڈا کرتے تھے کہ یہ تو دراصل ایک شاعر ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے قویٰ مضمحل ہو جائیں گے اور بالآخر ہم اس سے نجات پا جائیں گے۔

[۱۱] قرآن کے اس جواب میں بڑا زور ہے۔ یعنی یہ کہ ہم دونوں فریق اللہ کے فیصلے کا انتظار کر رہے ہیں اور اللہ نے پہلے سے ہی یہ اعلان کر دیا ہے کہ حضورؐ کے مخالفین کو نیست و نابود کر دیا جائے گا۔

[۱۲] قرآن مجید ایک عظیم فکر و فلسفہ پیش کرتا ہے، انسانی زندگی کے لیے بہترین ہدایات دیتا ہے، ایک بہت بڑی پیشین گوئی کرتا ہے اور اس کی زبان و بیان سب سے منفرد ہے۔ اسی لیے قرآن نے یہ چیلنج دیا کہ اگر کوئی انسان اس طرح اور اتنی خوبیوں والا کلام پیش کر سکتا ہے تو قرآن کے سب مخالفین مل کر اس سے مخالف نظریے کے لیے اس شان کا کلام تخلیق کرنے کی کوشش کریں۔

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿۳۵﴾ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ ﴿۳۶﴾
أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴿۳۷﴾ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ ۖ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُم
بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿۳۸﴾ أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ﴿۳۹﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿۴۰﴾ أَمْ
عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿۴۱﴾ أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ﴿۴۲﴾ أَمْ لَهُمْ
إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۴۳﴾ وَإِن يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ

مَّرْكُومٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا

وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاصْبِرْ

لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾

اے نبیؐ، کیا یہ (تیرے مخالفین) بغیر کسی خالق کے خود ہی پیدا ہو گئے ہیں یا یہ لوگ خود ہی اپنے خالق ہیں؟ کیا آسمان و زمین کو اِن لوگوں نے پیدا کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ یقین نہیں رکھتے۔

کیا تیرے رب کے خزانے اِن کے قبضے میں ہیں یا (اُن خزانوں پر) اِن لوگوں کا حکم چلتا ہے؟ کیا اِن کے پاس کوئی ایسی سیڑھی ہے جس پر (چڑھ کر) یہ لوگ (آسمان کی باتیں) سن لیتے ہیں؟ (اگر ایسا ہے) تو اِن باتوں کا سننے والا کوئی واضح دلیل پیش کرے۔ (اِن کے مضحکہ خیز عقائد کا تو یہ حال ہے کہ انھوں نے اللہ کے لیے بیٹیاں بنا ڈالیں۔ یہ لوگ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ) کیا اللہ کے لیے تو بیٹیاں ہوں اور تمھارے لیے بیٹے ہوں؟[۱۳]

اے نبیؐ، کیا تم اِن لوگوں سے کوئی اجر مانگتے ہو کہ وہ اس تاوان کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں؟[۱۴] کیا اِن لوگوں کے پاس غیب کا علم ہے جس سے وہ (تمام ضروری باتیں معلوم کر کے) لکھ لیتے ہوں؟ کیا یہ لوگ کوئی چال چلنا چاہتے ہیں؟ (اگر یہ بات ہے) تو (یاد رکھیں) کہ جنھوں نے انکارِ حق کیا، وہی اِس چال میں گرفتار ہوں گے۔[۱۵]

کیا یہ لوگ اللہ کے سوا کوئی اور معبود رکھتے ہیں؟ اللہ پاک ہے اُس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔

اے نبیؐ، اگر یہ منکرینِ حق آسمان سے کوئی ٹکڑا بھی گرتا ہوا دیکھ لیں تو یہی کہیں گے کہ یہ تو تہ بہ تہ بادل ہیں۔[۱۶] پس اِنھیں (اِن کے حال پر) چھوڑ دو، یہاں تک کہ یہ اپنے اُس دن سے دوچار ہوں جس میں اِن کے ہوش جاتے رہیں گے۔ اُس دن اِن کی کوئی چال اِن کے کسی کام نہ آئے گی اور (کہیں سے بھی) اِن کی کوئی مدد نہ ہو گی۔

اِن ظالموں کے لیے اس کے علاوہ بھی سزا ہے، لیکن اِن میں بہت سے اُس سزا کو نہیں جانتے۔[۱۷]

اے نبیؐ، تم صبر کے ساتھ اپنے رب کے فیصلے کا انتظار کرو، بے شک، تم ہماری نگاہ میں ہو۔ جس وقت تم اٹھو تو اپنے رب کی تسبیح کرو اُس کی حمد کے ساتھ۔ رات میں بھی اپنے رب کی تسبیح کیا کرو اور ستاروں کے پیچھے ہٹنے کے وقت بھی رب کی تسبیح کرو۔[۱۸] ۳۵-۴۹

[۱۳] یعنی یہ لوگ محض اپنے اوہام کی بنیاد پر اپنے عقائد تصنیف کر رہے ہیں۔ ان کے غلط عقائد کا یہ حال ہے کہ نہ صرف یہ کہ اللہ کے شریک ٹھہراتے

ہیں، بلکہ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ کم از کم اپنے رب کے لیے اس چیز کو تو پسند نہ کرتے، جسے یہ لوگ اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔ لیکن ان لوگوں نے دہری حماقت کی۔ ایک تو بغیر کسی دلیل کے شرک کیا، اور پھر شریک بھی بنایا تو ایسی چیزوں کو جن کو اپنا شریک بنانا انھیں گوارا نہیں۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ مشرکین عرب کے ہاں سب سے اونچا درجہ تین دیویوں کا تھا، جن کے متعلق ان کا گمان تھا کہ یہ اللہ کی چہیتی بیٹیاں ہیں اور جو چاہیں اپنے باپ سے منوا سکتی ہیں۔ اس کی تفصیل اگلی سورہ میں آئے گی۔

[۱۴] پیغمبر اور پیغمبر کی اتباع میں تمام صالحین لوگوں سے اپنی ذات کے لیے کبھی کچھ نہیں مانگتے۔

[۱۵] یعنی خواہ یہ لوگ حضورؐ کے خلاف کتنی ہی چالیں چلنے کی کوشش کریں، اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ مخالفین ہلاک ہوں گے۔ ہر رسول کے مخالفین کے لیے اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے۔

[۱۶] یعنی یہ مخالفین اپنی خواہشات نفس کی پیروی میں اتنے اندھے ہو گئے ہیں کہ اگر آسمان سے عذاب آتا ہوا دیکھ لیں تو اپنے آپ کو یہی دھوکا دیں گے کہ یہ تو ابر کرم ہے۔ اس فقرے میں ثمود کے تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

[۱۷] آخرت کی سزا تو سب ظالموں کے لیے ہے، لیکن رسول کے براہ راست مخالفین کو اللہ کی طرف سے آخرت کی سزا کے علاوہ اس دنیا میں بھی ایک واضح سزا ملتی ہے۔ حضورؐ سے پہلے سارے رسولوں کے جھٹلانے والوں پر یہ سزا نافذ ہوئی اور حضورؐ کے دشمنوں پر بھی یہ سزا صحابۂ کرامؓ کے ذریعے سے قسطوں میں نازل ہوئی حتیٰ کہ ایک ایک دشمن کو سزا مل کر رہی اور پوری سرزمین عرب شرک سے پاک ہو گئی۔

[۱۸] ہر معاملے میں اپنے موقف پر قائم رہتے ہوئے ٹھنڈے دل کے ساتھ اللہ کے فیصلے کا انتظار ضروری ہے۔ اس صبر کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ نماز اور اللہ کو ہمہ وقت یاد رکھنا ہے۔

ان آیات کے ساتھ اس سورہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

سورۂ نجم

[۵۳]

نام

اس سورہ کے پہلے ہی لفظ سے یہ نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ سورہ دورِ مکہ میں سورۂ طور کے بعد نازل ہوئی۔ اس سورہ کا موضوع بھی توحید، رسالت، آخرت اور ان عقائد کے مختلف پہلو ہیں۔

سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ
يُّوْحٰى ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ﴿۵﴾ ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ﴿۶﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿۸﴾
فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴿۹﴾ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ
عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ
يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

(اے قریش کے لوگو)، یہ غروب ہوتے ہوئے ستارے گواہ ہیں کہ تمھارا ساتھی نہ بھٹکا ہے اور نہ گمراہ ہوا ہے[۱]۔ وہ اپنے نفس کی خواہش سے کچھ نہیں بولتا۔ یہ تو بس ایک وحی ہے جو اُس پر نازل کی جاتی ہے۔ اِس رسول کو ایک زبردست قوت والے اور عاقل ودانا (فرشتے یعنی جبریلؑ) نے یہ تعلیم دی ہے[۲]۔ وہ اُس وقت نمودار ہوا، جب وہ 'افقِ اعلیٰ' میں تھا[۳]، پھر وہ قریب ہوگیا اور جُھک پڑا، یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اِس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا[۴]۔ تب اُس نے اللہ کے بندے کو وہ وحی پہنچائی جو اُسے پہنچانی تھی۔ جو کچھ اُس بندے نے دیکھا، دل نے اُس میں جھوٹ نہ ملایا[۵]۔ پس اے قریش کے لوگو، کیا تم اُس چیز (یعنی وحی) پر اِس بندے سے جھگڑتے ہو جس کا وہ مشاہدہ کررہا ہے۔

اُس بندے نے اُس (فرشتے) کو ایک بار اور بھی 'سدرۃ المنتہیٰ' کے پاس اترتے دیکھا[۶]، اس کے قریب ہی 'جنت الماویٰ' ہے[۷]۔ اُس وقت 'سِدرہ' پر جو کچھ چھا رہا تھا، بس وہی چھا رہا تھا[۸]۔ (لیکن اُس وقت بھی اِس بندے کی) نہ نگاہ کج ہوئی اور نہ حد سے بے قابو ہوئی[۹]۔ (اُس وقت) اِس بندے نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کیا[۱۰]۔ ۱-۱۸

[۱] زمانۂ قدیم سے توہم پرست لوگ ستاروں کی چال کے اثر اور ستاروں، جنات اور نجومیوں کے تعلق کے قائل رہے ہیں۔ یہاں قرآن مجید نے

ستاروں کی صفت 'غروب ہونے والوں' بیان کر کے ان تمام توہمات کی جڑ کاٹ دی ہے اور اس امر کی بھی تردید کر دی ہے کہ حضوؐر بھی اس قسم کے کسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ نجومی، یہ غیب دان اور یہ نام نہاد ماہرین عملیات جو ارواح سے رابطے کے دعوے کرتے ہیں، دراصل بھٹکے ہوئے اور گمراہ لوگ ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا پیغمبر ایک عظیم حقیقت کے ساتھ اس دنیا میں آتا ہے۔

'صاحب' کے معنی ہیں دوست، ساتھی، پاس رہنے والا اور ساتھ اٹھنے بیٹھنے والا۔ یہاں حضوؐر کو 'تمھارا صاحب' کہا گیا ہے یعنی یہ کہ وہ کوئی اجنبی آدمی نہیں ہے، بلکہ تم سب اس کے اخلاق و کردار اور سیرت سے اچھی طرح واقف ہو۔

[۲] حضرت جبریلؑ کی یہ صفات یہاں اس غرض سے بیان کی گئی ہیں تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ حضوؐر پر نازل کردہ وحی محفوظ ترین اور خالص ترین شکل میں آپ تک پہنچی ہے۔

[۳] 'افق اعلیٰ' کا مطلب ہے مشرق کی طرف سے نمایاں ہو کر دوپہر کے سورج اور چودھویں کے چاند کا وہ افق جو بالکل صاف، شفاف اور غیر مشتبہ صورت میں نظر آئے۔

[۴] یعنی یہ سارا کام بہت بڑے اہتمام کے ساتھ ہوا اور حضرت جبریلؑ اس وقت حضوؐر سے اتنے قریب ہو گئے کہ بس دو کمانوں کے برابر کا فاصلہ رہ گیا۔ یہ ایسی ہی تشبیہ ہے جس طرح ہم ایک گز یا دو گز کے الفاظ بولتے ہیں۔

[۵] یعنی یہ مشاہدہ کوئی دل کی خیال آرائی یا نفس کا فریب نہیں تھا، بلکہ دن کی روشنی میں اور پوری بیداری کی حالت میں ہوا۔

[۶] 'سدرہ' کے معنی ہیں بیری کا درخت اور 'منتہیٰ' کے معنی ہیں آخری سرا۔ گویا یہ مادی کائنات کا وہ آخری سرا ہے جس سے آگے خالصتاً تجلیات ہیں۔ یہ سب چیزیں متشابہات میں داخل ہیں اور ان کی اصل حقیقت صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

[۷] 'جنت الماویٰ' کے لفظی معنی ہیں 'وہ جنت جو قیام گاہ بنے'۔ گویا یہ تجلیات کے جہان کا نقطۂ آغاز ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضوؐر کو حضرت جبریلؑ کا دوبارہ مشاہدہ دونوں جہانوں کی سرحد پر ہوا۔

[۸] یعنی اس وقت 'سدرہ' پر انوار و تجلیات کی ایسی بارش تھی کہ اس کی تعبیر الفاظ کی گرفت میں نہیں آسکتی۔

[۹] 'زیغ' کے معنی ہیں 'کج ہونا'۔ 'طغیٰ' کے معنی ہیں 'بے قابو ہونا'۔ یعنی اگرچہ عام انسان کے لحاظ سے وہاں ایک ایسی کیفیت تھی کہ الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں، لیکن اس وقت بھی حضوؐر کی نگاہ ذرہ برابر بے قابو نہیں ہوئی، بلکہ آپؐ نے ہر چیز کا مشاہدہ پورے سکون کے ساتھ کیا۔

[۱۰] اللہ کی طرف سے اپنے ہر پیغمبر کو حالات کے مطابق کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے۔ چونکہ حضوؐر آخری رسول تھے اور قرآن مجید آخری الہامی کتاب ہے، اس لیے اللہ نے حضوؐر کو کچھ عظیم ترین نشانیوں کا مشاہدہ کرایا۔ یہ وہی مشاہدات ہیں جو حضور کو معراج کے موقع پر ہوئے۔ رسول کو یہ مشاہدات اس غرض سے کرائے جاتے ہیں تاکہ وہ پورے دعوے کے ساتھ اللہ کا نمائندہ اور عدالت بن کر دنیا میں حق کا اعلان کرے۔

اَفَرَءَیۡتُمُ اللّٰتَ وَالۡعُزّٰی ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الۡاُخۡرٰی ﴿۲۰﴾ اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَہُ الۡاُنۡثٰی ﴿۲۱﴾ تِلۡکَ اِذًا قِسۡمَۃٌ
ضِیۡزٰی ﴿۲۲﴾ اِنۡ ہِیَ اِلَّاۤ اَسۡمَآءٌ سَمَّیۡتُمُوۡہَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُکُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ بِہَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا
الظَّنَّ وَمَا تَہۡوَی الۡاَنۡفُسُ ۚ وَلَقَدۡ جَآءَہُمۡ مِّنۡ رَّبِّہِمُ الۡہُدٰی ﴿۲۳﴾ اَمۡ لِلۡاِنۡسَانِ مَا تَمَنّٰی ﴿۲۴﴾ فَلِلّٰہِ الۡاٰخِرَۃُ
وَالۡاُوۡلٰی ﴿۲۵﴾ وَکَمۡ مِّنۡ مَّلَکٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغۡنِیۡ شَفَاعَتُہُمۡ شَیۡئًا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ یَّاۡذَنَ اللّٰہُ لِمَنۡ
یَّشَآءُ وَیَرۡضٰی ﴿۲۶﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ لَیُسَمُّوۡنَ الۡمَلٰٓئِکَۃَ تَسۡمِیَۃَ الۡاُنۡثٰی ﴿۲۷﴾ وَمَا لَہُمۡ بِہٖ
مِنۡ عِلۡمٍ ؕ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ الۡحَقِّ شَیۡئًا ﴿۲۸﴾ فَاَعۡرِضۡ عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰی ۬ۙ عَنۡ
ذِکۡرِنَا وَلَمۡ یُرِدۡ اِلَّا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِکَ مَبۡلَغُہُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ ؕ اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ
وَہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اہۡتَدٰی ﴿۳۰﴾ ع

(اے مشرکینِ عرب،) بھلا تم نے کبھی غور کیا ہے اس 'لات'، 'عزیٰ' اور تیسری ایک اور دیوی 'منات' کی حقیقت پر؟[11] تم اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہو اور اللہ کے لیے بیٹیاں! یہ تو بڑی ہی بھونڈی تقسیم ہوئی۔[12] یہ تو محض چند نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ چھوڑے ہیں، اللہ نے اِن بتوں کے لیے کوئی سند نازل نہیں کی۔ دراصل یہ مشرکین محض گمان اور نفس کی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں، حالانکہ اُن کے پاس ان کے رب کی جانب سے نہایت واضح ہدایت آچکی ہے۔

کیا انسان وہ سب کچھ پالے گا جس کی وہ تمنا رکھتا ہے؟ پس (یاد رکھو کہ) آخرت اور دنیا، سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔[13]

آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے موجود ہیں، لیکن اُن کی سفارش (اِن مشرکین کے) ذرا بھی کام آنے والی نہیں، سوائے اس کے کہ اللہ جس کو چاہے اجازت دے اور جس کے لیے (شفاعت کو) پسند کرلے۔[14]

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، انھوں نے فرشتوں کے نام عورتوں کے نام پر رکھ چھوڑے ہیں، حالانکہ اس معاملے میں انھیں کوئی علم نہیں۔ یہ لوگ محض گمان کی پیروی کر رہے ہیں، جبکہ گمان کسی درجے میں بھی حق کا بدل نہیں ہوسکتا۔[15]

پس اے نبیؐ، جن لوگوں نے ہماری نصیحت سے منہ موڑا اور جن کا مطلوب صرف یہی دنیا کی زندگی ہے، تم اُن کو نظر انداز کر دو۔ اِن لوگوں کے علم کی رسائی بس یہیں تک ہے[۱۶]۔ تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون لوگ اللہ کے راستے سے بھٹک گئے ہیں اور کون سیدھے راستے پر ہیں۔ ۱۹-۳۰

[۱۱] لات، عزیٰ اور منات سرزمین عرب میں پوجی جانے والی سب سے بڑی دیویاں تھیں۔ منات باقی دونوں دیویوں سے نسبتاً کم تر درجے کی تھی۔ ان مشرکین کے نزدیک ان دیویوں کے بت دراصل فرشتوں کی نمائندگی کرتے تھے اور چونکہ ان مشرکین کے خیال میں فرشتے عورتیں تھیں، اس لیے انھوں نے ان بتوں کے نام بھی نسوانی رکھے تھے۔

[۱۲] قرآن نے کئی مقامات پر مشرکین کے اس دہرے معیار کی طرف توجہ دلائی ہے کہ یہ لوگ اپنے لیے تو بیٹیوں کو باعث شرم سمجھتے ہیں اور پروردگار کے لیے انھوں نے بیٹیاں تصنیف کر ڈالی ہیں۔ واضح رہے کہ اس سے خواتین کی تحقیر مقصود نہیں ہے، بلکہ مشرکین کے دہرے معیار کی طرف توجہ دلانی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مشرکین اپنی بیٹیوں کے ساتھ جو سلوک کرتے تھے، اس پر قرآن نے جابجا انتہائی سخت تنقید کی ہے۔

[۱۳] اس دنیا میں ہر انسان کی بے شمار خواہشات ہوتی ہیں، لیکن ان میں سے صرف چند ہی پوری ہوتی ہیں۔ یہاں مشرکین کو یہ توجہ دلائی گئی ہے کہ اگر تم لوگ اپنی ناجائز خواہشات نفس کی تسکین کے لیے شرک کر رہے ہو تو یہ تمھارے لیے کوئی فائدے کا سودا نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس شرک کے باوجود اس دنیا میں تمھاری ساری خواہشات پوری نہیں ہو سکتیں۔ ان کا پورا کرنا یا نہ کرنا اللہ کے فیصلے پر منحصر ہے، اس لیے تمھارے لیے بہتر یہ ہے کہ تم توحید کا راستہ اختیار کرلو۔

[۱۴] یہ مشرکین اس عقیدے کے ساتھ ان دیویوں کی عبادت کرتے تھے کہ اس طرح ہم ان فرشتوں کو خوش کرلیں گے اور یہ فرشتے اللہ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے۔ یہاں قرآن نے ان کے اس غلط عقیدے کی تردید کی ہے۔

[۱۵] یعنی کسی پیغمبر سے ایسا شرکیہ عقیدہ نقل نہیں ہوا، نہ کسی آسمانی کتاب میں شرک کے لیے کوئی دلیل اتری ہے۔ یہ لوگ محض اپنے گمانوں کی پیروی کر رہے ہیں، جبکہ یہ ضروری ہے کہ صرف اور صرف حق کی پیروی کی جائے۔

[۱۶] رسول کا اصل کام حق کے پیغام کو واضح طور پر پہنچانا ہوتا ہے۔ اگر بار بار حق واضح کرنے کے باوجود کوئی شخص اس کو نہ مانے تو پھر رسول پر مزید کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِیَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِیَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا
بِالْحُسْنٰی ﴿۳۱﴾ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ
بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ

اتَّقٰى ﴿۳۲﴾ اَفَرَاَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾
اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰى ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ وَاَنْ
لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾ وَاَنَّ اِلٰى
رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ
الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿۴۸﴾
وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَا ۨالْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ وَثَمُوْدَاۡ فَمَآ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ
اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿۵۲﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ
تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾
اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ
وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾ السجدة

آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ کے اختیار میں ہے، (اللہ نے جن وانس کو آزمائش سے گزارنے کے لیے پیدا کیا ہے) تاکہ اللہ بُرائی کرنے والوں کو اُن کے عمل کا بدلہ دے اور اُن لوگوں کو بھی بدلہ دے جنھوں نے بہترین طریقے سے اچھے کام کیے، جو بڑے بڑے گناہوں اور کھلی بے حیائیوں سے بچتے رہے، سوائے اس کے کہ اُن سے تھوڑا سا قصور سرزد ہو جائے[17] پس تیرے رب کے مغفرت کا دامن بہت وسیع ہے۔ وہ اللہ تو تمھیں اُس وقت سے جانتا ہے، جب اُس نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں ابھی ایک جنین کی شکل میں تھے۔ پس اپنے نفس کی پاکی کے دعوے نہ کرو۔ وہی اللہ بہتر جانتا ہے کہ حقیقت میں متقی کون ہے۔

پھر اے نبیؐ، بھلا تم نے اُس شخص کو بھی دیکھا جس نے منہ موڑا، تھوڑا سا دیا اور پھر رُک گیا[18]؟ کیا اُس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ (حقیقت کو) دیکھ رہا ہے؟ کیا اُس شخص کو اُن باتوں کی کوئی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰؑ کے صحیفوں میں بیان ہوئی اور جو اُس ابراہیمؑ کے صحیفوں

میں بھی بیان ہوئی ہیں جس نے وفا کا حق ادا کر دیا تھا؟[19] (اُن صحیفوں میں یہ درج ہے) کہ:

○ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

○ انسان کے لیے صرف وہی کچھ ہے جس کے لیے اُس نے کوشش کی ہے۔[20]

○ عنقریب اُس کی یہ کوشش دیکھی جائے گی اور اُس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

○ سب کا پہنچنا تیرے رب ہی کی طرف ہے۔

○ بے شک، وہی ہے جو ہنساتا ہے اور جو رُلاتا ہے۔[21]

○ وہی ہے جو موت دیتا ہے اور زندگی بخشتا ہے۔

○ وہی ہے جس نے جوڑے کے دونوں افراد، نر اور مادہ پیدا کیے ایک بوند سے، جبکہ وہ ٹپکا دی جاتی ہے۔

○ بے شک، دوبارہ اٹھانا اُسی اللہ کی ذمہ داری ہے۔

○ اُسی نے غنی کیا اور جائداد بخشی۔[22]

○ وہی شعریٰ کا بھی رب ہے۔[23]

○ عادِ اوّل کو اُسی نے ہلاک کیا اور ثمود کو بھی ایسا مٹایا کہ اُن میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا۔[24] اُن سے پہلے قومِ نوحؑ کو بھی (اُسی نے ہلاک کیا)۔ بے شک، یہ سب نہایت ظالم اور سرکش تھے۔ اُسی نے اُلٹی ہوئی بستیوں کو اُٹھا پھینکا[25] اور پھر اُن کو ڈھانک لیا (جس کے بارے میں تم جانتے ہی ہو کہ) جس نے ڈھانک لیا۔

○ پس اے انسان، تم اپنے رب کے کن کن کرشموں کے بارے میں جھگڑتے رہو گے۔

یہ (حضوؐر اور قرآن) ایسی ہی ایک نصیحت ہے جیسی اگلی نصیحتیں تھیں۔ آنے والی گھڑی قریب آ لگی ہے۔ اللہ کے سوا اُس گھڑی کو کوئی ٹالنے والا نہیں۔

اے مخاطبینِ قرآن، کیا تم اِس کلام پر اظہارِ تعجب کرتے ہو؟ ہنستے ہو، روتے نہیں ہو اور تم مدہوش پڑے ہو! جُھک جاوٴ اللہ کے آگے اور بندگی بجالاوٴ[26] ۳۱-۶۲

[۱۷] 'لمم' کے معنی ہیں کسی چیز کی تھوڑی سی مقدار۔ یہاں مراد گناہ صغیرہ ہے۔ جب ایک صاحب ایمان گناہ کبیرہ سے بچتا ہے تو اس کے حساب سے

صغیرہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ زیادہ تر اہل علم کے نزدیک گناہ کبیرہ کی تعریف یہ ہے کہ ''ہر وہ فعل گناہ کبیرہ ہے جسے قرآن مجید یا کسی صحیح حدیث میں واضح طور پر حرام قرار دیا گیا ہو، یا اس کے لیے قرآن وحدیث نے دنیا میں کوئی سزا مقرر کی ہو، یا اس پر آخرت میں عذاب کی دھمکی سنائی ہو، یا اس کے مرتکب پر لعنت کی ہو۔'' درج بالا گناہوں کے سوا جتنے افعال بھی دین کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہیں، وہ سب گناہ صغیرہ کی تعریف میں آتے ہیں۔ کسی بڑے گناہ کے ابتدائی مراحل طے کر جانا بھی اس وقت تک گناہ کبیرہ نہیں ہے، جب تک آدمی اس کا ارتکاب نہ کر گزرے۔

[۱۸] یہ ان مشرکین کی مثال ہے جو اپنے بتوں کو خوش کرنے کے لیے تو تھوڑا بہت مال خرچ کر دیتے ہیں، لیکن عام لوگوں کے بارے میں وہ اتنے بخیل ہوتے ہیں کہ انفاق کرنے کے لیے بالکل تیار نہیں ہوتے۔

[۱۹] اللہ کی طرف سے نازل کردہ الہامی کتابوں میں دین کے بنیادی اصول ہمیشہ ایک ہی رہے ہیں۔ یہاں قرآن اس بات کی یاددہانی کر رہا ہے کہ اس کتاب میں کوئی نئی بات پیش نہیں کی جارہی، بلکہ یہ تمام باتیں اس سے پہلے بھی اللہ کے رسولوں نے بیان کی ہیں۔

[۲۰] آخرت میں بنیادی طور پر انسان کے اپنے اعمال ہی اس کے کام آئیں گے۔ دنیا کے اعتبار سے بھی یہ ضروری ہے کہ انسان ہر چیز کی پوری پوری تدبیر اور کوشش کرے۔

[۲۱] اللہ کی طرف سے انسان پر مختلف آزمائشیں آتی ہیں۔ اگر اس کو خوشی ملے تو اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اگر اس پر کوئی مصیبت آئے تو اس وقت اسے صبر سے کام لینا چاہیے۔

[۲۲] اگر کسی شخص کے پاس زیادہ مال ودولت ہے تو اسے مغرور نہیں ہونا چاہیے، بلکہ ذہن میں ہر وقت یہ حقیقت ملحوظ رکھنی چاہیے کہ یہ سب کچھ مجھے اللہ نے دیا ہے اور اس میں اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق مجھے ادا کرنے ہیں۔

[۲۳] یہ آسمان کے روشن ترین ستارے کا نام ہے جو سورج سے تیئیس (۲۳) گنا زیادہ روشن ہے۔ زمین سے اس کا فاصلہ ۸ نوری سال ہے۔ یہ موسم بہار میں طلوع ہوتا ہے۔ مشرکانہ مذاہب میں اس ستارے کا ایک خاص مقام ہے۔ یہاں قرآن نے اس ستارے کے متعلق ہر تقدس کی تردید کی ہے۔

[۲۴] اس سے مراد ہے قدیم قوم عاد، جس کی طرف حضرت ہودؑ بھیجے گئے تھے۔ جب اس قوم پر سزا نازل ہوئی تو صرف وہ لوگ باقی بچے جو حضرت ہودؑ پر ایمان لائے تھے۔ ان کی نسل کو تاریخ میں عادِ اُخریٰ یا عادِ ثانیہ کہا جاتا ہے۔

[۲۵] مراد ہیں قوم لوط کی بستیاں۔

[۲۶] اس سورہ کی ابتدا اللہ کے لیے سجدے اور عبادت سے ہوئی تھی اور اس کا اختتام بھی اللہ ہی کے لیے سجدہ اور اس کی عبادت کی دعوت پر ہو رہا ہے۔ قرآن مجید کے اس مقام پر سجدہ کرنا چاہیے۔

سورۂ قمر

[۵۴]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے جس سے یہ نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ بھی مکی دور کے درمیانے زمانے کی سورہ ہے۔ اس سورہ کا بنیادی مضمون قیامت کا اثبات اور رسول کے جھٹلانے والوں پر دنیا میں عذاب کا آنا ہے۔ چنانچہ اس پس منظر میں کفارِ مکہ کو ان کے انجام کے بارے میں آگاہ کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ سورہ اُس وقت کے مخاطبین کے لیے ایک بڑی یاددہانی تھی۔ چونکہ حضورؐ کے مخالفین کا وہی انجام ہوا جو اس سے پہلے رسولوں کے جھٹلانے والوں کا ہوا تھا، اس لیے یہ سورہ ہمارے لیے بھی اثباتِ رسالت کی یاددہانی کی سورہ ہے۔

رکوعاتھا ۳ — سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ — ایاتھا ۵۵

سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿۱﴾ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿۲﴾ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا
اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ﴿۴﴾ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ
النُّذُرُ ﴿۵﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ﴿۶﴾ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ
كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ﴿۷﴾ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿۸﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد و حساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

وہ لمحہ قریب آ گیا اور چاند شق ہو گیا[1]۔ مگر اِن کا حال یہ ہے کہ خواہ یہ کوئی بھی نشانی دیکھ لیں تو اس سے منہ موڑیں گے اور کہیں گے کہ یہ تو جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ انھوں نے جھٹلا دیا اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کی، لیکن آخر کار ہر معاملے کو ایک انجام پر پہنچ کر رہنا ہے[2]۔

اِن لوگوں کو ماضی کی داستانیں پہنچ چکی ہیں جن میں کافی عبرت کا سامان موجود ہے (اور اس کے ساتھ ساتھ) نہایت دل نشین دانائی، مگر یہ نصیحتیں اِن پر اثر نہیں کر رہیں۔

پس اے نبیؐ، ان سے رخ پھیر لو[3]۔ ایک دن آئے گا، جب ایک پکارنے والا اِن کو ایک سخت ناگوار چیز کی طرف پکارے گا، ان کی نگاہیں جھکی ہوں گی اور یہ اپنی قبروں سے اس طرح نکلیں گے گویا وہ بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں، پکارنے والے کی طرف دوڑے جا رہے ہوں گے (اور اُس وقت) یہ منکرینِ حق کہیں گے کہ یہ دن تو بڑا کٹھن ہے۔ ۱-۸

[۱] یعنی چاند کا پھٹ جانا اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن جس قیامت سے لوگوں کو خبردار کر رہا ہے اور رسول کی مخاطب قوم کو جس ہلاکت کی دھمکی دے رہا ہے، وہ واقع ہو سکتی ہے اور واقع ہو کر رہے گی۔ یوں تو آسمان و زمین کے چپے چپے پر اللہ کی قدرت و حکمت کی نشانیاں موجود ہیں اور آئے دن نئی نئی نشانیاں بھی ظاہر ہوتی رہتی ہیں، لیکن رسولوں کی بعثت کے زمانے میں اللہ خاص طور پر ایسی نشانیاں ظاہر فرماتا ہے جس سے رسول کے دعوے کی تصدیق ہوتی ہے۔ صحیح

روایات کے مطابق اس طرح کی ایک نشانی حضورؐ کے مکی دور میں ہجرت سے پانچ برس پہلے چاند کے پھٹنے کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ وہ قمری مہینے کی چودھویں رات تھی۔ اس وقت حضورؐ منیٰ میں تشریف فرما تھے۔ یکا یک چاند پھٹ گیا، اس کا ایک ٹکڑا ایک طرف علیحدہ ہو گیا اور دوسرا ٹکڑا دوسری طرف۔ یہ کیفیت بس ایک لحظہ ہی رہی اور پھر دونوں ٹکڑے باہم جڑ گئے۔ آپؐ نے لوگوں سے فرمایا: ''دیکھو اور گواہ رہو''۔ مشرکین نے کہا کہ اس شخص نے ہم پر جادو کر دیا تھا، اس لیے ہماری آنکھوں نے دھوکا کھایا۔ اس پر دوسرے لوگوں نے کہا: ''محمدؐ ہم پر جادو کر سکتے ہیں، لیکن تمام لوگوں پر تو نہیں کر سکتے۔ باہر کے لوگوں کو آنے دو۔ ان سے پوچھیں گے کہ کیا انھوں نے بھی یہ واقعہ دیکھا ہے یا نہیں۔'' جب باہر سے کچھ لوگ آئے تو انھوں نے گواہی دی کہ وہ بھی یہ منظر دیکھ چکے ہیں۔

کچھ مفسرین درج بالا وضاحت سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان میں کچھ قدیم مفسرین بھی شامل ہیں۔ ان کے خیال میں اس آیت کا ترجمہ یہ ہے: ''قیامت کی گھڑی قریب آ گئی اور چاند پھٹ جائے گا۔'' گویا ان کے خیال میں قربِ قیامت کے قریب یہ واقعہ رونما ہوگا۔ عربی زبان کے لحاظ سے یہ معنی لینا ممکن ہے اور قرآن مجید میں اس کے بہت سے نظائر موجود ہیں۔ اس گروہ کے خیال میں درج بالا واقعے پر تین اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ عام حالات میں یہ ممکن نہیں کہ چاند جیسے عظیم وجود کے دو ٹکڑے پھٹ کر الگ ہو جائیں اور اس کے بعد پھر باہم جڑ جائیں۔ دوسرا یہ کہ اگر ایسا واقعہ ہوا ہوتا تو یہ دنیا بھر میں مشہور ہو جاتا، تاریخوں میں اس کا ذکر آتا اور علم نجوم کی کتابوں میں اسے بیان کیا جاتا۔ تیسرا یہ کہ اس واقعے سے متعلق روایات میں آپس میں بہت کچھ اختلاف و تضاد ہے۔

پہلا گروہ درج بالا تینوں اعتراضات کا جواب دیتا ہے۔ ایک یہ کہ یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک کرہ اپنے اندر کی آتش فشانی کی وجہ سے پھٹ جائے، اس کے ٹکڑے دور تک چلے جائیں اور پھر اپنے مرکز کی مقناطیسی قوت کے باعث ایک دوسرے کے ساتھ پھر آ ملیں۔ آج کل کائنات کی تعمیر و تخریب کے متعلق جتنی معلومات و تحقیقات ہو رہی ہیں، ان کے پیش نظر یہ کوئی بعید از امکان بات نہیں ہے۔ دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس وقت صرف عرب اور اس کے مشرقی جانب کے ممالک میں چاند نکلا ہوا تھا۔ یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ اس خاص لمحے میں دنیا بھر کی نگاہیں چاند کی طرف لگی ہوں۔ چونکہ اس واقعے سے چاند کی رفتار، اس کی گردش کے راستے اور طلوع و غروب کے اوقات میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا، اس لیے قدیم زمانے کے اہل نجوم کی توجہ اس طرف نہیں گئی۔ تیسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اس واقعہ کی حقیقی صورت کے بارے میں احادیث میں اختلاف موجود ہے، لیکن اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ واقعہ ضرور پیش آیا تھا۔

اس عاجز کے نزدیک ان دونوں گروہوں کے موقف میں تطبیق ممکن ہے۔ وہ یہ کہ سیکڑوں برس میں ایک دفعہ یوں بھی ہوتا ہے کہ کچھ لمحوں کے لیے مریخ زمین کے بہت قریب آ جاتا ہے اور مریخ اور ہمارا چاند کچھ لمحوں کے لیے ایک ایسا منظر بنا دیتے ہیں جیسے ہمارے چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی قدرت الٰہی کی ایک نشانی ہے اور حضورؐ نے اسی کی طرف توجہ دلائی ہوگی۔ باقی جہاں تک قرآن مجید کے بیان کا تعلق ہے تو وہ قربِ قیامت سے متعلق ہے۔ **واللہ اعلم بالصواب**

[۲] یعنی حضورؐ کے مستقل دشمنوں کو اس دنیا میں عذاب سے دوچار ہونا ہے اور سب انسانوں پر قیامت آ کر رہے گی۔

[۳] یعنی جب آپؐ نے پوری بات بہترین طریقے سے ان لوگوں تک پہنچا دی تو اس کے بعد آپؐ پر مزید کوئی ذمہ داری باقی نہیں رہتی۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ ﴿٩﴾ فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ
فَانْتَصِرْ ﴿١٠﴾ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿١١﴾ وَّفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ
قُدِرَ ﴿١٢﴾ وَحَمَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿١٣﴾ تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَاهَا
آيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٥﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ
مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ
نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٢١﴾ وَلَقَدْ
يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾

اِن (مشرکینِ عرب) سے پہلے قومِ نوحؑ نے بھی جھٹلایا۔ انھوں نے ہمارے بندے کو جھوٹا قرار دیا اور کہا: ''یہ تو دیوانہ ہے۔'' نوحؑ کو جھڑک دیا گیا۔ چنانچہ اُس نے اپنے رب سے فریاد کی: ''میں مغلوب ہوں، اب تُو (اِن سے) انتقام لے۔'' چنانچہ ہم نے موسلا دار بارش سے آسمان کے دروازے کھول دیے اور زمین کو (پھاڑ کر) چشمے ہی چشمے کر دیا۔ پس پانی اُس نشان پر جا ٹِکا جس کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ نوحؑ کو ہم نے ایک تختوں اور کیلوں والی (کشتی) پر سوار کر دیا جو ہماری حفاظت میں چلتی رہی۔ یہ تھا بدلہ اُس شخص کی خاطر جس کی ناقدری کی گئی تھی۔ ہم نے اِس سرگزشت کو ایک نشانی بنا کر چھوڑا، تو پھر کوئی ہے عبرت حاصل کرنے والا؟ پس دیکھ لو، کیسی تھی میری سزا اور کیسی تھی میری تنبیہ[4] ——— ہم نے اِس قرآن کو نصیحت کے لیے نہایت موزوں بنا دیا ہے، تو کیا کوئی ہے نصیحت قبول کرنے والا؟[5]

قومِ عاد نے بھی جھٹلایا تو دیکھ لو کہ کس طرح واقع ہوا میرا عذاب اور میرا اڈراوا۔ ہم نے ہی اُن پر ایک طوفانی ہوا مسلط کر دی، ایک مسلسل نحوست کے دن میں[6]۔ وہ ہوا اِن لوگوں کو اس طرح اٹھا اٹھا کر پھینک رہی تھی گویا وہ جڑ سے اُکھڑے ہوئے کھجوروں کے تنے ہوں۔ پس دیکھ لو، کیسا تھا میرا عذاب اور میرا اڈراوا۔ ——— ہم نے اِس قرآن کو نصیحت کے لیے نہایت سازگار بنا دیا ہے، پھر کیا کوئی یاددہانی حاصل کرنے والا ہے؟[7] ۹-۲۲

[۴] حضرت نوحؑ نے اپنی قوم میں سیکڑوں برس تک دعوت کا کام کیا، اس کے باوجود تھوڑے ہی لوگوں نے ان کی دعوت قبول کی اور باقی سب ان کے دشمن بن گئے۔ چنانچہ اللہ نے رسول کو جھٹلانے کی پاداش میں سب مخالفین کو طوفان میں غرق کر دیا اور یہ داستان ہمیشہ کے لیے تاریخ کا حصہ بن گئی۔

[۵] 'تیسیر' کا مطلب ہے کسی چیز کو پوری طرح درست کرنا، پیش نظر مقصد کے لیے اچھی طرح موزوں بنانا اور اس کو سارے لوازم سے آراستہ کرنا۔ قرآن مجید میں ہر بات گوناگوں پہلوؤں سے اور مختلف شکلوں میں نازل ہوئی ہے تاکہ قاری کو ساری اہم باتیں اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں۔ چنانچہ ایک عام آدمی بھی جب قرآن کا مطالعہ کرتا ہے تو قرآن دین کے ضروری پہلو اس کو سمجھا دیتا ہے۔ تاہم جہاں تک قرآن مجید پر غور وفکر کا تعلق ہے، یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی تعلیمات اور عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گی اور بڑے سے بڑا عالم بھی ہر وقت اس پر غور وفکر کا محتاج رہے گا۔

[۶] اس دن قوم عاد پر عذاب کا نزول شروع ہوا تھا۔ اللہ کی طرف سے سزا کا دن ان لوگوں کے لیے نحوست ہی کا دن ہوتا ہے۔

[۷] قرآن میں قوم عاد کی داستان اس وجہ سے بار بار بیان کی گئی ہے کہ پڑھنے والے اور سننے والے اس قوم کے انجام سے سبق حاصل کریں اور دنیا کے اندر ذمہ دار انسانوں کی حیثیت سے رہیں۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ فَقَالُوٓا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُۥٓ إِنَّآ إِذًا لَّفِى ضَلَٰلٍ وَسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ ءَأُلْقِىَ
الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ﴿۲۵﴾ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ﴿۲۶﴾ إِنَّا مُرْسِلُوا
النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۖ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾
فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِى وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ إِنَّآ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً
وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ
لُوطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ إِنَّآ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّآ ءَالَ لُوطٍ ۖ نَّجَّيْنَٰهُم بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِندِنَا ۚ
كَذَٰلِكَ نَجْزِى مَن شَكَرَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ أَنذَرَهُم بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ رَٰوَدُوهُ عَن ضَيْفِهِۦ
فَطَمَسْنَآ أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابِى وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوقُوا عَذَابِى
وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدْ جَآءَ ءَالَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوا
بِـَٔايَٰتِنَا كُلِّهَا فَأَخَذْنَٰهُمْ أَخْذَ عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾

۱۶
ہے ۔۴۳-۵۵

[۱۳] قرآن مجید نے یہ پیشین گوئی ہجرت سے پانچ برس پہلے کر دی تھی۔ اس وقت کوئی شخص یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ عنقریب اتنا بڑا انقلاب آجائے گا۔ اس وقت مسلمانوں کی بے بسی کا یہ حال تھا کہ ان میں سے ایک گروہ حبش کی طرف ہجرت کر چکا تھا اور بہت سے اہل ایمان شعب ابی طالب میں محصور تھے۔ لیکن بہت جلد وہ وقت آ گیا، جب انھی آیات کی پیشین گوئی کے مطابق کفار جنگ بدر کے میدان سے بھاگ رہے تھے۔ اس وقت حضورؐ کی زبان پر قرآن کے یہی الفاظ تھے۔

قرآن مجید نے ان تمام باتوں کو ہمارے لیے اس وجہ سے محفوظ رکھا ہے کہ رسالت محمدیؐ پر ہمارا ایمان مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے۔

[۱۴] رسول کی نافرمان قوم کے لیے دو سزائیں ہوتی ہیں۔ ایک خصوصی دنیوی سزا اور دوسری اصل اور اخروی سزا۔ باقی سب لوگوں کے لیے دنیوی نعمتیں اور مصیبتیں دراصل آزمایش ہوتی ہیں اور ان کی سزا و جزا کا فیصلہ آخرت میں ہوگا۔

[۱۵] 'قدر' کا مطلب ہے اندازہ، توازن اور ہر چیز کے بارے میں ایک خاص ضابطہ اور قانون۔ پوری کائنات کی طرح اس زمین میں بھی توازن کا قانون پوری طرح جاری و ساری ہے۔ اسی توازن کے تحت اللہ شر کی طاقتوں کو ایک خاص حد سے آگے بڑھنے نہیں دیتا تاکہ دنیا سے نیکی کا خاتمہ نہ ہو اور انسانوں کے لیے آزمایش کا قانون قائم رہے۔ رسولوں کی نافرمان اقوام پر اللہ کی طرف سے خصوصی دنیوی سزا بھی اسی قانون کے تحت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جب بھی دنیا میں شر کی طاقتیں زور پکڑنے لگیں تو قدرت انھیں ایک دوسرے سے لڑا دیتی ہے تاکہ عام لوگوں کو ان کے شر سے نجات مل سکے۔

[۱۶] ان آیات میں لوگوں کے لیے خوش خبری ہے کہ اللہ کی ابدی بادشاہی کا حصہ بننا اور سچی عزت حاصل کرنا کوئی مشکل نہیں۔ اگر انسان اللہ کی نافرمانی سے پرہیز کرے تو اسے یہ مقام حاصل ہو جائے گا۔

انھی آیات کے ساتھ یہ سورہ اپنی تکمیل کو پہنچتی ہے۔

سورۂ رحمٰن

[۵۵]

نام

اس سورہ کے پہلے لفظ ہی کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

مکی دور کی یہ سورہ ایک عظیم، پرجوش اور بلیغ خطبہ ہے۔ اس سورہ میں نہایت خوب صورت صوتی آہنگ ہے اور اس میں اکتیس مرتبہ ایک ہی آیت دہرائی گئی ہے، گویا اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنا مقصود ہے۔ اس سورہ میں دین کی تمام اہم حقیقتیں ایک بالکل منفرد انداز میں بیان کی گئی ہیں۔

ایاتہا ۷۸ | رکوعاتہا ۳

سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلرَّحْمٰنُ ﴿١﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿٢﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿٣﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿٤﴾ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴿٥﴾
وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ﴿٦﴾ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ﴿٧﴾ اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ ﴿٨﴾ وَاَقِيْمُوا
الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴿٩﴾ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ﴿١٠﴾ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ
الْاَكْمَامِ ﴿١١﴾ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿١٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٣﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ
صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿١٤﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿١٥﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٦﴾ رَبُّ
الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿١٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٨﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿١٩﴾ بَيْنَهُمَا
بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿٢٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢١﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد و حساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

خدائے رحمان نے اِس قرآن کی تعلیم دی ہے۔ اُسی نے انسان کو پیدا کیا اور اُس کو بولنا سکھایا۔
سورج اور چاند ایک حساب سے گردش کرتے ہیں۔ ستارے اور درخت سب سجدہ میں ہیں[1]۔ اُسی اللہ نے آسمان کو بلند کیا اور اُس
میں میزان قائم کردی تاکہ تم بھی میزان میں تجاوز نہ کرو۔ پورے انصاف کے ساتھ ٹھیک ٹھیک تولو اور وزن میں کمی نہ کرو[2]۔
اُسی اللہ نے مخلوقات کے لیے زمین کو بنایا۔ اس میں میوے اور کھجور ہیں جن پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں، بھُس والے اناج بھی
ہیں اور خوش بودار پھول بھی — پس، تم اپنے رب کی کن کن عنایتوں کو جھٹلاؤ گے[3]؟
اُس اللہ نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا[4] — پس تم اپنے رب
کی کن کن قدرتوں کو جھٹلاؤ گے؟

وہی مشرق کے دونوں اطراف کا مالک و پروردگار ہے اور مغرب کے دونوں اطراف کا خداوند بھی وہی ہے[5] ——— پس تم اپنے رب کی کن کن عظمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

اُس اللہ نے دو دریاؤں کو چھوڑ دیا کہ دونوں باہم مل جائیں، لیکن ان کے درمیان ایک پردہ حائل رہتا ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے[6] ——— پس تم اپنے رب کے کن کن کرشموں کو جھٹلاؤ گے؟ ۱-۲۱

[۱] جنات اور انسانوں کو چھوڑ کر باقی مخلوقات کا اللہ کے مقرر کردہ ضابطوں کی پوری پابندی کرنا ان کا سجدہ ہے۔

[۲] اللہ کی اس پوری کائنات میں عدل و توازن قائم ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ جن و انس اپنی اختیاری زندگی میں بھی ہر وقت عدل و توازن قائم رکھیں۔

[۳] یہ فقرہ اس سورہ میں اکتیس مرتبہ آیا ہے۔ اِس میں لفظ 'الآءِ' استعمال ہوا ہے۔ مفسرین نے بالعموم اس کے معنی 'نعمتوں' کے بیان کیے ہیں، لیکن مولانا حمید الدین فراہی نے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ کلامِ عرب میں اس لفظ کے معنی بہت وسیع ہیں جس کے اندر نعمت، قدرت، شان، نشانی، کرشمہ، کارنامہ، کمالاتِ قدرت، اوصافِ حمیدہ، خوبیاں اور اس نوع کے تمام مفہوم شامل ہیں۔ مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی، دونوں کو بھی اس سے اتفاق ہے۔

[۴] **'صلصال'** خالص مٹی کو کہتے ہیں۔ **'فخّار'** اس مٹی کو کہتے ہیں جو ٹھیکرے کی طرح خشک ہو جائے۔ **'مارج'** کے معنی شعلہ کے ہیں۔

[۵] **'مشرقین'** اور **'مغربین'** سے ان سمتوں کے دونوں انتہائی اطراف مراد ہیں۔

[۶] دنیا کے بے شمار مقامات پر اس کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کی اس کائنات میں تضاد اور موافقت، دونوں کس توازن کے ساتھ ہیں۔

النصف

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَاٰتُ فِي
الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۲۵﴾ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ
ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۲۸﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ
هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۳۰﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبَانِ ﴿۳۲﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۳۴﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ

نَارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ وَرْدَةً
کَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِاَیِّ
اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ
رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُکَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ
اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾

اِن دونوں سمندروں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں[7] —— پس تم اپنے رب کی قدرت کے کن کن کمالات کو جھٹلاؤ گے؟

اسی اللہ کے اختیار میں ہیں یہ جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے اٹھے ہوئے ہیں —— پس تم اپنے رب کے کن کن عجائبات کو جھٹلاؤ گے؟

زمین کی ہر چیز فانی ہے۔ صرف تیرے رب کی عظمت وعزت والی ذات ہی باقی رہنے والی ہے —— پس تم اپنے رب کی کس کس شان کو جھٹلاؤ گے؟

آسمان وزمین کی سب مخلوقات اللہ ہی سے اپنی حاجتیں مانگ رہی ہیں۔ ہر وقت وہ ایک نئی شان میں ہے —— پس تم اپنے رب کی کن کن صفاتِ حمیدہ کو جھٹلاؤ گے؟

اے دونوں جتھو[8]، ہم تمھارے لیے فارغ ہوہی رہے ہیں[9] —— پس تم اپنے رب کی کن کن قدرتوں کو جھٹلاؤ گے؟

اے گروہِ جن وانس، اگر تم یہ کرسکو کہ آسمان وزمین کے اطراف سے نکل بھاگو تو ایسا کر کے دیکھ لو۔ تم پروانۂ راہ داری (mandate) کے بغیر نہیں نکل سکو گے[10] —— پس تم اپنے رب کے کن کن اختیارات کو جھٹلاؤ گے؟

تم پر مارے جائیں گے آگ کے شعلے اور تانبے جس سے تم اپنا بچاؤ نہ کرسکو گے[11] —— پس تم اپنے رب کی کن کن قدرتوں کو جھٹلاؤ گے؟

(یاد رکھو اُس وقت کو،) جب آسمان پھٹ کر چمڑے کی مانند سرخ ہوجائے گا —— پس تم اپنے رب کے کن کن کرشموں کو جھٹلاؤ گے؟

اُس روز کسی انسان یا جن سے اُس کے گناہ کے متعلق پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوگی ——— پس تم اپنے رب کے کن کن اختیارات کو جھٹلاؤ گے؟ ——— پس تم اُس دن مجرم اپنی علامتوں سے پہچان لیے جائیں گے اور انھیں پیشانی کے بال اور پاؤں پکڑ پکڑ کر گھسیٹا جائے گا ——— اپنے رب کی کن کن قدرتوں کی تکذیب کرو گے؟ یہ ہے وہ جہنم جس کو مجرم لوگ جھوٹ قرار دیتے تھے۔ یہ لوگ اِس جہنم اور اِس کے کھولتے ہوئے پانی کے درمیان گردش کرتے رہیں گے ——— پس تم اپنے رب کی کن کن قدرتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ۴۲-۴۵

[۷] پرانے زمانے میں صرف کھاری پانی سے ہی موتی حاصل کیے جاتے تھے، اس لیے مفسرین کو اس آیت کی تشریح میں مشکل پیش آتی تھی۔ جدید تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا کہ میٹھے پانی میں بھی موتی موجود ہوتے ہیں۔ ضمنی طور پر اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ پروردگار کی اتاری ہوئی ہر زینت بنیادی طور پر جائز اور پاکیزہ ہے۔

[۸] ثَقَلٰن، ثقیل سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں بوجھ۔ چونکہ جماعتی حیثیت سے جن وانس، دونوں بہت بھاری بھرکم بن جاتے ہیں، اس لیے ان کو یہ خطاب دیا گیا۔

[۹] یعنی تمھاری آزمایش کا وقت ختم ہونے کے بعد اللہ کے ہاں بھرپور طریقے سے تمھارا حساب کتاب ہوگا۔

[۱۰] یعنی اس کائنات سے باہر نکلنا تمھارے بس میں نہیں۔ البتہ قیامت کے بعد اس ضمن میں اللہ کے نیک بندوں کو پروانۂ راہ داری عطا کیا جا سکتا ہے کہ وہ کائنات کی دوسری وسعتوں تک جائیں۔

[۱۱] 'شواظ من نار' سے مراد شہاب ثاقب (Meteorites) یا اسی طرح کی دوسری کائناتی شعاعیں ہو سکتی ہیں اور 'نحاس' سے مراد ان شہابیوں کا پگھلا ہوا تانبا یا دوسری انتہائی گرم دھاتیں ہو سکتی ہیں۔ یعنی اگر کبھی انسان یا جنات کائنات سے بھاگ نکلنے کی کوشش کریں تو کائنات کے اندر ایسی طاقتیں موجود ہیں جو ان کا راستہ روک دیں گی۔

واضح رہے کہ ان آیات میں کائنات کے اندر جن وانس کے گھومنے پھرنے کا انکار نہیں کیا گیا۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ

فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ ﴿٥٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٣﴾ مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ فُرُشٍ بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ
وَجَنَى الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿٥٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٥﴾ فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ
قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿٥٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٧﴾ كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٨﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَ
بِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٩﴾ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ﴿٦٠﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦١﴾ وَمِنْ
دُونِهِمَا جَنَّتَانِ ﴿٦٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦٣﴾ مُدْهَامَّتَانِ ﴿٦٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبَانِ ﴿٦٥﴾ فِيهِمَا عَيْنَانِ نَضَّاخَتَانِ ﴿٦٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦٧﴾ فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ
وَرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦٩﴾ فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ﴿٧٠﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبَانِ ﴿٧١﴾ حُورٌ مَقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿٧٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧٣﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ
قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿٧٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧٥﴾ مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَعَبْقَرِيٍّ
حِسَانٍ ﴿٧٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧٧﴾ تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٧٨﴾

اُن کے لیے جو اپنے رب کے حضور پیش ہونے کا خوف رکھتے ہوں، دو باغ ہوں گے ـــــ پس تم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے؟

دونوں باغ نہایت کثیر شاخوں سے بھرپور ہوں گے ـــ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

دونوں باغوں کے اندر دو چشمے رواں ہوں گے ـــ پس تم اپنے رب کی کن کن رحمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

دونوں باغوں میں ہر پھل کی الگ الگ قسمیں ہوں گی ـــ پس تم اپنے رب کے کس کس فضل کی تکذیب کرو گے؟

اہلِ جنت ٹیک لگائے ایسے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے جن کے اَستر بھاری ریشم کے ہوں گے اور دونوں باغوں کے پھل (اُن کے سروں پر) لٹک رہے ہوں گے ـــ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

ان میں باحیا نگاہوں والیاں ہوں گی جنھیں اِس سے پہلے کسی انسان یا جن نے ہاتھ نہیں لگایا ہوگا[12] —— پس تم اپنے رب کی کتنی نوازشوں کو جھٹلاؤ گے؟

(ایسی خوب صورت) جیسے ہیرے اور موتی —— پس تم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے؟

نیکی کا صلہ تو آخر احسان ہی ہوگا[13] —— پس تم اپنے رب کے کن کن احسانات کو جھٹلاؤ گے؟

اُن دو باغوں کے علاوہ دو باغ اور ہوں گے[14] —— پس تم اپنے رب کی کتنی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

دونوں باغ سبزی سے سیاہی مائل —— پس تم اپنے رب کی کن کن رحمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

دونوں باغوں میں (فواروں کی طرح) ابلتے ہوئے دو چشمے ہوں گے —— پس تم اپنے رب کی کتنی رحمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

اُن میں میوے، کھجور اور انار ہوں گے —— پس تم اپنے رب کی کتنی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

ان میں نیک سیرت اور خوب صورت بیویاں ہوں گی —— پس تم اپنے رب کی کتنی عنایتوں کی تکذیب کرو گے؟

خیموں میں ٹھیرائی ہوئی حوریں[15] —— پس تم اپنے رب کے کتنے احسانات کو جھٹلاؤ گے؟

ان سے پہلے اُن کو کبھی کسی انسان یا جن نے ہاتھ نہ لگایا ہوگا[16] —— پس تم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے؟

جنت والے سبز قالینوں اور خوب صورت فرشوں[17] پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے —— پس تم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے؟

یقیناً تیرے ربِ جلیل و کریم کا نام بڑا ہی بابرکت ہے[18]۔ ۴۶-۷۸

[۱۲] آخرت میں سب نیک خواتین کو جوان اور کنواری بنا دیا جائے گا اور ان میں سے جس خاتون کو بھی کسی جنتی کی رفیقۂ حیات بنایا جائے گا، وہ جنت میں اپنے اس شوہر سے پہلے کسی اور کے تصرف میں نہ آئی ہوگی۔

[۱۳] چونکہ ان انسانوں اور جنات نے نیکی کے کام کیے تھے، اس لیے آخرت میں اللہ ان کو بہترین اجر دے گا۔

[۱۴] اس سے پہلے جن دو باغوں کا تذکرہ کیا گیا تھا، وہ بہترین لوگوں یعنی مقربین کے لیے ہوں گے۔ اب جن دو باغوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، وہ عام اچھے اہل ایمان کے لیے ہوں گے۔

[۱۵] اس عاجز کے نزدیک حور و غلمان جنت کے اندر خصوصی طور پر تخلیق کردہ ملازمائیں اور ملازمین ہوں گے۔

[۱۶] ہر جنتی کے ملازمین و ملازمائیں ہمیشہ کے لیے صرف اسی کے لیے مخصوص ہوں گے۔

[۱۷] 'عبقری' ہر نفیس و نادر اور قیمتی چیز کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

[۱۸] چونکہ اللہ صاحب عظمت اور نہایت کریم ہے، اس لیے اللہ انسانوں اور جنات کو دنیوی آزمائشوں سے گزارنے کے بعد جزا و سزا دے گا۔ اسی آیت پر اس عظیم سورہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

سورۂ واقعہ

[۵۶]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے جس کی وجہ سے اس کو یہ نام دیا گیا۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ سورہ مکی دور کی درمیانی مدت میں حضورؐ پر نازل ہوئی۔ اس سورہ میں توحید، آخرت اور قرآن مجید کے متعلق لوگوں کے شکوک وشبہات کی تردید ہے۔
آخرت کے ضمن میں اس سورہ میں انسانوں کے تین بڑے گروہوں کے انجام پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

رکوعاتہا ۳

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ

اٰیاتہا ۹۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وقف لازم

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾ إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ﴿٤﴾ وَبُسَّتِ
الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾ فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا ﴿٦﴾ وَّكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿٧﴾ فَأَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحٰبُ
الْمَيْمَنَةِ ﴿٨﴾ وَأَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَا أَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿٩﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿١٠﴾ أُولٰٓئِكَ
الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿١١﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿١٢﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٤﴾ عَلٰى سُرُرٍ
مَّوْضُوْنَةٍ ﴿١٥﴾ مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿١٦﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿١٧﴾ بِأَكْوَابٍ وَّأَبَارِيْقَ
وَكَأْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿١٨﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿١٩﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا
يَشْتَهُوْنَ ﴿٢١﴾ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿٢٢﴾ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿٢٣﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ
فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَأْثِيْمًا ﴿٢٥﴾ إِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿٢٦﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

(یادرکھو) کہ وہ ہونے والا واقعہ (یعنی روزِ قیامت) پیش آئے گا۔ اُس کے واقع ہونے میں کسی جھوٹ کا شائبہ نہیں۔ وہ پست کرنے والی اور بلند کرنے والی ہوگی۔ زمین بالکل جھنجھوڑ دی جائے گی اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہوکر غبار کی طرح منتشر ہوجائیں گے۔

(اُس وقت) تم تین گروہوں میں تقسیم ہوجاؤ گے۔

ایک گروہ دائیں بازو والوں کا ہوگا۔ سو دائیں بازو والوں (کی خوش نصیبی) کا کیا کہنا![1]

دوسرا گروہ بائیں بازو والوں کا ہوگا۔ سو بائیں بازو والوں (کی بد نصیبی) کا کیا کہنا![2]

(تیسرا گروہ السابقون الاولون کا ہوگا)۔ یہ سابقون تو ہیں ہی آگے نکلنے والے۔ یہی تو مقرب لوگ ہوں گے[۳]۔ نعمت کے باغوں میں رہیں گے۔ اگلوں میں سے بہت ہوں گے اور پچھلوں میں سے کم[۴]۔ یہ لوگ آراستہ تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ اُن کی خدمت میں ابدی لڑکے پیالے، جگ اور خالص شراب کے جام لیے ہوئے گردش کررہے ہوں گے، جسے پی کر نہ تو اُن کا سر چکرائے گا اور نہ اُن کی عقل میں فتور آئے گا۔ میوے اُن کی پسند کے اور پرندوں کا گوشت اُن کی رغبت کے مطابق۔ (اُن کے لیے) خوب صورت آنکھوں والی حوریں ہوں گی، ایسی حسین جیسے محفوظ کیے ہوئے موتی۔ یہ صلہ ہوگا اُن کے اعمال کا جو وہ کرتے رہے ہیں۔ اس جنت میں وہ کوئی بے ہودہ یا گناہ کی بات نہ سنیں گے۔ صرف مبارک سلامت کے چرچے ہوں گے۔ ۱-۲۶

[۱] یہ وہ گروہ ہوگا جسے اپنا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں پکڑایا جائے گا۔ قرآن مجید کے دوسرے مقامات کے مطابق یہ گروہ آگے مزید دو طبقات میں تقسیم ہوگا۔ ایک وہ جسے قیامت کے دن بخش دیا جائے گا اور دوسرا وہ جس کو پہلے اپنے کچھ بڑے گناہوں کی سزا دے کر پاک کیا جائے گا اور پھر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

[۲] یہ وہ لوگ ہوں گے جنھیں اپنا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس گروہ میں، مشرکین، منکرین رسول اور اسی طرح کے بڑے باغی شامل ہوں گے۔

[۳] سابقین کے معنی ہیں 'آگے والے'۔ گویا اس گروہ میں وہ لوگ شامل ہوں گے جنھوں نے فوراً آگے بڑھ کر دعوت حق پر لبیک کہا اور جو نیکی اور بھلائی کے ہر کام میں دوسروں سے بڑھ چڑھ کر تھے۔

[۴] یعنی یہ السابقون الاولون ہر زمانے کے لوگوں میں موجود ہوں گے۔ تاہم ہر امت کے ابتدائی دور کے لوگوں میں زیادہ ہوں گے اور بعد کے لوگوں میں نسبتاً کم ہوں گے۔

وَاَصْحَابُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحَابُ الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾ فِىْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾ وَّظِلٍّ
مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ اِنَّآ
اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَاَصْحَابُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحَابُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِىْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿۴۲﴾
وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ

عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿٤٦﴾ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿٤٧﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿٤٨﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٩﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٥٠﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿٥١﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿٥٢﴾ فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَشَارِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿٥٤﴾ فَشَارِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿٥٥﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٥٦﴾

رہے دائیں بازو والے، تو کیا کہنے ہیں دائیں بازو والوں کے! وہ بغیر کانٹوں کے بیریوں، تہ بہ تہ چڑھے ہوئے کیلوں اور دور تک پھیلے ہوئے سایوں میں ہوں گے۔ ہر دم رواں پانی، بکثرت پھل جو نہ کبھی منقطع ہوں گے اور نہ کبھی ممنوع ہوں گے، اونچی نشست گاہوں میں ہوں گی۔ (اُن کی بیویاں ہوں گی) جن کو ہم نے خاص طور پر نئے سرے سے پیدا کیا ہوگا، پس ہم انھیں کنواریاں، دل ربا اور ہم سن بنادیں گے۔[۵] (یہ نعمتیں) دائیں والوں کے لیے ہوں گی۔ وہ اگلوں میں سے بھی بہت ہوں گے اور پچھلوں میں سے بھی بہت ہوں گے۔[۶]

رہے بائیں بازو والے، تو بائیں بازو والوں کی بدنصیبی کا کیا پوچھنا۔ وہ آگ کے شعلے، کھولتے ہوئے پانی اور دھوئیں کے سایے میں ہوں گے جس میں نہ ٹھنڈک ہوگی اور نہ کوئی آرام۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اِس (انجام کو پہنچنے) سے پہلے خوش حالوں میں تھے، سب سے بڑے گناہ (یعنی شرک) پر اصرار کرتے تھے اور کہتے تھے: ''کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو پھر اٹھا کھڑے کیے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے وہ باپ دادا بھی (اٹھائے جائیں گے) جو پہلے گزر چکے ہیں؟''[۷]

اے نبیؐ، کہہ دو: ''یقیناً اگلے اور پچھلے، سب ضرور جمع کیے جائیں گے، ایک ایسے دن کے وقت میں جو مقرر رہے۔ پھر اے گمراہو اور جھٹلانے والو، تم زقّوم کے درخت میں سے کھاؤ گے، اُسی سے پیٹ بھرو گے اور اوپر سے کھولتا ہوا پانی، ایک ایسے اونٹ کی طرح پیو گے جس کی پیاس کبھی نہیں بجھتی۔[۸] یہ سزا کے دن اِن مجرموں کی پہلی مہمان نوازی ہوگی۔'' ۲۷-۵۶

[۵] جنت میں مردوں کی طرح سب خواتین کو بھی نئے سرے سے اس طرح پیدا کیا جائے گا کہ وہ سب کنواری ہوں گی، نہایت خوب صورت ہوں گی اور سب جوان ہوں گی۔ اگر دنیا میں کسی عورت کے ایک سے زیادہ شوہر رہے ہوں گے تو اسے یہ اختیار دیا جائے گا کہ وہ جس شوہر کے ساتھ رہنا چاہے، رہ لے۔

[۶] یعنی جنت کے حق دار لوگ ہر زمانے میں ایک بڑی تعداد میں ہوں گے۔

[۷] گویا ابدی جہنم کے اصل حق دار وہ خوش حال لوگ ہوں گے جو جان بوجھ کر شرک کرتے تھے اور اپنی نفسانی خواہشات کے تحت آخرت کا انکار کرتے تھے۔

[۸] 'ھیم' جمع ہے 'اھیم' کی۔ یہ اس اونٹ کو کہتے ہیں جسے ایک ایسی بیماری لاحق ہو کہ وہ پانی پیتا چلا جاتا ہے، لیکن اس کی پیاس کسی طرح نہیں بجھتی۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ
الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ
فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾
ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾
بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَاۗءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ
الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَاۗءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ
اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ
الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

اے انسانو، ہم نے تمھیں پیدا کیا ہے تو پھر تم (قیامت کی) تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ کیا تم نے غور کیا، یہ نطفہ جو تم ٹپکا دیتے ہو، اِس سے بچے کو تم تخلیق کرتے ہو یا اِس کی تخلیق کرنے والے ہم ہیں؟ ہم نے تمھارے درمیان موت مقدر کی ہے اور ہم اِس سے عاجز نہیں ہیں کہ ہم (روزِ قیامت) تمھاری جگہ تمھاری مانند بنا دیں اور تم کو اِس طرح اٹھائیں جس کو اِس وقت تم نہیں جانتے۔ اپنی پہلی پیدایش کو تو تم جانتے ہی ہو تو پھر تم (اس سے) نصیحت کیوں حاصل نہیں کرتے؟

اے لوگو، کبھی تم نے غور کیا، یہ بیج جو تم بوتے ہو، کیا اِن سے کھیتیاں تم اُگاتے ہو یا ان کے اُگانے والے ہم ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اِن کھیتیوں کو ریزہ ریزہ بنا کر رکھ دیں اور تم ایسی باتیں بناتے ہی رہ جاؤ کہ بے شک، ہم تو تاوان میں پڑ گئے، بلکہ ہم تو بالکل ہی محروم بن گئے۔[9]

اے لوگو، کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا، یہ پانی جو تم پیتے ہو، کیا اِس کو تم نے بادلوں سے برسایا ہے یا اس کے برسانے والے ہم ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے سخت کڑوا بنا کر رکھ دیں —— پھر تم لوگ شکر گزار کیوں نہیں ہوتے؟[10]

اے لوگو، ذرا غور تو کرو، یہ آگ جسے تم جلاتے ہو، اِس کے لیے تم نے درخت کو پیدا کیا ہے یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں؟ —— ہم نے اِس آگ کو نصیحت کا ذریعہ اور حاجت مندوں کے لیے ایک نہایت نفع بخش چیز بنایا ہے۔

پس اے نبیؐ، اپنے عظیم رب کے نام کی تسبیح کرو۔[11] ۶۳-۷۴

[۹] یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اکثر وبیش تر کھیتیاں مصیبتوں سے بچی رہتی ہیں، ورنہ ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ کسی آسمانی یا زمینی مصیبت کی وجہ سے سرسبز کھیتیاں بھس ہو کر رہ جاتی ہیں۔

[۱۰] اگر انسان صرف پانی ہی کی نعمت پر غور کرے تو یہ چیز اس کے دل کو توحید و آخرت پر قائل اور مطمئن کرنے کے لیے کافی ہے۔

[۱۱] اگر کوئی شخص اپنی تخلیق پر غور کرے، ان لہلہاتی کھیتیوں کی طرف نگاہ کرے، میٹھا پانی پیتے وقت اس پانی کے خالق کی طرف دھیان کرے اور جس آگ کے ذریعے سے اسے روزانہ طرح طرح کے کھانے ملتے ہیں، اس نعمت کو یاد رکھے تو ایسے شخص کا سر بے اختیار اللہ کے آگے جھک جاتا ہے اور وہ اپنے رب کی حمد وثنا بیان کرنے لگتا ہے۔ اسی لیے یہاں قرآن نے حضورؐ کو یہ ہدایت کی۔ ہم سب پر لازم ہے کہ ہم بھی ایسا ہی کریں۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ ﴿۷۷﴾ فِیْ
كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِیْثِ
اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْلَاۤ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ
حِیْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَاۤ اِنْ كُنْتُمْ غَیْرَ
مَدِیْنِیْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ
وَّجَنَّتُ نَعِیْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ﴿۹۱﴾ وَاَمَّاۤ
اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِیْنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِیَةُ جَحِیْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ
الْیَقِیْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ﴿۹۶﴾

پس صحیح بات وہ نہیں ہے جو تم سمجھے بیٹھے ہو[12]۔ میں شہادت میں پیش کرتا ہوں ستاروں کے ٹھکانوں کو، اور اگر تم سمجھو تو یہ ایک بہت بڑی شہادت ہے[13]۔

بے شک، یہ ایک باعزت قرآن ہے، ایک محفوظ کتاب میں (ثبت ہے)۔ اسے صرف پاکیزہ ترین مخلوقات (یعنی مخصوص فرشتے) ہی ہاتھ لگاتے ہیں[14]۔ یہ جہانوں کے خداوند کا نازل کردہ ہے۔ تو پھر اے لوگو، کیا تم اِس کلام سے منہ موڑتے ہو اور اِس رزق میں اپنا حصہ تم نے یہ رکھا ہے کہ اِس کو جھٹلا رہے ہو؟

اے لوگو، پس کیوں نہیں[15]، (اُس وقت کیا حال ہوتا ہے) جب مرنے والے کی جان حلق تک پہنچ چکی ہوتی ہے اور تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہو (کہ وہ مر رہا ہے)۔ اُس وقت تمھاری بہ نسبت ہم اُس کے زیادہ قریب ہوتے ہیں، لیکن تم نہیں دیکھ پاتے۔ پس اگر تم کسی کے محکوم نہیں ہو تو تم اُس مرنے والے کی روح کو کیوں لوٹا نہیں لیتے، اگر تم سچے ہو؟

پس اگر وہ مرنے والا مقربین میں سے ہو تو اُس کے لیے راحت، سرور اور نعمت بھری جنت ہے۔ اگر وہ دائیں بازو والوں میں سے ہو (تو اُس کو کہا جاتا ہے)، تیرے لیے سلامتی ہے کیوں کہ تم اصحاب الیمین میں سے ہو۔

اگر وہ مرنے والا جھٹلانے والے گمراہ لوگوں میں سے ہو تو اُس کے لیے کھولتے ہوئے پانی کی ضیافت اور جہنم کا داخلہ ہے[16]۔

بے شک، یہ ساری باتیں سچی اور یقینی ہیں، پس اے نبیؐ، تم اپنے عظیم رب کے نام کی تسبیح کرو[17]۔ ۷۵-۹۶

[۱۲] یہ لفظ 'لا' کا ترجمہ ہے۔ قرآن مجید میں اس کی مثالیں جا بجا ملتی ہیں۔ دنیا کے اعلیٰ ترین ادب میں اپنی بات کہنے سے پہلے دوسرے کی بات کی تردید کا یہ ایک معروف طریقہ ہے۔

[۱۳] قرآن مجید میں قسم ہمیشہ اس جگہ کھائی گئی ہے، جہاں کسی چیز کو شہادت کے طور پر پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہاں ستاروں کے نظام کو شہادت میں پیش کیا گیا ہے۔ یوں تو انسان ہر زمانے میں یہ جانتا تھا کہ ہر ستارہ بذات خود ایک بہت بڑا عالم ہے، لیکن آج ستاروں کے متعلق ہماری جو معلومات ہیں، ان کے پیش نظر ہم اگلے لوگوں سے بہتر انداز میں اس شہادت کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ کائنات کے اندر اربوں کہکشانیں ہیں، ہر کہکشاں میں اربوں ستارے ہیں اور ہر ستارے کے کئی کئی سیارے اور چاند ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ اتنا منظم اور قوانین میں جکڑا ہوا ہے کہ یہ سب اپنے مدار میں چکر لگا رہے ہیں اور کائنات کے اندر مسلسل سفر بھی کر رہے ہیں، اس کے باوجود یہ ایک دوسرے کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتے۔ مردہ ستاروں کے دفنانے کا ایک پورا انتظام بلیک ہولز کی شکل میں موجود ہے۔ کائنات کے متعلق انسان جتنا بھی علم حاصل کرتا جاتا ہے، اتنا ہی اس کی حیرت میں اضافہ ہوتا ہے اور توحید و آخرت پر اس کا یقین پختہ ہوتا جاتا ہے۔

[۱۴] سب کائناتوں کے قوانین اللہ کے ہاں ایک بہت بڑی کتاب میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے جو قوانین اور باتیں انسانوں کے لیے ضروری ہیں، وہ قرآن مجید میں درج کی گئی ہیں۔ اس قرآن کو حضورؐ کے دل و دماغ پر مقرب ترین فرشتہ یعنی جبریلؑ لے کر اترے۔ حضرت جبریلؑ کے علاوہ کسی کو یہ اجازت نہیں کہ وہ عرش

سے لے کر حضورؐ کے سینے تک اس قرآن کے اترنے کے دوران میں اس کو ہاتھ لگائے۔

[۱۵] یعنی ایسا لازماً ہو کر رہے گا۔

[۱۶] اس سورہ کی ابتدا تین بڑے گروہوں کے تذکرے سے ہوئی تھی اور اس کی تکمیل انھی تین بڑے گروہوں کے آخری انجام سے ہو رہی ہے۔

[۱۷] جب آخرت کا واقع ہونا ضروری ہے تو اس دن کے لیے تیاری بھی لازم ہے۔ اس تیاری کا سب سے اہم حصہ یہ ہے کہ انسان خالصتاً اپنے رب کی تسبیح کرے اور ہر موقع پر اپنے رب کی ہدایات کو یاد رکھے۔

چونکہ حضورؐ بحیثیت خیر البشر ہمارے لیے نمونہ ہیں، اس لیے حضورؐ کو مخاطب کر کے یہ بات فرمائی گئی۔ اس پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے۔
اسی آیت پر سورۂ واقعہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

سورۂ حدید

[۵۷]

نام

اس سورہ کی آیت نمبر ۲۵ میں یہ لفظ آیا ہے جس سے اس سورہ کا نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ قرآن مجید کی سورتوں کے چھٹے گروہ کی پہلی مدنی سورہ ہے۔ اس کے بعد مزید نو سورتیں بھی مدنی ہیں۔ یہ ساری سورتیں بھی بالترتیب نازل ہوئی ہیں، یعنی پہلے نازل ہونے والی سورہ کو مصحف میں پہلے رکھا گیا ہے اور اس کے بعد نازل ہونے والی سورتوں کو بالترتیب رکھا گیا ہے۔

اس سورہ کے نزول کے وقت 'ریاست مدینہ' کی شکل میں مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی مملکت وجود میں آچکی تھی۔ اس مملکت کی تعمیر اور دفاع کے لیے یہ ضروری تھا کہ اہل ایمان دل کھول کر اپنے مال خرچ کریں اور اپنے وقت کو بھی پیش کریں۔ نیز مسلمانوں کو یہ یاد دلانا بھی ضروری تھا کہ بیت اللہ کو مشرکین کے قبضے سے چھڑانا ہوگا، چنانچہ اس یاد دہانی کے ساتھ ساتھ ان کو یہ بھی بتایا گیا کہ فتح مکہ لازماً ہو کر رہے گی، لیکن جو لوگ اس فتح سے پہلے جان و مال کی قربانی پیش کریں گے، ان کا درجہ بعد میں قربانی کرنے والوں سے بہت بڑا ہوگا۔ گویا یہی لوگ، سابقہ سورہ کی اصطلاح کے مطابق 'السابقون الاولون' اور 'مقربین' ہوں گے۔ اس حوالہ سے قارئین کے سامنے یہ بات بھی آ گئی ہوگی کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب میں کتنی گہری معنویت اور حکمت ہے۔ یہ حکمت و ہم آہنگی قرآن مجید میں ہر جگہ موجود ہے جسے غور و فکر کے ذریعے سے سمجھا جا سکتا ہے اور اس سے ایک طالب علم کے سامنے قرآن مجید کے فہم کے نئے نئے گوشے سامنے آتے ہیں۔

آیاتہا ۲۹

سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ

رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ
وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲﴾ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ
عَلِيْمٌ ﴿۳﴾ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۗ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِى
الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۗ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴﴾ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۵﴾ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ
وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ ۗ وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۶﴾ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ
مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۗ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۷﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ
يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ هُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ
بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِىْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۗ اُولٰٓئِكَ
اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۗ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

آسمان وزمین کی سب چیزیں اللہ ہی کی تسبیح کرتی ہیں[۱]۔ وہی غالب اور دانا ہے۔ آسمان وزمین کی بادشاہی اُسی کی ہے، وہی زندگی

ہے اور موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ وہی اوّل بھی ہے اور آخر بھی۔ وہی ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

وہی اللہ ہے جس نے آسمان و زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا[2]۔ اُس کے علم میں ہے ہر وہ چیز جو زمین میں داخل ہوتی ہے، جو زمین سے نکلتی ہے، جو آسمان سے اترتی ہے اور جو آسمان پر چڑھتی ہے۔ وہ اللہ تمھارے ساتھ ہوتا ہے، جہاں کہیں بھی تم ہوتے ہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو، اُن سب کو اللہ دیکھ رہا ہے۔ آسمان و زمین کی بادشاہی اُسی کی ہے اور تمام معاملات فیصلے کے لیے اُسی کی طرف پیش کیے جاتے ہیں۔

وہی اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ وہ سینوں کے چُھپے ہوئے رازوں کو بھی جانتا ہے۔

(اے کمزور ایمان والے مسلمانو،) اللہ اور اُس کے رسول پر حقیقی ایمان لے آؤ[3] اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمھیں امانت دار بنایا ہے[4]۔ پس تم میں سے جو لوگ حقیقی ایمان لائیں گے اور مال خرچ کریں گے، اُن کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر حقیقی ایمان نہیں لا رہے، حالانکہ رسول تم کو تمھارے رب پر حقیقی ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور وہ تم سے مضبوط عہد بھی لے چکا ہے[5]، اگر تم واقعی مومن ہو۔

وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندے پر صاف صاف آیات نازل کر رہا ہے تاکہ تمھیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے۔ بے شک، اللہ تم پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔ تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کر رہے، حالانکہ آسمان و زمین کی میراث اللہ ہی کو لوٹنے والی ہے[6]!

اے رسولؐ کے ساتھیو، تم میں سے جو لوگ فتحِ (مکہ) سے پہلے خرچ اور جنگ کریں گے، وہ کبھی اُن لوگوں کے مساوی نہیں ہو سکتے (جنھوں نے فتح کے بعد خرچ اور جنگ کی ہو گی)۔ فتح سے پہلے خرچ اور جنگ کرنے والوں کا درجہ اُن لوگوں سے بڑھ کر ہو گا جو بعد میں انفاق اور قتال فی سبیل اللہ کریں گے[7]، اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں۔ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔ ۱-۱۰

[۱] سابقہ سورہ کی آخری آیت یہ تھی کہ اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کرو، چنانچہ یہ سورہ تسبیح ہی کے ذکر سے شروع ہو رہی ہے۔ کائنات کی ہر چیز اللہ کے قوانین کو مان کر اس کی بندگی و عبادت کرتی ہے اور اس کی پاکی بیان کرتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن چیزوں کو ہم بظاہر بالکل بے جان سمجھتے ہیں، ان کے اندر بھی ایک خاص طرح کا شعور موجود ہوتا ہے۔

[۲] یہاں 'یوم' سے مراد ایک دور ہے، جیسا کہ قرآن مجید نے دوسرے مقامات پر بیان کیا ہے۔ 'عرش' کے لفظی معنی تخت کے ہیں۔ اس سے مراد زمام اقتدار اور حکومت ہے۔

[۳] آگے کی آیات سے یہ واضح ہے کہ دراصل مسلمانوں ہی سے خطاب کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کمزور اہل ایمان سے خطاب ہے اور 'آمنوا' اپنے حقیقی اور کامل معنی میں ہے۔

[۴] یعنی دنیا کی زندگی میں تم لوگ جس مال کے مالک ہو، وہ درحقیقت تمھارے پاس ایک امانت ہے۔

[۵] ریاست مدینہ کے قیام کے ساتھ ہی وہاں کے ہر مسلمان سے حضورؐ کی سمع واطاعت کا عہد لیا گیا۔ یہاں اسی عہد کی طرف اشارہ ہے۔

[۶] یہاں لفظ 'میراث' اپنے بامحاورہ معنوں میں ہے، یعنی یہ کہ ہر چیز بالآخر اللہ ہی کی ملکیت میں جانے والی ہے۔

[۷] یہاں 'فتح' سے مراد فتح مکہ ہے۔ گویا قرآن مجید نے مدنی دور کی اس بالکل ابتدائی سورہ میں اس پیشین گوئی کو واضح الفاظ میں بیان کر دیا تھا کہ مکہ لازماً فتح ہو کر رہے گا۔

ان آیات سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ان لوگوں کا درجہ اجر کے اعتبار سے بہت بڑا ہوتا ہے جو مکمل کامیابی سے پہلے جدوجہد کے سخت دور میں دین کے لیے قربانی دیتے ہیں۔

ان آیات میں 'قتال' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد وہ قتال فی سبیل اللہ ہے جو مسلمانوں کی ایک ریاست دشمنوں کی طرف سے کسی ظلم کے خاتمے یا اپنے دفاع کے لیے انجام دیتی ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۱﴾ یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِیْنَ
وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۲﴾ یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا
نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِیْهِ
الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ یُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ
اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِیُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْیَوْمَ لَا
یُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْیَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِیَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۵﴾

کون اٹھتا ہے کہ اللہ کو قرض دے؟[8] اچھا قرض، تا کہ اللہ اُسے کئی گُنا بڑھا (کروا پس کر) دے۔ ایسے شخص کے لیے عزت سے بھرپور اجر ہے۔ (اُس دن کو یاد رکھو،) جس دن تم مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھو گے کہ اُن کی روشنی اُن کے آگے آگے اور اُن کے دائیں جانب چل رہی ہوگی[9] —— آج تمھارے لیے خوش خبری ہے اُن جنتوں کی جن میں نہریں جاری ہوں گی اور تم ان میں ہمیشہ رہو گے۔ یہی دراصل بڑی کامیابی ہے —— اُس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں کو آواز دیں گے کہ: ''ذرا ہمیں بھی موقع عنایت کیجیے تا کہ ہم آپ کی روشنی سے کچھ فائدہ اٹھالیں۔'' (اُس وقت) اِن منافقین سے کہا جائے گا: ''پیچھے لوٹو اور وہاں روشنی تلاش کرو[10]۔'' پھر اُن کے اور اہلِ ایمان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا۔ اُس دروازے کے اندر رحمت ہوگی اور اُس کے باہر کی طرف عذاب ہوگا۔ یہ منافقین اہلِ ایمان سے فریاد کریں گے کہ: ''کیا ہم آپ لوگوں کے ساتھ نہیں تھے؟'' مومن جواب دیں گے: ''ہاں، مگر تم نے اپنے آپ کو فتنوں میں مبتلا رکھا، موقع پرستی کی[11]، شبہات میں مبتلا رہے اور آرزووں نے تمھیں دھوکے میں ڈالے رکھا، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ ظاہر ہو گیا۔ اُس فریب دینے والے (شیطان[12]) نے تمھیں اللہ کے بارے میں دھوکے ہی میں رکھا۔ اس لیے آج نہ تم سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ اُن لوگوں سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا جنھوں نے حق کا انکار کیا تھا۔ تم سب کا ٹھکانا آگ ہے، وہی تمھاری خبر گیری کرنے والی ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ ۱۱-۱۵

[۸] اللہ کو قرض قرار دینے میں جو محبت اور اپیل ہے، وہ محتاج وضاحت نہیں۔ دراصل اس دنیا میں دین کی خدمت کو اللہ اپنا کام قرار دیتا ہے، اس لیے اس خدمت میں انسان جو کچھ بھی قربانی دیتا ہے، اسے اللہ از راہ محبت اپنے ذمے قرض کہتا ہے۔

[۹] یہ دراصل ایمان کی روشنی ہوگی۔

[۱۰] یعنی اپنے ماضی پر نظر ڈالو اور دیکھو کہ کیا تمھارے ماضی میں ایمان کی روشنی موجود ہے۔

[۱۱] 'تربّص' انتظار کرنے اور موقع کی تلاش میں ٹھہرے رہنے کو کہتے ہیں۔ حضوؐر کے مدنی دور میں منافقین نے یہی رویہ اختیار کر رکھا تھا۔ وہ اپنی جگہ بیٹھے ہوئے یہ دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اس کشمکش میں کون کامیاب ہوتا ہے، تا کہ جس کا پلڑا بھاری نظر آئے، اس جانب جھک جائے۔

[۱۲] 'غرور' دھوکے اور دھوکے باز کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد شیطان ہے۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ
وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾ ع اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ
وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ؕ وَفِى الْاٰخِرَةِ
عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾ سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ
مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ
يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾

کیا (کمزور عقیدے کے حامل) ایمان لانے والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ کی نصیحت اور اُس کے نازل کردہ حق کے سامنے جھک جائیں۔ وہ اُن لوگوں (یعنی بنی اسرائیل) کی طرح بن کر نہ رہ جائیں جن کو اِس سے پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر جب اُن پر ایک لمبی مدت گزر گئی تو اُن کے دل سخت ہو گئے اور (آج) اُن میں سے بہت سے نافرمان بنے ہوئے ہیں۔
یاد رکھو کہ زمین کو اُس کی موت کے بعد اللہ ہی زندگی بخشتا ہے۔ ہم نے تمھارے لیے اپنی آیات خوب واضح کر کے بیان کر دی ہیں تاکہ تم عقل سے کام لو۔

صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں یعنی وہ لوگ جنھوں نے اللہ کو 'قرضِ حسنہ' دیا، اُن سب کو یقیناً کئی گُنا بڑھا کر دیا جائے گا اور اُن کے لیے بہترین اجر ہے۔ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولوں پر حقیقی ایمان لائے، وہی اپنے رب کے ہاں صدیقوں اور شہداء کے گروہ میں ہوں گے۔[13] اُن کے لیے اُن کا اجر بھی ہوگا اور اُن کی روشنی (بھی ہوگی)[14]۔ رہے وہ لوگ جنھوں نے حق کا انکار کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا، وہ جہنم والے بنیں گے۔

جان رکھو کہ (آخرت کی فکر کے بغیر) دنیا کی زندگی (مثلاً) —— کھیل کود، زیب وزینت، آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور
مال واولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا —— (اِن سب چیزوں) کی مثال اُس بارش کی سی ہے جس سے پیدا ہونے
والی فصل منکرینِ حق کے دل کو موہ لے، پھر یہ کھیتی لہلہا اٹھے اور پھر (اللہ کی طرف سے کوئی مصیبت پڑنے کے بعد) تم اسے زرد دیکھو
اور پھر وہ ریزہ ریزہ ہوجائے۔ (اس کے برعکس) آخرت کی زندگی میں ایک طرف سخت سزا بھی ہے اور دوسری طرف اللہ کی مغفرت اور
اُس کی خوش نودی بھی۔ گویا (آخرت کی فکر کے بغیر) دنیا کی زندگی ایک دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔[۱۵]

اے اہلِ ایمان، ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کرو، اپنے رب کی مغفرت اور اُس جنت کی طرف جس کا طول وعرض
(یعنی وسعت) آسمان وزمین کی وسعت جیسی ہے۔ وہ جنت تیار کی گئی ہے اُن لوگوں کے لیے جو اللہ اور اُس کے رسولوں پر سچا ایمان
رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے، اللہ جس کو چاہے گا (اپنے قانون کے مطابق) بخشے گا۔ اللہ بڑا ہی فضل کرنے والا ہے۔ ۱۶-۲۱

[۱۳] اللہ کے ہاں صدیق اور شہید ان لوگوں کو کہا جائے گا جو سچے دل سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس ایمان کے تقاضوں کو بجالانے میں انھوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔

[۱۴] آخرت میں ہر مومن کے لیے اس کا ایمان اور اچھے اعمال اس کے لیے روشنی بن جائیں گے جس میں وہ آیندہ اپنی زندگی گزارے گا۔

[۱۵] ہم نے درج بالا آیت کا ترجمہ مولانا اصلاحی کے ترجمے کے مطابق کیا ہے، جس سے پوری آیت کا مطلب بھی واضح طور پر سامنے آجاتا ہے اور یہ قرآن مجید میں بیان کی گئی دوسری مثالوں کے بھی عین مطابق ہے۔ دوسرے مترجمین نے اس آیت کے ترجمے میں لفظ 'کفار' کو اپنے لغوی معنی یعنی ''کسان'' کے معنی میں لیا ہے۔ واضح رہے کہ 'کفر' کے لفظی معنی چھپانے کے ہیں۔ جو شخص دعوت حق کو اچھی طرح جان لیتا ہے اور سمجھ بھی لیتا ہے، لیکن اس کے بعد وہ ایمان پر پردہ ڈال کر اسے چھپا دیتا ہے تو ایسے شخص کو 'کافر' کہا جاتا ہے۔ چونکہ ایک کاشت کار بیج کو زمین میں چھپاتا ہے، اس لیے بطور استعارہ اس کو بھی 'کافر' کہا جاسکتا ہے۔ قرآن مجید نے 'کافر' کو ہمیشہ اپنے اصطلاحی معنی میں استعمال کیا ہے، اس لیے یہ بات دل کو نہیں لگتی کہ یہاں قرآن مجید نے اپنے مخصوص اسٹائل کو چھوڑ کر اس لفظ کو کاشت کار کے معنی میں استعمال کیا ہوگا۔ دوسرے مفسرین نے اس آیت کی جو تاویل کی ہے، اس کی رو سے دنیا اور اس کی زندگی بحیثیت مجموعی ایک قابل نفرت چیز ٹھہرتی ہے اور اس سے اُسی رہبانی تصور کی تائید نکلتی ہے جس کی قرآن نے پوری شدت کے ساتھ تردید کی ہے۔ اس کے برعکس مولانا اصلاحی کے ترجمے کے مطابق یہ دنیا اور اس کی زندگی بجائے خود لعنت نہیں ہے، بلکہ اس کے لعنت یا رحمت ہونے کا تعلق انسان کے رویے سے ہے اور اس آیت میں اسی بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى
اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ

فَخُورٍ ﴿۲۳﴾ ۙ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ

فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾ ع

اے لوگو، جو مصیبت بھی زمینی پیداوار میں یا تمھارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہے، اُس کو وجود میں لانے سے پہلے ہم نے ایک کتاب میں لکھ رکھا ہوتا ہے۔ ایسا کرنا اللہ کے لیے نہایت آسان ہے۔ (یہ بات تمھیں اس لیے بتائی جا رہی ہے) تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے، اُس پر تم مایوس نہ ہو اور جو کچھ اللہ تمھیں عطا کرے، اُس پر پھول نہ جاؤ۔[16] (یاد رکھو کہ) اللہ اکڑنے والوں اور فخر جتانے والوں کو پسند نہیں کرتا، (یہی لوگ ہیں) جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کرنے پر اُکساتے ہیں۔[17] (اب) جو لوگ (اِن باتوں سے) منہ موڑیں گے تو وہ یاد رکھیں کہ اللہ بے نیاز ہے اور ساری اچھی صفات اُسی کے لیے ہیں۔

بے شک، ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں،[18] ہم نے لوہا بھی اتارا جس میں بڑی قوت ہے اور لوگوں کے لیے اِس میں دوسرے فوائد بھی ہیں۔[19] (یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ) اللہ اُن لوگوں کو دوسروں سے ممتاز کر دے جو اللہ کو دیکھے بغیر اُس کی اور اُس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔[20] یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور غالب ہے۔ ۲۲-۲۵

[۱۶] اللہ نے یہ دنیا آزمایش کے لیے بنائی ہے۔ اس لیے یہاں ہر انسان پر مختلف قسم کی آزمایشیں آتی ہیں۔ ان تمام آزمایشوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان کا امتحان کیا جائے۔

یہ تمام آزمایشیں اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں، اس لیے جب ایک بندۂ مومن پر کوئی تکلیف آتی ہے تو وہ دل شکستہ نہیں ہوتا، بلکہ وہ جانتا ہے کہ اگر اس موقعے پر وہ صبر کرے گا تو اللہ قیامت کے دن اسے اچھا اجر دے گا۔ اسی طرح جب ایک بندۂ مومن کو کوئی نعمت ملتی ہے تو اِس پر وہ فخر جتانے نہیں لگتا، اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ نعمت بھی درحقیقت اللہ کی طرف سے ایک آزمایش ہے، چنانچہ اس موقع پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور اس نعمت میں اللہ کے بندوں کا حق ادا کرتا ہے۔

[۱۷] جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس کو مال و دولت محض اس کی ذاتی قابلیت اور محنت سے ملی ہے اور اس میں اللہ کا کوئی کردار نہیں ہے، ایسا شخص لازماً خود بھی کنجوس ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی کنجوسی کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص یہ ایمان رکھتا ہے کہ اصل مسبب الاسباب اللہ ہی کی ذات ہے، ایسا شخص اپنے مال کو ایک امانت سمجھتا ہے اور یوں وہ ہمیشہ سخی ہوتا ہے اور اپنے مال میں اللہ کے بندوں کا حق تسلیم کرتا ہے۔

[۱۸] میزان کا مطلب ہے وہ اصول اور ہدایات جن سے زندگی کے ہر شعبے میں عدل وانصاف قائم ہو۔ اللہ کے رسول اس دنیا میں واضح ہدایات، احکام اور لوگوں کو معیارِ حق و باطل بتانے کے لیے آتے ہیں تاکہ انصاف قائم ہو۔ اسی وجہ سے قرآن مجید کو بھی 'میزان' کہا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن کو 'مھیمن' بھی کہا گیا ہے جس کے معنی کسوٹی کے ہیں۔ گویا قرآن ایک کسوٹی ہے جس پر پرکھ کر کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کیا جاتا ہے۔

[۱۹] یعنی اللہ نے دنیا میں لوہے جیسی طاقت ور چیز کو بھی اسی لیے پیدا کیا کہ ریاست کے حکمران اس کی قوت سے کام لے کر انصاف قائم کریں۔ گویا یہ ضروری ہے کہ اللہ کی طرف سے دی گئی ہر طاقت کو اس دنیا میں انصاف کے قیام کے لیے استعمال کیا جائے۔

'اس میں لوگوں کے لیے دوسرے فوائد بھی ہیں' کا مطلب ان ایجادات کی طرف لوگوں کی توجہ دلانا ہے، جو لوہے کی وجہ سے ممکن ہوئے۔ سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ روز بروز نئی نئی ایجادات ہو رہی ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سائنس بجائے خود ایک بڑی خیر و برکت کی چیز ہے بشرطیکہ اسے انسانیت کے فائدے کے لیے استعمال کیا جائے۔

[۲۰] جب اللہ کے ساتھ 'علم یعلم' کے الفاظ آتے ہیں تو اس کے معنی امتیاز کرنے کے ہوتے ہیں۔ یعنی اللہ جانتا تو سب کچھ ہے، لیکن اس طرح کے امتحان کے ذریعے سے وہ جھوٹے اور سچے میں امتیاز بھی کرا دیتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرَاهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ

فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ

قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۗ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا

رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ

بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ ع

ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو رسول بنا کر بھیجا اور اُن دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب کا سلسلہ جاری رکھا۔ پھر اُن کی اولاد میں سے

کچھ تو ہدایت پانے والے بنے اور بہت سے نافرمان نکلے۔ اس کے بعد ہم نے پے در پے اپنے اور رسول بھی بھیجے۔ انھی کے نقشِ قدم پر ہم نے عیسیٰؑ ابنِ مریم کو بھی بھیجا اور اُس کو انجیل عنایت کی۔ جن لوگوں نے عیسیٰؑ کی پیروی اختیار کی، ہم نے اُن کے دلوں میں ترس اور رحم ڈال دیا۔[۲۱] (البتہ) رہبانیت انھوں نے خود ایجاد کی، ہم نے تو اُن کے اوپر صرف اللہ کی خوش نودی کی طلب فرض کی تھی، مگر انھوں نے اِس کے حدود کا صحیح حق ادا نہیں کیا۔[۲۲] اُن میں سے جو لوگ حقیقی ایمان لائے ہوئے تھے، اُن کا اجر ہم نے اُن کو عطا فرمایا، مگر اُن میں سے بہت سے نافرمان نکلے۔[۲۳]

اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول (یعنی حضورؐ) پر حقیقی ایمان لاؤ، اللہ اپنی رحمت میں سے (تمھارے حق سے) دگنا حصہ عطا کرے گا،[۲۴] تمھیں وہ روشنی بخشے گا جس کو لے کر تم چلو گے[۲۵] اور تمھاری مغفرت فرمائے گا۔ اللہ بڑا ہی معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔ (تم کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے) تا کہ اہلِ کتاب کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کے فضل میں سے کسی چیز پر کوئی اختیار نہیں رکھتے اور یہ کہ فضل تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔[۲۶] وہ جسے چاہتا ہے، عطا فرماتا ہے۔ اللہ بہت بڑا فضل والا ہے۔[۲۷] ۲۶-۲۹

[۲۱] جو لوگ اپنے تئیں حضرت عیسیٰؑ کی پیروی کی پوری کوشش کرتے ہیں، ان کے اندر رحم اور دردمندی کا جذبہ موجود ہوتا ہے، اگر چہ ان کے اندر عقیدے کی خرابیاں موجود ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ مسیحیوں میں سے بہت سے لوگ آج بھی انسانیت کی خدمت کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں۔

[۲۲] رہبانیت کا لفظی مطلب ہے 'خوف کرنے والوں کا طریقہ'۔ گویا اہلِ تقویٰ کا طریقہ۔ اصطلاحاً اس سے مراد ہے تارک الدنیا بن جانا اور دنیوی زندگی سے بھاگ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ لے لینا۔ مسیحیوں کے ہاں تیسری صدی میں رہبانیت نے جنم لیا۔ اس کی ابتدا مصر سے ہوئی، جہاں بڑے پیمانے پر خانقاہیں قائم ہوئیں۔ ان خانقاہوں میں رہنے والے لوگ دنیا کا کوئی کام نہیں کرتے تھے، مسلسل عبادت میں مصروف رہتے تھے اور کسی چیز کی ملکیت رکھنے کو گناہ سمجھتے تھے۔ یہ لوگ سخت ریاضتوں کے ذریعے سے اپنے جسموں کو اذیت دیتے تھے اور عموماً گندے رہتے اور صفائی سے سخت پرہیز کرتے۔ اس رہبانیت نے شادی بیاہ کو عملاً بالکل حرام کر دیا اور ازدواجی زندگی کو ایک بہت بڑا گناہ سمجھا گیا۔ ان لوگوں نے اللہ کو خوش کرنے کے لیے یہاں تک انتہا پسندی اختیار کر لی کہ انھوں نے اپنے قریب ترین رشتہ داروں، حتیٰ کہ اپنے ماں باپ سے بھی اپنا رشتہ کاٹ لیا۔ چونکہ یہ سب چیزیں فطرت انسانی کے بالکل خلاف تھیں، اس لیے ان سب چیزوں کا ردِ عمل بھی شروع ہوا۔ خانقاہوں کے اندر خفیہ ناجائز تعلقات کا ایک بازار گرم ہوا، بے شمار دنیا پرست لوگ لباس درویشی میں راہبوں کے گروہ میں داخل ہو گئے اور ہر خانقاہ اپنی جگہ دولت کا ایک خزانہ بن گئی۔ اسلام میں اس طرح کی رہبانیت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ہمارے دین کے اندر ایک انسان دنیا کا سارا کام کرتے ہوئے اپنے رب کی خوش نودی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی لیے اسلام کو 'دینِ فطرت' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں ہر قسم کی انتہا پسندی ممنوع ہے۔

[۲۳] یعنی ان راہبوں میں سے جس نے اللہ کی بندگی کا حق ادا کیا اور اللہ کی مخلوق کی خدمت کی، ان کو اللہ نے اچھا اجر عنایت کیا۔ لیکن جس نے انتہا پسندی کا راستہ اختیار کیا یا رہبانیت کے پردے میں دنیا پرستی کا کاروبار چمکایا، ایسے لوگ اپنے انجام کو پہنچے۔

[۲۴] یہاں یا ایھا الذین اٰمنوا کے الفاظ اہل کتاب کے لیے بھی ہو سکتے ہیں جو پہلے سے اپنے آپ کو مومن قرار دیتے تھے اور یہ الفاظ عام مسلمانوں کے لیے بھی ہو سکتے ہیں۔

[۲۵] یہ وہی روشنی ہے جو روزِ قیامت اہل ایمان کی رہنمائی کرے گی، یعنی اُن کے ایمان و عمل کی روشنی۔

[۲۶] بنی اسرائیل کا یہ غلط عقیدہ ہے کہ صرف انھی کی نسل اللہ کی چہیتی ہے اور صرف وہی اللہ کے فضل کے حق دار ہیں۔ یہاں قرآن مجید نے اہل ایمان سے کہا ہے کہ خواہ بنی اسرائیل صرف اپنے آپ کو اللہ کے فضل کا حق دار قرار دیں، تب بھی اہل ایمان کو اسلام پر قائم رہنے کا حق ادا کرنا چاہیے۔ اس طرح سب لوگوں کو خود ہی یہ معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کے فضل پر کسی نسلی گروہ کا اجارہ نہیں ہے۔

[۲۷] یعنی اللہ ہر اس شخص کو آخرت میں اپنے فضل سے نوازے گا جو سچے دل سے اللہ اور اس کے بندوں کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس آخری آیت کے ذریعے سے اس سورہ کی آیت نمبر ۲۵ میں لوہے کے استعمال سے طاقت وقوت کے ذریعے انصاف کے قیام کی بات کی گئی ہے۔ اس آخری آیت کے ذریعے سے قرآن نے یہ پیشین گوئی کی ہے کہ بہت جلد حضورؐ اور صحابۂ کرامؓ پر اللہ کی طرف سے یہ فضل بھی ہوگا کہ وہ ریاست وحکومت کی طاقت کے ذریعے سے انصاف قائم کریں گے۔

اسی آیت پر اس سورہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

سورۂ مجادلہ

[۵۸]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں **تجادلک** ' کا لفظ آیا ہے، چنانچہ اس لفظ کی وجہ سے اس سورہ کو یہ نام دیا گیا۔

زمانۂ نزول اور مضمون

مدنی دور کی اس سورہ میں مسلمانوں کو مختلف معاشرتی اور تہذیبی رویے سکھائے گئے ہیں اور اس ضمن میں کئی ہدایات دی گئی ہیں۔ منافقین کے بعض رویوں پر بھی گرفت کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام کا مطلوب انسان کیسا ہوتا ہے۔

رکوعاتها ۳ | سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ | اٰیاتها ۲۲

[پارہ نمبر 28]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِىْ تُجَادِلُكَ فِىْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِىْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ﴿۱﴾ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـئِىْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۳﴾ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد و حساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ کے لیے ہے۔

اللہ نے سُن لی اُس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملہ میں تم سے جھگڑ رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی۔ (اُس وقت) اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ اللہ کامل سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔۱

اے اہلِ ایمان، تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظِہار کر بیٹھتے ہیں (یعنی شوہر اور بیوی کی لڑائی میں شوہر غصے میں آکر اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تم میرے لیے ایسی ہو جیسے میری ماں کی پیٹھ)، اُن کی بیویاں اُن کی مائیں نہیں بن جاتیں۔ اُن کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے اِن کو جنا ہے۔ البتہ اس طرح کے لوگ ایک نہایت ناگوار اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔۲ بہرحال اللہ درگزر فرمانے والا اور بخشنے والا ہے۔

جو لوگ اپنی بیویوں سے ظِہار کر بیٹھیں اور پھر اپنی اُس بات سے رجوع کریں جو انھوں نے کہی تھی،۳ تو اِس سے پہلے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، ایک گردن کو آزاد کرانا ہوگا۔ یہ بات ہے جس کی تم کو نصیحت کی جارہی ہے۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے

[۵] یعنی یہ کہ اگر انسان سے کوئی غلطی یا کمزوری ہو جائے اور اس کی تلافی میں وہ کفارے کی مشقت اٹھائے تو اس عمل سے اس کی غلطی کی تلافی ہو سکتی ہے۔ اللہ اس کو ایک نا قابلِ حل مشکل میں گرفتار نہیں کرنا چاہتا۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَآ اٰيَاتٍۢ بَيِّنَاتٍ ط
وَلِلْكَافِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵﴾ ج يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ط أَحْصَاهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ط وَاللّٰهُ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۶﴾ ع أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ع
ثَلٰثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ أَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا
كَانُوْا ص ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ط إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ
النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنَاجَوْنَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ز وَإِذَا جَآءُوْكَ
حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ لا وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ أَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ط حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ج
يَصْلَوْنَهَا ج فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۸﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ
الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹﴾ إِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطَانِ
لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ط وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾

جو لوگ (یعنی پکے منافقین) اللہ اور اس کے رسول کے خلاف محاذ آرائی کر رہے ہیں، وہ اسی طرح ذلیل و خوار کر دیے جائیں گے جس طرح اُن سے پہلے اُن کی طرح کے لوگ ذلیل ہوئے[6]۔ ہم نے نہایت واضح تنبیہات نازل کر دی ہیں اور منکرینِ حق کے لیے نہایت سخت ذلیل کرنے والی سزا ہے۔ ایک دن آئے گا جب اللہ ان سب کو (پھر سے زندہ کر کے) اٹھائے گا اور اُن کو اُن کے سارے اعمال سے آگاہ کر دے گا۔ اللہ نے اِن سب اعمال کو شمار کر رکھا ہے، اگر چہ یہ لوگ اِن کو بھلائے بیٹھے ہیں۔ اللہ ہر چیز پر کامل گواہ ہے۔ اے منافقین، کیا تم سمجھتے نہیں ہو کہ آسمان و زمین کی ہر چیز کا علم اللہ کو ہے؟ جب تین آدمیوں میں سرگوشی ہوتی ہے تو چوتھا اللہ ہوتا

باخبر رہتا ہے۔ پھر جس شخص کو یہ میسر نہ ہو تو وہ دو مہینے کے لگا تار روزے رکھے، ہاتھ لگانے سے پہلے۔ جو شخص اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو اُس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے[۴]۔

یہ (حکم تمھیں) اس لیے (دیا جا رہا ہے) کہ اللہ اور اس کے رسول پر تمھارا ایمان مضبوط ہو جائے[۵]۔ یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ جب کہ منکرینِ حق کے لیے دردناک سزا ہے۔ ۱-۴

[۱] 'مجادلۃ' کا لفظ قرآن مجید میں اچھے اور برے، دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس لفظ کے برے معنی کٹ حجتی اور جھگڑنے کے ہیں، اور اس کے اچھے معنی کسی سے اپنی بات دلیل اور اصرار کے ساتھ منوانے کی کوشش کرنے کے ہیں۔ اس میں بھی بظاہر جھگڑنا ہی ہوتا ہے، لیکن یہ جھگڑنا محبت اور اعتماد کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہاں قرآن مجید نے ایک ایسی خاتون کا ذکر کیا ہے جو اپنے ایک معاملے میں اپنا موقف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بہت اصرار اور تکرار کے ساتھ رکھ رہی تھی۔ جیسا کہ آگے آیات سے معلوم ہوگا، اللہ کو اس خاتون کا یہ اصرار پسند آیا۔ صحیح روایات کے مطابق ایک خاتون حضرت خولہؓ بنت ثعلبہ کے شوہر ایک دفعہ غصے میں آ کر اپنی بیوی کو کہہ بیٹھے: ''اب اگر میں نے تجھ کو کبھی ہاتھ لگایا تو گویا اپنی ماں کی پیٹھ کو ہاتھ لگایا۔'' زمانۂ جاہلیت میں ان الفاظ کو طلاق کی سخت ترین قسم سمجھا جاتا تھا جس کے بعد دوبارہ ملاپ کی کوئی صورت ممکن نہیں تھی۔ چنانچہ حضرت خولہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور بار بار یہ عرض کیا کہ اگر ہم دونوں کی جدائی ہوگئی تو ہم مصیبت میں پڑ جائیں گے اور ہمارے بچے تباہ ہو جائیں گے۔ الفاظ قرآن سے بھی یہ بات نکلتی ہے اور بعض روایات سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خولہؓ کے شوہر کے مزاج میں تیزی تھی جس کے سبب سے غصے میں ان کی زبان سے ایک ناروا فقرہ نکل گیا۔ یہ کوئی ٹھنڈے دل سے اور سوچ بچار کے بعد کیا جانے والا فیصلہ نہیں تھا۔

[۲] یعنی یہ ایک انتہائی ناپسندیدہ اور غلط بات تو ہے، لیکن اس سے ایسی طلاق واقع نہیں ہوتی جس کے بعد رجوع کا کوئی موقع نہ رہے۔

[۳] یعنی اگر یہ الفاظ انھوں نے ٹھنڈے دل سے ادا کیے ہوں اور اس سے ان کا ارادہ واقعۃً طلاق دینے کا ہو، تب تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن اگر وہ اپنے کیے پر پشیمان ہو جائیں اور دوبارہ تعلق زن و شو بحال کرنا چاہیں تو پھر انھیں ایک خاص ضابطے پر عمل کرنا پڑے گا۔

[۴] ایک اہل ایمان کو کبھی بھی اس طرح کی بے ہودہ باتیں زبان سے نہیں نکالنی چاہییں۔ اور اگر کبھی انسانی کمزوری کی وجہ سے ایسا ہو جائے تو اس کا صحیح کفارہ یہ ہے کہ ایک گردن کو آزاد کیا جائے۔ اس لفظ کا مصداق پرانے زمانے میں لونڈی اور غلام ہوا کرتے تھے، جبکہ آج کل قرض کے بوجھ تلے مزدور اور قیدی بھی اس کیٹگری میں شامل ہیں۔ اگر کسی شخص کے بس میں یہ نہ ہو تو وہ پے در پے دو مہینے کے روزے رکھے اور اگر وہ اس کی بھی استطاعت نہ پاتا ہو تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

اس عاجز کی رائے میں ہم قرآن مجید کی اس ہدایت سے یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ آج کل کے حالات میں جبکہ دین کا علم بہت کمزور ہو گیا ہے اور لوگوں کے اندر اشتعال انگیزی بہت بڑھ گئی ہے، شدید غصے میں دی گئی تین اکٹھی طلاقوں، جس کے فوراً بعد مرد نادم ہو جائے، کا بھی یہی کفارہ ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ ایک طلاق کو واقع کر دینا چاہیے۔ اس موضوع پر اس عاجز نے اپنی کتاب ''اسلام اور عورت'' میں تفصیلی بحث کی ہے۔

ہے اور جب پانچ آدمیوں میں سرگوشی ہوتی ہے تو چھٹا اللہ ہوتا ہے۔ (یہ سرگوشیاں کرنے والے) خواہ اِس سے کم ہوں یا زیادہ، جہاں بھی وہ ہوں، اللہ اُن کے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر روزِ قیامت وہ اُن کو اُن کے سارے کرتوتوں سے آگاہ کردے گا۔ بے شک، اللہ ہر بات کا علم رکھنے والا ہے۔

اے نبیؐ، تم نے دیکھا اِن لوگوں کو جنھیں سرگوشیوں سے روکا گیا تھا، پھر بھی یہ لوگ وہی حرکت کیے جارہے ہیں جس سے اُن کو منع کیا گیا تھا! یہ لوگ آپس میں گناہ، زیادتی اور رسولؐ کی نافرمانی پر مشتمل خفیہ باتیں کرتے ہیں۔ یہ لوگ جب تمھارے پاس آتے ہیں تو تم کو ایسے لفظ سے سلام کرتے ہیں، جس سے اللہ نے تم کو سلام نہیں بھیجا[۸]۔ پھر یہ لوگ اپنے دلوں میں (اسلام کا مذاق اُڑاتے ہوئے) کہتے ہیں کہ ہماری اِن باتوں پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا[۹]؟ درحقیقت اِن لوگوں کے لیے جہنم ہی کافی ہے۔ یہ لوگ اسی میں جا پڑیں گے۔ پس وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

اے اہلِ ایمان، جب تم لوگ آپس میں پوشیدہ بات کرو تو گناہ، زیادتی اور رسولؐ کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کرو، بلکہ نیکی اور تقویٰ کی سرگوشی کرو[۱۰]۔ اللہ سے ڈرو، جس کے سامنے تم سب اکٹھے کیے جاؤ گے۔

(اِن منافقین کی) سرگوشیاں تو شیطان کی طرف سے ہیں تاکہ اہلِ ایمان اِن سے رنجیدہ ہوں، حالانکہ اللہ کی اجازت کے بغیر یہ سرگوشیاں اہلِ ایمان کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچاسکتیں۔ مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔ ۵-۱۰

[۶] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدنی دور میں کچھ لوگوں نے نفاق کا راستہ اختیار کرلیا۔ ان کے نفاق کے کئی درجے تھے۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو اسلام کے بدترین مخالف تھے، لیکن جنھوں نے اپنے مفادات کی خاطر اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ ان لوگوں کی منافقانہ سرگرمیاں وقتاً فوقتاً سامنے آتی رہتی تھیں۔

[۷] یہ منافقین، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کے خلاف سازشوں کے لیے خفیہ اجلاس منعقد کرتے اور بسا اوقات آپس میں چپکے چپکے سرگوشیاں کرتے رہتے تاکہ ہر موقع پر اپنے چیلوں چانٹوں کو فوری ہدایات دے سکیں۔

[۸] قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام و رحمت کی دعا کرنے کا طریقہ سکھایا ہے۔ جب منافقین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے تو یہ بدبخت ایسے الفاظ استعمال کرتے جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کا پہلو نکلتا تھا، مثلاً یہ لوگ 'السلام' کے بجائے منہ بگاڑ کر 'سام' کا لفظ استعمال کرتے جس کے معنی موت کے ہیں۔

[۹] یعنی ان لوگوں کے خیال میں اگر ان کی ان گستاخانہ باتوں پر اللہ کی طرف سے فوری طور پر سزا نازل نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام برحق دین نہیں ہے۔

[۱۰] یعنی رازدارانہ مشورہ بذاتِ خود کوئی غلط چیز نہیں ہے۔ اجتماعی زندگی میں نیکی کے کاموں اور تنازعات میں صلح کے لیے اس کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ البتہ شیطانی کاموں کے لیے سرگوشیاں منع ہیں۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِى الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا

فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ يٰٓاَيُّهَا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ

تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا

وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع

اے اہلِ ایمان، جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کُھل کر بیٹھو تو (اس حکم کے مطابق) کُھل کر بیٹھ جاؤ، (اِس طرح) اللہ تمھارے لیے کشادگی پیدا کرے گا[11]۔ اور جب تم سے کہا جائے کہ اُٹھ جاؤ تو اُٹھ جایا کرو[12] تم میں سے جو لوگ حقیقی اہلِ ایمان ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے، اللہ اُن کے درجے بلند کرے گا[13]۔ تمھارے سب اعمال سے اللہ پوری طرح باخبر ہے۔

اے اہلِ ایمان، جب تمھیں رسول سے رازدارانہ بات کرنی ہو تو بات کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے دو[14]۔ یہ تمھارے لیے زیادہ بہتر اور زیادہ پاکیزہ ہے۔ البتہ اگر تم اس کی استطاعت نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے[15]۔

کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ رسول سے تخلیہ میں گفتگو کرنے سے پہلے تمھیں صدقات دینے ہوں گے؟ —— اچھا، اگر اب تم ایسا نہ کرو اور اللہ نے تم کو اِس صدقے سے معاف کر دیا، تو نماز کا اہتمام رکھو، زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو۔ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اُس سے اچھی طرح باخبر ہے[16]۔ ۱۱-۱۳

[۱۱] منافقین، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اس طرح اکٹھے اور قریب قریب بیٹھتے کہ ان کے جتھے سے باہر کے کسی آدمی کے لیے ان کے اندر گھسنے کی کوئی گنجایش باقی نہ رہتی۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا کہ وہ فوری طور پر آپس میں سرگوشیاں کر کے فتنہ بنا سکیں۔ چنانچہ قرآن نے یہ ہدایت کی کہ مجلس میں کھل کر بیٹھا جائے اور ہر نئے آنے والے کے لیے گنجایش پیدا کی جائے۔ قرآن کے الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ آداب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے ساتھ ساتھ باقی سب مجالس کے لیے بھی ہیں۔

[۱۲] مجلس کا ایک دوسرا ادب یہ ہے کہ جب بھی صدرِ مجلس کی طرف سے مجلس کے خاتمے کا اعلان ہو جائے تو لوگ اس ہدایت کی تعمیل کریں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر انفرادی طور پر بھی کسی شخص کو ہدایت کی جائے کہ وہ مجلس میں اپنی جگہ سے اٹھ کر کسی دوسری جگہ بیٹھ جائے یا مجلس سے باہر چلا جائے یا اپنی جگہ کسی دوسرے کے لیے خالی کر دے تو اس ہدایت کی بھی تعمیل کی جائے۔

[۱۳] یعنی ممکن ہے کہ تمھیں ایسی ہدایت میں اپنی کچھ سبکی محسوس ہو، لیکن یہی صحیح طریقہ ہے اور اس پر عمل کرنے والوں کو اللہ ان کے لیے عزت کا ذریعہ بنائے گا۔

یہاں 'اوتو العلم' سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو توحید و رسالت کے تقاضوں کا پورا شعور اور علم ہے۔

[۱۴] جب قرآن مجید نے منافقین کے رویہ پر سخت گرفت کی تو ان میں سے ہر ایک کو یہ فکر ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں مل کر اپنی سچی جھوٹی باتوں سے آپؐ کو مطمئن کرنے کی کوشش کرے۔ اسی طرح بعض منافقین، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں ملاقات کے بعد اپنی باتوں کو کچھ اور رنگ دے کر پیش کرتے۔ چونکہ ان منافقین میں بخل اور حرص کی بیماری عام تھی، اس لیے قرآن نے یہ پابندی لگا دی کہ ایسی ہر ملاقات سے پہلے ایسا فرد ضرور کچھ صدقہ دے گا۔

[۱۵] منافقین زیادہ تر مال دار تھے جب کہ بہت سے مخلص مسلمان غریب تھے۔ چنانچہ یہاں ان مخلص مسلمانوں کے لیے رعایت دی گئی۔

[۱۶] جب آیت نمبر ۱۲ کے ذریعے سے تخلیے کی ملاقاتوں کی حوصلہ شکنی ہو گئی تو کچھ عرصے کے بعد یہ آیت نازل ہوئی جو سابقہ آیت کے حکم کو منسوخ کرتی ہے۔ قرآن مجید میں ان دونوں آیات کو یہاں اس وجہ سے اکٹھا درج کیا گیا تا کہ اس سے ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ جب بھی کسی وقتی اور ہنگامی قانون کا مقصد پورا ہو جائے تو پھر اس کو ختم کر دیا جائے۔ منسوخ کرنے والی آیت کو بھی قرآن کی ترتیب میں ابتدائی حکم کے ساتھ ہی جگہ دی گئی تا کہ پوری بات کے سسٹم کو سمجھنے میں مشکل پیش نہ آئے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ج مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ لا وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ
وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۴﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ط إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً
فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ط
أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ط هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ
وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ط أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿۱۸﴾ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ط
أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ط أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۱۹﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ط إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ط

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٢٢﴾ ع

اے اہلِ ایمان، کیا تم نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کو جو دوست رکھتے ہیں ایک ایسی قوم کو جس پر اللہ کا غضب ہوا[17]؟ یہ (منافقین) نہ تمھارے ہیں اور نہ اُن (یہود) کے۔ یہ لوگ جانتے بوجھتے جھوٹی بات پر قسم کھاتے ہیں۔ اللہ نے اِن کے لیے سخت سزا تیار کر رکھی ہے۔ بے شک، یہ لوگ نہایت بُرے کام کر رہے ہیں۔ اِن لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے[18]، یہ لوگ اللہ کی راہ سے رُک گئے ہیں، پس ان کے لیے ذلت کی سزا ہے۔

اِن منافقین کے مال اور اُن کی اولاد اِن کو اللہ سے ذرا بھی بچانے والے نہیں بن سکیں گے۔ یہ دوزخ والے ہیں اور یہ ہمیشہ اِسی میں رہیں گے۔ جس دن اللہ اِن سب کو اٹھائے گا تو یہ لوگ اللہ کے سامنے بھی اُسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمھارے سامنے کھا رہے ہیں۔ یہ لوگ گمان کریں گے کہ اِن قسموں سے ان کا کچھ کام بن جائے گا۔ خوب جان لو کہ یہ لوگ پَرلے درجے کے جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان مسلط ہو چکا ہے اور اُس شیطان نے ان (کے دل) سے اللہ کی یاد بھلا دی ہے۔ یہ منافقین شیطان کی پارٹی کے لوگ ہیں۔ سن لو کہ شیطان کی پارٹی والے ہی نقصان میں رہنے والے ہیں[19]۔

جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے دشمنی کر رہے ہیں، وہی لوگ ذلیل ہونے والوں میں ہوں گے۔ اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ بے شک میں اور میرے رسول غالب رہیں گے[20]۔ یقیناً اللہ قوی اور زور آور ہے۔

تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، وہ اُن لوگوں سے محبت کریں جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کر رہے ہوں، خواہ وہ اُن کے باپ، بیٹے، بھائی یا اہلِ خاندان ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو مضبوط کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک خاص (روحانی) فیض عطا کر کے اُن کی تائید فرمائی ہے[21]۔ اللہ اِن اہلِ ایمان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے اندر نہریں جاری ہوں گی۔ (یہ لوگ) اِن باغوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اِن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہی لوگ اللہ کی پارٹی ہیں۔ سن رکھو کہ اللہ کی پارٹی ہی کامیاب ہونے والی ہے[22]۔ ۱۴-۲۲

[۱۷] مراد ہیں منافقین، جو مدینے کے اسلام دشمن یہودیوں کے ساتھ دلی دوستی رکھتے تھے۔

[۱۸] یعنی جب بھی ان کی کسی غلطی پر گرفت کی جاتی ہے تو یہ لوگ قسموں کے ذریعے سے اپنا بھرم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

[۱۹] شیطان کی پارٹی والے لوگ وہ ہیں جن کو حق کی دعوت پوری طرح پہنچی اور پھر بھی انھوں نے جان بوجھ کر اس دعوت کی دشمنی کو اپنا مشن بنالیا۔

[۲۰] یہاں اللہ نے اپنی اس سنت کا اعلان فرمایا ہے کہ اللہ کے رسول اور شیطان کی پارٹی کے درمیان کشمکش میں غلبہ لازماً اللہ اور رسول کا ہوگا۔ یعنی یا تو رسول کے ساتھیوں کو اپنے دشمنوں پر فیصلہ کن فتح مل جائے گی یا رسول کے دشمنوں پر اللہ کی طرف سے سزا نازل ہوجائے گی۔

[۲۱] جو لوگ کھلم کھلا اسلام کے دشمن ہوں، ان سے اہل ایمان کے لیے محبت کا تعلق رکھنا ممکن نہیں ہے، خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ صحابۂ کرامؓ اس کی روشن مثال تھے۔ جب ایک انسان ایمان کی حرارت کو اپنے دل میں زندہ رکھتا ہے تو اس طرح کی نازک آزمایش کے وقت اللہ اسے اپنے خاص روحانی فیض سے قوت ارادی بہم پہنچاتا ہے اور وہ اس آزمایش سے بھی سرخ رو ہو کر نکلتا ہے۔

[۲۲] رسول کے ساتھی ہی دراصل اللہ کی پارٹی کے لوگ ہوتے ہیں۔ صحابۂ کرامؓ کا یہی درجہ و مرتبہ تھا۔ اسی لیے ہم صحابۂ کرامؓ کے ناموں کے ساتھ 'رضی اللہ عنہ' کے الفاظ شامل کرتے ہیں۔

اسی آیت پر اس سورہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

سورۂ حشر

[۵۹]

نام

اس سورہ کی دوسری آیت میں یہ لفظ آیا ہے، جس کی وجہ سے اس سورہ کو یہ نام دیا گیا۔

زمانۂ نزول اور مضمون

سابقہ سورہ میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کر رہے ہیں، وہ بالآخر ذلیل وخوار ہوں گے۔ غلبہ ہمیشہ اللہ اور اس کے رسولوں ہی کے لیے ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سورہ میں ان واقعات کو سامنے لایا گیا ہے جو اس دوران میں پیش آئے تھے اور ان واقعات کے ذریعے سے ہر کسی کو خبردار کیا گیا ہے کہ جس طرح یہ دشمن زیر ہوئے، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب مخالفین نیست ونابود ہو کر رہیں گے۔

اس سورہ میں یہودیوں کے ایک قبیلے بنی نضیر کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ یہ واقعہ چار ہجری میں پیش آیا تھا۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے یثرب کے گرد ونواح میں تین یہودی قبیلے بستے تھے۔ یہ قبیلے سیکڑوں برس پہلے یہاں آ کر آباد ہوئے تھے اور انھوں نے اپنے آپ کو مکمل طور پر عربوں کی تہذیب میں رنگ لیا تھا، حتیٰ کہ وہ عربی زبان بولتے تھے اور اپنے بچوں کے نام بھی عربی زبان میں ہی رکھتے تھے۔ البتہ مذہبی اور نسلی اعتبار سے وہ بنی اسرائیل ہونے کا گہرا احساس رکھتے تھے اور اپنے آپ کو عربوں سے برتر جانتے تھے۔ یہ لوگ معاشی اعتبار سے بہت مستحکم تھے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لائے اور آپؐ اس ریاست کے سربراہ بن گئے تو آپؐ نے یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کو 'میثاق مدینہ' کہا جاتا ہے۔ اس معاہدے کے ذریعے سے یہودی اس ریاست کے معاہد شہری بن گئے۔ اس معاہدے کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

☆ ریاست مدینہ کے یہود اور مسلمان ایک ہی امت (یعنی قوم) ہوں گے۔ دونوں اپنے اپنے دین پر عمل کریں گے۔

☆ مسلمان اپنے اخراجات کے ذمہ دار ہوں گے اور یہود اپنے اخراجات کے ذمہ دار ہوں گے۔

☆ حملہ آور کے مقابلے میں اس معاہدے کے شرکا ایک دوسرے کی مدد کے پابند ہوں گے۔

☆ اس معاہدے کے شرکا کے باہمی تعلقات خیر خواہی، نیکی اور باہمی فائدے کی بنیاد پر ہوں گے، گناہ اور زیادتی پر نہیں ہوں گے۔

☆ مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

☆ اس معاہدے کے شرکا پر مدینے میں ہنگامہ آرائی اور فتنہ وفساد حرام ہوگا۔

☆ اگر اس معاہدے کے فریقوں میں کوئی اختلاف رونما ہو جائے تو اس کا فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے۔

☆ قریش اور ان کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

☆ یہ معاہدہ کسی ظالم یا مجرم کے لیے آڑ نہ بنے گا۔

لیکن ابھی بہت وقت نہ گزرا تھا کہ یہودیوں کے ایک قبیلے، بنی قینقاع نے یہ معاہدہ توڑ دیا اور جنگ بدر کے بعد اس قبیلے کی طرف سے کئی جارحانہ اقدامات کیے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سمجھانے کی بہت کوشش کی، مگر ان لوگوں نے صاف صاف بغاوت کر لی۔ بالآخر دو ہجری کے آخر میں مسلمانوں نے اس قبیلے کا محاصرہ کر لیا اور ان لوگوں کو مدینہ سے نکال دیا گیا۔

جنگ احد کا موقع مسلمانوں کے لیے بہت سخت آزمایش کا مرحلہ تھا۔ اس موقعے پر یہودیوں کے دوسرے قبیلے، بنی نضیر نے مدینے کی مدافعت میں مسلمانوں کی کوئی مدد نہ کی۔ اس جنگ کے بعد بنی نضیر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے ایک سازش کی جو عین وقت پر ناکام ہوگئی، چنانچہ اب اس قبیلے کے ساتھ بھی کسی رعایت کا سوال باقی نہ رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو الٹی میٹم دے دیا کہ دس دن کے اندر اندر مدینہ سے نکل جائیں۔ دوسری طرف منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے ان کو پیغام بھیجا کہ میں تمھاری مدد کروں گا۔ اس بھروسے پر انھوں نے مدینے سے نکلنے سے انکار کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول چار ہجری میں ان کا محاصرہ کر لیا اور صرف چند روز کے محاصرے کے بعد یہ لوگ مدینہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ یہی واقعہ ہے جس کے متعلق اس سورہ میں بحث کی گئی ہے۔

یہودیوں کے تیسرے قبیلے کا انجام سورۂ احزاب میں بیان کیا گیا ہے۔

رکوعاتها ۳

سُورَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ

آیاتها ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ وقف النبي ﷺ
مِّنَ اللّٰهِ فَاَتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ
وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۖ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۲﴾ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ
وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ﴿۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
الْعِقَابِ ﴿۴﴾ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِيْنَ ﴿۵﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

آسمان وزمین کی سب چیزیں اللہ ہی کی تسبیح کرتی ہیں۔ وہی غالب اور کامل حکمت والا ہے۔ وہی اللہ ہے جس نے اہلِ کتاب میں سے اُن لوگوں کو جنھوں نے حق کا انکار کیا، پہلے ہی حملے میں اُن کے گھروں سے نکال باہر کیا۔ [1] تم مسلمانوں کو ہرگز یہ گمان نہ تھا کہ یہ لوگ نکل جائیں گے اور وہ بھی یہ سمجھ رہے تھے کہ اُن کے قلعے اُن کو اللہ کی پکڑ سے بچائیں گے۔ [2] مگر اللہ کا قہر اُن پر ایسے رُخ سے آیا جدھر اُن کا خیال بھی نہ گیا تھا۔ اللہ نے اُن کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ وہ خود اپنے ہاتھوں سے بھی اپنے گھروں کو اُجاڑ رہے تھے اور مومنوں کے ہاتھوں سے بھی (برباد کروا رہے تھے)۔ — پس اے (دل کی) آنکھیں رکھنے والو، اس واقعے سے عبرت حاصل کرو۔ [3]

اگر اللہ نے اِن (بنی نضیر) کے لیے جلاوطنی مقدر نہ کر رکھی ہوتی تو وہ انھیں دنیا میں ہی (اس سے بھی بڑی) سزا دے ڈالتا، اور [4] آخرت میں تو اِن لوگوں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے ہی۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ پس جو بھی اللہ کا مقابلہ کرے تو اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

اے اہلِ ایمان، تم لوگوں نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جن کو (اپنی جڑوں پر) سلامت رہنے دیا، یہ سب اللہ ہی کی اجازت سے تھا تاکہ اللہ نافرمانوں کو رسوا کر دے۔[5] ۱-۵

[۱] حشر کے معنی ہیں منتشر افراد کو اکٹھا کرنا یا بکھرے ہوئے اشخاص کو جمع کر کے نکالنا۔ پہلے معنی کے لحاظ سے روزِ قیامت کو روزِ حشر بھی کہا جاتا ہے، جب کہ دوسرے معنی میں اس لفظ کو اردو میں بھی استعمال کیا جاتا ہے مثلاً ہم کہتے ہیں: ''فلاں کا یہ حشر ہوا۔'' اس جگہ 'اول حشر' سے کیا مراد ہے، اس میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ مفتی محمد شفیع اور مولانا اصلاحی کے مطابق اس سے مراد بنی نضیر کا مدینہ سے اخراج ہے اور اس کو ان کا پہلا حشر اس معنی میں کہا گیا ہے کہ ان کا دوسرا حشر حضرت عمرؓ کے دور میں ہوا جب ان کو جزیرۃ العرب سے نکالا گیا، اور ان کا آخری حشر قیامت کے روز ہوگا۔ دوسرے گروہ کے مطابق اس سے مراد مسلمانوں کی فوج کا اجتماع ہے جو بنی نضیر سے جنگ کرنے کے لیے ہوا تھا۔ ابھی صحابۂ کرامؓ ان سے لڑنے کے لیے جمع ہی ہوئے تھے اور اصل لڑائی کی نوبت ہی نہ آئی تھی کہ اللہ کی قدرت سے وہ جلاوطنی کے لیے تیار ہو گئے۔ شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالقادر اور مولانا مودودی کا یہی نقطۂ نظر ہے۔ اس عاجز کو اسی دوسرے نقطۂ نظر سے اتفاق ہے۔

[۲] ہر رسول اور اس کے ساتھی دراصل اللہ ہی کا کام کر رہے ہوتے ہیں، اس لیے یہاں بطور استعارہ اس بات کو یوں بیان کیا گیا کہ: ''اللہ کا قہر ان پر ایسے رُخ سے آیا''۔

[۳] یعنی بنی نضیر کے اس انجام میں سب لوگوں کے لیے یہ سبق ہے کہ اللہ اپنے رسول کو غالب کر کے رہے گا۔

[۴] یعنی اگر اللہ چاہتا تو ان پر صحابۂ کرامؓ کے ہاتھوں موت کی سزا بھی نافذ کروا سکتا تھا، لیکن چونکہ ان کا جرم ابھی اس درجے تک نہیں پہنچا تھا، اس لیے اللہ نے ان کے لیے جلاوطنی مقدر کر دی۔

[۵] اس بات کی تفصیل یہ ہے کہ اس محاصرے کے دوران میں جنگی مصلحت کی غرض سے صحابۂ کرامؓ نے کھجوروں کے کچھ درخت کاٹ ڈالے۔ اس پر منافقین و یہود نے یہ پروپیگنڈا کیا کہ یہ لوگ سرسبز درختوں کو کاٹ کر ایک غلط حرکت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ قرآن نے اس کا یہ جواب دیا کہ ان نافرمانوں سے نمٹنے کے لیے اس کام کا اذن اللہ کی طرف سے تھا اور اس میں ان عہد شکنوں کے لیے رسوائی یعنی شکست کا سامان بھی تھا۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ
عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۶﴾ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ
وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ
اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۷﴾ لِلْفُقَرَاۗءِ

وقف لازم

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿٨﴾ۚ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ
اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۟ؕ قف
وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٩﴾ۚ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا
وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠﴾ ع ۱

اے اہلِ ایمان، جو مال اللہ نے اُن لوگوں کے قبضے سے نکال کر اپنے رسول کی طرف لوٹا دیے،[٦] (وہ ایسے مال نہیں ہیں) جن پر تم نے اپنے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے ہوں، بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جن پر چاہتا ہے، غلبہ عطا فرما دیتا ہے۔[٧] اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو کچھ بھی اللہ ایسی بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے تو وہ اللہ، اُس کے رسول، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تا کہ مال و دولت کی گردش تمھارے مال داروں ہی کے اندر محدود ہو کر نہ رہ جائے۔[٨] جو کچھ رسول تمھیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے تم کو روک دے اُس سے رُک جاؤ۔[٩] اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ یہ مال خاص طور پر اُن محتاج مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنی جائدادوں سے نکالے گئے۔ یہ لوگ اللہ کا فضل اور اُس کی خوشنودی کے طلب گار ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی راست باز لوگ ہیں۔

جو لوگ (اِن مہاجرین کی آمد سے) پہلے ہی اس جگہ (یعنی مدینہ) میں مقیم ہیں اور ایمان لائے ہوئے ہیں، یہ اُن لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے اُن کے پاس آئے ہیں، جو کچھ بھی اِن مہاجرین کو دے دیا جائے اُس پر اپنے دلوں میں کوئی کھٹک محسوس نہیں کرتے۔ یہ انصارِ مدینہ اُن مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دے رہے ہیں، خواہ یہ انصار اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔[١٠] (اِن انصار نے اپنے آپ کو دل کے لالچ سے محفوظ رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ) جو لوگ خود غرضی (اور دل کی تنگی) سے بچا لیے گئے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔[١١]

جو لوگ اِن (اولین مہاجرین و انصار) کے بعد آئے ہیں، وہ دعا کرتے ہیں کہ ”اے ہمارے رب، ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے اُن بھائیوں کی بھی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں۔ ہمارے دلوں میں اہلِ ایمان کے لیے کینہ و بغض پیدا نہ ہونے دے۔[١٢]

اے ہمارے رب، بے شک تو نہایت مہربان اور رحیم ہے۔"٦-١٠

[٦] اس دنیا کی ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے، اس لیے یہ اس کا اختیار ہے کہ وہ کسی بھی وقت کسی چیز کو کسی دوسرے کی ملکیت میں دے دے۔ خصوصاً جو لوگ اپنے مالوں کو "قتال فی سبیل الطاغوت" کے لیے استعمال کرتے ہیں، وہ لوگ درحقیقت اس دنیا میں فتنہ وفساد برپا کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ وسائل پر ان کا تصرف ختم کیا جائے۔

[٧] اس زمانے میں سرزمین عرب میں جنگ کا یہ عام طریقہ تھا کہ سب لوگ اپنے اپنے اسلحے، گھوڑوں اور اونٹوں وغیرہ کا خود انتظام کرتے۔ پھر جب فتح کی صورت میں دشمن کا مال ان کے ہاتھ لگ جاتا تو اسے اپنی ملکیت میں لے لیتے۔ گویا یہ ان کے اخراجات پورے کرنے کی صورت تھی۔ اس ضمن میں قرآن مجید نے جنگ بدر کے موقع پر سورۂ انفال میں یہ قانون سازی کی کہ اصولی طور پر تو سارا مال غنیمت ریاست کی ملکیت ہے، لیکن مجاہدین کے اخراجات پورے کرنے کے لیے اس مال میں سے ان کو پانچ میں سے چار حصے دیے جائیں گے۔

لیکن بنی نضیر کے معاملے میں یہ صورت حال پیش آگئی کہ سرے سے لڑائی کی نوبت ہی نہیں آئی، گویا مسلمان لشکر کے افراد کا کوئی بڑا خرچ نہیں آیا۔ چنانچہ یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا اس مال غنیمت کو بھی پچھلے قانون کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ قرآن مجید نے اس کا یہ جواب دیا کہ چونکہ اس معرکے میں کسی مجاہد کو ذاتی طور پر کچھ خرچ نہیں کرنا پڑا، اس لیے اس مال غنیمت کو سابقہ طریقے کے مطابق تقسیم نہیں کیا جائے گا، بلکہ اسے پوری ریاست کے ضرورت مندوں کے مفاد میں استعمال کیا جائے گا۔ اس سے یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ جہاں ریاست فوجیوں کے سارے اخراجات کی ذمہ دار ہو اور ان کو تنخواہ بھی ملتی ہو، وہاں سارا مال غنیمت ریاست کی ملکیت ہوگا۔

[٨] یہاں قرآن مجید نے ریاست کی ایک اہم ذمہ داری کی طرف توجہ دلائی ہے۔ وہ یہ کہ ریاست کو ہمیشہ یہ کوشش کرنی چاہیے اور ایسی پالیسیاں بنانی چاہییں جن سے دولت بالائی طبقے کے بجائے سارے معاشرے میں گردش کرتی رہے۔ چنانچہ اسی اصول کے تحت قرآن مجید نے یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ ایسا سارا مال غنیمت ریاست کی ملکیت ہوگا جو اسے اپنے ضروری اخراجات کے علاوہ معاشرے کے محتاج اور کمزور طبقات پر خرچ کرے گی۔

[٩] اپنے خاص مفہوم کے اعتبار سے ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مال غنیمت کو اللہ کی ہدایت کے مطابق صرف کریں گے اور سب مسلمانوں کو بے چون وچرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کی اطاعت کرنی ہے۔ اپنے عام مفہوم کے اعتبار سے ان الفاظ کی حیثیت اسلامی شریعت کے ایک ہمہ گیر اصول کی ہے۔ وہ اصول یہ ہے کہ اسلام کا واحد مرکز ومنبع حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ہے۔ آپؐ ہی کی زبان سے ہمیں قرآن ملا ہے، آپؐ ہی نے دین کا عملی طریقہ سنت کی شکل میں ہمیں بتایا ہے اور آپؐ نے وقتاً فوقتاً صحابۂ کرامؓ کے سامنے اسلام کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی ہے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی حیثیت سے جو کچھ بھی ہمیں دیا ہے، اس پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ محدثین کرام نے اپنی پوری صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور اس زمانے کے واقعات کو اپنی صحیح شکل میں ہم تک پہنچانے کی بہترین کوشش کی ہے۔ تاہم چونکہ یہ ایک انسانی کوشش ہے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ روایات کے اس عظیم اور بابرکت ذخیرے کا قرآن مجید اور عقل وفہم کی روشنی میں مطالعہ اور تجزیہ کیا جائے کیونکہ ہر معاملے میں قرآن مجید نے ہمیں یہ ہدایت کی ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ کسی موضوع سے متعلق کوئی نقطۂ نظر بنانے سے پہلے اس موضوع سے متعلق ساری احادیث کا اکٹھا مطالعہ کیا جائے کیونکہ اکثر اوقات کسی ایک روایت میں پوری بات بیان کرنے کے بجائے اس کا کوئی ایک پہلو بیان کیا گیا ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات

روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس سیاق و سباق (Context) میں وہ خاص بات ارشاد فرمائی تھی۔ جب کسی موضوع سے متعلق تمام روایات کا بغور تجزیہ کیا جاتا ہے تو بات واضح ہو جاتی ہے۔

[۱۰] یہ وہ وقت تھا جب مہاجرین مکہ ابھی بہت مشکلات سے دوچار تھے چنانچہ قرآن مجید نے ہدایت کی کہ اس مال غنیمت کو خصوصی طور پر ان مہاجرین کی بحالی و آبادکاری کے لیے خرچ کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید نے انصار مدینہ کے خلوص اور قربانی کی بھی تعریف کی، اس لیے کہ انصار نے نہایت خوشی کے ساتھ مہاجرین کو اپنے ہاں جگہ دی اور ان کی ہر ممکن مدد کی۔

[۱۱] یہاں قرآن مجید نے ہمارے سامنے ایک اور اہم اصول بیان کیا ہے۔ وہ یہ کہ خود غرضی اور دل کا لالچ فرد اور معاشرے، دونوں کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔ انسان کو اس خامی سے بچے رہنے کے لیے ہر وقت شعوری کوشش کرنی چاہیے۔

[۱۲] یہاں قرآن مجید نے ایک اور بڑی انسانی خامی یعنی کینہ و بغض کی طرف توجہ دلائی ہے۔ انسان کو ہر وقت اس خامی سے بچنے کی شعوری کوشش بھی کرنی چاہیے اور اس ضمن میں اللہ سے دعا بھی کرنی چاہیے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ
مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ط وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۱۱﴾ لَئِنْ
أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ ج وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ قف ثُمَّ لَا
يُنْصَرُونَ ﴿۱۲﴾ لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ط ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۱۳﴾ لَا
يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ ط بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ط تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا
وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ط ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۴﴾ ج كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ ج
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۵﴾ ج كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ ج فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكَ إِنِّي
ع أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيهَا ط وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿۱۷﴾ ع

[۱۳] اے صحابۂ کرامؓ، کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے منافقت کا راستہ اختیار کیا ہے۔ یہ لوگ اپنے اُن بھائیوں سے، جنھوں نے اہلِ کتاب میں سے کفر کیا ہے، کہتے ہیں کہ: "اگر آپ لوگوں کو (مدینے سے) نکالا گیا تو ہم بھی لازماً آپ کے ساتھ نکل

پڑیں گے۔ آپ لوگوں کے معاملے میں ہم کسی کی بات ہرگز نہ مانیں گے اور اگر آپ لوگوں سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور آپ کی مدد کریں گے۔'' اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین بالکل جھوٹے ہیں۔ اگر یہ اہلِ کتاب نکالے گئے تو یہ منافقین اُن کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر اِن اہلِ کتاب سے جنگ کی گئی تو یہ منافقین اُن کی کوئی مدد نہیں کریں گے[۱۴]۔ اگر یہ لوگ اُن کی کچھ مدد کریں گے بھی تو پیٹھ پھیر جائیں گے اور پھر یہ لوگ کہیں سے کوئی مدد نہیں پائیں گے۔

اے رسول کے ساتھیو، اِن منافقین کے دلوں میں اللہ سے بڑھ کر تمھارا خوف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ سمجھ بوجھ نہیں رکھتے[۱۵]۔ یہ لوگ تم سے کبھی اکٹھے ہو کر میدان میں نہیں لڑیں گے، سوائے اس کے کہ قلعہ بند بستیوں یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر لڑیں۔ اِن لوگوں کے اپنے درمیان بھی شدید دشمنی ہے۔ تم اِن کو متحد سمجھتے ہو، حالانکہ اِن کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے[۱۶]۔

اِن منافقین کا وہی حال ہوگا جو (جنگِ بدر اور غزوۂ بنی قینقاع کے) اُن لوگوں کا ہوا جو اِن سے تھوڑی ہی مدت پہلے اپنے کیے کی سزا چکھ چکے ہیں۔ اِن کے لیے ایک سخت سزا ہے۔ یہ منافقین شیطان کے مانند ہیں جو پہلے تو انسان سے کہتا ہے کہ حق کا انکار کر، پھر جب وہ انسان حق کا انکار کر بیٹھتا ہے تو اُس وقت یہ شیطان کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری الذمہ ہوں، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں[۱۷]۔ بالآخر دونوں کا یہی انجام ہوگا کہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہیں۔ اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والوں کا بدلہ یہی ہے۔ ۱۱-۱۷

[۱۳] یہاں سے آگے کی آیات کے متعلق مفسرین کے تین نقطہ ہائے نظر ہیں۔ مفتی محمد شفیع کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ادبی طرز کے مطابق یہاں ماضی کے واقعے کو حال کے انداز میں بیان کیا گیا ہے کیونکہ یہ ساری سورہ غزوۂ بنی نضیر کے بعد نازل ہوئی۔ مولانا مودودی کا موقف یہ ہے کہ یہ آیات غزوۂ بنی نضیر کے درمیان میں نازل ہوئی تھیں اور ان کو اس وجہ سے بعد میں رکھ دیا گیا کہ اہم بات سورہ کی ابتدا میں آجائے۔ مولانا اصلاحی کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ ساری سورہ اس غزوے کے بعد اکٹھی نازل ہوئی اور آگے آنے والی آیات میں دراصل بنو قریظہ کو خبردار کیا گیا ہے کہ اگر بنی نضیر کی طرح وہ بھی منافقین کی سازش کا شکار ہو گئے تو ان کا حشر بھی وہی ہوگا جو جنگ بدر میں مشرکین کا ہوا یا جو ابھی حال ہی میں بنی نضیر کا ہوا۔ اس موقف کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ قرآن مجید نے باقی ماندہ تمام اہم معرکوں کے انجام کی پیشین گوئی بھی پہلے سے کر دی تھی۔

[۱۴] دراصل ان منافقین کے لیے اصل اہمیت کسی عقیدے اور اصول کی نہیں تھی، بلکہ ان کے لیے اصل اہمیت صرف اپنے مالوں اور جانوں کی حفاظت تھی، اس لیے ان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ بے جگری کے ساتھ کسی جنگ میں حصہ لیں۔

[۱۵] یعنی یہ منافقین اتنی سمجھ بھی نہیں رکھتے کہ یہ جان لیں کہ انسان کے لیے اصل اہمیت عقیدے اور اصول کی ہے۔

[۱۶] جب کسی گروہ کے افراد کے لیے اصل اہمیت اپنی جان اور اپنے مال کی حفاظت بن جائے تو ایسا گروہ نفسانفسی کا شکار ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اس گروہ میں شامل ہر فرد کو صرف اپنی جان اور اپنے مال کی فکر ہوتی ہے۔ یوں ان کے آپس کے مفادات بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

[۱۷] انکارِ حق کی صورت میں بھی منکرِ حق کو کچھ قربانی دینا ہوتی ہے۔ چونکہ منافق کسی بھی معاملے میں کوئی قربانی نہیں دینا چاہتا، اس لیے عین معرکے کے وقت وہ جھوٹ بول کر اور بہانے بازیاں کر کے اپنے آپ کو معرکے سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِيْٓ
اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ
خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ
السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ
الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾ ع ۷

اے اہلِ ایمان، اللہ سے ڈرو، ہر شخص کو اِس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے کیا سامان لیا ہے، [18] اللہ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ تمھارے سب اعمال سے باخبر ہے۔ اُن لوگوں کی طرح نہ بن جاؤ جو اللہ کو بھلا بیٹھے تو اللہ نے اُن کو خود اپنی جانوں سے غافل کر دیا۔ [19] یہی لوگ نافرمان ہیں۔

دوزخ میں پڑنے والے اور جنت میں جانے والے کبھی یکساں نہیں ہو سکتے۔ جنت میں جانے والے ہی اصل میں کامیاب ہیں۔

اگر اِس قرآن کو ہم کسی پہاڑ پر بھی اتارتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے کمزور ہو رہا ہے اور پاش پاش ہو رہا ہے۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے اس وجہ سے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ [20]

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، غائب و ظاہر ہر چیز کا جاننے والا۔ وہی رحمان و رحیم ہے۔ [21]

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی اصل بادشاہ ہے، یکسر پاک ہے، مکمل سُکھ اور سلامتی دینے والا ہے، [22] امن دینے والا ہے، سب پر نگہبان ہے، سب پر غالب ہے، زور آور ہے، حقیقی بڑا وہی ہے۔ [23] اللہ اُس شرک سے (مکمل طور پر) پاک ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔

وہی اللہ نقشہ بنانے والا ہے، وجود میں لانے والا ہے اور (اس کے مطابق) صورت گری کرنے والا ہے۔ ساری اچھی صفات اُسی کے لیے ہیں۔ آسمان و زمین کی ہر چیز اُسی اللہ کی تسبیح کر رہی ہے۔ وہی سب پر غالب اور کامل دانائی کا مالک ہے۔[۲۴] ۱۸-۲۴

[۱۸] یہاں قرآن مجید نے ہمیں زندگی گزارنے کا ایک اہم اصول بتایا ہے۔ وہ یہ کہ ہر شخص کو ہر وقت اپنا احتساب کرتے رہنا چاہیے اور احساس و شعور کے ساتھ ذمہ دارانہ زندگی گزارنی چاہیے۔

[۱۹] اللہ کو بھلا دینے کا نتیجہ درحقیقت یہ نکلتا ہے کہ انسان اپنے اصل انجام کو فراموش کر بیٹھتا ہے۔

[۲۰] اسی سے ملتی جلتی مثالیں سورۂ بقرہ آیت ۷۴، سورۂ احزاب آیت ۷۲ اور سورۂ حدید آیت ۱۶ میں بھی آئی ہیں۔ یعنی اگر پہاڑ جیسی بڑی اور سخت مخلوق کو ارادہ و اختیار کی آزادی دے دی جاتی اور اس کے لیے اللہ کی طرف سے قوانین نازل کر دیے جاتے تو وہ باوجود اپنی عظمت اور سختی کے اللہ کے سامنے جھک پڑتا اور اللہ کے خوف سے لرز جاتا۔

[۲۱] '**السلٰم**' کے یہی معنی ہیں۔ یعنی اس کائنات کی ساری سلامتی اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کی وجہ سے ہے۔ ایک بندہ جب اپنے آپ کو اللہ کی پناہ میں دے دیتا ہے تو وہ سکھ اور اطمینان پاتا ہے۔

[۲۲] عربی زبان میں جب ایک لفظ مخلوق کے لیے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی کچھ اور ہوتے ہیں اور جب وہی لفظ خالق کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تو اس کے معنی بدل جاتے ہیں۔ یہی حال لفظ '**مومن**' کا ہے۔ جب اللہ کے لیے اس لفظ کو استعمال کیا جائے تو اس کا مطلب اپنی مخلوق کو امن دینے والا ہوتا ہے۔

[۲۳] جب 'متکبر' کا لفظ اللہ کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہی اللہ حقیقت میں بڑا ہے اور بڑا ہی ہو کر رہنے والا ہے۔ اس کے برعکس جب یہ لفظ کسی انسان کے لیے بولا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسروں پر اپنی بڑائی جتانا۔ انسان کے اعتبار سے یہ ایک بدترین عیب اور خامی ہے، اس لیے کہ انسان حقیقت میں عاجز ہے۔

[۲۴] قرآن مجید کی درج بالا تین آیات میں اللہ کی کچھ اہم ترین صفات کو خوب صورت ترین پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ اہل ایمان میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ ان آیات پر مسلسل غور و فکر کرتا رہے۔

انھی آیات کے ساتھ اس سورہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

سورۂ ممتحنہ

[۶۰]

نام

اس سورہ کی آیت نمبر ۱۰ میں یہ لفظ آیا ہے۔ چنانچہ اس مناسبت سے اس سورہ کا یہ نام رکھا گیا۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کے مضامین سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی۔ ان حالات کے اعتبار سے ضروری تھا کہ مسلمان ایک خاص طرح کا طرزِ عمل اختیار کرتے یعنی اسلام کے دشمنوں سے صرف تعلق کار (Working Relationship) ہی کی حد تک تعلق رکھتے، لیکن ان سے دوستی اور بھائی چارے کا کوئی تعلق نہ رکھتے، کیونکہ یہ خدشہ تھا کہ اس طرح ریاست مدینہ کے اہم راز دشمنوں تک پہنچ جائیں گے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری تھا کہ ریاست مدینہ میں ہجرت کرنے والے افراد، خصوصاً خواتین کی باقاعدہ جانچ پڑتال کی جائے کہ وہ کس مقصد کے ساتھ یہاں آ رہے ہیں۔ اس وقت کے حالات کے لحاظ سے عام لوگوں کے اندر جو بڑی بڑی برائیاں تھیں، ان کی حوصلہ شکنی بھی ضروری تھی۔ چنانچہ اس سورہ میں ان موضوعات پر روشنی ڈالی گئی۔

آیاتها ۳ | # سُورَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ | رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ
مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ
وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ
فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱﴾ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ
بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۲﴾ ؕ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۛۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۛۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳﴾

معانقة السماع الوقف على القيمة عند المتاخرين

اللہ کے نام سے جو بے حد و حساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

اے اہلِ ایمان[۱]، میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ[۲]۔ تم اُن کو دوستی کے پیغام بھیجتے ہو[۳] اور اُن کا حال یہ ہے کہ انھوں نے اُس حق کا انکار کیا جو تمھارے پاس آیا۔ وہ رسول ؐ کو اور تم کو صرف اِس قصور پر جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اللہ، اپنے پالنے والے پر ایمان لائے۔ اگر تم میری راہ میں جدوجہد کے لیے اور میری رضا حاصل کرنے کی خاطر نکلے ہو تو (یہ کیسی عجیب بات ہے کہ) تم اُن کو چھپا کر دوستانہ پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو سامنے کرتے ہو، ہر چیز کو میں خوب جانتا ہوں۔ تم میں سے جو شخص بھی ایسا کرے، وہ سیدھے[۴] راستے سے بھٹک گیا۔

اگر یہ مشرکینِ مکہ تم پر قابو پا جائیں تو وہ تمھارے ساتھ دشمنی کریں گے، اپنے ہاتھوں اور زبانوں سے تم کو تکلیف پہنچائیں گے اور چاہیں گے کہ تم حق کا انکار کرنے والے بن جاؤ۔

قیامت کے دن نہ تمھاری رشتہ داریاں کچھ کام آئیں گی اور نہ تمھاری اولاد۔ اُس دن اللہ تمھارے درمیان جدائی ڈال دے گا۔ اللہ

تمھارے اعمال کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے۔ ۱-۳

[۱] یہ صلح حدیبیہ کے بعد کا وہ وقت تھا جب قریش کے لوگوں نے یہ معاہدہ توڑ دیا تھا اور مسلمانوں کے ایک دوست قبیلے بنوخزاعہ پر حملہ کر دیا تھا، چنانچہ ان کو سزا دینا ضروری تھا۔

[۲] اس وقت کئی مشرک قبیلوں سے ریاست مدینہ کا دوستی کا معاہدہ تھا، مثلاً بنوخزاعہ بھی ایک مشرک قبیلہ تھا۔ چنانچہ یہاں سب مشرکین مراد نہیں ہیں، بلکہ صرف مشرکین قریش مراد ہیں جنھوں نے اہل ایمان کو ہجرت پر مجبور کر دیا تھا۔ آیت کے اگلے حصے میں یہ بات واضح ہو جائے گی۔

[۳] اس وقت کئی مسلمانوں کے بہت قریبی رشتہ دار مثلاً والدین، بہن بھائی یا اولاد مکہ میں رہتے تھے، چنانچہ بعض مسلمان اس مصلحت کے تحت مکہ میں موجود کچھ بڑے سرداروں کو دوستی کے مضمون پر مشتمل پیغام بھیجتے تھے تاکہ ان کے رشتہ دار مکہ میں محفوظ رہیں۔

[۴] یہاں قرآن مجید کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کرنے والے دل کے منافق نہیں تھے، لیکن اپنی کمزوری کی وجہ سے بطور مصلحت ایسا کر رہے تھے۔ اگرچہ آیت کے الفاظ عام ہیں، لیکن مفسرین نے یہاں خصوصی طور پر ایک صحابی حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کا واقعہ درج کیا ہے۔ وہ ایک مخلص مسلمان تھے، لیکن ان کی والدہ، بھائی اور بچے مکہ میں تھے۔ وہ خود قریشی النسل نہیں تھے، بلکہ قریش کی پناہ میں وہاں رہتے تھے۔ جب قریش کے لوگوں نے صلح حدیبیہ کا معاہدہ توڑ دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر چڑھائی کی خفیہ تیاریاں شروع کر دیں۔ اس زمانے میں مکہ سے گانے بجانے والی ایک عورت مدینہ آئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی اور مالی مدد مانگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حاجت پوری کر دی۔ جب وہ مکہ واپس جانے لگی تو حاطبؓ نے اُس کو بعض سرداران قریش کے نام ایک خفیہ خط دیا اور دس دینار بھی دیے تاکہ وہ راز فاش نہ کرے۔ ابھی وہ مدینہ سے روانہ ہی ہوئی تھی کہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر مطلع فرمایا، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہؓ کو اُس عورت کے پیچھے بھیج دیا تاکہ اس سے وہ خط حاصل کیا جائے۔ جب وہ خط کھول کر پڑھا گیا تو اس میں قریش کے لوگوں کو یہ اطلاع دی گئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم پر چڑھائی کی تیاری کر رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطبؓ سے پوچھا کہ یہ تم نے کیا حرکت کی ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ میں منافق یا کافر و مرتد نہیں ہوا، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ میرے رشتہ دار بعض قریشیوں کی سرپرستی میں وہاں آباد ہیں۔ مہاجرین میں سے دوسرے جن لوگوں کے اہل و عیال مکہ میں ہیں، ان کو تو حملے کے وقت ان کا قبیلہ بچا لے گا۔ مگر میرا کوئی قبیلہ وہاں نہیں ہے جو میرے رشتہ داروں کو بچا لے۔ میں نے یہ خط اس خیال سے بھیجا تھا کہ قریش والوں پر میرا ایک احسان رہے جس کا لحاظ کر کے وہ میرے بال بچوں کو نہ چھیڑیں۔ باقی اللہ آپؐ کو تو فتح سے لازماً سرفراز کرے گا ہی۔ چونکہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری بات پر مطلع فرمایا تھا، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سن کر حاضرین سے فرمایا کہ حاطبؓ نے سچ کہا ہے۔ چنانچہ ان کو کوئی سزا نہیں دی گئی۔ واضح رہے کہ یہ ایک ایسا معاملہ تھا جس پر اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو براہ راست مطلع فرمایا تھا اور اس کے ساتھ ہی اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حاطبؓ کے ایمان کے خلوص پر بھی مطلع فرمایا تھا، اس لیے اس واقعے کو ریاستی قانون کے لیے کوئی نظیر نہیں بنایا جا سکتا۔ اگر کسی ریاست کے سامنے ایسا کوئی واقعہ پیش آ جائے تو وہ حالات و واقعات ہی کے ضمن میں فیصلہ کرے گی، کیونکہ اس کے پاس کسی کی نیت کو جانچنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ
وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا
وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۴﴾ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ﴿۵﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ
ع اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶﴾ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷﴾

تم لوگوں کے لیے تو بہترین نمونہ ابراہیمؑ اور اس کے ساتھیوں[۵] کا ہے، جب اُنھوں نے اپنی قوم سے کہا: ''ہم تم سے اور تمھارے اِن معبودوں سے جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو، بالکل بَری ہیں۔ ہم نے تمھارا انکار کیا۔ ہمارے اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بے زاری ہوگئی، جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔[۶]'' البتہ، ابراہیمؑ کی اپنے باپ سے اتنی بات (اِس سے مستثنیٰ ہے) کہ ''میں آپ کے لیے مغفرت کی درخواست ضرور کروں گا، اگرچہ میں آپ کے لیے اللہ سے کسی چیز کے حصول پر کوئی اختیار نہیں رکھتا۔''

(ابراہیمؑ اور اُس کے ساتھیوں کی دعا یہ تھی کہ:) ''اے ہمارے رب، ہم نے تیرے ہی اوپر بھروسا کیا، تیری ہی طرف ہم نے رجوع کیا اور تیری ہی طرف (ہمیں) لوٹنا ہے۔ اے ہمارے رب، ہم کو اُن لوگوں کی تکلیف کا نشانہ نہ بننے دینا جنھوں نے حق کا انکار کیا ہے[۷]۔ اے ہمارے رب، ہمارے قصوروں سے درگزر فرما، بے شک، تو ہی زبردست اور حقیقی دانا ہے۔''

بے شک اِنھی لوگوں کے طرزِ عمل میں تمھارے لیے اور ہر اُس شخص کے لیے بہترین نمونہ ہے جو اللہ اور روزِ آخرت کا امیدوار ہو۔ جو لوگ بھی (اِس نمونے سے) منہ موڑیں گے تو وہ یاد رکھیں کہ اللہ بے نیاز ہے اور اپنی ذات میں آپ تعریف کے لائق ہے۔

اے اہلِ ایمان، توقع ہے کہ اللہ تمھارے اور اُن لوگوں کے درمیان محبت ڈال دے، جن سے آج تم دشمنی کر رہے ہو[۸]۔ اللہ ہی اصل قدرت والا اور غفور و رحیم ہے۔۴-۷

[۵] اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے ہجرت فرمائی تو ان کی قوم کے جو لوگ ان پر ایمان لائے تھے، وہ بھی اس ہجرت میں ان کے

ساتھ تھے۔

[٦] یعنی جب پیغمبر اور اس کے ساتھی اپنی قوم پر ہر طرح سے حق کی مکمل وضاحت کر دیں اور وہ قوم تب بھی ایمان لانے سے انکار کر دے تو یہ دونوں گروہ ایک دوسرے سے بالکل الگ ہو جاتے ہیں۔

[٧] یعنی ان منکرین حق کو اتنی ڈھیل نہ دینا کہ وہ ہم کو اپنے مظالم کا تختۂ مشق بنالیں۔

[٨] یہاں قرآن مجید نے صحابۂ کرامؓ کے لیے ایک بہت بڑی بشارت اور پیشین گوئی کر دی ہے۔ وہ یہ کہ عنقریب وہ وقت آ جائے گا جب مکہ بالکل پرامن طریقے سے فتح ہو جائے گا اور تمھارے موجودہ دشمن تمھارے دوست بن جائیں گے۔ ان آیات کے نزول کے کچھ ہی عرصہ بعد یہ بشارت مکمل طور پر پوری ہو گئی۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ
وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٨﴾ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ
وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الظّٰلِمُوْنَ ﴿٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ط اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ
فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ط لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ط وَاٰتُوْهُمْ
مَّآ اَنْفَقُوْا ط وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ط وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ
وَاسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ط ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ط يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠﴾ وَاِنْ
فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ
الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿١١﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا
وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا
يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا

تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾ ع

اے اہلِ ایمان، اللہ تمھیں اِس بات سے نہیں روکتا کہ تم اُن لوگوں کے ساتھ بہترین سلوک اور انصاف کا برتاؤ کرو جنھوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی اور تمھیں تمھارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

اللہ تو تمھیں صرف اِس بات سے روکتا ہے کہ تم اُن لوگوں سے دوستی کرو جنھوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ کی ہے، تم کو تمھارے گھروں سے نکالا ہے اور تمھارے نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔ ایسے دین کے دشمنوں سے جو لوگ بھی دوستی کریں گے، وہی ظالم ہیں۔[۹]

اے اہلِ ایمان، جب (مکہ سے) مومن عورتیں تمھارے پاس ہجرت کرکے آئیں تو اُن کی تحقیق کر لیا کرو۔[۱۰] اُن کے ایمان کی حقیقت اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ پھر اگر تمھیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومنہ ہیں تو انھیں کفار کی طرف نہ لوٹاؤ۔ یہ عورتیں اُن کفار کے لیے جائز نہیں ہیں اور وہ کفار اِن عورتوں کے لیے حلال نہیں ہیں۔[۱۱] اُن عورتوں کے کافر شوہروں نے جو مہر اُن کو دیے تھے، وہ اُن شوہروں کو واپس کر دو۔ اِن عورتوں سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ تم اُن عورتوں کے مہر اُن کو ادا کر دو۔[۱۲]

(اے اہلِ ایمان)، تم خود بھی کافر عورتوں کی عصمتوں پر قابض نہ رہو۔ جو مہر تم نے اپنی کافر بیویوں کو دیے تھے، وہ تم واپس مانگ لو اور جو مہر کافر شوہروں نے اپنی مسلمان بیویوں کو دیے تھے، وہ اُس مہر کی واپسی کا مطالبہ کریں۔[۱۳] یہ اللہ کا فیصلہ ہے جو وہ تمھارے درمیان کر رہا ہے۔ اللہ کامل علم اور کامل حکمت کا مالک ہے۔

اے اہلِ ایمان، اگر تمھاری (کافر) بیویوں کے مہر میں سے کچھ مال کافروں کی طرف رہ جائے، (ایسی حالت میں) جب تمھیں موقع ہاتھ آ جائے تو جن (مسلمان شوہروں) کی بیویاں (اُدھر کافروں کی طرف) چلی گئی ہیں، تو اِن مسلمان شوہروں کو اتنی رقم ادا کر دو جو اُن کے دیے ہوئے مہر کی رقم کے برابر ہو۔[۱۴] اُس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔[۱۵]

اے نبیؐ، جب تمھارے پاس مومنہ عورتیں اِس بات پر بیعت[۱۶] کرنے کے لیے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گی، چوری نہ کریں گی، بدکاری کی مرتکب نہ ہوں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے متعلق کوئی بہتان نہ تراشیں گی[۱۷] اور کسی اچھے دستور اور پسندیدہ طریقے میں تمھاری نافرمانی نہ کریں گی[۱۸] تو اُن عورتوں سے بیعت لے لو اور اُن کے لیے اللہ سے دعائے مغفرت کرو۔ بے شک، اللہ درگزر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اے اہلِ ایمان، اُن لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہوا۔ یہ لوگ آخرت سے اُسی طرح مایوس ہیں جس طرح یہ کفار (اُن مُردوں کے جی اٹھنے) سے مایوس ہیں جو قبروں میں پہنچ چکے ہیں۔[19] ۸-۱۳

[۹] درج بالا دونوں آیات میں قرآن مجید نے بین الاقوامی تعلقات کے قانون کی ایک اہم دفعہ بیان کی ہے۔ وہ یہ کہ صرف انھی ملکوں کو اسلام اور امت مسلمہ کا دشمن قرار دیا جائے گا جو اپنے مسلمان شہریوں کو زور و جبر کے ذریعے سے اسلام سے ہٹانے کی کوشش کریں گے یا مسلمانوں کو محض ان کے دین کی وجہ سے جلاوطن کریں گے یا اس کام میں اسلام دشمن ملکوں کی مدد کریں گے۔ ان مظالم کے ذمہ دار لوگوں سے دوستی اور محبت کا تعلق منع ہے۔ باقی رہے وہ غیر مسلم ممالک جو اپنے شہریوں کو اسلام سے ہٹانے کی کوشش نہیں کرتے اور اپنے مسلمان شہریوں کو جلاوطن نہیں کرتے، ان سے تعلق رکھنا اور دوستی کا معاہدہ کرنا منع نہیں ہے۔

اسی قانون کی ایک اہم شق یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہر وقت اور ہر معاملے میں انصاف سے کام لینا ہے، خواہ معاملہ کسی دشمن ریاست ہی کا کیوں نہ ہو۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں قومی اور سیاسی تنازعات زیر بحث نہیں ہیں۔ ایسے تنازعات مسلمان ملکوں کے اپنے درمیان اور مسلم و غیر مسلم ملکوں کے درمیان وقتی حالات کی وجہ سے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ان کو دانائی اور صبر کے ساتھ حل کرنا چاہیے۔

[۱۰] صلح حدیبیہ کے کچھ عرصے بعد اس صلح کی ایک شق کے بارے میں مسلمانوں اور قریش کا آپس میں اختلاف ہو گیا۔ وہ یہ کہ اس معاہدے میں یہ جو بات کہی گئی ہے کہ اگر قریش سے کوئی آدمی مدینہ چلا جائے گا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے لازماً واپس کریں گے، تو کیا اس شق کا اطلاق عورتوں پر بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ اس اختلاف کی وجہ یہ تھی کہ صلح حدیبیہ کے کچھ عرصے بعد مکے سے عورتیں بھی مسلمان ہو کر مدینہ پہنچنے لگیں۔ دراصل معاہدے میں جو الفاظ استعمال ہوئے تھے وہ عورتوں کے ضمن میں قطعی نہیں تھے۔ چنانچہ آگے کی آیت میں قرآن مجید نے اس تنازعے کا فیصلہ کر دیا۔ وہ یہ کہ اگر تحقیق سے ثابت ہو جائے کہ کسی عورت نے خالصتاً اسلام کی خاطر ہجرت کی ہے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر کسی خاتون نے کسی دوسرے مقصد کے لیے مدینے کا رخ کیا ہے تو اسے واپس کیا جائے گا۔

[۱۱] اس زمانے میں یعنی صلح حدیبیہ کے بعد ایک عرصے تک یہ صورت حال تھی کہ کئی ایسے مرد مسلمان ہو گئے تھے جن کی بیویاں ابھی مشرک تھیں۔ اسی طرح کئی ایسی عورتیں بھی مسلمان ہو گئی تھیں جن کے شوہر ابھی مشرک تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی ابتدا سے لے کر اس وقت تک، گویا سترہ اٹھارہ برس تک، یوں ہی چلی آ رہی تھی۔ چنانچہ اس صورت حال میں قرآن مجید نے یہ فیصلہ دیا کہ چونکہ مشرکین پر کافی حد تک اتمام حجت ہو چکا ہے، اس لیے اب نہ تو کوئی مسلمان عورت کسی مشرک مرد کے لیے حلال ہے اور نہ کوئی مشرک عورت کسی مسلمان مرد کے لیے حلال ہے۔

[۱۲] یعنی جو خواتین مسلمان ہو کر ریاست مدینہ میں آ گئی ہیں، ان کا نکاح ان کے مشرک شوہروں سے ختم ہو گیا ہے۔ چنانچہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ان مشرک شوہروں کے مہر ریاست مدینہ کے بیت المال کی طرف سے ان کو واپس کر دیے جائیں۔ اس کے بعد یہ عورتیں آزاد ہیں۔ کوئی بھی مسلمان مردان

عورتوں کی آزادانہ رضامندی سے ان کو مہر کی ادائیگی کے بعد اُن سے نکاح کرسکتا ہے۔

[۱۳] اس زمانے میں ریاست مدینہ کے کئی مسلمانوں کی بیویاں شرک کی حالت میں مکہ میں مقیم تھیں۔ چنانچہ اس آیت کے ذریعے سے بتایا گیا کہ اب یہ نکاح ختم ہو چکے ہیں اور ان مسلمان شوہروں کو چاہیے کہ وہ اپنی مشرک بیویوں یا ان کے مشرک سرپرستوں اور اہل قبیلہ سے اپنے مہر واپس مانگ لیں۔ اسی طرح ریاست مدینہ کے بیت المال پر یہ لازم کردیا گیا کہ جو عورتیں مسلمان ہوکر مدینہ آگئی ہیں، ان کے مہر ان کے مشرک شوہروں کو ادا کردیے جائیں۔

[۱۴] یعنی اگر مسلمان مہاجر مردوں کی مشرک بیویاں اور ان کے سرپرست ان مسلمان مردوں کو مہر کی ادائیگی سے انکار کردیں تو اس صورت میں مسلمانوں کو یہ حق ہوگا کہ اگر ان کی کسی عورت کا مہر کفار کو ادا کرنا ہے تو وہ مہر ان کو ادا کرنے کے بجائے اپنے اس بھائی کو ادا کردیں جس کی چلی جانے والی بیوی کا مہر واپس نہیں ہوا۔ یہ گویا بدلہ لینے کی ایک منصفانہ کارروائی ہوگی۔

[۱۵] یعنی اس اجازت سے ریاست مدینہ کو انتہائی احتیاط کے ساتھ فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے تاکہ کسی کے ساتھ بے انصافی نہ ہونے پائے۔

[۱۶] بیعت کا مطلب ہے حلف اٹھانا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب کوئی شخص مسلمان ہوتا تھا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا آپؐ کے نمائندے کے سامنے اسلام کی بنیادی باتوں کا حلف اٹھاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے اس معاشرے میں موجود بڑی بڑی خرابیوں سے بچنے کا وعدہ بھی لیتے تھے۔

[۱۷] یعنی کسی پر بغیر قانونی ثبوت کے بدکاری کا الزام نہیں لگائیں گی۔

[۱۸] پیغمبر تو معروف کے علاوہ کسی اور چیز کا حکم دیتا ہی نہیں، کیونکہ اس کے برعکس کوئی بات پیغمبر کی ذات سے بعید ہے۔ البتہ کسی مسلمان حکمران کی بیعت لازماً 'اطاعت فی المعروف' کے اندر ہوگی۔ یعنی اگر کوئی مسلمان حکمران کسی شہری کو معروفات کے خلاف کوئی حکم دے تو اس کا ماننا ضروری نہیں۔

[۱۹] اس آخری آیت میں قرآن مجید نے اس مضمون کی پھر یاددہانی کی ہے جس سے سورہ کا آغاز ہوا ہے۔ یہاں برسرجنگ مشرکین کے ساتھ قرآن مجید نے ان یہود کو بھی اس فہرست میں شامل کردیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے۔ قرآن مجید نے دلیل دی کہ جس طرح مسلمانوں کے دشمن مشرکین اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ مردے قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیے جائیں گے، اسی طرح جن یہود پر اتمام حجت ہو چکا ہے وہ بھی دراصل آخرت کو نہیں مانتے۔ ایسے سب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں سے دشمنی کرکے اللہ کے غضب میں گرفتار ہو چکے ہیں، اس لیے دین کے معاملے میں ان برسرجنگ دشمنوں سے دوستی منع ہے۔

اسی آیت پر اس سورہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

سورۂ صف

[۶۱]

نام

اس سورہ کی چوتھی آیت میں یہ لفظ آیا ہے جس سے یہ نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ میں مسلمانوں کو ان کے نفس کی اندرونی کمزوریوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے تا کہ وہ ان پر قابو پا سکیں۔ یہ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے عین پہلے کا دور تھا جس میں بڑی تعداد میں لوگ اسلام قبول کر رہے تھے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ابھی ان کا ایمان پختہ نہیں ہوا تھا اور ان کے اندر سابقہ کمزوریاں موجود تھیں۔ چنانچہ اس سورہ کے ذریعے سے ان کی تربیت کی گئی۔

اس کے ساتھ اس سورہ میں کئی دوسرے اہم مضامین بھی زیرِ بحث آئے ہیں۔

ركوعاتها ٢ — # سُورَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ — اٰياتها ١٤

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ
مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٢﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ
سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿٤﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ
رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٥﴾ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ
مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ
يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ
افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧﴾ يُرِيْدُوْنَ
لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى
وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿٩﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد و حساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ ہی کی تسبیح کرتی ہے۔ وہی اللہ غالب اور کامل دانائی والا ہے۔

اے اہلِ ایمان، تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ اللہ کے نزدیک یہ ایک سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے[1]۔ اللہ تو اُن لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اُس کی راہ میں صفیں باندھ کر اِس طرح لڑتے ہیں گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں[2]۔

۳ وہ وقت یاد کرنے کا ہے، جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا: ''اے میرے ہم قومو، تم مجھے دکھ کیوں پہنچاتے ہو، حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمھارے پاس اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں! پھر جب موسیٰؑ کی قوم (کے کچھ لوگوں) نے ٹیڑھا راستہ اختیار کر لیا تو اللہ نے بھی اُن کے دل ٹیڑھے کر دیے۴۔ اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۵۔

۶ وہ وقت بھی یاد کرنے کا ہے، جب عیسیٰؑ ابنِ مریم نے کہا: ''اے بنی اسرائیل، میں تمھاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، اُن پیشین گوئیوں کے عین مطابق آیا ہوں جو مجھ سے پہلے (تورات میں میرے متعلق) آئی ہیں اور میں ایک رسول کی خوش خبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اُس کا نام احمد ہو گا۷''، مگر جب عیسیٰؑ ابن مریمؑ اُن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا تو بنی اسرائیل نے کہا کہ یہ تو صریح جادو ہے۔

اب بھلا اُس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ تہمت باندھے، حالانکہ اُس کو اسلام کی طرف دعوت دی جا رہی ہو۔ ایسے ظالموں کو اللہ ہدایت کا راستہ نہیں دکھاتا۔ یہ دشمنانِ اسلام اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں، لیکن اللہ اپنے نور کو کامل کر کے رہے گا، خواہ یہ بات اِن حق کے منکروں کو کتنی ہی ناگوار ہو۔ وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اُسے تمام ادیان پر غالب کر دے، خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار گزرے۸۔ ۱-۹

[۱] یعنی قول و فعل کا تضاد بہت بڑی خامی ہے۔ یہ اتنی بری حرکت ہے کہ قرآن مجید نے اس کی طرف ایک ہی جگہ دو دفعہ توجہ دلائی۔

[۲] قول و فعل کے تضاد کا سب سے بڑا اظہار میدان جنگ میں ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید نے توجہ دلائی کہ جب ایک مسلمان کو قتال فی سبیل اللہ کے لیے بلایا جائے تو وہ اپنی جان پر کھیل کر اعلیٰ ترین بہادری کا مظاہرہ کرتا ہے۔

[۳] آگے بنی اسرائیل کے منافقین کی مثال اس مقصد سے دی جا رہی ہے کہ اہل ایمان ان کی روش سے بچنے کی کوشش کریں اور پوری خوش دلی اور خلوص کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں۔

[۴] اس آیت میں قرآن مجید نے ایک اہم اصول بیان کیا ہے۔ وہ یہ کہ جب ایک انسان بار بار کی تنبیہ کے بعد بھی غلط راستے کو اپنے لیے پسند کر لیتا ہے تو اللہ اس کو جبر کے ساتھ صحیح راستے پر نہیں لاتا، بلکہ اسے ٹیڑھی راہ پر جانے کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔

[۵] یعنی اللہ کا یہ قاعدہ نہیں ہے کہ کوئی شخص گمراہی کو پسند کرے، لیکن اللہ اس کو زبردستی ہدایت کے راستے پر لے جائے۔ ہدایت صرف اس شخص کو ملتی ہے جو اس کی قدر کرتا ہے اور اس کا طالب بنتا ہے۔

[۶] اب آگے بنی اسرائیل کے آخری رسول حضرت عیسیٰؑ کی مثال دی جا رہی ہے۔ اس وقت بھی بنی اسرائیل دل کی کجی کا اس طرح شکار تھے کہ انھوں نے حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لانے سے انکار کیا اور جس آخری رسول کی بشارت حضرت مسیحؑ نے دی تھی، اس کی دشمنی میں بھی یہی لوگ سب سے بڑھ کر سرگرم رہے۔

[۷] حضرت عیسیٰؑ نے انتہائی واضح الفاظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خوش خبری دی۔ ''انجیل'' کے معنی ہی بشارت اور خوش خبری کے ہیں۔ گویا یہ وہ

صحیفہ ہے جس میں آسمانی بادشاہت یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خوش خبری ہے۔ یوحنا کی انجیل میں کئی ایسے فقرے موجود ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خوش خبری دی گئی ہے۔ حضرت عیسیٰ کی اصل زبان سریانی تھی۔ ان کے چالیس پچاس سال بعد انجیلیں پہلی مرتبہ لکھی گئیں جو یونانی زبان میں تھیں۔ ظاہر ہے کہ زبان کی تبدیلی اور اتنی مدت بعد حضرت عیسیٰ کے فرمودات کی تحریر میں بہت کچھ کمی بیشی ہو گئی ہوگی۔ یونانی زبان کی انجیل یوحنا میں لفظ ''فارقلیط'' (Paracletus) استعمال ہوا ہے۔ مترجمین نے اس لفظ کا ترجمہ 'وکیل'، 'شفیع'، 'سچائی کی روح' جیسے الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔ بعض مسلمان مورخین کی تحقیق یہ ہے کہ اصل سریانی لفظ 'منحمنا' ہے جس کے معنی سریانی زبان میں وہی ہیں جو عربی میں 'محمد' اور 'احمد' کے ہیں۔ تورات اور انجیلوں کی تحریر کے وقت یا بعد میں بہت سے الفاظ کو غلطی سے یا قصداً تبدیل کر دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر تورات میں 'بکہ' کا لفظ آیا ہے جس کے معنی 'مکہ' کے ہیں۔ اسی طرح تورات میں 'مروہ' کا لفظ آیا ہے۔ لیکن ان دونوں الفاظ کو بائیبل میں بدل کر 'بکاء' اور 'موریا' جیسے الفاظ کی شکل دی گئی تا کہ ان الفاظ کا سرزمین عرب اور بنی اسماعیل سے تعلق کاٹ دیا جائے۔

[۸] یہاں قرآن مجید نے اللہ کی اس سنت کو ایک دفعہ پھر بیان کر دیا ہے جس کے تحت رسول اور اس کے ساتھیوں کو دنیا میں بھی اپنے دشمنوں پر فیصلہ کن غلبہ عطا کیا جاتا ہے اور رسول کے جھٹلانے والوں کو دنیا میں بھی سزا دی جاتی ہے۔ چنانچہ یہاں قرآن مجید نے پیشین گوئی کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں یہ دین حق اس سرزمین میں کامل غلبہ حاصل کرے گا، خواہ یہ بات مشرکین اور بنی اسرائیل کے منکرین حق کو کتنی ہی ناگوار ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کئی احادیث کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سرزمین عرب میں صرف اور صرف اسلام ہی بطور دین رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو کئی پیرایوں میں بیان فرمایا۔ گویا جزیرۃ العرب دنیا میں اسلام کا مرکز اور مکمل علاقہ محفوظ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۱۰﴾ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ
ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا
اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ
ع مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

اے اہل ایمان، کیا میں تمھیں ایک ایسی تجارت کے بارے میں بتاؤں جو تمھیں ایک دردناک سزا سے نجات بخشے۔ (وہ تجارت یہ

ہے کہ) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان کے ذریعے سے جدوجہد کرو۔[9] اگر تم غور کرو تو یہ تجارت تمھارے لیے بہتر ہے۔ اللہ تمھارے گناہ معاف کردے گا، تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہ رہی ہوں گی اور ابدی قیام کی جنتوں میں بہترین گھر عطا فرمائے گا۔ اصل بڑی کامیابی یہی ہے۔

اے رسول کے ساتھیو، (ہمیں معلوم ہے کہ) ایک اور چیز بھی ہے، جس کی تم تمنا رکھتے ہو، یعنی اللہ کی طرف سے فیصلہ کن مدد اور عنقریب ظاہر ہونے والی فتح (یعنی فتحِ مکہ)۔ اے نبیؐ، اہلِ ایمان کو اس کی خوش خبری دے دو۔[10]

اے اہلِ ایمان، تم اُسی طرح اللہ کے (دین کے) مددگار بنو[11] جس طرح عیسیٰؑ ابن مریم نے اپنے سرگرم حمایتیوں سے پوچھا: ''اللہ کی راہ میں کون میرا مددگار بنتا ہے؟'' حواریوں نے جواب دیا: ''ہم ہیں اللہ کے مددگار۔''[12] اُس وقت بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور دوسرے گروہ نے انکار کیا، چنانچہ ہم نے اہلِ ایمان کے دشمنوں کے مقابلے میں اُن کی مدد کی اور وہی غالب ہو کر رہے۔[13] ۱۰-۱۴

[۹] گویا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی بدنی صلاحیتوں اور اپنے مال و دولت کے ذریعے سے دین کی خدمت کرے۔ اس تجارت کا نفع اسے آخرت میں ملے گا۔

[۱۰] یہاں قرآن مجید نے آیت ۸ اور ۹ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے صحابۂ کرامؓ کو صریح الفاظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ خوش خبری دی کہ عنقریب مکہ فتح ہو جائے گا اور پھر سارا جزیرۂ عرب اسلام کے دائرے میں آجائے گا۔

[۱۱] اس دنیا میں دین کی دعوت واشاعت کے کام کو اللہ اپنا کام قرار دیتا ہے، اس لیے جو بھی شخص یہ کام کرتا ہے، اسے اللہ انتہائی رحم اور محبت کے ساتھ اپنا مددگار قرار دیتا ہے۔ یہ واضح ہے کہ اللہ کو تو کسی معاملے میں کسی کی بھی مدد کی ضرورت نہیں، لیکن چونکہ اللہ نے خود ہی انسان کو ارادہ و عمل کی آزادی دی ہے اور اسے صحیح راستہ سمجھایا ہے چنانچہ جو شخص بھی دوسرے انسانوں کو اس صحیح راستے کا پیغام پہنچاتا ہے، اس سے اللہ بہت خوش ہوتا ہے۔ 'نصرت دین' کا یہ کام ہر انسان پر اپنے رجحان اور استطاعت کے مطابق لازم ہے۔

[۱۲] ''حواری'' کا مطلب ہے سرگرم، پرجوش اور بےغرض حامی اور حمایتی۔ قرآن مجید نے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھیوں کے لیے یہ لفظ استعمال کیا ہے۔

[۱۳] حضرت عیسیٰؑ کے اٹھائے جانے کے وقت ان پر ایمان لانے والوں میں گیارہ شاگرد بہت نمایاں تھے۔ ان شاگردوں نے حضرت مسیحؑ کی تعلیمات کو انتہائی خلوص اور سرگرمی کے ساتھ پھیلایا، حتیٰ کہ تھوڑے ہی عرصے میں ایک بہت بڑی تعداد میں لوگوں نے مسیحیت کو قبول کرلیا۔ اس کی پوری تفصیل بائیبل کے عہد نامۂ جدید میں چار انجیلوں کے فوراً بعد آنے والے باب ''رسولوں کے اعمال'' میں درج ہے۔ واضح رہے کہ انجیل میں 'رسول' کے لفظ کو حضرت مسیحؑ کے شاگردوں کے لیے اپنے لغوی معنی یعنی 'پیغام لے جانے والے' کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے ستر برس بعد رومیوں نے فلسطین پر حملہ کر کے باقی ماندہ یہودیوں کا قتل عام کیا اور زندہ بچ جانے والے یہودیوں کو جلاوطن کردیا۔ یوں حضرت عیسیٰؑ کے براہ راست مخاطبین میں سے جو لوگ آپؑ پر ایمان نہیں لائے تھے اور جن لوگوں نے آپؑ کے ساتھ دشمنی کی تھی، وہ سب اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گئے۔ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے کے یہودیوں کو اللہ کی طرف سے بالکل وہی سزا ملی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے براہ راست مخاطبین یہودیوں کو

ملی تھی۔ یعنی سخت ترین مخالفین تو موت کے گھاٹ اتر گئے اور جن لوگوں کو کسی حد تک رعایت مل سکتی تھی، ان کو جلا وطنی کی سزا مل گئی۔

اِسی آیت کے ساتھ اس سورہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

سورۂ جمعہ

[۶۲]

نام

اس سورہ کی آیت نمبر ۹ میں یہ لفظ آیا ہے، چنانچہ علامت کے طور پر اس سورہ کو یہی نام دیا گیا۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کے مضامین اور صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ بھی صلح حدیبیہ اور سات ہجری کے بعد نازل ہوئی۔ اس سورہ میں یہود کو آخری مرتبہ خطاب کیا گیا۔ اس کے علاوہ اس سورہ میں اہل ایمان کی تربیت بھی کی گئی اور نماز جمعہ کے احترام سے متعلق ان کی ایک غلطی پر گرفت بھی کی گئی۔

رکوعاتھا ۲	# سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ	آیاتھا ۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿١﴾ هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى
الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ
لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٣﴾ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ
مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٤﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ
يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥﴾ قُلْ
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٦﴾
وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٧﴾ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِىْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ
ع ٨ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٨﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ ہی کی تسبیح کرتی ہے، (وہی اللہ) جو بادشاہ ہے، ہے، کامل پاک ہے، غالب ومقتدر ہے اور کامل دانائی والا ہے۔ اُسی اللہ نے اِن اُمّیوں (یعنی بنی اسماعیل) کے اندر خود اِنھی میں سے رسول اٹھایا[1] جو انھیں اللہ کی آیات سناتا ہے، اُن (کی زندگیوں) کو پاک کرتا ہے اور اُن کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے[2]۔ بے شک، اِس سے پہلے یہ لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ (اِس رسول کی رسالت) اُن دوسرے لوگوں کے لیے بھی ہے جو ابھی اِن اہلِ ایمان میں شامل نہیں[3]۔ اللہ غالب اور حکیم ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جس کو چاہتا ہے، عطا کرتا ہے، یقیناً اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔

جن لوگوں (یعنی بنی اسرائیل) کو تورات کا بوجھ اٹھانے والا بنایا گیا تھا اور پھر انھوں نے اِس بوجھ کو نہیں اٹھایا، اُن کی مثال اُس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں[۴]۔ کیا ہی بُری مثال ہے اُس قوم کی جس نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا۔ اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اے نبیؐ، اِن سے کہو: "اے لوگو، جو یہودی بن گئے ہو[۵]، اگر تمھیں یہ غرور ہے کہ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں صرف تم ہی اللہ کے محبوب ہو[۶] تو موت کے طالب بنو، اگر تم اپنے اِس زعم میں سچے ہو۔" لیکن یہ لوگ ہرگز موت کی تمنا نہ کریں گے، اپنے اُن کرتوتوں کی وجہ سے جو یہ کر چکے ہیں۔ اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ اے نبیؐ، اِن سے کہو: "جس موت سے تم بھاگ رہے ہو وہ تو تمھیں آ کر رہے گی، پھر تم اُس اللہ کے سامنے پیش کیے جاؤ گے جو پوشیدہ و ظاہر، سب کا جاننے والا ہے۔ پھر وہ اللہ تمھیں بتا دے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔" ۱–۸

[۱] "امی" کا لفظ پہلے پہل بنی اسرائیل، اہل عرب کے لیے استعمال کرتے تھے کیونکہ یہ لوگ عام طور پر لکھنے پڑھنے سے نا آشنا تھے۔ بعد میں یہ لفظ اپنے اصل معنی سے کٹ کر محض بطور اصطلاح بنی اسماعیل کے لیے استعمال ہونے لگا۔

[۲] گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل کام یہ تھا کہ وہ لوگوں کو قرآن مجید پہنچائیں، اس کتاب کے مطابق ان کی تربیت کریں، ان کو پاک کریں، ان کو دین کا عملی طریقہ سکھائیں اور اس دین کے قوانین، اس کا فلسفہ اور اس کی حکمت ان کو سمجھائیں۔

[۳] یعنی جن بنی اسماعیل نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا، وہ بھی بہت جلد اس کو قبول کر لیں گے۔ اس آیت سے یہ معنی بھی نکلتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ساری نوعِ انسانی کی طرف ہے اور قیامت تک کے لیے ہے۔

[۴] یعنی بنی اسرائیل نے تورات کی ہدایات پر عمل نہ کر کے گویا اس کتاب کی تکذیب کر دی۔ جس طرح ایک گدھا نہیں جانتا کہ اس کی پیٹھ پر کیا ہے، اسی طرح یہ لوگ تورات کے اصل پیغام سے ناواقف ہیں۔

[۵] بنی اسرائیل کا اصل دین اسلام تھا۔ حضرت یعقوبؑ کا لقب "اسرائیل" تھا۔ چنانچہ ان سے جو نسل دنیا میں پھیلی، اسے بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ یہودیت نامی مذہب بہت بعد کی پیداوار ہے اور یہ اس خاندان کی طرف منسوب ہے جو حضرت یعقوبؑ کے چوتھے بیٹے یہوداہ کی نسل سے تھا۔

[۶] بنی اسرائیل کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ انھوں نے انسانیت کو نسلی خانوں میں بانٹ دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ اللہ کی محبوب نسل صرف بنی اسرائیل ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات اللہ کے عادل ہونے کے خلاف ہے اور انسانی ضمیر اس دعوے کو قبول نہیں کر سکتا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ
لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹﴾ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا
اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ࣙ انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَاۗىِٕمًا ۭ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ

ع خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿١١﴾

اے اہلِ ایمان، جب جمعہ کے دن کی نماز کے لیے اعلان کیا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف سرگرمی کے ساتھ چل کھڑے ہو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔[۷] یہ تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم علم سے کام لو۔ پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل (یعنی دنیا کے کاروبار) کے طلب گار بنو۔[۸] اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو تا کہ تمھیں کامیابی نصیب ہو۔

اے نبیؐ، (کچھ لوگوں کا حال یہ ہے کہ) جب وہ تجارت یا دل چسپی کی کوئی چیز دیکھ پاتے ہیں تو اُس کی طرف ٹوٹ پڑتے ہیں اور تم کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔ (ان سے) کہو: ''جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے کہیں بہتر ہے۔ اللہ ہی بہترین روزی دینے والا ہے۔''[۹] ۹-۱۱

[۷] نماز جمعہ اسلام کے اہم ترین فرائض اور شعائر میں سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچتے ہی فوراً یہ نماز قائم کر دی تھی۔ جس اذان کا یہاں ذکر ہے اس سے مراد وہ اذان ہے، جو خطبہ سے عین پہلے دی جاتی ہے، نہ کہ وہ اذان جو خطبہ سے کافی دیر پہلے لوگوں کو یہ اطلاع دینے کے لیے دی جاتی ہے کہ جمعہ کا وقت شروع ہو چکا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدینؓ کے زمانے میں یہی اذان ہوتی تھی۔ البتہ، جب مدینے کی آبادی بہت بڑھ گئی تو حضرت عثمانؓ نے یہی اذان مسجد کے ساتھ ساتھ لاؤڈ اسپیکر کے اصول پر مدینے کے بازار میں بھی دلوانی شروع کر دی۔
اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خطبے کی اذان کے بعد نماز کے اختتام تک ہر طرح کی دوسری سرگرمی منع ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدینؓ کے دور میں جمعے کا خطبہ ہمیشہ حکمران یا اس کا بااختیار نمائندہ ہی دیتا تھا۔ بنوامیہ کے پورے دور اور بنوعباس کے ابتدائی دور میں بھی اس پر عمل ہوتا رہا، حتیٰ کہ آہستہ آہستہ مسلمان حکمران اس فریضے سے غافل ہو گئے۔

[۸] یعنی خطبہ اور نماز جمعہ سے پہلے اور بعد میں ہر طرح کی دنیوی سرگرمیوں کی اجازت ہے۔

[۹] روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں باہر کا کوئی تجارتی قافلہ، عین خطبۂ جمعہ کے وقت، مدینہ میں داخل ہوا اور اس نے رواج کے مطابق اعلان کے لیے اپنے ڈھول اور دف بجائے تو کچھ لوگ خطبہ چھوڑ کر قافلے کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ اُس زمانے میں اس طرح کے قافلے بڑی اہمیت رکھتے تھے اور لوگوں کو ان قافلوں کا بڑا انتظار رہتا تھا کیونکہ ضروری چیزوں کی خرید وفروخت انھی کے ذریعے سے ہوتی تھی۔ چنانچہ ہر شخص اپنی ضرورت کی چیزیں حاصل کرنے اور اپنا مال فروخت کرنے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا۔ ظاہر ہے کہ جن لوگوں سے یہ کام صادر ہوا، ان پر ابھی اسلامی تربیت کا رنگ اچھی طرح نہیں چڑھا تھا اور یہ لوگ خطبۂ جمعہ کی اہمیت سے پوری طرح واقف نہیں تھے، اس لیے قرآن مجید نے اس کی طرف بطور خاص توجہ دلائی تا کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے خطبہ اور نماز جمعہ کی اہمیت یاد ہو جائے۔
اسی آیت پر اس سورہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

سورۂ منافقون

[۶۳]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے جس سے یہ نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

پچھلی سورہ میں ان مسلمانوں پر گرفت ہوئی تھی جن کے طرز عمل میں کمزوریاں تھیں۔ اب اس سورہ میں اُس زمانے کے منافقین کے کرتوتوں پر گرفت کی گئی ہے۔ اس سورہ میں جس واقعے کی طرف اشارہ ہے، وہ غزوۂ بنی المصطلق، غزوۂ تبوک یا کسی اور جنگ کے موقعے پر پیش آیا تھا۔ اس کی مزید تفصیلات آگے آئیں گی۔

آیاتہا ۱۱ — رکوعاتہا ۲

سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ
الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱﴾ اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲﴾
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۳﴾ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ
وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ
فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۴﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ
وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۵﴾ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ
اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۶﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

(اے نبیؐ)، جب یہ منافق[1] تمھارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ”ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔“ (ہاں،) اللہ جانتا ہے کہ یقیناً تم اُس کے رسول ہو، لیکن اللہ یہ گواہی بھی دیتا ہے کہ یہ منافقین (اپنے اِس دعوے میں) بالکل جھوٹے ہیں۔ اِن لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے[2] اور یہ لوگ اللہ کی راہ سے رُک گئے ہیں۔ کیسی بُری حرکتیں ہیں جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ پہلے (بظاہر) ایمان لے آئے اور حقیقت میں انھوں نے حق کا انکار کیا۔ اس لیے اب اِن کے دلوں پر مُہر لگادی گئی ہے اور اب یہ سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہوگئے ہیں[3]۔

اِنھیں دیکھو تو اِن کے جسم تمھیں بڑے شان دار نظر آئیں اور جب یہ بولیں تو تم اِن کی باتیں سنتے رہ جاؤ۔ لیکن اِن کی مثال ایسی

ہے گویا یہ لکڑی کے تختے ہوں جو دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر رکھے گئے ہوں[4]۔ یہ لوگ ہر خطرہ اپنے ہی اوپر سمجھتے ہیں[5]۔ اصل دشمن یہی ہیں، اس لیے اِن سے بچ کر رہو[6]۔ اللہ اِن کو غارت کرے، کس طرح اِن کی عقل الٹ گئی ہے۔

جب اِن منافقین سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تا کہ اللہ کا رسول تمھارے لیے مغفرت کی دعا کرے، تو یہ لوگ سر جَھٹکتے ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ یہ لوگ بڑے غرور کے ساتھ منہ موڑ لیتے ہیں۔ اے نبیؐ، اِن کے لیے یکساں ہے، خواہ تم ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو یا نہ کرو، کیونکہ اللہ ہرگز اِن کو معاف کرنے والا نہیں۔ اللہ نافرمانی کے راستے پر مستقل چلنے والوں کو ہدایت کا راستہ نہیں دکھاتا[7]۔ ١-٦

[١] یہاں ان منافقین کے بارے میں بات ہو رہی ہے جو اپنے ایمان کے دعوے میں بالکل جھوٹے تھے اور محض مفادات کے لیے اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے۔

[٢] یعنی یہ لوگ ہر کسی کے سامنے قسمیں کھاتے پھرتے ہیں تا کہ لوگ ان کے مسلمان ہونے کا یقین کر لیں۔ اس طرح یہ لوگ اپنی قسموں کو اپنے بچاؤ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

[٣] یہاں منافقین کے اس گروہ کا تذکرہ ہو رہا ہے جن کو حضورؐ پوری طرح حق کی دعوت پہنچا چکے تھے اور یہ لوگ اس دعوت کو بظاہر مان بھی چکے تھے۔ چونکہ ان لوگوں کو حق کی دعوت بہترین شکل میں پہنچ چکی تھی اور اس کے باوجود انھوں نے اپنے دنیوی مفادات کو ترجیح دی، اس لیے اللہ کی طرف سے ان کے لیے قبول حق کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

[٤] یعنی یہ اپنے مفادات میں ایسے اندھے ہو گئے ہیں کہ حق کی بات کی قبولیت کے لیے یہ لوگ بالکل لکڑی اور پتھر جیسے بن گئے ہیں۔

[٥] یعنی جب ریاست مدینہ پر باہر سے کسی حملے کا خطرہ ہوتا ہے تو اگر چہ وہ خطرہ سب کے لیے برابر ہوتا ہے، تاہم چونکہ ان لوگوں کو زندگی سے بہت پیار ہے اور یہ لوگ دنیوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اس لیے ان کے خیال میں سارا خطرہ انھی کے لیے ہوتا ہے۔

[٦] کیونکہ اپنی جان بچانے کے لیے یہ لوگ ہر غداری پر آمادہ ہیں۔

[٧] ان منافقین کو اللہ کی طرف سے راہ راست پر آنے کی بار بار مہلت دی گئی تھی، اس کے باوجود انھوں نے اس مہلت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، اس لیے اب ان کے لیے ہدایت کے دروازے کو بند کر دیا گیا ہے۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْاؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٧﴾ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّؕ
وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٨﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ ع ۸ ۱۴
اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٩﴾ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا

رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَ
كُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾ ع

یہی وہ منافق ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول کے ساتھیوں پر مال خرچ کرنا بند کردو تا کہ یہ لوگ منتشر ہو جائیں۔[8] حالانکہ آسمان وزمین کے خزانوں کا مالک تو اللہ ہی ہے، لیکن یہ منافقین (اس بات کو) نہیں سمجھ سکتے۔ یہ کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ واپس پہنچ جائیں تو جو عزت والے ہیں، وہ بے حیثیت لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے۔[9] حالانکہ عزت تو اللہ، اُس کے رسولؐ اور مومنین کے لیے ہے، لیکن یہ منافقین جانتے نہیں ہیں۔[10]

اے اہلِ ایمان، تمھارے مال اور تمھاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں۔[11] جو لوگ ایسا کریں گے تو وہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔ جو کچھ ہم نے تمھیں بخشا ہے، اُس میں سے خرچ کرو، اِس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور اُس وقت وہ کہے: "اے میرے رب، تو نے مجھے تھوڑی سی اور مہلت کیوں نہ دی کہ میں صدقہ کرتا اور صالح لوگوں میں شامل ہو جاتا۔" حالانکہ جب کسی کی اجل آپہنچتی ہے تو اللہ اس کو ہرگز مزید مہلت نہیں دیتا۔ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سے باخبر ہے۔[12] ۷-۱۱

[۸] کئی موقعوں پر منافقین، مدینہ کے معصوم مسلمانوں کے قوم پرستانہ جذبات کو بھڑکانے کی کوشش کرتے اور ان سے کہتے کہ یہ مہاجرین تو تم لوگوں کی مال و دولت پر پل رہے ہیں اور تمھارے ہی آقا بنے ہوئے ہیں، ان لوگوں پر اہل مدینہ کی طرف سے خرچ بند کرنا چاہیے۔

[۹] روایات کے مطابق کسی غزوے سے واپسی کے موقع پر کسی جگہ ایک مہاجر اور ایک انصاری میں جھگڑا ہو گیا۔ زیادہ تر روایات میں بتایا گیا ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر پیش آیا۔ کچھ روایات میں اسے غزوۂ تبوک کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جب کہ بعض روایات میں اس مہم کا نام نہیں لیا گیا۔ اس جھگڑے میں مہاجر نے اپنی حمایت میں مہاجرین کو آواز دی اور انصاری نے انصاریوں کو پکارا۔ دونوں طرف کے جذبات مشتعل ہو گئے اور قریب تھا کہ ایک بڑا فساد شروع ہو جاتا۔ جھگڑے کا شور سن کر حضورؐ اپنے خیمے سے باہر نکل آئے اور فرمایا: "یہ جاہلیت کی پکار کیسی؟ کہاں تم لوگ اور کہاں جاہلیت کی یہ پکار! اسے چھوڑ دو، یہ بڑی گندی چیز ہے۔" یوں معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی ہمیشہ اس طرح کے مواقع کی گھات میں رہتا۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھا کر مہاجرین کے خلاف انصار کے جذبات بھڑکانے کے لیے نہایت زہر آلود فقرے کہے۔ اس نے کہا: "یہ لوگ ہمارے گھر میں پناہ پا کر اب ہم پر غرانے لگے ہیں۔ ان لوگوں پر تو وہ مثال صحیح بیٹھتی ہے کہ کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرو تا کہ تجھی کو کاٹ کھائے۔ خدا کی قسم، مدینے واپس پہنچ کر ہم میں سے جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو باہر نکال دے گا۔" یہاں عبداللہ بن ابی کی ان باتوں کی طرف اشارہ ہے۔

[۱۰] یعنی اللہ کے مقرر کردہ طریقے کے مطابق یہ لازم ہے کہ آخری غلبہ و دنیوی عزت بھی حضورؐ اور صحابۂ کرامؓ ہی کو ملے گی، لیکن چونکہ منافقین کو اس

بات کا یقین نہیں ہے، اس لیے وہ ایسی غلط باتیں کر رہے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جب یہ بات انصار میں پھیل گئی تو ان میں عبداللہ بن ابی کے خلاف سخت غصہ پیدا ہو گیا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ حضورؐ سے معافی مانگو، مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔ جب یہ قافلہ مدینہ میں داخل ہونے لگا تو عبداللہ بن ابی کے بیٹے، جن کا نام بھی عبداللہ ہی تھا، تلوار نکال کر باپ کے آگے کھڑے ہو گئے اور بولے: ''آپ نے کہا تھا کہ مدینہ واپس پہنچ کر عزت والا رذیل کو نکال دے گا۔ اب آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ عزت آپ کی ہے یا اللہ اور اُس کے رسولؐ کی۔ خدا کی قسم، آپ اس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک حضورؐ اس کی اجازت نہ دیں۔'' اس پر ابن ابی چیخ پڑا: ''اے خزرج کے لوگو، دیکھو، میرا بیٹا ہی مجھے مدینہ میں داخل ہونے سے روک رہا ہے۔'' جب لوگوں نے یہ خبر حضورؐ تک پہنچائی تو آپ نے فرمایا: ''عبداللہ سے کہو کہ اپنے باپ کو گھر آنے دے۔'' یوں اسی وقت اس بات کا فیصلہ ہو گیا کہ عزت والا کون ہے اور ذلت والا کون ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس غزوے کے سفر کے دوران میں جب حضرت عمرؓ کو ابن ابی کی گستاخانہ باتوں کا علم ہوا تو انھوں نے آ کر عرض کیا: ''مجھے اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں یا اگر مجھے یہ اجازت دینا مناسب خیال نہیں فرماتے تو خود انصار ہی میں سے کسی سردار کو حکم دیجیے کہ وہ اسے قتل کر دیں۔'' مگر حضورؐ نے فرمایا: ''ایسا نہ کرو، لوگ کہیں گے کہ محمدؐ اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کر رہا ہے۔'' چنانچہ جب مدینے میں اس منافق کے بیٹے کے ہاتھوں اس کی بے عزتی ہوئی تو حضورؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: ''کیوں عمرؓ، اب تمھارا کیا خیال ہے؟ جس وقت تم نے کہا تھا کہ مجھے اس کو قتل کرنے کی اجازت دیجیے، اس وقت اگر تم اسے قتل کر دیتے تو بہت سی ناکیں اس پر پھڑ کنے لگتیں۔ آج اگر میں اس کے قتل کا حکم دوں تو اسے قتل تک کیا جا سکتا ہے۔'' حضرت عمرؓ نے عرض کیا: ''خدا کی قسم، اب مجھے معلوم ہو گیا کہ اللہ کے رسولؐ کی بات میری بات سے کہیں زیادہ حکمت پر مبنی تھی۔'' اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص مسلم ملت میں رہتے ہوئے ایسا باغیانہ رویہ اختیار کرے تو وہ قتل کا مستحق ہے۔ لیکن محض قانوناً کسی شخص کے مستحقِ قتل ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایسے شخص کو ضرور قتل کر دیا جائے۔ ایسے کسی بھی فیصلے سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا ایسے شخص کا قتل کسی عظیم تر فتنے کا سبب تو نہ بن جائے گا۔ حالات سے آنکھیں بند کر کے قانون کا اندھا دھند استعمال بعض اوقات اس مقصد کے خلاف بالکل الٹا نتیجہ پیدا کر دیتا ہے۔ اگر کسی مفسد شخص کے پیچھے کوئی مضبوط طاقت موجود ہے تو ایسے شخص کو سزا دینے سے بہتر یہ ہے کہ حکمت و تدبر کے ساتھ معاملے کو حل کیا جائے اور اس اصل طاقت کو ختم کرنے کے لیے پلان بنایا جائے، جس کے بل پر یہ شرارتیں ہو رہی ہیں۔ یہی وہ مصلحت تھی جس کی بنا پر حضورؐ نے ابن ابی کو اس وقت بھی کوئی سزا نہ دی جب آپؐ اُسے سزا دینے پر قادر تھے، بلکہ مسلسل اس کے ساتھ نرمی کا سلوک کرتے رہے، یہاں تک کہ بہت جلد مدینہ میں منافقین کا زور ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا اور ابن ابی اور اس کے ساتھی مایوسی کے عالم میں اپنی طبعی موت مر گئے۔

[۱۱] منافقین یہ سب کچھ اپنے مال و اولاد کی حفاظت ہی کے لیے کر رہے تھے، چنانچہ قرآن مجید نے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ اللہ کی فرماں برداری دنیوی مال و اولاد سے کہیں بڑھ کر ہے۔

[۱۲] گویا کسی بھی انسان کو صدقہ و خیرات میں سستی سے کام نہیں لینا چاہیے اور ہر موقع پر آگے بڑھ کر قربانی دینی چاہیے۔ موت کے وقت کا علم کسی کو بھی

نہیں ہے چنانچہ اس سے پہلے پہلے اللہ کے دین اور اس کے بندوں کی خدمت کے لیے بھرپور مالی مدد کرنی چاہیے۔
اسی فکر انگیز آیت پر اس سورہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

سورۂ تغابن

[۶۴]

نام

اس سورہ کی آیت نمبر۹ میں یہ لفظ آیا ہے جس سے سورہ کا نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

پچھلی سورہ اس تنبیہ پر ختم ہوئی تھی کہ دنیوی چیزوں کی محبت میں پڑ کر اللہ کی یاد اور اس کے حقوق سے غافل نہیں ہو جانا چاہیے۔ اس سورہ میں اسی مضمون کو مزید تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور لوگوں کو بتایا گیا ہے کہ اصل ہار جیت کا وقت یہ دنیا نہیں، بلکہ آخرت ہے۔

آیاتها ۱۸

سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ

رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ج لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ز وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱﴾ هُوَ
الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ
بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ج وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا
تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴﴾ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ز فَذَاقُوْا
وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالُوْا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ز
فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۶﴾ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ط قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ
لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ط وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷﴾ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْ اَنْزَلْنَا ط
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۸﴾ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ط وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ
صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ خَالِدِيْنَ فِيْهَا ط وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۰﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ ہی کی تسبیح کر رہی ہے۔ بادشاہی اُسی کی ہے۔ سارا شکر وحمد اُسی کے لیے ہے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ وہی اللہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا تو پھر تم میں سے کوئی منکرِ حق ہے اور کوئی مومن ہے۔ تمھارے سب اعمال اللہ کی نظر میں ہیں۔ اُسی اللہ نے آسمان وزمین کو ایک مقصد کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اُس نے تمھاری صورت بنائی اور بڑی ہی عمدہ بنائی۔ اُسی اللہ کی طرف

لوٹنا ہوگا۔ آسمان وزمین کی ہر چیز کا اسے علم ہے۔ جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو، سب اُس کو معلوم ہے۔ اللہ سینوں کے رازوں سے بھی واقف ہے۔

کیا تمھیں اُن لوگوں کی کوئی خبر نہیں پہنچی جنھوں نے اِس سے پہلے حق کا انکار کیا اور پھر انھوں نے اپنے کیے کی سزا چکھ لی[1] (آگے بھی) اُن کے لیے ایک دردناک سزا ہے۔ یہ اِس وجہ سے ہوا کہ اُن کے پاس اُن کے رسول واضح نشانیوں کے ساتھ آتے رہے، مگر انھوں نے کہا: ''کیا انسان ہمیں ہدایت دیں گے؟'' پس انھوں نے انکارِ حق کیا اور منہ پھیر لیا، چنانچہ اللہ بھی اُن سے بے پروا ہو گیا۔ اللہ بے نیاز ہے اور سب اچھی صفات کا مالک ہے۔

انکارِ حق کرنے والوں نے دعویٰ کیا کہ ہم مرنے کے بعد ہرگز دوبارہ نہ اٹھائے جائیں گے۔ (اے نبیؐ، اِن سے) کہو: ''ہاں، میرے رب کی قسم، تم ضرور اُٹھائے جاؤ گے، پھر تم کو تمھارے اعمال کے بارے میں بتا دیا جائے گا۔ یہ کام اللہ کے لیے نہایت آسان ہے۔''

پس (اے لوگو)، ایمان لاؤ اللہ، اُس کے رسول اور اُس نور (قرآن مجید)[2]، پر جو ہم نے نازل کیا ہے۔ جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اُس سے باخبر ہے۔

اُس دن کو یاد رکھو جب اجتماع کے دن اللہ تم سب کو اکٹھا کرے گا۔ وہی دن درحقیقت ہار جیت کا دن ہوگا۔[3] پس جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے اعمال کیے، اللہ اُن کے گناہوں کو (اُن سے) جھاڑ دے گا اور اُن کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہ رہی ہوں گی۔ یہ لوگ اِن باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ یہی درحقیقت بڑی کامیابی ہے۔

(اس کے برعکس) جن لوگوں نے حق کا انکار کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا، وہی دوزخ والے ہوں گے۔ وہ ہمیشہ اُس میں رہیں گے اور وہ نہایت بُرا ٹھکانا ہوگا۔ ۱-۱۰

[۱] یہ بلحاظ مجموعی ان تمام قوموں کا بیان ہے جن کے پاس براہ راست رسول آئے اور انھوں نے رسولوں کو جھٹلا دیا۔

[۲] قرآن مجید کی ہدایات سے انسان کے سامنے زندگی کا سارا مقصد اور راستہ روشن ہو جاتا ہے، اس لیے یہاں قرآن کو 'نور' کہا گیا۔

[۳] 'تغابن' کا لفظ دراصل غبن سے نکلا ہے۔ غبن کا مطلب ہے غفلت، بھول چوک یا اپنے حصے سے محروم رہ جانا۔ یہ لفظ اردو زبان میں کسی کو دھوکا دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ گویا 'تغابن' کا مطلب ہے 'تجارت میں ایک فریق کا خسارہ اٹھانا اور دوسرے فریق کا نفع کمانا'۔ شاہ عبدالقادر نے اِس لفظ کا ترجمہ 'ہار جیت کا دن' کیا ہے۔ یہ خوب صورت ترجمہ اس لفظ کی روح کے عین مطابق ہے۔ گویا ہار جیت کا اصل میدان یہ دنیا نہیں، بلکہ آخرت ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَطِيْعُوا
اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ
وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ
اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ
نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ
شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ ع

جو مصیبت بھی آتی ہے وہ اللہ کی اجازت سے آتی ہے[۴]۔ جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو تو اللہ اُس کے دل کی رہنمائی کرتا ہے[۵]۔ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو۔ لیکن اگر تم (اطاعت سے) منہ موڑو گے تو (یاد رکھو کہ) ہمارے رسولؐ پر صرف یہ ذمہ داری ہے کہ وہ (حق کو) واضح طور پر پہنچا دے۔ اللہ ہی معبود ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس لیے ایمان والوں کو چاہیے کہ صرف اللہ ہی پر بھروسا کریں۔

اے ایمان والو، تمھاری بیویوں اور تمھاری اولاد میں سے بعض تمھارے لیے دشمن ہیں تو اُن سے بچ کے رہو[۶]۔ اگر تم (ان کے معاملے میں) معافی، درگزر اور بخش دینے کے رویے سے کام لو گے تو اللہ غفور و رحیم ہے[۷]۔ تمھارے مال اور تمھاری اولاد تمھارے لیے ایک امتحان ہیں، بڑا اجر تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ لہٰذا جہاں تک تمھارے بس میں ہو، اللہ کی ہدایات کی پابندی کرتے رہو[۸]، سنو، اطاعت کرو اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ یہ تمھارے ہی لیے بہتر ہے۔ جو لوگ دل کی تنگی (نفس کے لالچ) کی بیماری سے محفوظ ہو گئے، وہی کامیابی پانے والے ہیں[۹]۔ اگر تم اللہ کو قرضِ حَسن دو گے تو وہ تمھیں کئی گنا بڑھا کر دے گا[۱۰] اور تمھیں بخش دے گا۔ اللہ بڑا اقدر دان اور تحمل والا ہے۔ وہ غائب و حاضر کا جاننے والا ہے، زبردست ہے اور کامل دانائی کا مالک ہے[۱۱]۔ ۱۱-۱۸

[۴] قدرتی آفات کے متعلق تو ہر کوئی جانتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں۔ جہاں تک ان مصیبتوں کا تعلق ہے جو انسانوں کی اپنی کوتاہی، سستی اور بے

عمل کی وجہ سے آتی ہیں، ان کے متعلق سورۂ نساء آیت ۷۹ اور سورۂ شوریٰ آیت ۳۰ کی رو سے یہ ضروری ہے کہ اپنی کمزوریوں کا پورا تجزیہ کیا جائے اور ان سے بچنے کی تدبیر کی جائے۔ تاہم ان موقعوں پر بھی اس مصیبت کے واقع ہونے کا فیصلہ اللہ ہی کی طرف سے صادر ہوتا ہے۔ دین کے راستے کی جدوجہد میں بھی انسانوں پر طرح طرح کی آزمایشیں مصیبتوں کی شکل میں آتی ہیں۔ ایسے موقعوں پر تدبیر کی ہر غلطی کو دور کرنا چاہیے، تاہم اس کے باوجود بہت سی مصیبتیں آ کر رہیں گی۔ یہ سب اللہ کی طرف سے اذن کے نتیجے میں ہوتی ہیں۔

[۵] یعنی اللہ کی راہ میں آزمایشوں کے وقت اگر ایک شخص اپنے ایمان میں مضبوط رہے گا تو کوئی آزمایش اس کے حوصلوں کو پست نہیں کر سکے گی، بلکہ اللہ اس کے دل کی رہنمائی فرمائے گا اور اسے مضبوط رکھے گا۔

[۶] جب کسی شخص کے بیوی بچے اس سے کوئی خلاف اسلام مطالبہ کرتے ہیں تو وہ دراصل اس شخص سے دشمنی کر رہے ہوتے ہیں، اس لیے ایسے موقع پر ہر شخص کو ہوشیار رہنا چاہیے۔

[۷] یعنی اگر بیوی بچوں کی طرف سے اس طرح کے مطالبات ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ بیوی بچوں کو اپنے آپ سے علیحدہ کر لیا جائے۔ ان کے معاملے میں یہ ضروری ہے کہ انسان ہر وقت محبت، معافی اور کھلے دل سے کام لے، تاہم یہ محبت اللہ کے احکام پر غالب نہیں آنی چاہیے۔ گویا یہ ضروری ہے کہ ایسی ہر صورت حال کا حل دانائی کے ساتھ نکالا جائے۔

[۸] تقویٰ کا اصل مطلب حدود الٰہی کا خیال رکھنا ہے۔

[۹] ’شحِ نفس‘ یعنی تنگ دلی اور کنجوسی ایک بہت بڑی خامی ہے۔ آخرت کی کامیابی کے لیے اس خامی پر قابو پانا بہت ضروری ہے۔

[۱۰] اس دنیا میں دین کی خدمت کے ہر کام کو اللہ اپنا کام قرار دیتا ہے، اس لیے جو بھی شخص اللہ کے دین اور اس کے بندوں کی ضروریات کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے، اسے اللہ اپنے ذمے قرض قرار دیتا ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے انسانوں کے لیے محبت کا بہت بڑا اظہار ہے۔

[۱۱] اس سورہ کی ابتدا اللہ کی صفات کے بیان سے ہوئی تھی اور اس کی تکمیل بھی اللہ کی صفات کے بیان سے ہو رہی ہے۔ ان صفات پر غور و فکر کرتے ہوئے ہر انسان کو اپنی زندگی گزارنی چاہیے۔

سورۂ طلاق

[۶۵]

نام

اس سورہ میں طلاق کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے اور یہ اس کے مضمون کا عنوان بھی ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

پچھلی سورہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ آدمی کے اہل خاندان اس کے لیے بڑی آزمایش ہیں۔ چنانچہ اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ان کی محبت میں گرفتار ہو کر انسان حقوق اللہ اور حقوق العباد نہ بھول جائے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا کہ اہل خاندان کے ساتھ بھرپور طریقے سے عفوودرگزر کا معاملہ رکھا جائے۔

اس سورہ میں اسی نازک مسئلے کی مزید وضاحت فرمائی گئی ہے تاکہ نفرت اور محبت، دونوں طرح کے حالات میں لوگوں کو صحیح رویہ معلوم رہے، اور وہ بے اعتدالی نہ کریں۔ میاں بیوی کے رشتے پر تمام معاشرت کی بنیاد ہے، لیکن اس رشتے کی نازک حدود کا خیال رکھنے میں لوگوں سے بالعموم کوتاہی ہو جاتی ہے، اور اگر اختلاف پیدا ہو جائے تو وہ ایسی نفرت اور دشمنی کی شکل اختیار کر لیتا ہے کہ شریعت کے سارے حدود واحکام پس پشت ڈال دیے جاتے ہیں۔

اگر اس سورہ کے مطالعے کے ساتھ سورۂ بقرہ کی آیات ۲۲۸ تا ۲۳۴، سورۂ نساء کی متعلقہ آیات اور سورۂ احزاب کی آیت ۴۹ تشریح کے ساتھ سامنے رہے تو اس سورہ کو بہتر انداز میں سمجھا جا سکتا ہے۔

اس سورہ کے مضامین سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۂ تغابن کے بعد نازل ہوئی۔

ایاتہا ۱۲ | سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ | رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ
مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ
ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ﴿۱﴾ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ
فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ﴿۲﴾ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ
عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿۳﴾ وَالّٰٓئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ
مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ
حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ﴿۴﴾ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ
يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ﴿۵﴾ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ
لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ
فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى ﴿۶﴾ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ
مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ
ع ۱ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ﴿۷﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد و حساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

اے نبیؐ، (لوگوں سے کہو کہ[1]) جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو اُن کی عدت کے حساب سے طلاق دو۔ عدت کے زمانے کا ٹھیک ٹھیک شمار رکھو[2] اور اُس اللہ سے ڈرو جو تمھارا پروردگار ہے[3]۔ (زمانۂ عدت میں) اُن عورتوں کو اُن کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوائے اس کے کہ وہ کسی کھلی ہوئی بدکاری کی مرتکب ہوں[4]۔ یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں۔ جو کوئی اللہ کے حدود سے تجاوز کرے گا تو وہ اپنے اوپر خود ہی ظلم کرے گا[5]۔ تم نہیں جانتے، شاید اِس (زمانۂ عدت کے گزرنے) کے بعد اللہ کوئی اور صورت پیدا کر دے[6]۔

پھر جب وہ خواتین اپنی اِس مدت کے خاتمے پر پہنچ جائیں تو یا انھیں بھلے اور اچھے طریقے سے نکاح میں روک رکھو یا بھلے اور اچھے طریقے کے مطابق اُن سے جدا ہو جاؤ[7]۔ اپنوں میں سے دو انصاف پسند لوگوں کو اِس پر گواہ بنا لو[8]۔ (اے گواہ بننے والو،) گواہی کو اللہ کے لیے (ٹھیک ٹھیک) قائم رکھو۔

یہ وہ باتیں ہیں جن کی تم لوگوں کو نصیحت کی جا رہی ہے، یعنی ہر اُس شخص کو جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ جو لوگ بھی اللہ سے ڈریں گے تو اللہ اُن کے لیے (مشکلات سے نکلنے کا) راستہ پیدا کرے گا اور اُن کو اُس طرف سے رزق دے گا جدھر اُن کا گمان بھی نہ جاتا ہوگا[9]۔ جو شخص بھی اللہ پر بھروسا کرے تو اللہ اُس کے لیے کافی ہے۔ اللہ اپنے ارادے پورے کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ (یعنی قانون) مقرر کر رکھا ہے۔

تمھاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں، اگر اُن کے متعلق تم لوگوں کو کوئی شک ہے تو اُن کی عدت تین مہینے ہے۔ یہی حکم اُن عورتوں کا ہے جنھیں ابھی حیض نہ آیا ہو[10]۔ حاملہ عورتوں کی مدت حمل کے خاتمے تک ہے۔ جو شخص اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اُس کے لیے اُس کے معاملے میں آسانی پیدا کر دے گا۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اُس نے تمھاری طرف نازل کیا ہے۔ جو شخص بھی اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اُس کے گناہوں کو اُس سے دور کر دے گا اور اُس کو بڑا اجر دے گا۔

اُن خواتین کو (زمانۂ عدت میں) اُسی طرح رکھو، جس طرح اپنی حیثیت کے مطابق تم رہتے ہو۔ انھیں تنگ کرنے کے لیے اُن کو نہ ستاؤ[11]۔ اگر وہ حاملہ ہوں تو اُن پر اُس وقت تک خرچ کرتے رہو، جب تک وہ حمل سے فارغ نہ ہو جائیں۔ پھر اگر وہ تمھارے بچے کو دودھ پلائیں تو اُن کو اُن کا معاوضہ ادا کرو، اور اچھے طریقے سے (معاوضے کا معاملہ) باہمی مشورے سے طے کر لو[12]۔ اگر تم کوئی مشکل محسوس کرو تو بچے کو کوئی اور عورت دودھ پلا لے گی[13]۔ خوش حال آدمی اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے، اور جس شخص کو کم رزق دیا گیا

ہے وہ اُسی میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اُس کو دیا ہے۔ اللہ نے جس شخص کو جتنا کچھ دیا ہے، اُس سے زیادہ کا بوجھ وہ اُس پر نہیں
ڈالتا۔ اللہ تنگ دستی کے بعد خوش حالی بھی عطا کرے گا۔ ۱-۷

[۱] ایسے موقعوں پر حضورؐ سے خطاب آپؐ کی شخصی حیثیت میں نہیں، بلکہ امت کے وکیل کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ اسی لیے حضورؐ کو خطاب کرنے کے فوراً بعد جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس طرزِ بیان کی اہمیت یہ ہے کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ جب حضورؐ پر طلاق کے ضمن میں ان باتوں کی پابندی لازم ہے تو دوسروں پر تو اس سے کہیں زیادہ ضروری ہوگی۔ یہ بات سب پر واضح ہے کہ حضورؐ نے اپنی کسی بھی بیوی کو طلاق نہیں دی۔

[۲] یعنی طلاق کوئی کھیل نہیں ہے کہ جب اور جہاں چاہا، بیوی کو طلاق دے دی۔ اس کے برعکس یہ انتہائی ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ کیا جانے والا ایک سنجیدہ فیصلہ ہے اور یہ صرف اسی وقت کرنا چاہیے جب موافقت کی کوئی صورت نظر نہ آئے۔ طلاق کی صورت میں یہ بہت ضروری ہے کہ اس کی عدت کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔ طلاق ایک نہایت نازک معاملہ ہے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے وقت اور تاریخ کو یاد رکھا جائے اور یہ بھی یاد رکھا جائے کہ کس حالت میں بیوی کو طلاق دی گئی ہے۔ حضورؐ نے اس کی تشریح میں فرمایا کہ عورت کے حیض کے زمانے میں اسے طلاق نہ دی جائے، کیونکہ عدت اس حیض سے شروع نہیں ہو سکتی جس میں اسے طلاق دی گئی ہو، اور اس حالت میں طلاق دینے کے معنی یہ ہو جاتے ہیں کہ اللہ کے حکم کے خلاف عورت کی عدت تین حیض کے بجائے چار حیض بن جائے۔ اس حکم کا یہ تقاضا بھی ہے کہ عورت کو اس طہر یعنی پاکی کی حالت میں بھی طلاق نہ دی جائے جس میں شوہر اس سے تعلق بنا چکا ہو، کیونکہ اس صورت میں بھی عدت کا حساب ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ جب شوہر طلاق کا فیصلہ کرلے تو وہ اپنی بیوی کے حیض آنے کا انتظار کرے، پھر جب حیض ختم ہو جائے تو بیوی سے تعلق بنائے بغیر دن اور تاریخ کے حساب سے طلاق کا اعلان کرے۔

[۳] یعنی یہ محض سفارش کی نوعیت کی کوئی ہدایت نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایسی ہدایت ہے کہ اگر اس کا خیال نہ رکھا جائے تو اس سے یہ معلوم ہوگا کہ یہ شخص اللہ سے نہیں ڈرتا، اور اللہ کے حدود کا خیال نہیں رکھتا۔

[۴] شوہر کی طرف سے طلاق ملنے کے بعد بھی عدت یعنی تین طہر کے خاتمے تک بیوی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ شوہر ہی کے گھر میں رہے، اس لیے کہ اس مدت کے دوران میں یہ گھر اس کا بھی ہے۔ البتہ اگر بیوی واضح بدکاری کی مرتکب ہو چکی ہو اور شوہر اور بیوی کے درمیان 'لعان' کے طریقے پر علیحدگی ہو چکی ہو، جس کے نتیجے میں نکاح فسخ ہو چکا ہو، تو اس صورت میں یہ ضروری نہیں کہ عورت اس عرصے میں سابقہ شوہر کے ہاں رہے۔

[۵] یہاں ایک دفعہ پھر اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ یہ انتہائی اہم احکام ہیں جن کی خلاف ورزی بہت بڑا جرم ہے۔

[۶] یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ پہلی یا دوسری طلاق کے بعد میاں بیوی کے درمیان صلح ہو جائے اور وہ عدت کے دوران ہی میں دوبارہ اکٹھے زندگی گزارنے کا فیصلہ کرلیں۔ اسی طرح تیسری طلاق کے بعد بھی عورت کو نئی زندگی شروع کرنے کے بارے میں سوچ بچار کرنے اور کوئی قدم اٹھانے کے لیے بھی کم از کم تین طہر چاہییں چنانچہ یہ ضروری ہے کہ اس عرصے میں اسے گھر سے بے دخل نہ کیا جائے۔

[۷] شوہروں پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ 'معروف' یعنی انتہائی بھلائی اور اچھے طریقے سے رہیں گے، ان کے اوپر کوئی ظلم نہیں کریں گے
،ان کو کسی بھی حق سے محروم نہیں کریں گے اور ان کو ہمیشہ ان کے حق سے زیادہ دیں گے۔ اسی طرح بیوی کو علیحدہ کرتے وقت یہ ضروری ہے کہ اس کو 'معروف'
یعنی نہایت اچھے طریقے سے علیحدہ کیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد کی طرف سے خاتون کو کم ازکم اتنا کچھ دیا جائے جس سے وہ آیندہ زندگی سکون
واطمینان کے ساتھ گزار سکے۔ اگر کسی معاشرے میں خواتین کو طلاق کے بعد بے یار و مددگار چھوڑا جا رہا ہو تو ریاست پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس ضمن میں
مناسب قوانین بنائے۔

[۸] چونکہ طلاق دینے کا سارا معاملہ قانونی اعتبار سے بھی بہت اہم ہے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس معاملے میں ہر قدم پر کم ازکم دوافراد گواہ بنالیے
جائیں۔ چونکہ موجودہ زمانے میں گواہوں کی صداقت ایک سوالیہ نشان بن چکی ہے، اس لیے یہ بات قرآن مجید کی ہدایات کی روح کے عین مطابق ہے کہ نکاح
نامہ فارم کی طرح ایک 'طلاق نامہ فارم' بھی حکومت کی طرف سے بنادیا جائے۔ اس سے متعلقہ فریقوں اور عدالت کے لیے نسبتاً آسانی پیدا ہوجائے گی۔

[۹] یہ تسلی مرد اور عورت، دونوں کو دی جارہی ہے۔ یعنی اگر مرد اپنی بیوی کے رویے کی وجہ سے تنگ آکر مجبوراً اس کو طلاق دے رہا ہے تو پروردگار کی طرف
سے اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا راستہ پیدا ہوجائے گا۔ اسی طرح طلاق کے موقعے پر عورت کو بھی ہمت سے کام لینا چاہیے، کیونکہ اگر وہ صحیح راستے پر
گامزن رہے گی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے زندگی گزارنے کے کئی متبادل راستے پیدا ہوجائیں گے۔

[۱۰] یعنی اگر عورت کا حیض طبعی لحاظ سے ختم ہو چکا ہے یا کسی وجہ سے ابھی اس کو حیض آنا شروع ہی نہیں ہوا تو اس صورت میں عدت کی مدت تین مہینے ہوگی۔

[۱۱] ظاہر ہے کہ طلاق ناگزیر حالات ہی میں دی جاتی ہے اور اس نفسیاتی کیفیت میں دونوں، خصوصاً شوہر کے دل میں نفرت، غصہ اور مایوسی موجود ہوتی ہے۔
تاہم اس کیفیت کے باوجود مرد پر یہ لازم ہے کہ وہ انصاف، اعتدال اور ٹھنڈے دل سے کام لے اور عدت کے دوران میں عورت کو اچھے طریقے سے رکھے۔

[۱۲] طلاق کے بعد بھی بچے کی نگہداشت باپ کی ذمہ داری ہے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس معاملے میں اپنی سابقہ بیوی کو معاوضہ ادا کرے۔ ہر اہم
معاملے میں دین کی ہدایت یہ ہے کہ اسے باہمی مشورے سے طے کیا جائے، اس لیے اس معاملے میں بھی باہمی مشورے سے معاوضے کی رقم طے کی جائے۔

[۱۳] یعنی اگر بچے کی ماں بیمار ہے یا اس کا دودھ نہیں ہے یا وہ جلد ہی دوسری شادی کرنا چاہتی ہے، تو اس صورت میں یہ ضروری نہیں کہ ماں ہی دودھ پلائے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا
نُّكْرًا ﴿۸﴾ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ﴿۹﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
مع يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۛ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿۱۰﴾ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ عندالمتقدمین ۵

لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا
يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿۱۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ
خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ
وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾ ع ۱۸

کتنی ہی بستیاں ایسی گزری ہیں جنھوں نے اپنے رب کے حکم اور اُس کے رسولوں سے سرکشی کی تو ہم نے اُن کا سخت محاسبہ کیا اور اُن کو نہایت بُری سزا دی۔ انھوں نے اپنے کیے کا نتیجہ چکھا اور اُن کا انجام نامرادی ہوا۔ اللہ نے اُن کے لیے (آخرت میں بھی) ایک سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔[14] پس اے عقل والو، اللہ سے ڈرو۔ اے اہلِ ایمان[15]، اللہ نے تمھاری طرف ایک نصیحت نازل کر دی ہے، ایک ایسا رسول جو تمھیں اللہ کی واضح آیات پڑھ کر سناتا ہے تاکہ ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے۔[16] جو شخص بھی اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اللہ اُس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ لوگ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ نے بہترین رزق رکھا ہے۔
اللہ ہی ہے جس نے سات آسمان تخلیق کیے اور انھی کے مانند زمین بھی[17]۔ اِن سب میں اُس کے احکام نازل ہوتے رہتے ہیں۔ اس سے جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور اللہ کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے[18]۔ ۸-۱۲

[۱۴] یہ قرآن مجید کا مخصوص اسٹائل ہے کہ دنیوی امور کے متعلق ہدایات دیتے وقت وقتاً فوقتاً عقیدے کی طرف بھی توجہ دلاتا رہتا ہے۔ چنانچہ یہاں ان بستیوں کے نافرمان لوگوں کے انجام کی طرف توجہ دلائی گئی جنھوں نے اپنے ہاں آنے والے رسولوں کی دعوت کا انکار کیا اور ان کے مقابلے میں سرکشی کی۔

[۱۵] اب یہاں مسلمانوں کو اس بات کی جانب توجہ دلائی جارہی ہے کہ تم نے عقل و فہم سے کام لے کر ایمان قبول کر لیا ہے، چنانچہ اب تم کو اللہ کی ہدایات کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ چونکہ اوپر کی آیات میں طلاق کے قوانین زیرِ بحث ہیں، اس لیے اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان قوانین کی پابندی انتہائی ضروری ہے۔

[۱۶] دین ایک واضح، انصاف پر مبنی اور روشن راستہ ہے۔ قرآن مجید بھی ایک واضح کتاب ہے، جو سراسر روشنی ہے۔

[۱۷] جو کائنات ہمیں نظر آتی ہے، وہ پوری کائنات کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ ایسی ہی چھ کائناتیں اور بھی ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ اسی طرح ہر کائنات کی کم از کم ایک ایک ایسی زمین بھی موجود ہو جیسی ہماری زمین ہے اور ان پر بھی زندہ مخلوقات رہتی ہوں۔

[۱۸] صرف اسی کائنات کا مشاہدہ کر کے جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے، انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جب ہمیں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ایسی ہی چھ کائناتیں اور بھی ہیں جن کے قوانین اور مخلوقات کے متعلق ہمیں کچھ علم نہیں ہے، تو انسان بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ صرف اللہ ہی کی ذات ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ ہی کو ہر چیز کا پورا پورا علم ہے۔

انھی آیات پر یہ سورہ تکمیل کو پہنچتی ہے۔

سورۂ تحریم

[۶۶]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں 'لم تحرم' کے الفاظ سے سورہ کا نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

سورۂ تغابن کی آخری پانچ آیات کی مزید وضاحت کے ضمن میں سورۂ طلاق میں یہ بتایا گیا تھا کہ نفرت اور صدمے کی حالت میں بھی اللہ کے حدود کی پابندی ضروری ہے۔ اب اس سورہ میں یہ بتایا جارہا ہے کہ محبت کے جذبات کے اندر کس طرح اللہ کے حدود کی حفاظت کی جائے۔ اگر نفرت کی طرح محبت کا جذبہ بھی انسان پر غالب ہوجائے تو وہ اس کو بالکل یک رخا بنادیتا ہے اور ایسا شخص حدودِ الٰہی کے معاملے میں بے حس اور دورنگی سے کام لینے والا بن جاتا ہے۔ چنانچہ یہ لازم ہے کہ ایسی حالت میں بھی ہوش اور اعتدال سے کام لیا جائے اور اللہ کی ہدایات کی پوری پوری پابندی کی جائے۔

جن واقعات کا اس سورہ میں ذکر ہے، وہ غالباً ۷ یا ۸ ہجری میں پیش آئے تھے۔

آیاتها ۱۲

سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ

رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١﴾ قَدْ فَرَضَ
اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلَاكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿٢﴾ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ
حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ
اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿٣﴾ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ
اللّٰهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴿٤﴾ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ
يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُّؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ ثَيِّبَاتٍ وَّاَبْكَارًا ﴿٥﴾ يٰٓاَ
يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَآئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا
يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ
ع ۱۹ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٧﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد و حساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

اے نبی[1]، تم اپنی بیویوں کی خوشی کے لیے اُس چیز کو (اپنے اوپر) کیوں حرام ٹھہراتے ہو جو اللہ نے تمھارے لیے جائز کی ہے؟[2] اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

(اے مسلمانو)، اللہ نے تم لوگوں کے لیے اپنی قسموں کی پابندی سے نکلنے کا طریقہ مقرر کر دیا ہے[3]۔ اللہ ہی تمھارا مالک ہے[4] اور وہی سب کچھ جانتا ہے، کامل صاحبِ حکمت ہے۔

(۵ وہ معاملہ بھی توجہ کے قابل ہے) جب کہ نبیؐ نے اپنی ایک بیوی سے راز کی ایک بات کہی، بیوی نے وہ راز (حضورؐ کی ایک اور بیوی پر) ظاہر کر دیا۔ پھر اللہ نے نبیؐ کو اِس (راز کے کھلنے) کی خبر کر دی، چنانچہ نبیؐ نے کچھ بات سے (اپنی بیوی کو) خبردار کر دیا اور کسی حد تک بات ٹال دی۶۔ جب نبیؐ نے اپنی بیوی کو (راز فاش ہونے کی) یہ بات بتائی تو اُس بیوی نے پوچھا: ''آپ کو اِس کی خبر کس نے دی؟'' نبیؐ نے کہا: ''مجھے خدائے علیم وخبیر نے یہ خبر دی ہے۷۔''

(اے نبیؐ کی دونوں بیویو،) اگر تم دونوں اللہ کی طرف رجوع کرو تو یہی تمھارے لیے زیبا ہے، تمھارے دل تو اللہ کی طرف مائل ہیں ہی۸۔ لیکن اگر تم نے نبیؐ کے مقابلے میں باہم جتھابندی کی تو (جان رکھو کہ) اللہ ہی اُس کا مددگار ہے، اور مزید یہ کہ جبریل، سارے صالح اہلِ ایمان اور سب ملائکہ بھی اُس کے ساتھی اور مددگار ہیں۹۔

(اے۱۰ نبیؐ کی بیویو، تم سب یہ بات جان لو کہ) بہت ممکن ہے کہ اگر نبی تم کو طلاق دے دے تو اُس کا پروردگار تمھارے بدلے میں تم سے بہتر بیویاں اُس کو دے دے، ایسی بیویاں جو مسلمان، باایمان، فرماں بردار، توبہ گزار، عبادت گزار اور سائحات۱۱ ہوں گی، خواہ شوہر دیدہ ہوں یا کنواریاں۔

اے۱۲ ایمان والو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے خاندان والوں کو، اُس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، جس پر تُند خو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے، جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انھیں دیا جاتا ہے، اُسے بجالاتے ہیں۔ (اُس وقت منکرینِ حق سے کہا جائے گا:) ''اے لوگو، جنھوں نے کفر کیا، آج معذرتیں پیش نہ کرو۔ تم بدلے میں وہی پا رہے ہو جو تم نے کیا۔'' ۱-۷

[۱] یہاں سے آگے کی آیات میں ایک اہم ترتیب ہے، وہ یہ کہ پہلے حضورؐ کو ایک بات پر متنبہ کر دیا گیا، اس کے بعد حضورؐ کی دو بیویوں کا احتساب کیا گیا، اس کے بعد حضورؐ کی سب بیویوں کو متنبہ کیا گیا، اور اس کے بعد عام اہلِ ایمان کو توجہ دلائی گئی۔

[۲] روایات میں اس بات کی یہ تفصیل آتی ہے کہ ایک دفعہ حضورؐ نے ایک ایسا شہد نوش فرمایا جس میں مغافیر نامی ایک پھول کی بو تھی۔ بعض لوگوں کو یہ بو ناگوار گزرتی ہے۔ امہات المومنین میں سے بھی بعض کو یہ بو پسند نہیں تھی، چنانچہ حضورؐ نے ان کے جذبات واحساسات کا خیال رکھتے ہوئے یہ عہد کر لیا کہ آپ آیندہ کبھی شہد نوش نہیں فرمائیں گے۔

عام حالات میں یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں، لیکن چونکہ پیغمبر کا ہر قول وفعل پوری امت کے لیے مثال ونمونہ ہوتا ہے، اس لیے اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے انتہائی محبوب لوگوں کی خاطر بھی کوئی ایسی بات کہے یا کرے، جو بال برابر بھی اللہ کے مقرر کیے ہوئے حدود سے تجاوز کرتی ہو۔ ہمیں معلوم ہے کہ

یہود نے اپنے اوپر اونٹ کو صرف اس وجہ سے حرام کرلیا تھا کہ حضرت یعقوبؑ اپنے ذاتی ذوق کی بنا پر اونٹ کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ اسی طرح اگر مسلمانوں کے علم میں یہ بات آتی کہ حضورؐ نے شہد نہ کھانے کا عہد کرلیا تھا تو کوئی متقی مسلمان مشکل ہی سے شہد کو ہاتھ لگاتا۔ اسی وجہ سے اللہ نے آپؐ پر گرفت فرمائی اور فوراً اس کی اصلاح کے لیے ہدایت فرمائی۔

[۳] یعنی سورۂ مائدہ آیت ۸۹ میں قسم توڑنے کا جو کفارہ بیان کیا گیا ہے، اس کے مطابق ایسی قسمیں توڑی جائیں۔

[۴] مولیٰ کا مطلب ہے مالک، کارساز، مددگار، حمایتی اور دوست۔

[۵] یہاں سے آگے جس واقعے کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے، قرآن کے الفاظ سے جو بات سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ حضورؐ نے اپنی ایک بیوی صاحبہ سے راز کی ایک بات کہی۔ چنانچہ یہ ضروری تھا کہ حضورؐ کی وہ بیوی صاحبہ راز کی یہ بات اپنے تک ہی محدود رکھتی۔ لیکن اس نے کسی بدنیتی کی بنا پر نہیں، بلکہ اعتماد اور محبوبیت کی بنا پر اس راز میں حضورؐ کی ایک اور بیوی صاحبہ کو بھی شریک کرلیا۔ یہ کام رازداری اور باہمی اعتماد کے خلاف تھا، چنانچہ قرآن مجید نے اس غلطی پر دونوں کو ٹوکا۔

[۶] یعنی حضورؐ نے ایک حد تک ہی احتساب کیا۔ کچھ بات ظاہر فرمائی اور کچھ بات نظر انداز فرمائی، تاکہ بیوی صاحبہ کو تنبیہ تو ہوجائے، لیکن یہ تنبیہ ان کے دل پر زیادہ شاق نہ گزرے۔

[۷] حضورؐ نے یہ بھی بتادیا کہ اس افشائے راز کی خبر کسی انسان نے حضورؐ کو نہیں دی، بلکہ اس خبر سے اللہ نے براہ راست حضورؐ کو مطلع فرمایا۔

[۸] عام طور پر مفسرین نے 'صغت' کے معنی سیدھے راستے سے ہٹ جانے اور کج ہونے کے لیے ہیں اور انھوں نے اس فقرے کی یہ تاویل کی ہے کہ اگر تم دونوں توبہ کرو تو تمھیں یہی کرنا چاہیے، اس لیے کہ تمھارے دل تو کج ہوچکے ہیں۔ لیکن مولانا اصلاحی کے مطابق یہ ترجمہ اور تاویل صحیح نہیں ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے نہایت تفصیلی بحث کی ہے اور کہا ہے کہ اس لفظ کے اصل معنی کسی شے کی طرف جھکنے اور مائل ہونے کے ہیں، چنانچہ اس آیت کی صحیح تاویل یہ ہے کہ اگر تم دونوں بیویاں پیغمبر کی رضا جوئی کے لیے اللہ سے توبہ کرو، تو یہی عمل تم سے متوقع ہے، اس لیے کہ تمھارے دل تو پہلے ہی سے اس پیغمبر کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ مولانا مفتی محمد شفیع نے بھی اسی سے قریب تر ترجمہ وتشریح کی ہے۔

[۹] یہاں ذہن میں یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ وہ کیا بات تھی جس پر اللہ نے گرفت فرمائی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضورؐ کی ازواج ہمارے لیے مائیں ہیں، چنانچہ بیٹوں کے لیے یہ بات کسی طرح پسندیدہ نہیں ہوسکتی کہ وہ اپنی ماؤں اور باپوں کے درمیان کے رازوں کے کھوج میں لگیں۔ اس آیت میں تو راز کے افشا پر ہی تنبیہ فرمائی گئی ہے، اس لیے اگر ہم اس راز کو کھولنے کی فکر میں لگ جائیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ جس چیز سے روکا گیا ہے، ہم اسی کا ارتکاب کرنے چلے ہیں۔ یہاں قرآن مجید جو اصل سبق دینا چاہتا ہے، وہ یہ کہ پیغمبر اور اس کی بیویاں ایک نہایت عظیم مقام پر فائز ہیں، چنانچہ پیغمبر کی بیویوں میں کوئی ایسی کمزوری نہیں ہونی چاہیے جس سے کار رسالت پر اثر پڑے۔

کتب احادیث میں اس ضمن میں کئی روایات آئی ہیں۔ ان روایات کے درمیان آپس میں بھی بہت کچھ اختلافات ہیں۔ نیز ان میں کچھ باتیں ایسی بھی بیان کی گئی ہیں جو عصمت ازواج نبیؐ کے شایان شان نہیں ہیں۔ چنانچہ ان روایات کا صرف اتنا ہی حصہ صحیح سمجھنا چاہیے جو قرآن مجید کے مطابق ہے۔

[۱۰] موقع کی مناسبت سے آگے کی آیت میں سب ازواج نبیؐ کو توجہ دلائی گئی ہے تاکہ وہ بھی اپنے ہر طرز عمل پر خود ہی تنقیدی نگاہ رکھیں۔

[۱۱] عام طور پر اس لفظ کا ترجمہ 'روزہ رکھنے والیاں' کیا جاتا ہے۔ دراصل اس لفظ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس میں وہ تمام عبادات آجاتی ہیں جس میں انسان ایک حد تک ترک دنیا کرلیتا ہے مثلاً روزہ، اعتکاف، حج، تنہائی میں ذکرِالٰہی وغیرہ۔

[۱۲] اب آگے کی آیات میں سب اہل ایمان کو خطاب کر کے یہ نصیحت کی جارہی ہے کہ وہ ہر وقت دل میں خود اپنا احتساب بھی کرتے رہیں، اور اپنے اہل وعیال پر بھی پوری توجہ رکھیں، تاکہ وہ حدودِ الٰہی کے ضمن میں غافل نہ ہونے پائیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحًا ط عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ
وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لا يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ج
نُورُهُمْ يَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ج إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيرٌ ﴿٨﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ط وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ط وَبِئْسَ
الْمَصِيرُ ﴿٩﴾ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوحٍ وَامْرَأَتَ لُوطٍ ط كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا
صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِينَ ﴿١٠﴾ وَضَرَبَ اللَّهُ
مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ م إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ
وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿١١﴾ لا وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ
رُوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ ﴿١٢﴾ ع

اے ایمان والو، اللہ کی طرف مخلصانہ طور پر پلٹ آؤ[۱۳]۔ امید ہے کہ تمھارا پروردگار تمھارے گناہ تم پر سے جھاڑ دے گا اور تمھیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا، جن میں نہریں بہ رہی ہوں گی۔ یہ وہ دن ہوگا جب اللہ اپنے نبیؐ اور اُن لوگوں کو جو اُس کے ساتھ ایمان لائے ہیں، رسوا نہ کرے گا۔ ان کی روشنی ان کے آگے آگے اور اُن کے دائیں جانب دوڑ رہی ہوگی[۱۴]۔ وہ دعا کر رہے ہوں گے: ''اے ہمارے رب، ہمارے لیے روشنی کو کامل کردے[۱۵] ہماری مغفرت فرما، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

اے نبیؐ[۱۶]، منکرینِ حق اور منافقین سے جہاد کرو اور اُن پر سخت ہو جاؤ۔[۱۷] اُن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

اللہ منکرینِ حق کے معاملے میں نوحؑ اور لوطؑ کی بیویوں کو بطورِ مثال پیش کرتا ہے۔ وہ ہمارے دو صالح بندوں کے نکاح میں تھیں، مگر انھوں نے اپنے شوہروں کے ساتھ بے وفائی کی، چنانچہ وہ دونوں پیغمبر اللہ کے مقابلے میں اِن دونوں عورتوں کے کچھ کام آنے والے نہ بن سکے۔ دونوں عورتوں کو حکم ہوا کہ جاؤ تم بھی دوزخ میں پڑنے والوں کے ساتھ دوزخ میں جا پڑو۔[18]

ایمان والوں کے معاملے میں اللہ فرعون کی بیوی کی مثال بیان کرتا ہے، جب کہ اُس نے دعا کی: ''اے میرے رب، میرے لیے اپنے ہاں جنت میں ایک گھر بنا دے، مجھے فرعون اور اُس کے عمل سے بچا لے اور مجھے ظالموں کی قوم سے نجات دے دے۔''[19] (اسی طرح اللہ) مریمؑ بنتِ عمران کی مثال بیان کرتا ہے، جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی، پس ہم نے اُس میں اپنی روح پھونکی، اُس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی، اور وہ فرماں بردار لوگوں میں سے تھی[20]۔ ۸-۱۲

[۱۳] '**توبۃ نصوح**' سے مراد وہ توبہ ہے جو دل کے سچے عزم کے ساتھ ہو اور جس کے بعد انسان گناہ کی طرف واپس جانے کی کوئی خواہش نہ کرے۔ نصح کے معنی خلوص اور خیر خواہی کے ہیں۔ گویا ایسی توبہ خلوص پر مبنی ہوتی ہے اور اس کے ذریعے سے انسان اپنے آپ کے ساتھ خیر خواہی کر رہا ہوتا ہے۔

[۱۴] یہ روشنی ان کے سچے عقیدے اور عمل صالح کی روشنی ہوگی۔

[۱۵] جنت میں جانے سے پہلے ہر صاحب ایمان کو پوری طرح پاکیزہ بنایا جائے گا۔ اس پاکیزگی کے ساتھ ان کی روشنی مکمل ہو جائے گی۔

[۱۶] آگے کی آیت میں کفار و منافقین کا احتساب کیا جا رہا ہے۔

[۱۷] یہ وہ زمانہ تھا جب کفار و منافقین کو دین کی دعوت کافی حد تک دی جا چکی تھی۔ یہاں جہاد کا لفظ اس معنی میں آیا ہے کہ کفار و منافقین پر بحث مباحثے کے ذریعے سے اسلام کی حقانیت کو ثابت کیا جائے اور ان کی سازشوں کا توڑ کیا جائے۔ واضح رہے کہ حضورؐ نے منافقین کے خلاف کبھی مسلح جنگ نہیں کی، لیکن اس آیت کے ذریعے سے کفار و منافقین کو خبردار کیا گیا کہ اب بھی اگر ان کی طرف سے سازشیں اور دشمنی پر مبنی کارروائیاں ہوئیں، تو اہل ایمان کو اجازت ہے کہ ان کے ساتھ سختی سے پیش آئیں۔

[۱۸] یہ مثال کفار کی سبق آموزی کے لیے بیان کی جا رہی ہے۔ اس مثال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کسی صالح انسان حتیٰ کہ کسی پیغمبر سے کوئی نسبت بھی کسی کے کام نہیں آ سکتی۔ وہاں صرف سچا عقیدہ اور عمل صالح ہی کام آ سکتا ہے۔

[۱۹] اس مثال سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی انسان کو صحیح راستے پر رکھنے والی سب سے بڑی طاقت اس کا اپنا ضمیر ہوتا ہے۔ اگر یہ ضمیر زندہ ہو تو ایسا شخص خراب ترین ماحول میں رہ کر بھی اپنے آپ کو سچائی کے راستے پر رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح دنیا جہان کی ساری نعمتیں اپنے اردگرد دیکھ کر بھی وہ حق و انصاف کو نہیں بھولتا۔ فرعون کی بیوی کو عیاشی کا ہر سامان میسر تھا اور بنی اسرائیل کے غلاموں اور لونڈیوں کی وجہ سے اسے ذاتی طور پر بہت بڑا آرام مہیا تھا، لیکن اس کے باوجود اس نے اپنے ضمیر اور حق و انصاف کے داعیے کو زندہ رکھا اور ان حالات کے اندر بھی ایک اہل ایمان کی حیثیت سے زندگی گزارنے کی

پوری کوشش کی۔

[۲۰] فرعون کی بیوی کے برعکس حضرت مریمؑ کو سخت ترین حالات سے گزرنا پڑا، لیکن انھوں نے اپنے رب کے حکم کی بے چون و چرا تعمیل کی، اپنے آپ کو ہر برائی سے بچایا اور ہر حالت میں ثابت قدم رہیں۔

اسی مثال پر اس سورہ کی تکمیل ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کا چھٹا باب بھی مکمل ہو جاتا ہے۔

ساتویں منزل

سورۂ ملک ۶۷ تا سورۂ ناس ۱۱۴

یہ قرآن مجید کا آخری باب ہے جس کی ابتدا سورۂ ملک سے ہوتی ہے اور اس کی تکمیل سورۂ ناس پر ہوتی ہے۔ اس باب میں کل اڑتالیس (۴۸) سورتیں ہیں۔ ان میں پہلی تینتالیس (۴۳) سورتوں کے متعلق تقریباً اتفاق رائے ہے کہ یہ مکی سورتیں ہیں۔ اگر چہ چند اہل علم ان میں سے کچھ سورتوں کو مدنی قرار دیتے ہیں، لیکن زیادہ تر مفسرین کے مطابق یہ سب کی سب مکی سورتیں ہیں۔ جہاں تک آخری پانچ سورتوں کا تعلق ہے، زیادہ تر اہل علم کے مطابق ان میں سے سورۂ نصر مدنی ہے، سورۂ لہب مکی ہے اور آخری تین سورتوں کے بارے میں اختلاف ہے۔ کچھ مفسرین انھیں مکی قرار دیتے ہیں اور کچھ دوسرے مفسرین انھیں مدنی سورتیں قرار دیتے ہیں۔ مفتی محمد شفیع کے مطابق سورۂ نصر مدنی ہے، سورۂ لہب اور سورۂ اخلاص مکی ہیں، جب کہ سورۂ فلق اور سورۂ ناس مدنی ہیں۔ مولانا مودودی کے مطابق سورۂ نصر مدنی ہے اور اس کے بعد کی چاروں سورتیں مکی ہیں۔ مولانا اصلاحی کے مطابق آخری پانچوں سورتیں مدنی ہیں۔ استاد محترم جاوید احمد غامدی کے مطابق سورۂ نصر، سورۂ لہب اور سورۂ اخلاص، تینوں مکی ہیں اور آخری دونوں سورتیں ہجرت کے فوراً بعد مدینہ میں نازل ہوئیں۔ اس عاجز کو اپنے استاد کی رائے سے اتفاق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے سابقہ تمام ابواب کی اندرونی ترتیب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان میں ہر جگہ نزولی ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے، یعنی ہر باب کے اندر سورتیں اسی ترتیب سے جمع کی گئی ہیں، جس ترتیب سے وہ نازل ہوئی تھیں۔ اس کو دیکھتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں بھی سورتیں اسی ترتیب سے رکھی گئی ہوں گی جس ترتیب سے وہ نازل ہوئی تھیں۔ اگر اس کا خیال رکھا جائے تو قرآن مجید کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس موضوع پر مزید بحث ان شاءاللہ اپنے اپنے مقام پر ہو گی۔

قرآن مجید کا یہ آخری باب کئی پہلوؤں سے نہایت ممتاز ہے۔ اس باب میں حضورؐ کی دعوت کے سارے ابتدائی مراحل بالترتیب نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں۔ اس باب کی سورتیں نسبتاً چھوٹی ہیں اور ان کو حفظ کرنا آسان ہے، اس لیے یہ سورتیں پنج وقتہ نمازوں میں بھی بار بار دہرائی جاتی ہیں۔ یوں تو سارا قرآن

مجید عربی ادب کا عظیم ترین شاہ کار ہے، لیکن اس آخری باب میں قرآن مجید کا ادبی اسلوب اپنے پورے کمال پر ہے۔ اس باب کا انداز بیان کچھ یوں ہے کہ اس میں آفاقیت بھی ہے اور حضورؐ کی بعثت کے حوالے سے قریش کے لیے جو خصوصی صورت حال بن گئی تھی، اس پر بھی پوری طرح روشنی ڈالی گئی ہے۔

سورۂ ملک

[۶۷]

نام

اس سورہ کے پہلے فقرے میں یہ لفظ آیا ہے، چنانچہ بطور علامت اس سورہ کو یہ نام دیا گیا۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ مکی دور کی بالکل ابتدائی سورہ ہے جب حضورؐ اپنے قریبی لوگوں کو اسلام کی دعوت سے روشناس کر رہے تھے اور ان کی طرف سے مختلف قسم کے اعتراضات کیے جا رہے تھے۔ چنانچہ اس سورہ میں توحید، رسالت اور آخرت، تینوں کے مضامین نمایاں ہیں۔

ایاتہا ۳۰ | رکوعاتہا ۲

سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ

[پارہ نمبر 29]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ﴿١﴾ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ
لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ﴿٢﴾ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِيْ
خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ﴿٣﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ
اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ﴿٤﴾ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ
وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ﴿٥﴾ وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٦﴾ اِذَآ اُلْقُوْا
فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ﴿٧﴾ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ
يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ﴿٨﴾ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ
ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ﴿٩﴾ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿١٠﴾ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا
لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿١١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿١٢﴾ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ
اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١٣﴾ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿١٤﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

بہت عظیم، بہت فائدے پہنچانے والا ہے وہ پروردگار جس کے ہاتھ میں کائنات کی سلطنت ہے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔
اُسی اللہ نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں سے بہتر عمل کرنے والا کون ہے[1]۔ وہ زبردست بھی ہے اور

مغفرت فرمانے والا بھی۔

اُسی اللہ نے تہ بہ تہ سات آسمان بنائے۔ تم رحمان کی تخلیق میں کوئی خلل نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو، کیا تمھیں کوئی نقص کہیں نظر آتا ہے؟ پھر بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمھاری نگاہ تھک کر ناکام لوٹ آئے گی۔

ہم نے تمھارے قریب کے اِس آسمان کو عظیم الشان چراغوں (یعنی ستاروں) سے آراستہ کیا ہے اور ہم نے اِن کو شیاطین کے لیے سنگ ساری بنادیا ہے۔[2] اِن شیاطین کے لیے ہم نے دہکتی ہوئی آگ بھی مہیا کر رکھی ہے۔[3]

جو لوگ اپنے رب کے منکر ہوئے، اُن کے لیے جہنم کی سزا ہے جو بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ جب یہ لوگ اِس جہنم میں ڈالے جائیں گے تو وہ اُس کا دھاڑنا سنیں گے اور وہ اُبل رہی ہوگی۔ معلوم ہوگا، جیسے غیظ و غضب سے پھٹ جائے گی۔ ہر مرتبہ جب کوئی بھیڑ اُس میں ڈالی جائے گی تو دوزخ کے نگران اُن لوگوں سے پوچھیں گے: ''کیا تمھارے پاس کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تھا۔'' وہ جواب دیں گے: ''ہاں، ہمارے پاس خبردار کرنے والا آیا تھا، مگر ہم نے اُسے جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ اللہ نے کوئی چیز بھی نہیں اتاری۔ (ہم نے اُس پیغمبر اور اُس کے ساتھیوں سے یہ بھی کہا کہ) تم لوگ تو بس ایک بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔'' یہ منکرینِ حق مزید کہیں گے: ''کاش ہم سنتے یا سمجھتے تو اِن جہنم والوں میں سے نہ بنتے۔'' اس طرح وہ اپنے گناہ کا خود اقرار کرلیں گے، پس لعنت ہو اِن جہنم والوں پر۔

(اس کے برخلاف) وہ لوگ جو بغیر دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، یقیناً اُن کے لیے مغفرت بھی ہے اور بہت بڑا اجر بھی۔ تم لوگ کوئی بات چھپا کر کہو یا کھول کر، وہ تو دلوں کے رازوں تک سے بھی واقف ہے۔[4] کیا وہی اللہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے! وہ تو بڑا ہی باریک بین، بڑا ہی خبردار ہے۔ ۱-۱۴

[۱] گویا ہمارے حوالے سے موت و زندگی کی اصل اہمیت یہ ہے کہ ہم اس دنیا میں کیسا عمل کرتے ہیں۔

[۲] ہماری اس کائنات میں انسانوں کے علاوہ ارادہ و اختیار رکھنے والی ایک اور مخلوق یعنی جنات بھی موجود ہیں۔ ان جنات کو ایک حد تک یہ آزادی ہے کہ وہ زمین کی حدود سے باہر بھی جاسکتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے کچھ شیاطین جنات سن گن لینے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ انسانوں میں سے شیاطین کو آگاہ کرسکیں اور اس طرح انسانوں کو حق کے راستے سے بھٹکا سکیں۔ یہاں قرآن مجید نے بتادیا ہے کہ شیاطین جنات اس طرح کا کوئی کام نہیں کرسکتے۔

اور اگر انسانوں میں کوئی ان جنات سے رابطے کی کوشش کرکے غیب دانی کا دعویٰ کرے تو یہ قطعاً جھوٹ ہے، اس لیے کہ آسمان دنیا کے ستاروں اور سیاروں سے ایسی شعاعیں خارج ہورہی ہیں جو جنات کا راستہ روک لیتی ہیں۔ پرانے زمانے میں بھی کچھ لوگ ایسی غیب دانی کا دعویٰ کرتے تھے۔ انھیں کاہن کہا جاتا تھا۔ آج بھی کئی لوگ اس طرح کے نام نہاد علوم کے ماہر ہونے کا دعویٰ کرکے معصوم لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

[۳] یعنی قیامت کے دن شیاطین جن و انس، دونوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

[۴] مجرموں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ان کا کوئی جرم اللہ سے چھپا ہوا نہیں ہے اور اس کے فرماں بردار بندوں کو یہ یقین ہونا چاہیے کہ ان کی ہر نیکی اللہ کے علم میں ہے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾ ءَاَمِنْتُمْ
مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ
حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ
یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ ؕۘ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ﴿۱۹﴾ اَمَّنْ وقف لازم وقف غفران وقف منزل
هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ۚ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا
الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی
اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ
وَالْاَفْئِدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَیَقُوْلُوْنَ
مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا
رَاَوْهُ زُلْفَةً سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَقِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِیَ
اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِیَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ یُّجِیْرُ الْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَیْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ
فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ ﴿۳۰﴾ ع ۲

وہی اللہ ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو ایک فرماں بردار اونٹنی کی طرح بنایا، اس کے کندھوں میں چلو پھرو اور اللہ کے رزق میں سے کھاؤ۔ اُسی اللہ کے سامنے (تمھیں دوبارہ) زندہ ہو کر جانا ہے۔

(اے لوگو،) کیا تم اِس بات سے بے خوف ہو کہ وہ اللہ جو آسمان میں ہے،۵ تم کو زمین میں دَھنسا دے؟ اور پھر یکایک یہ زمین جھکولے کھانے لگے؟ کیا تم اُس اللہ سے بے خوف ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تم پر پتھر برسانے والی ہوا بھیج دے؟ (اگر ایسا ہو جائے تو) پھر تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ میری وارننگ کیسی ہوتی ہے۔ اِن لوگوں، (حضورؐ کو جھٹلانے والوں) سے پہلے گزرے ہوئے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں، پھر دیکھ لو کہ میری گرفت کیسی سخت تھی!۶

کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں کو نہیں دیکھا، وہ پَروں کو پھیلائے ہوئے اڑتے ہیں اور اُن کو سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ رحمان کے سوا کوئی نہیں جو اِن پرندوں کو تھامے ہوئے ہو۔ بے شک وہ ہر چیز پر نگران ہے۔

(اے نبیؐ، ان منکرین سے پوچھو کہ) بتاؤ، تمھارے پاس وہ کون سا لشکر ہے جو خدائے رحمان کے مقابلے میں تمھاری مدد کر سکے گا؟ (حقیقت یہ ہے کہ) یہ منکرین بالکل دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ بتاؤ، کون ہے جو تمھیں رزق دے سکتا ہو اگر اللہ اپنا رزق روک لے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ سرکشی اور حق سے بے زاری پر اَڑے ہوئے ہیں۔

کیا وہ شخص جو منہ نیچے کیے ہوئے چل رہا ہو، وہ سیدھی راہ پائے گا یا وہ جو سیدھا ایک سیدھی راہ پر چل رہا ہے؟ (اِن سے) کہو: ''وہی اللہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تمھارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے، مگر تم لوگ کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔'' (ان سے) کہو: ''وہی اللہ ہے جس نے تمھیں زمین میں پھیلایا اور اُسی کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔''

(اے نبیؐ، یہ تمھارے منکرین) پوچھتے ہیں: ''اگر تم سچے ہو تو بتاؤ وہ وعدہ کب سامنے آئے گا؟'' کہو: ''اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے، میں تو بس ایک صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔'' پھر جب یہ لوگ اُس چیز کو قریب آتے دیکھ لیں گے تو اِن منکرینِ حق کے چہرے بگڑ جائیں گے۔ اُس وقت اِن سے کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ چیز جس کا تم مطالبہ کر رہے تھے۔

(اے نبیؐ)، اِن حق کے منکروں سے پوچھو: ''کیا تم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرمائے، (تو اِس سے تمھیں کیا حاصل ہوگا؟ تم تو یہ بتاؤ کہ اِس صورت میں) پھر کون ہے جو حق کا انکار کرنے والوں کو دردناک عذاب سے بچا لے گا؟''۷

(اِن سے) کہو: ''وہ رحمان ہے، ہم اُسی پر ایمان لائے ہیں اور اُسی پر ہمارا بھروسا ہے۔ تم عنقریب یہ جان لو گے کہ کھلی ہوئی گمراہی میں کون پڑا ہوا ہے۔'' اِن سے مزید پوچھو: ''(اچھا، اسی بات پر غور کر لو کہ) اگر تمھارا یہ پانی زمین میں اُتر جائے تو پھر کون ہے

جو پانی کے بہتے ہوئے چشمے تمھیں نکال کر لادے گا؟''[8] ۱۵-۳۰

[۵] انسان جب بھی اللہ کے بارے میں سوچتا ہے تو اس کے ذہن میں اس ہستی کا تصور آتا ہے جو بلند و بالا آسمانوں سمیت ہر جگہ موجود ہے۔ اسی سوچ کے حوالے سے یہ بات کہی گئی۔

[۶] رسولوں کے بارے میں یہ اللہ کا مستقل طریقہ رہا ہے کہ ان کے براہ راست منکرین پر اللہ کی طرف سے گرفت ہوتی ہے اور ان پر سزا نازل ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں مکی دور کی بالکل ابتدا میں، جب کہ کوئی انسان حضورؐ کی کامیابی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا، یہ دعویٰ کیا گیا کہ بالآخر اللہ کی طرف سے حضورؐ کے منکرین پر گرفت ہوگی۔

[۷] جب مشرکین کو ڈرایا جاتا کہ حضورؐ کو جھٹلانے کے جرم میں ان پر عذاب نازل ہوگا تو وہ لوگ اپنے عوام کو مطمئن کرنے کے لیے یہ کہتے کہ ہم تو اس شخص اور اس کے ساتھیوں کے لیے زمانے کی گردش کے منتظر ہیں، بہت جلد یہ ختم ہو جائے گا اور اس کی یہ باتیں بھی ہوا میں اڑ جائیں گی۔ چنانچہ یہاں ان کی اس بات کا یہ جواب دیا گیا کہ تم اپنے گمان کے مطابق ہمارے لیے زمانے کی گردش کے منتظر ہو اور ہم تمھارے لیے اس عذاب کے منتظر ہیں جس کے بارے میں اللہ نے وعدہ فرمایا ہے۔ ہم تمھارے گمان کے سلسلے میں تم سے جھگڑنا نہیں چاہتے۔ یہ اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ ہمیں ہلاک کرے گا یا ہم پر رحم فرمائے گا۔ ہم نے اسی پر بھروسا کیا ہے، اس لیے امید یہی ہے کہ وہ ہم پر رحم فرمائے گا۔ لیکن فرض کرو کہ تمھارا ہی گمان سچا ثابت ہوتا ہے تو اس میں تمھارے لیے تسلی کا کیا پہلو ہے؟ آخر تم کو اللہ کی سزا سے بچانے والا کون بنے گا؟ قیامت اور جزا و سزا تو یقینی ہیں، اس لیے اس طرح کی بے بنیاد تسلیوں سے اپنی شامت کو دعوت مت دو۔

[۸] یعنی اگر تم پانی جیسی اہم ترین چیز کے بارے میں بھی اتنے محتاج ہو تو پھر یہ غرور اور بے پروائی کس بات کی؟

سورۂ قلم

[۶۸]

نام

اس سورہ کا نام 'نون' بھی ہے اور 'قلم' بھی۔ یہ دونوں الفاظ اس سورہ کی پہلی آیت میں موجود ہیں۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ مکی دور کی بالکل ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ اس سورہ میں حضورؐ کی سیرت و کردار کا موازنہ آپ کے مخالفین کے کردار سے کیا گیا ہے۔ اس طرح انھیں اس حقیقت پر متنبہ کیا گیا ہے کہ حضورؐ کے مقابلے میں سرکشی کا جو رویہ انھوں نے اختیار کیا ہے، اس کی وجہ سے وہ دراصل اپنے لیے ایک بڑی سزا کو دعوت دے رہے ہیں۔ اس ضمن میں حضورؐ کو بھی یہ ہدایت کی گئی کہ آپؐ دعوت کا کام کیے جائیں اور صبر کے ساتھ اللہ کے فیصلے کا انتظار کریں۔

آیاتہا ۵۲ | رکوعاتہا ۲

سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ﴿١﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿٢﴾ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿٣﴾
وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿٤﴾ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ﴿٥﴾ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ﴿٦﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ
ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿٧﴾ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٨﴾ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿٩﴾ وَلَا
تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿١٠﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ﴿١١﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿١٢﴾ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ
زَنِيْمٍ ﴿١٣﴾ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿١٤﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٥﴾ سَنَسِمُهٗ عَلَى
الْخُرْطُوْمِ ﴿١٦﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

یہ سورۂ نون ہے۔ قلم گواہی دیتا ہے اور جو کچھ یہ لوگ (صحابۂ کرامؓ) لکھ رہے ہیں[1] کہ (اے نبیؐ)، تم اپنے رب کے فضل سے کوئی دیوانے نہیں ہو[2]۔ یقیناً تمھارے لیے وہ اجر ہے جس پر کبھی زوال نہ آئے گا۔ بے شک، تم اخلاق کے عظیم[3] مرتبے پر ہو، اس لیے بہت جلد تم بھی دیکھو گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون فتنہ میں پڑا ہوا ہے[4]۔ اس میں شبہ نہیں کہ تمھارا پروردگار اُن کو بھی خوب جانتا ہے جو اُس کی راہ سے بھٹک گئے اور اُن کو بھی جو ہدایت پانے والے ہیں۔

اس لیے (اے نبیؐ)، تم اِن جھٹلانے والوں کی کسی بات کا اثر نہ لو[5]۔ یہ تو چاہتے ہیں تم ذرا نرم پڑ جاؤ تو یہ لوگ بھی نرم پڑ جائیں گے[6]۔ تم اِن کی کسی بات پر کان نہ دھرو، (اِن میں سے[7]) ہر جھوٹی قسمیں کھانے والا، بے وقعت، طعنے دینے والا، چغلیاں کرنے والا، بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھ جانے والا، دوسروں کا حق مارنے والا، سنگ دل اور اِس پر مزید یہ کہ دوسروں سے اپنا نسب بھی ملانے والا[8] ہے۔ یہ اِس لیے ہوا کہ اِس کے پاس بہت مال واولاد ہے۔ اِس کو ہماری آیتیں سنایئے تو کہتا ہے: ''یہ تو پہلوں کے افسانے ہیں۔'' (یہ

بہت اونچی ناک والا بنتا ہے)، ہم عنقریب اِس کی یہ سونڈ داغ دیں گے [۹] ۔۱-۱۶

[۱] قلم اور اس کے ذریعے سے لکھا جانے والا سارا علمی سرمایہ انسان پر اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے۔ یہاں بالخصوص اس قلم کی بات کی جا رہی ہے جس سے اگلے وقتوں میں تورات، زبور، انجیل اور دوسرے صحیفے لکھے گئے تھے اور جس سے اب صحابۂ کرامؓ قرآن مجید لکھ رہے ہیں۔

[۲] اگلے سارے صحیفوں میں بطور آخری رسول حضورؐ کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ اسی طرح اس قرآن میں جو عظیم تعلیمات دی جا رہی ہیں، وہ یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ حضورؐ کے مخالفین کا یہ الزام کہ آپؐ دیوانگی کی وجہ سے یہ باتیں کر رہے ہیں، بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔

[۳] حضورؐ اخلاق کے بلند ترین مرتبے پر فائز تھے۔ آپؐ کا یہ اخلاق و کردار بچپن سے ہی ایسا تھا اور اسی لیے آپؐ کو صادق اور امین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔

[۴] 'مفتون' سے مراد وہ شخص ہے جو دنیا اور شیطان کے فتنے کے جال میں پھنسا ہوا ہو۔

[۵] 'اطاعة' کے ایک معنی یہ بھی ہیں۔ یعنی تم ان کی کسی بات پر کان نہ دھرو۔ یہ لفظ اس مفہوم میں عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

[۶] سرداران قریش نے کئی مرتبہ حضورؐ کو یہ پیش کش کی تھی کہ اگر آپ اپنے عقیدے میں کچھ نرمی لے آئیں تو ہم آپ کی ہر خدمت کے لیے تیار ہیں۔

[۷] اس آیت میں آگے دراصل قریش کی پوری قیادت کا کردار بیان کیا گیا ہے۔ مختلف مفسرین نے ان خامیوں کے حامل افراد کے ضمن میں مختلف نام لیے ہیں، لیکن آیت میں لفظ 'کُلّ' اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں کسی معین شخص کا کردار زیر بحث نہیں۔

[۸] 'زنیم' اس شخص کو کہتے ہیں جو دراصل ایک قوم میں سے نہ ہو، لیکن وہ اس قوم کے نسب میں شریک بن بیٹھے۔ اہل قریش میں کچھ ایسے لوگ بھی پائے جاتے تھے جو دراصل قریش تو نہ تھے، لیکن وہ قریشی ہونے کے مدعی تھے۔ اپنی اس کمزوری کی وجہ سے یہ لوگ اہل قوم سے زیادہ قوم کے وفادار بننے کی کوشش کرتے اور دوسروں سے بڑھ چڑھ کر حضورؐ کے خلاف لوگوں کو اکساتے کہ آپ کی دعوت سے قریش کی وحدت میں انتشار پیدا ہو رہا ہے۔

[۹] یعنی ان میں سے ہر فرد کا غرور خاک میں مل جائے گا اور ان کی اونچی ناک پر ذلت کا داغ لگا دیا جائے گا۔ —— بعد کی تاریخ نے اس آیت میں بیان کیے گئے دعوے کو مکمل سچ ثابت کر دکھایا اور حضورؐ کا ہر دشمن ذلت کے ساتھ اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔

إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ ۚ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿۱۷﴾ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿۱۸﴾
فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿۱۹﴾ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ﴿۲۱﴾ أَنِ
اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ ﴿۲۲﴾ فَانطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ﴿۲۳﴾ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ
عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ ﴿۲۴﴾ وَغَدَوْا عَلَىٰ حَرْدٍ قَادِرِينَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ
مَحْرُومُونَ ﴿۲۷﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿۲۸﴾ قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۲۹﴾

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ ع

ہم نے اِن (سردارانِ قریش) کو اُسی طرح امتحان میں ڈالا ہے جس طرح ہم نے باغ والوں کو امتحان میں ڈالا[10] جب اُنھوں نے قسم کھائی کہ وہ صبح سویرے اپنے اِس باغ کے پھل، لازماً توڑ ہی لیں گے اور (کسی غریب و مسکین کے لیے) کچھ بھی نہ چھوڑیں گے۔[11] پھر وہ سوتے رہے اور تیرے پروردگار کی طرف سے ایک آفت اُس پر آ گئی اور اُس کا ایسا حال ہو گیا جیسے وہ کٹی ہوئی فصل ہو۔ جب صبح ہوئی تو وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے: ''اگر پھل توڑنے ہیں تو چلو سویرے سویرے اپنے کھیت پر جا پہنچو۔'' چنانچہ وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے کہتے تھے کہ آج کوئی مسکین تمھارے پاس اِس باغ میں اندر نہ آنے پائے۔[12] وہ بڑے جوش میں نکلے اور وہ اِس خیال میں تھے کہ سب کچھ اُن کی قدرت میں ہے۔ مگر جب انھوں نے باغ کو دیکھا تو کہنے لگے: ''یقیناً ہم راستہ بھول گئے، نہیں، بلکہ ہم تو محروم ہو کر رہ گئے۔'' اُن میں سے جو شخص سب سے بہتر تھا،[13] اُس نے کہا: ''کیا میں نے تم سے یہ نہ کہا تھا کہ تم اپنے پروردگار کی تسبیح کیوں نہیں کرتے۔''[14] پھر وہ سب پکار اٹھے: ''پاک ہے ہمارا پروردگار، یقیناً ہم ہی ظالم تھے۔'' پھر وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے، بولے: ''ہائے ہماری بدبختی، بے شک ہم ہی سرکشی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اب توقع ہے کہ ہمارا رب اِس باغ کی جگہ ہم کو اِس سے بہتر باغ عطا فرما دے۔ ہم اپنے رب ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔''[15] اِس طرح آئے گا عذاب، اور آخرت کا عذاب تو اِس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اے کاش، یہ لوگ اِس حقیقت کو جانتے۔ ۱۷-۳۳

[۱۰] یہ ایک مثال ہے، اس لیے اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ اس خاص باغ کی کھوج لگائی جائے۔

[۱۱] عام طور پر مفسرین نے اس فقرے کا یہ مطلب لیا ہے کہ ان لوگوں نے قسم کھاتے ہوئے ان شاء اللہ نہیں کہا، کیونکہ انھیں اپنی کامیابی پر پورا بھروسا تھا۔ لیکن مولانا اصلاحی کے خیال میں ان کی اس بات کا مطلب یہ تھا کہ ہم اس میں سے کسی غریب ولاچار کے لیے کچھ بھی نہ چھوڑیں گے۔ چونکہ اس مثال میں قریش کے لیڈروں کے کردار کو نمایاں کرنا مقصود تھا، اس لیے اس باغ والوں کی سرمایہ پرستی اور خود غرضی پر مبنی قسم کا خاص طور پر حوالہ دیا گیا۔

[۱۲] ہر زندہ ضمیر کے اندر پروردگار نے یہ بات ڈالی ہے کہ اس کے مال و دولت میں کمزوروں اور بے کسوں کا بھی حصہ ہے۔ لیکن خود غرض اور سنگ دل اشخاص یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی دولت پر کسی اور کا حق نہیں ہے۔ سردارانِ قریش کا بھی یہی حال تھا اور آج بھی مردہ ضمیر لوگوں کا یہی حال ہے۔

[۱۳] 'اوسطهم' کا مطلب ہے ان کے اندر کا سب سے معقول آدمی۔ برے سے برے معاشرے میں بھی اچھے لوگ موجود ہوتے ہیں۔

[۱۴] 'تسبیح' دراصل ایک جامع لفظ ہے جو اللہ کی یاد اور اس کی بندگی کے پورے مفہوم پر حاوی ہے۔ گویا غریبوں کی مدد بھی تسبیح کی ایک شکل ہے۔

[۱۵] اس فقرے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی طرف سے کسی تنبیہ کے نتیجے میں پلٹنے والے لوگوں کے لیے بھی نجات کا راستہ کھل سکتا ہے۔ ان باغ والوں کی طرح قریش پر بھی مختلف تنبیہات آئیں، چنانچہ ان کے نسبتاً بہتر لوگ اسلام قبول کرتے رہے۔ واضح رہے کہ سرداران قریش میں دونوں طرح کے لوگ موجود تھے۔ ابوجہل اور ابولہب کی طرح کے مغرور اور سرکش لوگ بھی تھے جن کا مقدر ہلاکت کا عذاب ہوا، دوسری طرف ابوسفیانؓ اور ابوجہل کے بیٹے عکرمہؓ جیسے لوگوں کو بالآخر ایمان کی توفیق نصیب ہوئی۔

اس مثال میں ہمارے لیے بھی یہ سبق ہے کہ اگر ہمارے غرور و تکبر یا سرکشی و بغاوت کی وجہ سے اللہ کی طرف سے کوئی تنبیہ آئے تو ہمیں فوراً اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کرنی چاہیے۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٣٤﴾ أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ﴿٣٥﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ
تَحْكُمُونَ ﴿٣٦﴾ أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿٣٧﴾ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ﴿٣٨﴾ أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ
عَلَيْنَا بَالِغَةٌ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ﴿٣٩﴾ سَلْهُمْ أَيُّهُمْ بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ ﴿٤٠﴾ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ (عند المتقدمين ط)
فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ﴿٤١﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا
يَسْتَطِيعُونَ ﴿٤٢﴾ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ ﴿٤٣﴾
فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَذِّبُ بِهَٰذَا الْحَدِيثِ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٤﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي
مَتِينٌ ﴿٤٥﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ﴿٤٦﴾ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤٧﴾ فَاصْبِرْ (وقف لازم)
لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿٤٨﴾ لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِنْ رَبِّهِ
لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿٤٩﴾ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٥٠﴾ وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا
لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ﴿٥١﴾ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿٥٢﴾

بے شک خدا ترس لوگوں کے لیے اُن کے رب کے پاس نعمت کے باغ ہیں۔ کیا ہم فرماں بردار بندوں کو مجرموں کے برابر کردیں گے؟ (ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اے منکرینِ حق)، تمھیں کیا ہوگیا ہے، یہ تم کیسا حکم لگاتے ہو؟ کیا تمھارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں

تم پڑھتے ہو کہ وہاں تمھارے لیے وہی کچھ ہے جو تم پسند کرو گے؟ کیا تم نے ہم سے قسمیں لے کر رکھی ہیں جو قیامت تک باقی رہیں گی کہ تمھارے لیے وہاں وہی کچھ ہوگا جس کا تم فیصلہ کرو گے؟ (اے نبیؐ)، اِن سے پوچھو کہ تم میں سے کون اِس بات کا ذمہ لیتا ہے؟ کیا اِن کے کچھ شریک ہیں (جو اِس کا ذمہ لیں گے،) تو لائیں اپنے شریکوں کو، اگر یہ سچے ہیں۔

یہ منکرینِ حق اُس دن کو یاد رکھیں جب بڑی ہلچل پڑے گی۔[16] یہ لوگ سجدے کے لیے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کرسکیں گے۔ اِن کی نگاہیں جُھکی ہوں گی اور ان پر ذلت چھا رہی ہوگی۔ یہ لوگ اُس وقت بھی سجدے کے لیے بلائے جاتے تھے جب یہ بالکل ٹھیک تھے (اور تب یہ اپنے غرور کی وجہ سے انکار کرتے تھے)۔[17]

پس اے نبیؐ، تم اِس کلام کے جُھٹلانے والوں کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو۔ ہم ایسے طریقے سے اِن کو قدم بقدم تباہی کی طرف لے جائیں گے کہ اِن کو خبر بھی نہ ہوگی۔ میں اِن کو ڈھیل دے رہا ہوں۔ یقیناً میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

اے نبیؐ، کیا تم اِن سے کوئی معاوضہ طلب کر رہے ہو کہ یہ اُس کے تاوان سے دبے جاتے ہیں یا اِن کے پاس غیب کا علم ہے جسے یہ لکھ لائے ہیں؟ (ایسا کچھ بھی نہیں ہے،) اس لیے تم اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کرتے رہو اور اُس مچھلی والے (یونسؑ) کی طرح نہ ہو جاؤ، جب اُس نے (مچھلی کے پیٹ میں) پکارا اور وہ غم سے بھرا ہوا تھا۔ اگر اُس کے پروردگار کی مہربانی اُس کے شاملِ حال نہ ہو جاتی تو (اپنی اس جلدی کے نتیجے میں) وہ اُسی چٹیل میدان میں اِس طرح پھینک دیا جاتا کہ وہ مذمت کے لائق ہوتا۔ (لیکن جب وہ پلٹا) تو اُس کے پروردگار نے (نئے سرے سے) اُس کو نوازا اور اپنے صالح بندوں میں شامل کرلیا۔[18]

اے نبیؐ، جب انکار کرنے والے یہ نصیحت سنتے ہیں تو بے شک، یہی لگتا ہے کہ اپنی نگاہوں کے زور سے تمھارے قدم اُکھاڑ دیں گے۔[19] کہتے ہیں کہ یہ شخص تو ضرور دیوانہ ہے، حالانکہ یہ تو سارے جہان والوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔[20] ۳۴-۵۲

[۱۶] 'یوم یکشف عن ساق' کے لفظی معنی ہیں 'جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی'۔ یہ عربی زبان کا محاورہ ہے جس کے معنی سخت وقت آ پڑنے کے ہیں۔ جب کوئی بڑی ہلچل پڑتی ہے تو خواتین بھی اپنے پائنچے اوپر اٹھا کر اس طرح بھاگنے پر مجبور ہو جاتی ہیں کہ ان کی پنڈلیاں کھل جاتی ہیں۔ اس سے یہ محاورہ وجود میں آیا۔

[۱۷] قیامت کے روز علی الاعلان اس بات کا مظاہرہ کرایا جائے گا کہ کون غرور کے مارے اللہ کی عبادت سے انکاری تھا۔ چنانچہ جب لوگوں سے کہا جائے گا کہ وہ اللہ کے حضور سجدہ بجالائیں تو سب عبادت گزار سجدہ ریز ہو جائیں گے، لیکن جن لوگوں نے دنیا میں اللہ کی عبادت سے انکار کردیا تھا، ان کی کمر تختہ ہو جائے گی اور وہ سجدہ نہ کرسکیں گے۔

[۱۸] یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب حضرت یونسؑ اپنی قوم سے ناراض ہوکر، اللہ کی طرف سے ہجرت کی اجازت کے بغیر، اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے۔ کسی پیغمبر کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنے اجتہاد سے ہجرت کا فیصلہ کرے۔ یہ فیصلہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ چنانچہ اللہ کی طرف سے حضرت یونسؑ کو تنبیہ کی گئی۔ اس واقعہ کی مزید تفصیل سورۂ یونسؑ، سورۂ انبیاء اور سورۂ صافات میں آئی ہے۔ قرآن مجید میں کئی مرتبہ اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی مدد صبر کرنے والوں کے شامل حال ہوتی ہے اور بے صبری کرنے والوں اور جلدی مچانے والوں کے شامل حال نہیں ہوتی۔

[۱۹] یہ کفار مکہ کے غیظ وغضب کی کیفیت کی طرف اشارہ ہے۔

[۲۰] یہ سورہ جس مضمون سے شروع ہوئی تھی، اسی پر ختم ہو رہی ہے۔ یعنی یہ کہ یہ قرآن کسی دیوانے کی باتیں نہیں، بلکہ اہل دنیا کے لیے ایک یاد دہانی ہے اور اگر کسی نے اس یاد دہانی سے فائدہ نہ اٹھایا تو وہ پچھتائے گا۔ اسی طرح حضرت یونسؑ کی مثال کے ذریعے سے حضورؐ کو یہ نصیحت کی گئی کہ صبر بھی اخلاق کے عظیم ترین مرتبے میں شامل ہے۔ آپؐ اپنا کام سرانجام دیجیے اور نتائج حاصل کرنے کے لیے جلدی مت کیجیے۔ حالات کو بدلنا اللہ کے اختیار میں ہے۔

انھی آیات کے ساتھ اس سورہ کا اختتام ہوتا ہے۔

سورۂ حاقہ

[۶۹]

نام

اس سورہ کے پہلے لفظ سے اس کا نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ مکی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ اس کا بنیادی مضمون آخرت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ضمنی طور پر اس میں توحید اور رسالت کی حقیقت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

آیاتہا ۵۲ — رکوعاتہا ۲

سُورَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الْحَاقَّةُ ﴿١﴾ مَا الْحَاقَّةُ ﴿٢﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحَاقَّةُ ﴿٣﴾ كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ﴿٤﴾ فَأَمَّا ثَمُودُ
فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ ﴿٥﴾ وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴿٦﴾ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ
وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴿٧﴾ فَهَلْ تَرَىٰ لَهُمْ مِنْ
بَاقِيَةٍ ﴿٨﴾ وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكَاتُ بِالْخَاطِئَةِ ﴿٩﴾ فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً
رَابِيَةً ﴿١٠﴾ إِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴿١١﴾ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَاعِيَةٌ ﴿١٢﴾ فَإِذَا
نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ﴿١٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ
الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ﴿١٦﴾ وَالْمَلَكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ
فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ﴿١٧﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ
فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ ﴿١٩﴾ إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ فِي جَنَّةٍ
عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ
كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهْ ﴿٢٥﴾ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾ يَا لَيْتَهَا كَانَتِ
الْقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ ﴿٢٨﴾ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ ﴿٢٩﴾ خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ الْجَحِيمَ
صَلُّوهُ ﴿٣١﴾ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ﴿٣٢﴾ إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ﴿٣٣﴾ وَلَا

يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَاهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾

لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ﴿۳۷﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

وہ ثابت شدہ حقیقت کے طور پر ہونے والا واقعہ۔ کیا ہے وہ واقعہ جس کو لازماً پیش آ کر رہنا ہے؟ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ برحق واقعہ جس کے آنے میں کسی شک کی گنجایش نہیں[1]؟

وہی اچانک ٹوٹ پڑنے والی[2] (قیامت) جس کو ثمود اور عاد نے جھٹلایا تو ثمود اُس آفت سے ہلاک ہوئے جو حد سے باہر تھی اور عاد اس آندھی سے برباد ہوئے جو سرکش اور بے قابو ہوگئی۔ اللہ نے یہ آندھی اُن پر مسلسل سات رات اور آٹھ دن تک مسلط رکھی تا کہ اُنھیں جڑ پیڑ سے اکھاڑے۔ تم انھیں دیکھتے کہ وہ وہاں اِس طرح گرے پڑے ہیں جیسے وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں۔ اب کیا تم اُن میں سے کسی کو باقی دیکھتے ہو؟

یہی جرم فرعون، اُس سے پہلے کے لوگوں اور اُلٹی ہوئی بستیوں نے بھی کیا۔[3] ان سب نے اپنے پروردگار کے رسول کی نافرمانی کی، چنانچہ اللہ نے اُنھیں اس طرح پکڑا کہ یہ پکڑ[4] اپنی شدت میں بڑھتی ہی چلی گئی۔

(یہی کچھ نوحؑ کا انکار کرنے والوں کے ساتھ ہوا۔) جب پانی حد سے گزر گیا تو ہم ہی تھے کہ ہم نے تمھیں کشتی میں اٹھالیا[5] تا کہ اِس واقعہ کو تمھارے لیے ایک نصیحت بنائیں اور سننے والے کان اِس واقعہ کو سنیں اور یاد رکھیں۔

چنانچہ جب صور میں ایک ہی مرتبہ پھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑوں کو ایک ہی چوٹ میں اُٹھا کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا تو اُس دن وہ ہونے والا واقعہ پیش آجائے گا۔ آسمان پھٹ جائے گا اور اُس دن وہ بہت ہی پھُسپھُسا ہوگا۔ فرشتے اُس کے کناروں پر ہوں گے اور (اُن میں سے) آٹھ[6] اُس دن تمھارے پروردگار کا تخت اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اُس دن تم پیش کیے جاؤ گے اور تمھاری کوئی چھپی ہوئی بات بھی اُس دن چھپی نہ رہے گی۔

پھر جس کا نامۂ اعمال اُس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا: ''لو، پڑھو میرا نامۂ اعمال۔ مجھے دنیا میں یہ خیال رہا کہ ایک دن مجھے اپنے اِس حساب سے دوچار ہونا ہے۔'' چنانچہ وہ ایک دل پسند عیش میں ہوگا، عالی مقام جنت میں، جس کے میوے جھک رہے ہوں گے۔ ——— (ایسے لوگوں سے کہا جائے گا): ''کھاؤ اور پیو، پورے لطف کے ساتھ، اپنے اُن اعمال کے صلے میں جو تم نے

گزرے ہوئے دنوں میں کیے ہیں۔''

جس شخص کا نامۂ اعمال اُس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا: ''اے کاش، میرا یہ نامۂ اعمال مجھے نہ ملتا۔ میں اِس بات سے بے خبر ہی رہتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ اے کاش، میری وہی (دنیا کی) موت فیصلہ کُن ہو جاتی۔ آج میرا مال میرے کیا کام آیا؟ میری سب بادشاہی لُٹ گئی۔'' —— (حکم ہوگا:) ''اِس کو پکڑو اور اس کی گردن میں بیڑی ڈال دو، پھر اسے دوزخ میں جھونک دو اور اس کو ستر گز لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔[7] یہ شخص نہ تو اللہ بزرگ و برتر کو مانتا تھا اور نہ غریبوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔[8] اس لیے آج یہاں اِس کا کوئی غم خوار نہیں اور زخموں کے دھوون کے سوا اس کے لیے کوئی کھانا نہیں۔[9] اِس کو یہ خطا کار ہی کھائیں گے۔''[10] ۱-۳۷

[۱] 'الحاقة' کے یہی معنی ہیں جنھیں ترجمے میں واضح کر دیا گیا ہے۔ اس سے مراد قیامت ہے۔

[۲] 'القارعة' کے معنی ہیں کھڑکھڑا دینا اور ایک چیز کو دوسری چیز پر مار دینا۔ یہ لفظ بھی قیامت کے دن کی ہول ناکی کا تصور دلانے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

[۳] اس سے مراد قوم لوط کی بستیاں ہیں جن کے متعلق سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں ارشاد ہے کہ ہم نے ان کو تلپٹ کر کے رکھ دیا۔

[۴] رسول کی براہ راست نافرمانی دراصل اللہ کے خلاف شدید ترین بغاوت ہے، اس لیے ایسے منکرین حق پر آخرت کے عذاب کا ایک حصہ اسی دنیا میں آ جاتا ہے۔ پھر عذاب برزخ میں سے ہوتے ہوئے بڑھتے بڑھتے یہ جہنم کے عذاب تک پہنچ جاتا ہے۔

[۵] یہاں 'تمھیں' کا لفظ اس وجہ سے استعمال کیا گیا کہ قریش انھی لوگوں کی اولاد میں سے تھے جو اس وقت طوفان سے بچائے گئے تھے۔

[۶] یہ آیت امور متشابہات میں سے ہے جس کی حقیقت ہم اس دنیا میں نہیں سمجھ سکتے۔ ہمارے حوالے سے اس کا مطلب یہ ہے کہ روز قیامت انسان کا ارادہ و اختیار ختم ہو جائے گا اور سارا اقتدار بغیر کسی ظاہری استثنا کے اللہ کا ہوگا۔

[۷] ستر کا لفظ عربی زبان میں عموماً ایک بڑی تعداد یا ایک بھاری چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

[۸] غریبوں اور کمزوروں کی مدد اتنی ضروری چیز ہے کہ اگر کوئی شخص یہ نہ کرے تو گویا اس نے سرے سے اللہ ہی کا انکار کیا۔ صرف یہی نہیں، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ دوسروں کو بھی مسکینوں کی مدد کی ترغیب دی جائے۔

[۹] جب کوئی شخص غریبوں اور مفلوک الحال لوگوں کی مدد نہیں کرتا تو اس کا مال دراصل گندگی کا ایک ڈھیر بن جاتا ہے، چنانچہ قیامت میں یہی مال زخموں کا دھوون اور پیپ بن کر اس کے سامنے آ جائے گا۔

[۱۰] یہ کھانا خصوصی طور پر ان مجرموں کے لیے ہوگا تا کہ ان کو اپنے دنیوی مال کی حقیقت معلوم ہو جائے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ

تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿٤٤﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿٤٦﴾ فَمَا مِنْكُمْ

مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿٤٩﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى

الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٠﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٥١﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٥٢﴾ ع

(اے مشرکینِ مکہ)، پس نہیں[11]، میں شہادت پیش کرتا ہوں اُس چیز کی جسے تم دیکھتے ہو[12] اور اُس چیز کی بھی جسے تم نہیں دیکھتے[13] کہ یہ ایک رسولِ کریم، (ایک معزز فرشتے) کا لایا ہوا کلام ہے، یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے۔ تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو۔ یہ کسی کاہن (یعنی جنات سے دریافت کر کے نام نہاد قسمت کا حال بتانے والے) کا کلام بھی نہیں ہے۔ تم لوگ کم ہی سمجھتے ہو۔ یہ تو اس جہان کے پروردگار کی طرف سے نازل کردہ ہے[14]۔ اگر (ہمارا یہ پیغمبر) ہم پر اپنی طرف سے کوئی بات بنا لاتا تو ہم اُس کو اپنے مضبوط ہاتھ سے پکڑ لیتے[15]، پھر اُس کی جان کی رگ کاٹ ڈالتے اور تم میں سے کوئی بھی ہم کو اس سے روک نہ سکتا[16]۔

بے شک یہ قرآن تو اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں اِس کے جھٹلانے والے بھی ہیں۔ یقیناً ایسے منکرینِ حق کے لیے یہ (روزِ قیامت) ایک پچھتاوا بن جائے گا۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ (قیامت) ایک یقینی حقیقت ہے[17]۔ اس لیے (اے نبیؐ) تم اپنے عظیم رب کے نام کی تسبیح کرتے رہو[18]۔ ۳۸-۵۲

[۱۱] قرآن مجید میں کسی چیز کو شہادت میں پیش کرنے سے پہلے جب 'لا' کا لفظ آتا ہے تو یہ دراصل منکرینِ حق کی اس بات کی تردید کے لیے آتا ہے جس پر آگے قرآن مجید تنقید کرتا ہے۔ یہ تقریباً وہی اسلوب ہے جس طرح ہم عام بول چال میں کہتے ہیں: ''نہیں، خدا کی قسم، یہ بات نہیں ہے، بلکہ یہ بات ہے۔''

[۱۲] یعنی ان نافرمان قوموں کا انجام جنھوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا۔

[۱۳] 'جس چیز کو تم نہیں دیکھتے'، اس کی تفصیل آگے سورۂ جن میں آئے گی جس میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ نزولِ قرآن کے موقع پر آسمانوں میں کیا کیا انتظامات کیے گئے ہیں۔

[۱۴] شاعروں کے کلام میں ہر طرح کے مضامین ہوتے ہیں اور ان میں آپس میں بڑے تضادات بھی ہوتے ہیں۔ اسی طرح کاہنوں، یعنی وہ لوگ جو نام نہاد طور پر غیب دانی کے دعوے کرتے ہیں، کی باتوں میں بے شمار غلط سلط چیزیں شامل ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس قرآن مجید تو ایک عظیم کتاب ہدایت ہے۔

[۱۵] دوسرے مترجمین نے اس فقرے کا ترجمہ یہ کیا ہے: ''تو ہم اُس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے''۔ لیکن تفسیر ابن جریر اور مولانا اصلاحی نے وہ ترجمہ کیا ہے جسے ہم نے اوپر اختیار کیا ہے۔

[۱۶] اللہ جس شخص کو اپنا رسول بناتا ہے، چونکہ وہ اللہ کا سفیر اور وحی کی عظیم امانت کا اٹھانے والا ہوتا ہے، اس لیے اس کی نہایت کڑی نگرانی کی جاتی ہے۔

اس کی مجال نہیں ہوتی کہ وہ اپنے جی سے اس میں کوئی ردو بدل کر سکے۔ اسی بات کو یہاں اتنے سخت پیرائے میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی پیغمبر ایسا کرے تو اس کو فوراً سخت ترین سزا دی جائے گی۔ گویا ایسا کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہ بات واضح رہے کہ اس طرح کی کڑی نگرانی صرف پیغمبروں ہی کی ہوتی ہے۔ اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ جو شخص بھی خدا پر جھوٹ بولے، پیغمبری کا جھوٹا دعویٰ کرے یا شرک کرے تو فوراً اس کی گردن توڑ دی جائے۔ ایسے سب لوگوں کو دنیا میں مہلت ملی ہوئی ہے اور وہ اپنا انجام آخرت میں بھگتیں گے۔ یہ صرف سچے پیغمبروں کا مقام ہے کہ ان کی ہر بات اور ہر عمل کی پوری پوری نگرانی کی جاتی ہے تاکہ اللہ کا پیغام بغیر کسی معمولی کمی بیشی کے لوگوں تک پہنچے۔

[۱۷] اس سورہ کی ابتدا قیامت کے تذکرے سے ہوئی تھی اور اس کا اختتام بھی قیامت کے تذکرے پر ہو رہا ہے۔ گویا جس مضمون سے سورہ چلی تھی اسی کی یاددہانی پر ختم ہوئی۔

[۱۸] سخت ترین حالات میں ایک داعی کے لیے قوت و اعتماد اور صبر کا سب سے بڑا ذریعہ اللہ کی یاد ہے۔ اس سے انسان کا یہ یقین پختہ ہوتا ہے کہ اللہ بڑی قدرت و عظمت والا ہے اور جب وقت آجائے گا تو اللہ خود ہی فیصلہ فرمادے گا۔ اسی لیے سورہ کے اختتام میں حضورؐ کو تسبیح کی ہدایت کی گئی۔

اسی آیت پر یہ سورہ مکمل ہوتی ہے۔

سورۂ معارج

[۷۰]

نام

اس سورہ کی دوسری آیت میں یہ لفظ آیا ہے جس سے سورہ کا نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ سورہ بھی مکی دور کے ابتدائی وقت میں نازل ہوئی۔ اس سورہ کا مضمون قیامت کی حقیقت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس سورہ میں لوگوں کو چند اہم ترین ذمہ داریوں کی طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے۔

آیاتہا ۴۴ | # سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِى الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ
وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ
بَعِيْدًا ﴿۶﴾ وَّنَرٰهُ قَرِيْبًا ﴿۷﴾ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿۸﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿۹﴾ وَلَا يَسْئَلُ
حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴿۱۰﴾ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ط يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِىْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ ۢ بِبَنِيْهِ ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهٖ
وَاَخِيْهِ ﴿۱۲﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِىْ تُئْوِيْهِ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿۱۴﴾ كَلَّا ط اِنَّهَا لَظٰى ﴿۱۵﴾
نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ کے لیے ہے۔

مانگنے والے نے عذاب مانگا ہے[۱] ــــ وہ عذاب جو اِن حق کے منکروں پر آکر رہے گا اور اُسے کوئی ہٹا نہ سکے گا۔ وہ عذاب اُس اللہ کی طرف سے ہو گا جو عروج کے زینوں کا مالک ہے[۲]۔ فرشتے اور روح الامین، (حضرتِ جبریل) اُس کے حضور پہنچتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے[۳]۔ اس لیے (اے نبیؐ،) تم بہترین طریقے سے صبر کرو۔ یہ منکرینِ حق اُس عذاب کو دور سمجھتے ہیں اور ہم اُسے بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔

اُس دن آسمان تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو جائے گا، پہاڑ دُھنی ہوئی اون کی مانند ہو جائیں گے اور کوئی سچا دوست بھی اپنے دوست کو نہ پوچھے گا حالاں کہ وہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے۔ مجرم چاہے گا کہ اے کاش، وہ اُس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنی اولاد، بیوی، بھائی، اپنے خاندان کو جو اُسے پناہ دیتا رہا اور اِس زمین کے ہر شخص کو فدیہ میں دے دے اور اپنے آپ کو اُس عذاب سے چھڑا لے۔

ہرگز نہیں[۴]، وہ تو بڑھکتی ہوئی آگ کا شعلہ ہو گا، چمڑی ادھیڑ تا ہوا، ہر اُس شخص کو پکارتا ہوا جس نے پیٹھ پھیری، منہ موڑا، مال جمع

نہایت اہتمام کے ساتھ گن گن کر محفوظ کیا۔[5] ۱-۱۸

کیا اور اُسے (بھلائی کے کاموں میں خرچ سے روک کر) نہایت اہتمام کے ساتھ گن گن کر محفوظ کیا۔ تاہم اس فقرے کے مزید دو ترجمے بھی کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ

[۱] مترجمین و مفسرین نے عام طور پر وہی ترجمہ کیا ہے جو ہم نے اوپر اختیار کیا ہے۔ تاہم اس فقرے کے مزید دو ترجمے بھی کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ استاد محترم جناب جاوید احمد غامدی نے مولانا اصلاحی کے اتباع

''پوچھنے والے نے پوچھا ہے کہ وہ عذاب، جس کی خبر ہمیں دی جا رہی ہے، کس پر واقع ہوگا؟'' استاد محترم جناب جاوید احمد غامدی نے مولانا اصلاحی کے اتباع ''اس کی وجہ یہ ہے کہ عربی

میں اس کا یہ ترجمہ کیا ہے: ''بہت جلدی مچائی ہے، ایک جلدی مچانے والے نے، اس عذاب کے لیے جو اِن کافروں پر آ کر رہے گا۔'' اس کی وجہ یہ ہے کہ عربی

زبان میں جب لفظ 'سوأل' کے ساتھ 'ب' کا حرف آتا ہے تو اس میں مذاق اڑانے اور جلدی مچانے کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔

[۲] 'ذی المعارج' کے لفظی معنی ہیں 'چڑھتے درجوں والا'۔ 'معرج' کے معنی ہیں زینہ یا سیڑھی۔ گویا اس فقرے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی ذات بہت

بالا و برتر ہے اور اس کے حضور حاضر ہونے کے لیے فرشتوں کو بھی پے در پے بلندیوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ اس کی اصل حقیقت ہم پر قیامت کے بعد واضح ہوگی۔

[۳] اللہ کے دربار سے جو احکام نازل ہوتے ہیں، وہ اس کے اپنے پروگرام کے مطابق ہوتے ہیں۔ اللہ کے ہاں کا ایک دن ہمارے حساب سے

ہزاروں سال کے برابر ہوتا ہے۔ مگر انسان اپنی تنگ نظری کی وجہ سے بے صبرا اور جلد باز ہے اور اسی لیے وہ ہر بات میں بے صبری کرتا ہے۔ وہ اس بات کو

بھول جاتا ہے کہ ہم نہ تو اللہ کی کائنات کے سارے رازوں کو جان سکتے ہیں اور نہ اپنے وقت اور گھڑیوں سے اللہ کے دنوں کا حساب کر سکتے ہیں۔

اس فقرے کی اصل حقیقت بھی ہم پر قیامت کے بعد واضح ہوگی۔

[۴] یعنی یہ لوگ قیامت کی حقیقت سے انکار کرتے ہیں۔ ان کی یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے۔

[۵] اس فقرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کنجوسی اور بخل دراصل خسارے کا سودا ہے۔ اگر انسان حقوق العباد کے معاملے میں بخل سے کام لے تو ایسے شخص

کا دعوائے ایمان کسی کام کا نہیں۔

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿۱۹﴾ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ﴿۲۰﴾ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ﴿۲۱﴾ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ﴿۲۲﴾

الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿۲۵﴾

وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِينَ هُم مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿۲۷﴾ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ

مَأْمُونٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿۲۹﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ

مَلُومِينَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ

رَاعُونَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِينَ هُم بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿۳۴﴾ أُولَٰئِكَ

فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ ﴿٣٥﴾ فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلَكَ مُهْطِعِينَ ﴿٣٦﴾ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ
عِزِينَ ﴿٣٧﴾ أَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ ﴿٣٨﴾ كَلَّا إِنَّا خَلَقْنَاهُم مِّمَّا يَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾ فَلَا
أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ إِنَّا لَقَادِرُونَ ﴿٤٠﴾ عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿٤١﴾
فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٤٢﴾ يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ
سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ ﴿٤٣﴾ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا
يُوعَدُونَ ﴿٤٤﴾

(واقعہ یہ ہے کہ) انسان بہت بے صبرا پیدا ہوا ہے۔[6] جب اُس پر مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اُسے راحت ملتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے[7] —— ہاں، مگر وہ لوگ اِس بے صبری سے بچے ہوئے ہیں،[8]

o جو نمازی ہیں۔ جو ہمیشہ اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں۔

o جن کے مالوں میں سوال کرنے والوں اور محروم لوگوں کے لیے ایک مقرر حق ہے۔[9]

o جو روزِ جزا کو برحق مانتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اُن کے پروردگار کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز ہی نہیں ہے۔

o جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے سوا،[10] اس لیے کہ اِن کے معاملے میں اُن پر کوئی ملامت نہیں۔ ہاں، جو لوگ اِن کے علاوہ کچھ اور چاہیں، تو وہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔

o جو (بندوں اور پروردگار، دونوں کے معاملے میں) اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کا پاس رکھتے ہیں۔[11]

o جو اپنی گواہی پر قائم رہتے ہیں۔[12]

o جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔[13]

یہی لوگ ہیں جو بڑی عزت کے ساتھ بہشت کے باغوں میں ہوں گے۔

(اے نبیؐ)، پھر کیا بات ہے کہ یہ منکرینِ حق، دائیں اور بائیں سے، گروہ در گروہ حملہ کر رہے ہیں![14] کیا اِن میں سے ہر شخص یہ توقع
رکھتا ہے کہ وہ نعمت بھری جنت میں داخل کر لیا جائے گا؟ ـــــ ہرگز نہیں، ہم نے اِن کو اُس چیز سے پیدا کیا ہے جسے یہ جانتے ہیں۔[15]
نہیں،[16] میں قسم کھاتا ہوں مشرق و مغرب کی ساری وسعتوں[17] کے مالک کی کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ اِن کو (دوبارہ) اِن سے بہتر پیدا
کریں اور ہم اِس سے عاجز رہنے والے نہیں ہیں۔ اس لیے (اے نبیؐ)، انھیں چھوڑو، یہ باتیں بنائیں اور کھیلیں، یہاں تک کہ اپنے
اُس دن کو پہنچ جائیں جس کی دھمکی اِنھیں دی جا رہی ہے۔[18] جس دن یہ اپنی قبروں سے بڑی تیزی کے ساتھ بھاگتے ہوئے نکلیں گے، گویا
دوڑ کے لیے لگائے ہوئے نشانوں کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ اُس وقت اِن کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی اور اِن پر ذلت چھا رہی ہوگی
ـــــ یہ ہے وہ دن جس سے یہ ڈرائے جاتے رہے۔[19] ۱۹-۴۴

[۶] یعنی انسان کی فطرت میں بے صبری موجود ہے۔ اللہ نے انسان کی فطرت میں متضاد چیزیں اس وجہ سے رکھی ہیں تاکہ انسان کی آزمایش ہو اور یہ مسلسل اپنی تربیت کی کوشش کرتا رہے۔

[۷] یہ انسان کی بے صبری کی دلیل ہے کہ وہ مصیبت میں بہت جلد فریاد کرنے والا بن جاتا ہے اور دوسری طرف مال و دولت ملنے کے بعد بخیل بن جاتا ہے۔

[۸] یعنی بے صبری سے بچنے کے لیے جس مسلسل تربیت کی ضرورت ہے، اس میں درج ذیل باتیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ گویا یہ وہ باتیں ہیں جن کا ہر صاحب ایمان کو ہر وقت خیال رکھنا چاہیے۔

[۹] گویا ہر صاحب ایمان پر یہ لازم ہے کہ وہ غریبوں اور کمزوروں کی حتی الوسع مدد کرے گا۔

[۱۰] اس وقت بیویوں کے علاوہ لونڈیوں کے معاملے میں بھی یہ اجازت اس لیے دی گئی کہ ابھی ان کے لیے آزادی کی کوئی مناسب اور باوقار صورت پیدا نہیں ہوئی تھی۔

[۱۱] 'امانتوں' سے مراد وہ سب قوتیں، صلاحیتیں، مال و دولت اور وسائل ہیں جو انسان کو اللہ نے عطا کیے ہیں۔ گویا یہ ضروری ہے کہ انسان اپنی ہر صلاحیت کو مثبت کام میں لگائے۔ اسی طرح وعدے کی پابندی بھی ہر صاحب ایمان پر لازم ہے۔

[۱۲] گواہی کو چھپانا اور گواہی میں کمی بیشی کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینا بھی گواہی کی ایک شکل ہے۔

[۱۳] نماز کی بات شروع میں بھی آ گئی تھی اور آخر میں ایک دفعہ پھر نماز کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ شروع میں نماز کی پابندی کی بات کی گئی تھی اور یہاں نماز کی حفاظت کی تاکید ہے۔ یعنی یہ کہ نماز کو ان آفات سے بچایا جائے جو اس کے فوائد برباد کر سکتی ہیں، مثلاً نمایش اور اپنی دین داری کے دکھاوے کے لیے نماز پڑھنا، نماز کی طرف متوجہ نہ ہونا، نماز پڑھنے کے باوجود دوسروں کے حقوق غصب کرنا، دھوکا دہی، ملاوٹ، کرپشن اور اسی طرح کی برائیوں میں ملوث ہونا وغیرہ۔

[۱۴] یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جن کے تن بدن میں قرآن مجید کے اس طرح کے کلام سے، ایک آگ سی لگ جاتی۔ وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ وہ

اپنے تکبر وغرور سمیت جنت سے محروم رہیں گے۔ اس غصے میں وہ ٹولیاں بنا بنا کر حضورؐ کی تردید وتوہین کے لیے آپؐ پر پل پڑنے کی کوشش کرتے۔

[۱۵] یعنی انسان کو یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنے حسب نسب کے غرور میں اپنے آپ کو جنت کا حق دار سمجھے۔ انسان کو اپنی عاجزی کا پورا شعور ہونا چاہیے۔

[۱۶] یعنی وہ بات صحیح نہیں ہے جو ان منکرین حق نے سمجھ رکھی ہے۔

[۱۷] 'مشارق' اور 'مغارب' کے الفاظ جمع کی صورت میں آئے ہیں۔ اس طرح کے موقع پر یہ کسی چیز کی وسعتوں کو ظاہر کرنے کے لیے بھی آتے ہیں۔

[۱۸] یعنی آپؐ اپنا کام جاری رکھیے اور ان منکرین حق کی بے ہودہ باتوں اور مسخروں کی کوئی پروا نہ کریں۔

[۱۹] اس سورہ کی ابتدا بھی قیامت کے تذکرے سے ہوئی تھی اور اس کی تکمیل بھی قیامت ہی کے تذکرے پر ہو رہی ہے۔

انھی آیات کے ساتھ یہ سورہ اپنے اختتام کو پہنچتی ہے۔

سورۂ نوح

[۷۱]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے، نیز یہ پوری سورہ قوم نوح کی سرگزشت ہے، اس لیے اس کا یہ نام رکھا گیا۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ بھی مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔ اس سورہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب قوم نے حضرت نوحؑ کی دعوت کو جھٹلایا تو اللہ کی طرف سے اس پر ہلاکت کا عذاب نازل کیا گیا۔ گویا اس طرح حضورؐ کے مخالفین کو متنبہ کیا گیا کہ اگر وہ بھی حضورؐ کی دعوت ماننے سے انکار کریں گے تو ان پر سزا نافذ کی جائے گی۔ اس میں ہمارے لیے یہ پیغام ہے کہ حضورؐ ایک سچے رسول تھے، اس لیے آپؐ کی قوم کے ہر اس فرد پر سزا نافذ کی گئی جس نے آپؐ کو جھٹلایا۔

آیاتہا ۲۸	# سُورَةُ نُوحٍ مَكِّيَّةٌ	رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّآ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِۦٓ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ إِنِّى لَكُمْ
نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢﴾ أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ﴿٣﴾ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰٓ أَجَلٍ
مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ ٱللَّهِ إِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۖ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّى دَعَوْتُ قَوْمِى لَيْلًا (وقف لازم)
وَنَهَارًا ﴿٥﴾ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِىٓ إِلَّا فِرَارًا ﴿٦﴾ وَإِنِّى كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوٓا۟ أَصَٰبِعَهُمْ فِىٓ ءَاذَانِهِمْ
وَٱسْتَغْشَوْا۟ ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا۟ وَٱسْتَكْبَرُوا۟ ٱسْتِكْبَارًا ﴿٧﴾ ثُمَّ إِنِّى دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿٨﴾ ثُمَّ إِنِّىٓ أَعْلَنتُ لَهُمْ
وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ﴿٩﴾ فَقُلْتُ ٱسْتَغْفِرُوا۟ رَبَّكُمْ إِنَّهُۥ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾ يُرْسِلِ ٱلسَّمَآءَ عَلَيْكُم
مِّدْرَارًا ﴿١١﴾ وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَٰلٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّٰتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَٰرًا ﴿١٢﴾ مَّا لَكُمْ لَا
تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ﴿١٣﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ﴿١٤﴾ أَلَمْ تَرَوْا۟ كَيْفَ خَلَقَ ٱللَّهُ سَبْعَ سَمَٰوَٰتٍ طِبَاقًا ﴿١٥﴾
وَجَعَلَ ٱلْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ ٱلشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿١٦﴾ وَٱللَّهُ أَنۢبَتَكُم مِّنَ ٱلْأَرْضِ نَبَاتًا ﴿١٧﴾ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ
ع فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ﴿١٨﴾ وَٱللَّهُ جَعَلَ لَكُمُ ٱلْأَرْضَ بِسَاطًا ﴿١٩﴾ لِّتَسْلُكُوا۟ مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿٢٠﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد و حساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

ہم نے نوحؑ کو اُس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا تا کہ اپنی قوم کو خبردار کر دے، اِس سے پہلے کہ اُس پر ایک دردناک عذاب آجائے۔ اُس نے کہا: ''اے میری قوم کے لوگو، میں تمھارے لیے ایک صاف صاف خبردار کر دینے والا ہوں۔ اللہ کی بندگی کرو، اُس

کے احکام کے پابند رہو اور میری بات مانو۔[2] (اِس کے نتیجے میں) اللہ تمھارے (گناہ) معاف فرمائے گا اور تمھیں ایک مقرر وقت تک مہلت دے گا۔[3] اِس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت جب آ جاتا ہے تو پھر ٹالا نہیں جا سکتا۔ اے کاش، تم اِس بات کو سمجھتے۔

(ایک لمبی مدت تک دعوت دینے کے باوجود جب اُس کی قوم نے انکار کیا تو) اُس نے کہا: "اے میرے پروردگار، میں نے اپنی اِس قوم کو شب و روز پکارا، لیکن یہ لوگ میری پکار سے اور زیادہ بھاگتے ہی رہے۔ جب بھی میں نے اُن کو بلایا تا کہ تو انھیں معاف فرمائے تو انھوں نے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں، اپنی چادریں لپیٹ لیں،[4] اپنی ضد پر اَڑ گئے اور بڑا غرور دکھایا۔ پھر میں نے انھیں ڈنکے کی چوٹ پکارا۔ پھر میں نے اِن کو کھلم کھلا دعوت دی اور چپکے چپکے بھی سمجھایا۔ (اِس طرح کہ) میں نے کہا: "اپنے رب سے معافی مانگ لو۔ بے شک وہ بڑا معاف کر دینے والا ہے۔ (اِس کے نتیجے میں) وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا، مال و اولاد سے تم کو برکت دے گا، تمھارے لیے باغ اُگائے گا اور تمھارے لیے نہریں بہا دے گا۔[5] تمھیں کیا ہو گیا ہے، تم اللہ کے لیے کسی شان کی توقع نہیں رکھتے،[6] حالانکہ اُس نے تم کو طرح طرح سے درجہ بہ درجہ بنایا۔"

(اے لوگو،) کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کس طرح تہ بر تہ سات آسمان بنائے، اُن میں چاند کو روشنی اور سورج کو چراغ بنایا، اور اللہ ہی نے اِس اہتمام کے ساتھ تمھیں زمین سے اُگایا! پھر وہ اِسی زمین میں تم کو لوٹاتا ہے اور اِسی سے یکایک، بے روک ٹوک، تم کو نکال کھڑا کرے گا۔ اللہ ہی نے زمین کو تمھارے لیے فرش کی طرح بچھا دیا تا کہ تم اس کی کھلی راہوں میں چلتے رہو۔ ۱–۲۰

[۱] کسی بھی قوم کے لیے رسول کی آمد ایک بہت بڑا امتحان بن جاتی ہے۔ کیونکہ اگر وہ قوم رسول کو جھٹلا دیتی ہے تو اس پر اللہ کی طرف سے اسی دنیا میں سزا نافذ ہوتی ہے۔

[۲] 'تقویٰ' کے معنی زندگی کے تمام معاملات میں حدود الٰہی کی پابندی کرنے کے ہیں۔

[۳] جب رسول کی قوم اپنے پیغمبر کی بات مان کر امتحان میں کامیاب ہو جاتی ہے تو اس پر ایک مدت کے لیے اللہ کی نعمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اس کے بعد اس قوم پر بھی دوبارہ وہی قانون نافذ ہو جاتا ہے جو قوموں کے عروج و زوال سے متعلق ہر قوم کے لیے مقرر ہے۔ یہاں اسی مہلت کی طرف اشارہ ہے۔

[۴] یہ ان لیڈروں کے غرور و تکبر کی تصویر ہے کہ حضرت نوحؑ کی بات سن کر انھوں نے نہایت بے زاری کے ساتھ اپنی چادر لپیٹی اور چل دیے۔

[۵] یہ ان نعمتوں کا بیان ہے جو ایمان لانے کے نتیجے میں رسول کی قوم پر نازل ہوتی ہیں۔

[۶] یعنی اس بات کی توقع نہیں رکھتے کہ تمھارے انکار کے باوجود اللہ کی طرف سے تمھارا محاسبہ ہوگا۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا

كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ
اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ مِمَّا خَطِيْٓـئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ
يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا
وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ ع

نوحؑ نے کہا: ''اے میرے رب، انھوں نے میری بات نہیں مانی اور اُن (رہنماؤں) کے پیچھے چلے جو مال اور اولاد پا کر اور زیادہ نامُراد ہو گئے ہیں،[7] جنھوں نے بڑی بڑی چالیں چلیں اور کہا کہ اپنے اِن معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑو، (یعنی) وَدّ، سُواع، یغوث، یعوق اور نَسر کو نہ چھوڑو۔[8] انھوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کرڈالا، (اس لیے اے پروردگار، اب) تو بھی اِن ظالموں کی گمراہی میں اضافہ ہی کر۔''

اپنے انھی گناہوں کی وجہ سے وہ غرق کردیے گئے، پھر آگ میں ڈال دیے گئے،[9] پھر انھوں نے اپنے لیے اللہ سے بچانے والا کوئی مددگار نہ پایا۔

نوحؑ نے کہا: ''اے مالک، اِن کافروں میں سے تو اب کسی کو اِس زمین پر نہ چھوڑ، اس لیے کہ اگر تو اِن کو چھوڑے گا تو یہ تیرے بندوں کو ضرور بہکائیں گے اور نافرمانوں اور منکروں ہی کو جنم دیں گے۔ اے میرے رب، مجھے، میرے والدین، اُن سب کو جو میرے گھر میں مومن ہو کر داخل ہو جائیں اور سب اہلِ ایمان مردوں اور عورتوں کو معاف فرما دے۔ اور اِن ظالموں کے لیے بس (اِن کی) بربادی ہی میں اضافہ کر۔''[10] ۲۱-۲۸

[۷] یہ حضرت نوحؑ کے اس وقت کی فریاد ہے جب انھوں نے سینکڑوں برس تک اپنی قوم میں دین کی دعوت پھیلانے کا کام کیا اور اس کے باوجود قوم کی اکثریت نے، نہ صرف ماننے سے انکار کیا، بلکہ کھلم کھلا دشمنی پر اتر آئی۔

[۸] یہ قوم نوح کے بڑے بڑے بتوں کے نام ہیں۔ بہت بعد میں جب اس سرزمین میں دوبارہ شرکیہ عقائد نے زور پکڑا تو انھی بتوں کی پوجا دوبارہ شروع ہو گئی۔

[۹] یعنی ہلاکت کے فوراً بعد ان پر برزخ کا عذاب شروع ہو گیا اور اس بات کا فیصلہ ہو گیا کہ روزِ قیامت آگ ہی ان کا ٹھکانا ہو گی۔

[۱۰] قوم نوح کے واقعات سرزمین عرب میں معلوم ومعروف تھے۔ اس سورہ کے نزول کا مقصد یہ تھا کہ مشرکین کو یہ بات ذہن نشین کرادی جائے کہ اگروہ بھی حضورؐ کو جھٹلائیں گے تو ان پر بھی اللہ کی طرف سے سزا نافذ کی جائے گی۔

یہاں حضرت نوحؑ کی جو دعا نقل کی گئی ہے، کم وبیش اسی طرح کی دعا حضورؐ نے جنگ بدر شروع ہونے سے ایک رات پہلے مانگی تھی، چنانچہ جنگ بدر کے موقع پر حضورؐ کے دشمنوں پر سزا کی پہلی قسط نازل ہوئی اور حضورؐ کے بدترین مخالفین کو ایک ایک کر کے ہلاک کر دیا گیا۔

اس سورہ میں ہمارے لیے یہ یاددہانی ہے کہ حضورؐ کے لیے بھی اللہ کی سنت اسی طریقے سے مکمل طور پر پوری ہوئی جس طرح حضورؐ سے پہلے رسولوں کے لیے پوری ہوئی تھی۔ یہ رسالت محمدیؐ کا ایک بڑا ثبوت ہے۔

انھی آیات کے ساتھ یہ سورہ مکمل ہوتی ہے۔

سورۂ جن

[۷۲]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے، جس سے سورہ کا نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ بھی مکی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ اس سے پہلے سورۂ حاقہ کی آیات ۳۸ تا ۴۳ میں حضورؐ کی زبانی یہ کہا گیا تھا کہ میں تم لوگوں کے سامنے اس چیز کی شہادت پیش کرتا ہوں جسے تم دیکھتے ہو اور اس کی بھی جسے تم نہیں دیکھتے۔ چنانچہ پچھلی سورہ میں قوم نوح کے انجام کی شہادت پیش کی گئی جس کے بارے میں لوگوں کو عام طور پر معلوم تھا۔ اب اس سورہ میں جنات کی شہادت پیش کی جا رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس شہادت کو حضورؐ کے مخاطبین نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس سورہ کے ذریعے سے لوگوں کو سمجھایا گیا کہ اللہ کا پیغمبر، اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے آتا ہے، وہ عذاب کا وقت بتانے کے لیے نہیں آتا۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ پیغمبر کی بات مان کر اللہ کی رحمت میں آ جائیں۔

آیاتہا ۲۸

سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ

رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ﴿١﴾ يَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ط
وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ﴿٢﴾ وَّاَنَّهُ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ﴿٣﴾ وَّاَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ
سَفِيْهُنَا عَلَی اللّٰهِ شَطَطًا ﴿٤﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ﴿٥﴾ وَّاَنَّهُ كَانَ
رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ﴿٦﴾ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ
يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ﴿٧﴾ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ﴿٨﴾ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ
مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿٩﴾ وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِی
الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿١٠﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿١١﴾ وَّاَنَّا
ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿١٢﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓی اٰمَنَّا بِهٖ ط فَمَنْ يُّؤْمِنْ
بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿١٣﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ط فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا
رَشَدًا ﴿١٤﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿١٥﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

(اے نبیؐ،) انھیں بتاؤ کہ مجھے وحی کی گئی ہے[1] کہ جنوں کے ایک گروہ نے (اس قرآن کو) سنا[2] تو (اپنی قوم سے) کہا: "ہم نے ایک بڑا ہی دل پر اثر کرنے والا قرآن سنا ہے جو ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے،[3] اس لیے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔[4] اب ہم ہرگز کسی کو اپنے

پروردگار کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔"

اُن کی یہ بات بھی[5] (مجھے وحی کی گئی ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا): "ہمارے مالک کی شان بہت اونچی ہے۔ اُس نے کسی کو بیوی یا بیٹا نہیں بنایا۔ ہمارا یہ احمق (سردار) تو اللہ کے بارے میں بالکل حق سے ہٹی ہوئی باتیں کہتا رہا۔ (اگر ہم اِس کے پیچھے چلے تھے تو اس لیے کہ) ہم یہ سمجھتے تھے کہ کوئی جن یا انسان، اللہ پر جھوٹ نہیں باندھ سکتا۔ انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ لوگوں کو مدد کے لیے بلاتے رہے ہیں، اس طرح انھوں نے جنوں کا غرور اور زیادہ بڑھا دیا۔[6] تمھاری طرح انھوں نے بھی یہی سمجھا کہ اللہ مرنے کے بعد پھر کسی کو نہ اٹھائے گا۔ —— جب ہم نے آسمان کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ وہ سخت پہرے داروں اور شہابوں سے بھرا پڑا ہے۔ پہلے تو ہم سُن گُن لینے کے لیے آسمان کے ٹھکانوں میں کوئی جگہ پا لیتے تھے، لیکن (ہم نے دیکھا کہ) اب جو کوئی بھی کچھ سننے کی کوشش کرتا ہے، وہ اپنے لیے گھات میں ایک انگارا پاتا ہے۔[7] ہم نہیں جانتے تھے کہ آیا زمین والوں کے ساتھ کوئی بُرا معاملہ کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے یا اُن کے پروردگار نے اُن کے لیے کسی خیر کا ارادہ کیا ہے۔[8] —— ہم میں کچھ لوگ نیک بھی ہیں اور کچھ اِس سے مختلف بھی ہیں، ہمارے راستے الگ الگ ہیں۔[9] ہم تو (پہلے سے ہی) یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کی گرفت سے نہ زمین میں ہم کہیں نکل کر جا سکتے ہیں اور نہ آسمان میں کہیں بھاگ کر اُس کو ہرا سکتے ہیں، چنانچہ جب ہم نے ہدایت کی یہ بات سنی تو اُس پر ایمان لے آئے۔ اب جو کوئی بھی اپنے رب پر ایمان لے آئے گا، اُسے کسی نقصان یا کسی زیادتی کا اندیشہ نہ ہوگا۔ ہم میں فرماں بردار بھی ہوں گے اور وہ بھی جو نافرمانی پر اصرار کریں گے تو جنھوں نے سر جُھکا دیا، اُنھوں نے راستہ پالیا۔ اور جو نافرمان ہوئے وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔" ۱–۱۵

[۱] اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضورؐ کی براہ راست جنوں سے ملاقات نہیں ہوئی، بلکہ آپؐ کو وحی کے ذریعے سے ان کے تاثرات کے بارے میں معلوم ہوا۔

[۲] اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن اپنے علاقہ کے انسانوں کی زبان پوری طرح سمجھ لیتے ہیں۔

[۳] قرآن کے معنی ہیں: 'پڑھی جانے والی چیز'۔ یعنی اصل پڑھی جانے والی چیز تو یہی ہے۔ یہی 'عجباً' کے معنی ہیں بہت زیادہ حیرت انگیز، بے نظیر اور دل پذیر۔

[۴] اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ حضورؐ جس طرح انسانوں کے پیغمبر تھے، اسی طرح جنوں کے بھی پیغمبر تھے، بلکہ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حق جہاں اور جس صورت میں بھی سامنے آئے، جن و انس اسے ماننے کے مکلّف ہیں۔ ہم جنات کے پیغمبروں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، لیکن جہاں جہاں جنات ہمارے پیغمبروں کی تعلیمات سے واقف ہوں، وہاں ان کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس پر ایمان لے آئیں۔

[۵] یہاں سے آگے آیت نمبر ۱۵ تک جنوں کی باتیں نقل کی گئی ہیں، چنانچہ ترجمہ بھی اسی کے لحاظ سے کیا گیا ہے۔

[٦] بعض لوگ یہ کوشش کرتے ہیں کہ مختلف طریقوں سے جنات کے ساتھ رابطہ کریں تاکہ ان سے کچھ خبریں اور کچھ مدد لے سکیں۔ اس زمانے کی سرزمین عرب میں بے شمار لوگ یہی کام کرتے تھے جن کو کاہن کہا جاتا تھا۔ آج بھی دنیا میں کئی لوگ یہ کام کرنے کی کوشش اور اس کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہاں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

[٧] اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنات کو ایک خاص حد تک زمین سے اوپر کے خطوں میں بھی جانے کی طاقت حاصل ہے۔ اس کی بنا پر وہ یہ سن گن لینے کی کوشش کرتے ہیں کہ کیا کیا نئی باتیں ظہور پذیر ہو رہی ہیں۔ لیکن نزول قرآن کے وقت ان کو اندازہ ہوا کہ ان پر بہت سے کائناتی راستے بند کر دیے گئے ہیں اور اگر وہ کچھ سننے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کو روکا جاتا ہے۔

[٨] یعنی اس غیر معمولی انتظام سے ہمیں یہ اندازہ تو ہوا کہ زمین والوں کے متعلق ایک بڑا فیصلہ ہو رہا ہے، لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ فیصلہ کیا ہوگا۔ قرآن سننے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ وہ فیصلہ یہ تھا کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے ایک عظیم کلام نازل کیا جائے۔

[٩] اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنات کے اندر بھی نیک و بد موجود ہیں۔ گویا یہ بھی ارادہ و اختیار رکھنے والی مخلوق ہیں۔

وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿١٦﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۚ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ
يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿١٧﴾ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿١٨﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ
يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿١٩﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿٢٠﴾ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ ع
لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿٢١﴾ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿٢٢﴾ اِلَّا بَلٰغًا
مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿٢٣﴾ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا
يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿٢٤﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ
لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿٢٥﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿٢٦﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ
بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿٢٧﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى
كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿٢٨﴾ ع

اور (اے نبیؐ، انھیں بتادو کہ مجھ پر یہ وحی بھی کی گئی ہے) کہ اگر یہ لوگ راہِ راست پر قائم رہتے تو ہم اِن کو سیراب کر دیتے تاکہ اس

نعمت میں اُن کی آزمائش کریں۔[10] جو بھی اپنے رب کی نصیحت سے منہ موڑے گا، اُس کا رب اُسے ایسے عذاب میں داخل کرے گا جو چڑھتا بڑھتا جائے گا۔ یہ مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں، اِس لیے (اِن میں) اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔[11] —— جب اللہ کا یہ بندہ (یعنی نبیؐ) اُسے پکارنے کھڑا ہوجاتا ہے تو لگتا ہے کہ یہ لوگ اُس پر ٹوٹ پڑیں گے۔ کہہ دو: ''میں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور کسی کو اُس کا شریک نہیں ٹھہراؤں گا۔'' (اِن سے) کہہ دو: ''میں تم لوگوں کے لیے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا۔'' کہہ دو: ''(اگر میں توحید کے راستے پر نہ چلوں تو) مجھے اللہ کی پکڑ سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ میں اُس کے سوا کوئی پناہ کی جگہ پا سکتا ہوں۔ میرا کام صرف یہ ہے کہ اللہ کی بات اور اُس کے پیغامات پہنچادوں۔ اب جو بھی اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، اُس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے۔''

یہاں تک کہ جب یہ لوگ اُس چیز (یعنی روزِ قیامت) کو دیکھ لیں گے جس سے انھیں خبردار کیا جارہا ہے تو اُس وقت یہ جان لیں گے کہ کس کی مدد کمزور ہے اور کون لوگ گنتی میں تھوڑے ہیں۔ کہہ دو: ''میں نہیں جانتا کہ جس چیز سے تم کو خبردار کیا جارہا ہے، وہ قریب ہی ہے یا میرا پروردگار ابھی اِسے اور کچھ ٹالے گا۔ اِس غیب کو وہی جانتا ہے، اور اپنا یہ غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔ رہے وہ، جن کو وہ رسول کی حیثیت سے منتخب کرلیتا ہے تو وہ اُن کے آگے اور پیچھے پہرا لگادیتا ہے تاکہ معلوم رہے کہ اُنھوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچادیے۔[12] اللہ اُن کے پورے ماحول کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے اور وہ (اُن کی) ہر چیز کو گنتی میں رکھتا ہے[13] ۱۶-۲۸

[۱۰] جب کوئی قوم اپنے رسول کی بات مان لیتی ہے تو اس پر دنیا میں بھی نعمتیں نازل ہوتی ہیں۔ تاہم یہ نعمتیں بھی آخرت کے اعتبار سے ایک آزمائش ہوتی ہیں۔

[۱۱] یہ صرف اللہ کا مقام ہے کہ اس کے سامنے سجدہ کیا جائے۔ چنانچہ عبادت کے لیے بنائی جانے والی ہر عمارت کا مقصد صرف یہی ہونا چاہیے کہ اس میں اللہ ہی کے سامنے سجدہ کیا جائے اور اسی کو پکارا جائے۔ یہاں ضمناً اشارہ بیت اللہ کی طرف ہے، جہاں مشرکین بتوں کی عبادت کرتے تھے۔

[۱۲] مفتی محمد شفیع، مولانا مودودی اور دوسرے مترجمین نے درج بالا دو آیات کا جو ترجمہ کیا ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ: ''وہ عالم الغیب ہے، اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، سوائے اُس رسول کے جسے اُس نے غیب کا کوئی علم دینے کے لیے پسند کرلیا ہو، تو اُس کے آگے اور پیچھے محافظ لگادیتا ہے۔'' تاہم مولانا اصلاحی کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ آیت نمبر ۲۷ کی ابتدا میں 'اِلا' کے لفظ کے معنی وہی ہیں جو سورۂ غاشیہ آیات ۲۱-۲۴ میں آئے ہیں۔ گرامر کے ماہرین اس کو 'استثنائے منقطع' کہتے ہیں۔ یعنی اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ پچھلی بات سے الگ بات ہے اور اس بات کی وضاحت اس خبر سے ہوگی جو اس بات کے بعد آئے گی۔ گویا یہ آیت اپنے بعد والی آیت نمبر ۲۸ سے جڑی ہوئی ہے۔ یہاں 'اِلا' کے لفظ کے معنی ہوں گے 'رہے وہ لوگ'۔ واضح رہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اللہ کے ہر پیغمبر کو کارِ رسالت کی بجاآوری کے لیے ایک خاص حد تک غیب کے معاملات پر مطلع کیا جاتا ہے۔ تاہم درج بالا آیات میں اگر ترجمہ 'رہے وہ لوگ' کے لحاظ سے کیا جائے تو ساری بات بہتر طریقے سے سمجھ میں آجاتی ہے۔

[۱۳] یعنی اللہ اس دنیا میں اپنے رسول کو بھیج کر اسے فراموش نہیں کر دیتا، بلکہ وہ رسول کے معاملے میں ہر معاملے پر نگاہ رکھتا ہے اور اس ضمن میں اللہ کی بارگاہ سے ہر فیصلہ بالکل بروقت صادر ہوتا ہے۔

اسی آیت پر اس سورہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

سورۂ مزمل

[۷۳]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے، جس سے یہ نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کے مضامین سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی جب حضورؐ کو یہ حکم دیا گیا کہ اب آپؐ اس پیغام کو مکہ اور گرد و پیش کے عام لوگوں تک بھی پہنچانا شروع کر دیں۔ اس سے پہلے حضورؐ کو یہ ہدایت تھی کہ وہ اپنے خاندان و قبیلے اور سرداران قریش کو بالخصوص یہ دعوت پہنچائیں۔ چنانچہ حضورؐ کو اس بڑے بوجھ کو اٹھانے کے لیے تیاریوں کی ہدایت کی گئی اور آپؐ کے مخالفین کو یہ بتایا گیا کہ ان کی مہلت تھوڑی ہی رہ گئی ہے۔

اس سورہ کا دوسرا رکوع یعنی آیت نمبر ۲۰ مدینہ میں نازل ہوئی، لیکن موضوع کی مناسبت سے اس آیت کو سورۂ مزمل کا جز بنایا گیا۔

اٰياتها ۲۰ — # سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ — رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ
تَرْتِيْلًا ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ﴿۶﴾ اِنَّ لَكَ فِي
النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ﴿۷﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ﴿۸﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿۹﴾ وَاصْبِرْ عَلٰي مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ
وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ﴿۱۲﴾ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ
وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰي
فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ فَعَصٰي فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا
يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ﴿۱۷﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ
ع اتَّخَذَ اِلٰي رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ کے لیے ہے۔

اے اوڑھ لپیٹ کر بیٹھنے والے رات کو (نماز میں) کھڑے رہو، مگر تھوڑا۔[1] آدھی رات یا اس سے کچھ کم کرلو یا اس پر کچھ بڑھا دو،[2] اور قرآن کو خوب ٹھیر ٹھیر کر پڑھو۔[3] اس لیے کہ عنقریب ہم تم پر ایک بھاری بات کا بوجھ ڈالیں گے۔[4] اس میں شبہ نہیں کہ یہ رات کا اٹھنا دل کی مضبوطی اور بات کی درستی کے لیے بہت خوب ہے۔[5] اس لیے کہ دن میں تو (دعوت کے کام کی وجہ سے) تمھیں بہت مصروفیت رہے گی۔ اپنے رب کے نام کا ذکر کرو اور (رات کی تنہائی میں) سب سے کٹ کر اُسی کے ہو رہو۔ وہ مشرق ومغرب کا مالک ہے۔ اُس کے سوا

کوئی معبود نہیں۔ اس لیے اُسی کو اپنا کارساز بناؤ اور یہ (تیرے مخالفین) جو کچھ کہتے ہیں، اُس پر صبر کرو اور اِن کو نہایت بھلے طریقے سے نظر انداز کردو۔[6] اِن جھٹلانے والے خوش حال لوگوں[7] کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو۔ اِن کو بس ذرا سی مہلت دو۔ بے شک، اِن کے لیے ہمارے پاس بھاری بیڑیاں، آگ کا ڈھیر، گلے میں پھنستا ہوا کھانا اور دردناک عذاب ہے۔ یہ اُس دن ہوگا جب زمین اور پہاڑ لرز اُٹھیں گے اور پہاڑوں کا حال یہ ہوگا کہ گویا ریت کے ٹیلے ہیں جو بکھر رہے ہیں۔

(اے قریشِ مکہ،) تمھاری طرف ہم نے اُسی طرح یہ رسول تم پر گواہ بنا کر بھیجا ہے، جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔[8] پھر جب فرعون نے اُس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اُس کو ایک بڑی سزا میں پکڑا۔ اس لیے اگر تم بھی نہیں مانو گے تو اُس دن سے کیسے بچ جاؤ گے جو بچوں کو بوڑھا کردے گا اور جس کے بوجھ سے آسمان پھٹا جارہا ہوگا؟ اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر ہی رہنا ہے۔ بلا شبہ یہ ایک نصیحت ہے، اس لیے اب جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کی طرف جانے کا راستہ اختیار کرے۔ ۱-۱۹

[۱] جب انسان پر غور و فکر اور غم کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے تو وہ کچھ دیر کے لیے چادر لپیٹ کر اپنے ماحول سے کنارہ کش ہوجاتا ہے۔ چادر اہلِ عرب کے لباس کا ایک اہم جز تھی اور حضورؐ بھی اپنے ساتھ چادر رکھتے تھے۔ حضورؐ جہاں ایک طرف دعوتِ حق پھیلانے کا کام کرتے تھے، وہاں دوسری طرف آپؐ بسا اوقات اپنے ماحول سے کنارہ کش ہو کر اپنے باطن میں غوطہ زن ہوجاتے تھے۔ یہ پیغمبر کے لیے خالق سے راز و نیاز اور ذکر و تسبیح کا وقت ہوتا ہے۔ اسی لیے حضورؐ کو اس لفظ کے ساتھ مخاطب کیا گیا۔

[۲] حضورؐ پر تہجد کی نماز لازم تھی۔ آگے کی آیات میں اس کی وجہ بھی بیان کردی گئی ہے۔

[۳] حضورؐ ہمیشہ انتہائی خوب صورت طریقے سے اور ٹھیر ٹھیر کر قرآن پڑھتے اور ہر آیت پر کچھ دیر کے لیے رکتے۔ سب اہلِ ایمان کو اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت کرنی چاہیے۔

[۴] وہ بھاری بوجھ یہ تھا کہ آپؐ کو اگلی سورت میں یہ ہدایت دی گئی کہ اب سب خاص و عام کو دین کی دعوت پہنچائی جائے۔

[۵] 'اشد وطأ' کے معنی ہیں قدم اچھی طرح جمنا، یعنی تہجد کی نماز سے اسلام پر ایمان مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جاتا ہے۔ بات کی درستی کا مطلب یہ ہے کہ تہجد کی نماز قرآن مجید کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے نہایت موزوں ہے۔

[۶] یعنی صبر و استقامت کے ساتھ دعوت کا کام کرتے رہو اور ان مخالفین کے پروپیگنڈے کی طرف کوئی دھیان نہ دو۔

[۷] حضورؐ کو جھٹلانے میں مال دار سرداران قریش پیش پیش تھے۔ ان کی یہ ساری مال و دولت بیت اللہ کی وجہ سے تھی۔ بجائے اس کے کہ یہ لوگ توحید کا پیغام قبول کرتے، ان لوگوں نے یہ سوچا کہ اس پیغام کی کامیابی سے ان کی مذہبی دکان داری کا خاتمہ ہوجائے گا۔

[۸] جس قوم میں رسول کو بھیجا جائے، اس قوم کے لیے دنیا میں صرف دو ہی راستے بچتے ہیں۔ اگر وہ رسول کی بات مان لیتی ہے تو اس پر اللہ کی طرف سے اسی دنیا میں نعمتیں نازل ہوتی ہیں اور اگر وہ رسول کو جھٹلادے تو اس کو اللہ کی طرف سے اسی دنیا میں سزا ملتی ہے۔ چنانچہ حضورؐ کے مخاطبین سے یہ کہا گیا کہ ان کے لیے بھی اسی طرح آزمائش کا دور شروع ہوگیا ہے جیسا فرعون اور اس کے ساتھیوں کے لیے حضرت موسیٰؑ کے آنے کی شکل میں شروع ہوا تھا۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ

يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ

مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ

مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع

(اے نبیؐ،) بے شک تمھارا پروردگار اِس بات سے واقف ہے کہ تم کبھی دو تہائی رات کے قریب، کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات، (اللہ کے حضور میں) کھڑے رہتے ہو، اور تمھارے ساتھیوں میں سے کچھ لوگ بھی (ایسا ہی کرتے ہیں)[9]۔ اللہ ہی، (لوگوں کی ضروریات کے لحاظ سے،) رات اور دن کا حساب ٹھیراتا ہے[10]۔ اُس نے جان لیا کہ تم لوگ اِسے نباہ نہ سکو گے، اس لیے اُس نے تم پر مہربانی فرمائی۔ چنانچہ اب قرآن میں سے جتنا آسانی کے ساتھ ممکن ہو، (اس نماز میں) پڑھ لیا کرو[11]۔ اللہ کے علم میں ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ بیمار بھی ہوں گے، وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ کے فضل کی طلب میں (یعنی روزگار کی تلاش میں) سفر کرتے ہیں اور وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ اِس لیے، جتنا آسانی سے ممکن ہو، اس میں سے پڑھ لیا کرو۔ نماز کا اہتمام رکھو، زکوٰۃ دیتے رہو اور (دین وملت کی ضرورتوں کے لیے) اللہ کو قرض دو، اچھا قرض[12]، اس لیے کہ جو کچھ بھلائی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے، اُسے اللہ کے ہاں اُس سے بہتر اور ثواب میں برتر پاؤ گے۔ اللہ سے معافی مانگتے رہو۔ بے شک، اللہ بڑا ہی بخشنے والا ہے، اُس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے[13]۔ ۲۰

[۹] جیسا کہ معلوم ہے کہ یہ آیت اس سے پہلے کی آیات کے کئی برس بعد مدینے میں نازل ہوئی۔ اس میں اللہ نے حضورؐ کو شاباش دی اور اس کے ساتھ ساتھ ان صحابۂ کرامؓ کی تعریف بھی فرمائی جنھوں نے آپؐ کے اتباع کے شوق میں اس حکم کی پابندی اپنے اوپر لازم کر لی۔

[۱۰] یعنی یہ طریقہ اللہ ہی کا بنایا ہوا ہے کہ شب وروز میں انسان کو آرام کرنے کی ضرورت بھی ہوتی ہے اور اسے کئی دوسری ضروریات کا خیال بھی کرنا ہوتا ہے۔

[۱۱] چونکہ حضورؐ راتوں کو ایک لمبے وقت کے لیے تہجد کی نماز میں کھڑے رہتے تھے، اس لیے اس سے اہل ایمان میں یہ تاثر فطری تھا کہ اگر وہ تہجد کی نعمت سے بہرہ ور ہونا چاہتے ہیں تو ان کو اتنے ہی لمبے وقت کے لیے رات کو تہجد میں کھڑا رہنا ہوگا۔ چنانچہ اللہ نے عام مسلمانوں کے لیے تخفیف یعنی رعایت کی یہ آیت نازل کی اور ارشاد فرمایا کہ جب ایک صاحب ایمان تہجد کی نفل نماز کے لیے کچھ دیر کے لیے بھی کھڑا ہو جاتا ہے اور اس میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا

ہے، تو اس کو اجر مل جاتا ہے۔

[۱۲] اس دنیا میں انسان کی طرف سے نیکی کے ہر کام کو اللہ اپنا کام قرار دیتا ہے، اس لیے جب انسان نیکی کے کسی کام میں اپنا مال خرچ کرتا ہے تو اللہ اسے اپنے ذمہ ایک قرض قرار دیتا ہے۔

[۱۳] اگر انسان اللہ کے سامنے مسلسل بغاوت اور سرکشی کا رویہ اختیار نہ کرے تو اللہ کی طرف سے اس کے لیے مغفرت اور رحمت کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ اسی آیت پر اس سورہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

سورۂ مدثر

[۷۴]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے، جس سے اس سورہ کا نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کا مرکزی مضمون حضورؐ کے لیے اپنی قوم کو دین حق کی دعوت دینے کی ذمہ داری کی وضاحت کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس منصب کے تقاضے اور حدود بھی آپؐ کو بتا دیے گئے ہیں۔ اس سورہ کا ایک اہم مضمون روز قیامت کے متعلق لوگوں کو خبردار کرنا ہے۔ اس سورہ کی دوسری آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سورہ کے ذریعے سے آپؐ کو حکم دیا گیا کہ اب آپؐ عام لوگوں تک بھی دین کی دعوت پہنچانا شروع کیجیے۔ حضورؐ کی مکی زندگی کے اس دور کو ہم 'مرحلۂ انذارِ عام' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

قرآن مجید کے ساتویں گروپ میں یہ سورہ آٹھویں نمبر پر ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی سات سورتیں اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں۔ قرآن مجید کے بقیہ تمام گروپوں میں سورتیں نزولی ترتیب کے لحاظ سے جمع کی گئی ہیں، چنانچہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ساتویں گروپ میں بھی سورتیں نزولی ترتیب کے لحاظ سے جمع کی گئی ہوں گی۔ اگر سورۂ مدثر اور اس سے پہلے سورتوں کے مضامین کا بغور جائزہ لیا جائے تو اس سے بھی یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ تاہم کچھ روایات کے مطابق اس سورہ کی پہلی سات آیات یا تو اولین وحی میں نازل ہوئیں یا دوسری وحی میں ان کا نزول ہوا۔ ان روایات پر بحث ان شاء اللہ سورۂ علق میں ہوگی۔

ایاتہا ۵۶ | سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتہا ۲

سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿۳﴾ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿۴﴾ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴿۵﴾ وَلَا تَمْنُنْ
تَسْتَكْثِرُ ﴿۶﴾ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿۷﴾ فَاِذَا نُقِرَ فِى النَّاقُوْرِ ﴿۸﴾ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ﴿۹﴾ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ
غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴿۱۰﴾ ذَرْنِىْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾
وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾
اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾
ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

اے اوڑھ لپیٹ کر بیٹھنے والے[1] اٹھو اور سب لوگوں کو خبردار کرنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ،[2] اپنے پروردگار ہی کی بڑائی بیان کرو، اپنے دامنِ دل کو پاک رکھو،[3] (شرک کی) گندگی سے دور رہو، اپنی کوشش کو زیادہ خیال کر کے منقطع نہ کر بیٹھو[4] اور اپنے پروردگار کے فیصلے کے انتظار میں صبر سے کام لو۔

پس جب صور پھونکا جائے گا تو وہ دن بڑا ہی سخت ہوگا۔ اِن منکرینِ حق کے لیے آسان نہ ہوگا۔ چھوڑ دو مجھے اور اُس کو،[5] جسے میں نے تنہا پیدا کیا، جگہ جگہ پھیلا ہوا بہت سا مال اُس کو بخشا، حاضر رہنے والے بیٹے دیے اور اُس کے لیے (دنیا میں عزت وشرف کی) خوب راہ ہموار کردی۔ پھر وہ توقع رکھتا ہے کہ میں اُس کو (روزِ قیامت) اور زیادہ دوں گا۔[6] ہرگز نہیں، وہ تو ہماری آیتوں کا دشمن نکلا۔ بہت جلد میں اُسے ایک سخت چڑھائی چڑھاؤں گا۔[7] اِس (مجرم) نے سوچا اور بات بنائی تو اِس پر خدا کی مار، اِس نے کیا بات بنائی۔ پھر اِس پر خدا کی مار، اِس نے کیا بات بنائی! ـــــ پھر (اِدھر اُدھر) دیکھا، پھر پیشانی سکیڑی، منہ بنایا، پھر پلٹا اور تکبر کیا، پھر بولا: ''یہ تو محض (زبان

وبیان کی) جادوگری ہے جو پہلے سے چلی آرہی ہے۔ یہ تو محض انسان کا کلام ہے۔"[8] ___ عنقریب میں اِس (مجرم) کو دوزخ میں ڈالوں گا۔ ۱-۲۶

[۱] 'دثار' اس چادر کو کہتے ہیں جو سونے کے لیے اوڑھی جاتی ہے۔ یہ ویسا ہی طرز کلام ہے جیسا پچھلی سورہ میں ارشاد ہوا۔

[۲] پچھلی سورہ کی آیت نمبر ۵ میں یہ کہا گیا تھا کہ عنقریب ہم تم پر ایک بھاری ذمہ داری ڈالنے والے ہیں۔ اب یہاں اس ذمہ داری کو بیان کیا گیا ہے۔ 'انذار عام' کا مطلب یہ ہے کہ اب اپنے گردوپیش کے سب لوگوں کو روز قیامت سے خبردار کرو اور ان کو دین کی دعوت پہنچاؤ۔

[۳] 'ثیاب' کے معنی کپڑے کے ہیں۔ گویا اس آیت کا لفظی ترجمہ 'اپنے کپڑے پاک رکھو' ہے۔ مفتی محمد شفیع اور مولانا مودودی نے اس آیت کا یہی لفظی ترجمہ کیا ہے۔ تاہم کلام عرب میں اسے محاورے کے طور پر 'دامن دل' یا 'دامن کو صاف رکھنے' کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ کئی اکابر مفسرین مثلاً ابن عباس، عطاء، مجاہد، قتادہ اور حسن بصری نے اس آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ اردو میں بھی ایسا ہی محاورہ مستعمل ہے۔ اس لیے مولانا اصلاحی نے اس کا درج بالا ترجمہ کیا ہے، یعنی اپنے دامن کو شرک اور ہر گناہ کی گندگی سے پاک رکھو۔

[۴] اس آیت کے ترجمے میں بھی اختلاف ہے۔ مفتی محمد شفیع نے اس کا ترجمہ کیا ہے: "ایسا نہ کر کہ احسان کرے اور بدلہ بہت چاہے"۔ مولانا مودودی نے یہ ترجمہ کیا ہے: "اور احسان نہ کرو زیادہ حاصل کرنے کے لیے"۔ اگرچہ آیت کے الفاظ سے یہ مطلب نکالا جا سکتا ہے، لیکن مولانا اصلاحی نے اس پر یہ تنقید کی ہے کہ اس سیاق وسباق (Context) میں اس ہدایت کا کوئی موقع نہیں ہے۔ لفظ 'تستکثر' کے معنی زیادہ چاہنے کے ساتھ ساتھ زیادہ سمجھ لینے اور زیادہ خیال کرنے کے بھی ہیں، اس لیے مولانا اصلاحی نے اس ترجمے کو ترجیح دی ہے جسے ہم نے اوپر درج کیا ہے۔

[۵] لفظ 'مَن' واحد اور جمع، دونوں کے لیے آتا ہے۔ گویا یہاں سے آگے جس شخص پر تنقید ہے، وہ کسی ایک فرد پر تنقید نہیں، بلکہ قریش کے ہر سردار پر یہ تصویر پوری آتی تھی۔ عام طور پر مفسرین نے اس سے مراد ولید بن مغیرہ نامی ایک سردار لیا ہے، لیکن مولانا اصلاحی کے نقطۂ نظر کے مطابق اس سے ولید بن مغیرہ کے ساتھ ساتھ قریش کے سب سردار مراد ہیں۔

[۶] قریش کے سبھی لیڈر یہ کہتے تھے کہ جب ہمیں اللہ نے اس دنیا میں سب کچھ دیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اللہ پسند کرتا ہے اور اگر کوئی آخرت ہوئی بھی تو وہاں بھی ہمیں سب کچھ ملے گا۔

[۷] یہاں سے آگے کی آیات میں سرداران قریش کی اس دشمنی کی تصویر ہے، جب ان کی رعایا نے ان سے قرآن مجید کے متعلق ان کی رائے پوچھی تو انھوں نے یہ متکبرانہ انداز اختیار کیا۔

[۸] یعنی یہ ٹھیک ہے کہ اس کلام میں جادو کی سی تاثیر ہے، لیکن ہم اسے اللہ کی طرف سے نازل کردہ کلام ماننے سے انکار کرتے ہیں، یہ بہرحال انسان ہی کا کلام ہے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِىْ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ وَمَا جَعَلْنَا
اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ص وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ لا وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ
مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ط كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ط وَمَا
ع يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ط وَمَا هِىَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾ ع

اور تم کیا جانو کہ وہ دوزخ کیا ہے! وہ نہ ترس کھائے گی، نہ چھوڑے گی۔ کھال جھلس دینے والی۔ اُس پر اُنیس (کارکن) مقرر ہیں۔[9] اِس دوزخ پر ہم نے فرشتوں ہی کو (بطور کارکن) مقرر کیا ہے[10] اور اُن کی یہ تعداد اسی لیے بیان کی ہے کہ

- o اِسے منکرینِ حق کے لیے ایک آزمایش بنادیں۔[11]
- o اہلِ کتاب کو اِس سے یقین حاصل ہو۔[12]
- o اور اہلِ ایمان کا ایمان بڑھے۔[13] اور اِس تعداد کے بارے میں نہ اہلِ کتاب کسی شک میں پڑیں اور نہ اہلِ ایمان۔
- o وہ لوگ جن کے دلوں میں (حسد کا) روگ ہے، اور منکرینِ حق یہ کہیں کہ بھلا اللہ کا اس بات سے کیا مطلب ہوسکتا ہے۔[14]

اسی طرح اللہ (اپنے قانون کے مطابق) جسے چاہتا ہے، گمراہ کردیتا ہے اور جسے چاہتا ہے، ہدایت بخش دیتا ہے۔[15] تیرے رب کے لشکروں (کی اصل حقیقت) کو خود اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔[16] یہ (دوزخ کے حالات) تو لوگوں کے لیے محض ایک نصیحت ہیں۔[17]
۲۷-۳۱

[۹] چونکہ یہ بات بالکل واضح تھی کہ مخاطبین کی طرف سے دوزخ کے انتظام پر مقرر فرشتوں کی اس تعداد کے بارے میں ایک ردِعمل ہوگا، اس لیے قرآن مجید نے پیشگی طور پر ان کا ردِعمل بیان کردیا۔

[۱۰] یعنی یہ کارکن فرشتے ہیں جو اپنی ذمہ داری پوری دیانت داری کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کے کسی حکم کی کبھی خلاف ورزی نہیں کرتے، اس لیے یہ ممکن نہیں کہ یہ فرشتے مجرموں سے کوئی ساز باز کرلیں۔

[۱۱] یعنی بظاہر تو اس بات کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ دوزخ کے کارکنوں کی تعداد بیان کی جاتی، لیکن ہم نے یہ تعداد اس لیے بیان کردی کہ یہ ہر اس شخص کے لیے فتنہ بن جائے جو اپنے اندر کوئی مخالفت چھپائے بیٹھا ہو۔ قرآن مجید نے جہنم میں زقّوم کے درخت کے ذکر کے موقع پر بھی یہی کہا۔ اسی طرح حضورؐ

نے معراج کے جو مشاہدات بیان فرمائے، مخالفین نے ان کو موضوع بحث بنا کر طرح طرح سے حضورؐ کا مذاق اڑایا۔

[۱۲] اس سے سچے اہل کتاب کا یہ یقین محکم ہوگا کہ یہ شخص لازماً پیغمبر ہے، اسی لیے اس پر جو بھی وحی آتی ہے، وہ بغیر کسی کمی بیشی اور ملامت کے خوف کے بیان کر دیتا ہے۔

[۱۳] اس سے اہل ایمان یہ جان جاتے ہیں کہ اللہ کے ہاں قیامت کے دن خالص انصاف ہوگا اور اللہ کی افواج نے سب منکرین حق کو اپنے گھیرے میں لیا ہوگا۔

[۱۴] یہود کو بنی اسماعیل اور حضورؐ سے بہت حسد تھا، وہ اور مشرک سرداران قریش بھی یہ بات سن کر ناک بھوں چڑھائیں گے اور متکبرانہ انداز میں کہیں گے کہ (نعوذ باللہ) اس طرح کی لایعنی باتیں اللہ کی طرف سے نازل کردہ وحی میں شامل نہیں ہوسکتیں۔

[۱۵] یعنی جو لوگ بھی کسی بات کے مثبت پہلو کی طرف توجہ دیتے ہیں اور سنجیدہ غور و فکر کرتے ہیں، ان کو ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ نفسانی خواہشات، انانیت اور تکبر کے باعث ہر بات کو منفی پہلو کی طرف لے جاتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے اس طرح کی بات ایک امتحان اور آزمائش بن جاتی ہے اور وہ مزید گمراہ ہو جاتے ہیں۔

[۱۶] اللہ ہی جانتا ہے کہ اس کی افواج کتنی ہیں، کس یونٹ میں کتنی صلاحیتیں ہیں، کون سی رجمنٹ کس اسلحہ سے لیس ہے اور کون اور کتنے افسر کس محاذ پر مامور ہیں۔ ان باتوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ اللہ انسانوں کو جتنی باتوں سے آگاہ کرے، ہمیں چاہیے کہ ان کی قدر کریں اور اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ ہم کائنات کے سب بھیدوں کو جانتے ہیں یا اپنے علم و عقل سے جان سکتے ہیں۔

[۱۷] یعنی یہ محض قصے کہانیاں نہیں ہیں، بلکہ قرآن میں قیامت کا یہ تذکرہ بار بار اس وجہ سے کیا جا رہا ہے کہ لوگ اس سے یاددہانی حاصل کریں۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِيرًا
لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ أَنْ يَّتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿۳۷﴾ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿۳۸﴾ إِلَّا أَصْحٰبَ
الْيَمِينِ ﴿۳۹﴾ فِي جَنّٰتٍ يَتَسَآءَلُونَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مع
مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَآئِضِينَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ
بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰى أَتٰنَا الْيَقِينُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِينَ ﴿۴۸﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ
مُعْرِضِينَ ﴿۴۹﴾ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُّؤْتٰى

عند المتقدمین ط

صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٥٣﴾ؕ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾ؕ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿٥٥﴾ؕ وَمَا
ع يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾

(یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی۔) ہرگز نہیں، چاند گواہی دیتا ہے، رات بھی گواہی دیتی ہے جب وہ پیٹھ پھیر لیتی ہے اور صبح بھی گواہی دیتی ہے جب وہ روشن ہوجاتی ہے کہ قیامت کی یہ سرگزشت اُن بڑے واقعات میں سے ہے جو انسان کی نصیحت کے لیے سنائی گئی ہے۔[18] ہر اُس شخص کے لیے جو چاہے کہ آگے بڑھے یا پیچھے رہ جائے۔[19]

(اُس دن) ہر شخص اپنے عمل کے بدلے گروی رکھا گیا ہوگا[20] دائیں بازو والوں کے سوا، وہ جنتوں میں ہوں گے، اِن مجرموں کے بارے میں (اِن سے) پوچھ رہے ہوں گے: ''تمھیں کیا چیز دوزخ میں لے آئی؟'' وہ کہیں گے: ''ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے، غریبوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے، حق کے خلاف باتیں بنانے والوں کے ساتھ مل کر ہم بھی حق کے خلاف باتیں بناتے تھے اور قیامت کے دن کو جھوٹ قرار دیتے تھے، یہاں تک کہ یقین کی یہ گھڑی آ گئی۔''[21]

(اُس وقت اِن کے) اِن شفاعت کرنے والوں کی شفاعت اِن کو کچھ نفع نہ دے گی۔[22] اِن لوگوں کو، (اِن مشرکین کو) کیا ہوگیا ہے کہ اِس نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں، گویا بدکے ہوئے گدھے ہیں جو شیر سے ڈر کر بھاگ پڑے۔[23] بلکہ اِن میں سے تو ہر شخص (غرور کے مارے) یہ چاہتا ہے کہ (اِس پیغمبر کے بجائے) اُسے کھلے ہوئے صحیفے پکڑا دیے جائیں۔[24] ہرگز نہیں، اصل بات یہ ہے کہ یہ آخرت کا خوف نہیں رکھتے۔ ہرگز نہیں، (اِن کا یہ مطالبہ ہرگز پورا نہیں کیا جائے گا،) یہ قرآن تو یقیناً ایک نصیحت ہے۔ اب جس کا جی چاہے اِس سے نصیحت حاصل کرے۔ — اور یہ نصیحت حاصل نہیں کرتے، مگر یہ کہ اللہ ہی (اپنے قانون کے مطابق) یہ چاہے۔[25] نصیحت حاصل کرنے والا شخص ہی اہلِ تقویٰ ہے اور وہی اس کا مستحق ہے کہ اُس کا پروردگار اُسے بخش دے۔[26] ۳۲-۵۶

[۱۸] جس طرح چاند سب مراحل طے کر کے چودھویں کا چاند بن جاتا ہے اور جس طرح رات آہستہ آہستہ ختم ہوجاتی ہے اور صبح طلوع ہوجاتی ہے، بالکل اسی طرح دنیا کا یہ سفر بھی آہستہ آہستہ ختم ہوجائے گا اور قیامت اپنے سب مرحلے طے کر کے ظاہر ہوجائے گی۔

[۱۹] یعنی قیامت کی یہ سرگزشت ہر اس شخص کے لیے ہے جو چاہے کہ اس بات کو مان کر دین کے راستے پر آگے بڑھے یا اس کو رد کر کے پیچھے ہٹ جائے۔

[۲۰] یعنی ہر شخص اپنے اعمال کے ساتھ بندھا ہوا ہوگا۔ اس دن اس کا عمل ہی اس کو چھڑائے گا یا اسے ہلاک کرے گا۔

[۲۱] یہاں چار باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جن میں سے دو عقیدے سے تعلق رکھتی ہیں اور دو عمل سے۔ جس طرح حق کی مخالفت اور آخرت کا انکار بہت بڑا جرم ہے، اسی طرح نماز سے غافل ہونا اور غریبوں کی مدد نہ کرنا بھی بہت بڑا جرم ہے۔

[۲۲] یہ عربی زبان کا ایک اسلوب ہے۔یعنی وہاں نہ ان کی شفاعت کرنے والے ہوں گے اور نہ ان کی شفاعت موجود ہوگی۔

[۲۳] یہ بھی عربی زبان کا ایک محاورہ ہے اور اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی چیز سے بالکل ہی دور بھاگنے لگے۔

[۲۴] مشرک سرداران قریش اپنے غرور کے مارے مسلسل یہ مطالبہ کرتے تھے کہ ہم تو اس وقت تک توحید پر ایمان نہ لائیں گے، جب تک ہمیں بھی وحی اس طرح نہ ملے، جس طرح حضورؐ کو ملی ہے۔

[۲۵] یعنی اللہ ان مشرکین کو بزور ایمان قبول کرنے پر مجبور نہیں کرے گا، بلکہ ان میں سے جو شخص اس پیغام پر سنجیدگی سے غور وفکر کرے گا اور نصیحت قبول کرنا چاہے گا، تو اللہ اسے نصیحت قبول کرنے کی توفیق دے دے گا۔

[۲۶] ہم نے متن میں مولانا اصلاحی کا ترجمہ اختیار کیا ہے۔دوسرے مفسرین نے اس سے مختلف ترجمہ کیا ہے۔ان کے مطابق آیت کے اس ٹکڑے کا ترجمہ یہ ہے: ''اللہ ہی ہے جس سے ڈرنا چاہیے اور وہی بخشنے کے لائق ہے''۔

اس آیت پر اس سورہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

سورۂ قیامۃ

[۷۵]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے۔ نیز اس سورہ میں قیامت ہی پر بحث کی گئی ہے۔ گویا یہ اس سورہ کا صرف نام ہی نہیں ہے، بلکہ عنوان بھی ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

مکی دور کے مرحلۂ انذار عام میں نازل شدہ اس سورہ میں انسان کے ضمیر کو قیامت کی شہادت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حضورؐ کو قرآن مجید کے نزول سے متعلق چند اہم باتیں بھی ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

ایاتہا ۴۰ | سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتہا ۲

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴿۱﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿۲﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴿۳﴾
بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ﴿۵﴾ يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ﴿۶﴾
فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿۷﴾ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿۸﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿۹﴾ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿۱۰﴾
كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ نِ الْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴿۱۳﴾ بَلِ الْاِنْسَانُ
عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴿۱۵﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

(یہ منکرین سمجھتے ہیں کہ قیامت نہ ہوگی،) نہیں[1] میں قیامت کے دن ہی کو گواہی میں پیش کروں گا۔ —— نہیں، میں ملامت کرنے والے نفس ہی کو گواہی میں پیش کرتا ہوں[2] کیا (آخرت کو جھٹلانے والا) انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم اِس کی ہڈیوں کو جمع نہ کرسکیں گے؟ کیوں نہیں؟ ہم تو اِس کی انگلیوں کی پور پور تک درست بنانے پر قادر ہیں۔ مگر یہ انسان اپنے (ضمیر کے) سامنے شرارت کرنا چاہتا ہے[3]۔ پوچھتا ہے: ''قیامت کب آئے گی؟''

لیکن اُس وقت جب آنکھیں پتھرا جائیں گی، چاند بے نور ہو جائے گا اور سورج اور چاند اکٹھے کر دیے جائیں گے تو یہی انسان کہے گا کہ اب کہاں بھاگ کر جاؤں۔ —— ہرگز نہیں، اب کوئی پناہ کی جگہ نہیں۔ اُس دن تیرے رب ہی کے سامنے ٹھیرنا ہوگا۔ اُس دن انسان کو بتا دیا جائے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا ہے اور پیچھے کیا چھوڑا ہے۔ —— بلکہ یہ انسان خود اپنے اوپر گواہ ہے، اگرچہ کتنے ہی بہانے بنائے[4] ۱-۱۵

[1] یہ قرآن مجید کا انتہائی خوب صورت اسلوب ہے جس میں 'نہیں' کے لفظ کے ذریعے سے خود بخود یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کس چیز کی تردید مقصود ہے۔

[۲] جب قرآن مجید کسی چیز پر قسم کھاتا ہے تو اس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ اس چیز کو گواہی کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ یہاں انسان کے نفس ملامت گر یعنی اس کے ضمیر کو گواہی میں پیش کیا گیا ہے۔ دنیا میں انسانوں کے اندر بے شمار نیکیوں کے نیکی ہونے پر اتفاق ہے، اسی طرح بے شمار برائیوں کے برائی ہونے پر بھی اتفاق ہے۔ انھی نیکیوں کو 'معروف' اور ان برائیوں کو 'منکر' بھی کہا گیا ہے۔ جب کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے یا چوری کرتا ہے تو خود اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہے کہ یہ غلط کام ہے۔ جب انسان کے اندر برائی پر خبردار کرنے والا ایک ذہن کا گوشہ موجود ہے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان کوئی غیر ذمہ دار ہستی نہیں ہے۔ جب وہ غیر ذمہ دار ہستی نہیں ہے، تو یہ لازم ہے کہ اس سے باز پرس ہو۔ یہی حساب کتاب ہے جس کے لیے اللہ نے قیامت کا دن مقرر کر رکھا ہے۔

[۳] یعنی ایک غلط کار انسان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنے ضمیر کو سلائے رکھے، لیکن اس کا ضمیر خود اس کی تردید کرتا ہے۔

[۴] ایک برا انسان اپنے ضمیر کو یہ کہہ کر اپنے جرائم کی توجیہ پیش کرتا ہے کہ اس کی کچھ مجبوریاں، مصلحتیں اور ضرورتیں ہیں جن کی وجہ سے وہ یہ غلط کام کر رہا ہے، لیکن اس کا ضمیر جانتا ہے کہ یہ سب بہانے بازیاں ہیں۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ
عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا
نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾
ع ۱۷ وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾
فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ اَوْلٰى لَكَ
فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ
يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ
ع ۱۸ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾

(اے نبیؐ،) [۵] اِس قرآن کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو اِس پر جلدی حرکت نہ دو۔ اِس کو جمع کرنا اور سنانا، یہ سب ہماری ہی ذمہ داری ہے۔ [۶] اس لیے جب ہم اِس کو پڑھ چکیں تو اِس قراءت کی پیروی کرو۔ [۷] پھر ہمارے ہی ذمہ ہے کہ ہم اِس کی

وضاحت کردیں۔[8]

(اے منکرینِ آخرت، تم قیامت کونہیں جھٹلا سکتے،) ہرگز نہیں، اصل بات یہ ہے کہ تم اِس جلدی حاصل ہونے والی چیز (یعنی دنیا) ہی سے محبت کرتے ہو، اور آخرت کو نظر انداز کیے ہوئے ہو۔ (لیکن وہ قیامت اِس طرح آئے گی کہ) کتنے ہی چہرے اُس دن تروتازہ ہوں گے، اپنے پروردگار کی رحمت کے منتظر، اور کتنے ہی چہرے اُس دن اداس ہوں گے، اِس اندیشے سے کہ اُن پر وہ ٹوٹنے والی ہے جو کمر توڑ ڈالے گی۔

(تم روزِ قیامت کونہیں جھٹلا سکتے،) ہرگز نہیں، اُس دن جب جان حلق میں آ پھنسے گی اور کہا جائے گا کہ اب کوئی ہے جو جھاڑ پھونک کرے۔[9] وہ (مرنے والا) سمجھ لے گا کہ اب چل چلاؤ کا وقت ہے اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ جائے گی[10]، وہ دن تیرے رب کی طرف جانے کا دن ہوگا۔

مگر اس (غلط کار انسان) نے نہ تو (آخرت کو) سچ مانا، نہ نماز پڑھی، بلکہ جھٹلایا، منہ موڑا اور پھر اَکڑتا ہوا اپنے لوگوں کی طرف چل دیا۔ افسوس ہے، تجھ پر افسوس ہے۔ پھر افسوس ہے، تجھ پر افسوس ہے۔

کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا وہ پانی کی ایک بوند نہ تھا جو ٹپکا دی جاتی ہے؟ پھر وہ ایک لوتھڑا بنا، پھر اُس (کے پروردگار نے) اُسے بنایا، سنوارا اور پھر اُس سے جوڑے بنائے، نر اور مادہ۔ کیا اُس اللہ کو اِس بات پر قدرت نہیں کہ وہ مُردوں کو زندہ کردے؟[11] ۱۶-۴۰

[۵] یہ درمیان میں ایک جملۂ معترضہ ہے جو آیت ۱۶ سے آیت ۱۹ تک ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اس سے ملتی جلتی بات سورۂ طٰہٰ اور سورۂ اعلیٰ میں بھی کہی گئی ہے۔ حضورؐ کا شوق و اضطراب اور بے قراری یہ تھی کہ پورا قرآن آپؐ کو جلد سے جلد حاصل ہو جائے۔ لیکن پروردگار کی طرف سے آپؐ کو صبر و انتظار کی تلقین کی گئی۔ مخالفین کے مقابلے کے لیے حضورؐ کے پاس واحد سہارا وحی الٰہی کا تھا، چنانچہ جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ پر بے قراری کی ایک کیفیت طاری ہو جاتی۔ اس کی ایک ناقص مثال یہ ہے کہ ایک بچہ بھوکا ہو اور ماں اس کو چھاتی سے لگا لے تو وہ چاہتا ہے کہ ماں کی چھاتی کا سارا دودھ ایک ہی سانس میں پی جائے۔ یا ایک فراق زدہ شخص کو جدائی کی کٹھن گھڑیاں گزارنے کے بعد نامۂ محبوب مل جائے تو وہ چاہتا ہے کہ ایک ہی نظر میں اس کا ہر ہر حرف پڑھ ڈالے۔ موقع کی مناسبت سے حضورؐ کو یہ یقین بھی دلایا گیا کہ قرآن کی حفاظت، جمع و ترتیب، قراءت اور اس کے جو مقامات وضاحت کا تقاضا کرتے ہیں، یہ سب اللہ کی ذمہ داری ہے اور یہ سب کام اپنے وقت پر لازماً انجام پا جائیں گے۔

[۶] اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب اللہ کے حکم سے ہوئی اور اس نئی ترتیب کے مطابق قرآن مجید کو جمع کر کے آپؐ کی

زندگی ہی میں آپؐ کو سنا دیا گیا تھا۔

[۷] یعنی جب قرآن مجید کا نزول پورا ہو جائے گا تو اللہ کی طرف سے اس کی سورتوں کو جو نئی ترتیب دی جائے گی، آیندہ کے لیے اسی ترتیب اور اسی قراءت کی پیروی کی جائے۔

[۸] قرآن مجید میں کئی آیات ایسی ہیں جو کسی سابق حکم کی شرح و وضاحت کے لیے نازل ہوئیں۔ ان آیات کے ساتھ بالعموم 'کذالك یبین اللّٰه' یا اس کے ہم معنی الفاظ موجود ہوتے ہیں۔ یہ اسی وعدے کے مطابق ہیں جس کا ذکر ان آیات میں ہوا ہے۔

درج بالا آیات محض ایک جملۂ معترضہ ہی نہیں ہیں، بلکہ ان میں ہمارے لیے بھی غور و فکر کا بڑا مواد موجود ہے۔ اس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کو ایک پوری اسکیم کے ساتھ نازل کیا گیا۔ اس کی سابقہ ترتیب حضورؐ کے زمانے میں تشکیل امت کے حوالے سے کچھ اور تھی، اور چونکہ دین کی تکمیل کے بعد اب قیامت تک کے لیے تعمیر امت کا مرحلہ جاری رہنا تھا، اس لیے اللہ کے حکم سے اس کو ایک نئی ترتیب دی گئی اور یہ حکم دیا گیا کہ اب ہمیشہ کے لیے اس ترتیب کی پیروی کرنی ہے۔

قرآن مجید کے نزول کی تکمیل سے بہت پہلے مکی دور میں، جب کہ اس دعوت کی کامیابی کا دور دور تک کوئی نشان نہ تھا، اللہ کی طرف سے غیر مبہم الفاظ میں یہ پیشین گوئی کی گئی کہ یہ سب مراحل طے ہوں گے اور اس کا ظہور اللہ کے ذمے ہے۔

[۹] جب مریض کے تیماردار ہر طرف سے مایوس ہو جاتے ہیں تو وہ سوچتے ہیں کہ چلیے کسی جھاڑ پھونک کرنے والے ہی کو بلاتے ہیں۔ یہ اس اعتراف کا اظہار ہوتا ہے کہ بس اب معاملہ آخر ہو چکا۔ اب کون شفا دے سکتا ہے۔

[۱۰] ایک صحت مند اور طاقت ور انسان اپنی پنڈلیوں سے گھومنے پھرنے کا کام لیتا ہے، لیکن جب موت کی بے بسی آتی ہے تو پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جاتی ہے، چلنا پھرنا تو در کنار، انسان اپنی ایک پنڈلی کے اوپر سے دوسری پنڈلی کو ہٹا بھی نہیں سکتا۔

[۱۱] اس سبق آموز سورہ کی ابتدا قیامت کے مضمون پر ہوئی تھی اور اس کا اختتام بھی قیامت ہی کے مضمون پر ہو رہا ہے۔

سورۂ دہر

[۷۶]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے جس سے یہ نام اخذ کیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

حضورؐ پر مکی دور کے مرحلۂ انذار عام میں نازل شدہ اس سورہ میں بھی قیامت کا مضمون نمایاں ہے۔ اس میں خصوصی طور پر ان نعمتوں کا بیان ہے جو اہل جنت کو دی جائیں گی۔ گویا اس سورہ میں بشارت کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔

آیاتہا ۳۱

سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَدَنِيَّةٌ

رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ﴿١﴾ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ
اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿٢﴾ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴿٣﴾ اِنَّا اَعْتَدْنَا
لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاۡ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ﴿٤﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ﴿٥﴾ عَيْنًا
يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ﴿٦﴾ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ﴿٧﴾
وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ﴿٨﴾ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ
جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴿٩﴾ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ﴿١٠﴾ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ
نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴿١١﴾ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴿١٢﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا
شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿١٣﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿١٤﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ
وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَاۡ ﴿١٥﴾ قَوَارِيْرَاۡ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿١٦﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

کیا انسان پر زمانے میں وہ وقت بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابلِ ذکر چیز ہی نہ تھا؟ یہ واقعہ ہے کہ ہم نے اِس انسان کو پانی کی ایک ملی جلی بوند سے پیدا کیا ہے، ہم (ماں کے پیٹ میں) اِس کو اُلٹتے پلٹتے رہے، یہاں تک کہ ہم نے اس کو دیکھنے والا اور سننے والا بنا دیا۔ ہم نے اِسے (خیر وشر کا) راستہ دکھا دیا، اب وہ چاہے شکر کرے یا حق کا انکار کرے۔

حق کا انکار کرنے والوں کے لیے ہم نے زنجیریں، طوق اور دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ (اس کے برعکس) وفادار بندے،

البتہ شراب کے جام پئیں گے جس میں کافور کے پانی کی آمیزش ہوگی۔ (یہ آبِ کافور) ایک چشمہ ہے، جس کے پاس اللہ کے یہ بندے پئیں گے اور جس طرف چاہیں گے، آسانی کے ساتھ اِس کی شاخیں نکال لیں گے۔[۲] یہ (وہ وفادار بندے تھے جو) اپنی نذریں پوری کرتے رہے[۳] اور اُس دن سے ڈرتے رہے جس کی دہشت ہر چیز کو گھیرے میں لیے ہوگی۔ یہ غریب، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے رہے، اِس کے باوجود کہ خود اُس کے ضرورت مند تھے[۴] (وہ بزبانِ حال اِن غریبوں سے کہتے ہیں): ''ہم تمھیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں، نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکر گزاری کی توقع رکھتے ہیں[۵]۔ ہم اپنے پروردگار کی طرف سے اُس دن کا اندیشہ رکھتے ہیں جو نہایت روکھا پھیکا اور ترش مزاج ہے۔''

پس اللہ نے اُنھیں اُس دن کی مصیبت سے بچالیا اور تازگی اور سرور سے اُنھیں لا ملایا۔ اُنھوں نے (دنیا میں) جو صبر کیا، اُس کے بدلے میں اُنھیں بہشت اور ریشمی لباس عطا فرمایا۔ وہ اُس بہشت میں تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ نہ اُنھیں دھوپ کی گرمی ستائے گی، نہ سرما کی شدت ہوگی۔ اُس کے درختوں کے سایے اُن پر جھکے ہوئے ہوں گے اور اُن (درختوں کے پھلوں) کے خوشے بالکل اُن کی دسترس میں ہوں گے۔ اُن کے سامنے چاندی کے برتن اور شیشے کے پیالے گردش میں ہوں گے۔ یہ شیشے بھی چاندی کے ہوں گے جنھیں اُنھوں نے، (اُن کے خادموں نے) نہایت ٹھیک اندازوں کے ساتھ سجایا ہوگا۔ ۱-۱۶

[۱] ادبی کلام میں ایسا سوالیہ انداز اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جب ایک بات بالکل واضح ہو، لیکن سننے والا اس سے منہ موڑ رہا ہو۔

[۲] گویا کافور سے مراد یہاں وہ چیز نہیں جسے ہم دنیا میں کافور کے نام سے جانتے ہیں، بلکہ یہ جنت کے ایک چشمے کا نام ہے۔ لیکن اس چشمے کو یہ نام کیوں دیا گیا، یہ امور متشابہات میں سے ہے، جس کی حقیقت ہم یہاں نہیں سمجھ سکتے۔

[۳] نذر سے مراد نیکی اور خیر کے وہ نفل کام ہیں جنھیں کوئی انسان اپنی مرضی سے اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے اور پھر انھیں پورے اہتمام کے ساتھ ادا کرتا ہے۔

[۴] اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت مندوں کی مدد ایک بڑی نیکی ہے جس کو ادا کر کے ایک شخص جنت کا مستحق بن جاتا ہے۔ غریبوں اور یتیموں کے تذکرے کو تو ہر شخص سمجھتا ہے، جہاں تک قیدیوں کا تعلق ہے تو آج بھی دنیا میں بے شمار ایسے قیدی ہیں جو جرم بے گناہی کی سزا کاٹ رہے ہیں۔ ایسے لوگ خود بھی ضرورت مند ہوتے ہیں اور ان کے اہل و عیال بھی ضرورت مند ہوتے ہیں۔

[۵] گویا جب انسان کسی کی مدد کرے تو نہ بدلے کے لیے کرے، نہ کسی سے شکر گزاری کی توقع رکھے۔

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ﴿۱۷﴾ عَيْنًا فِيهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيلًا ﴿۱۸﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ

وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ﴿۲۰﴾

عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۡ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾ اِنَّ هٰذَا

ع ۲۲/۱۹ كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾ ع اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ ۚ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ

رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ ۚ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾ ۖ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ

وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ

وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ

سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ ۖ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ

ع ۲/۱۰ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾ ع

(اِس کے علاوہ) وہاں اُنھیں وہ شراب بھی پلائی جائے گی جس میں زنجبیل کے پانی کی آمیزش ہوگی۔ یہ بھی اُس (جنت) میں ایک چشمہ ہے جسے سلسبیل کہا جاتا ہے[6]۔ اُن کی خدمت میں وہ لڑکے دوڑتے پھرتے ہوں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔ تم اُن کو دیکھو گے تو یہی خیال کرو گے کہ موتی ہیں، جو بکھیر دیے گئے ہیں۔ اور دیکھو گے تو جہاں بھی دیکھو گے، وہاں بڑی نعمت، بڑی بادشاہی دیکھو گے۔ اُن (اہلِ جنت) کی اوپر کی پوشاک ہی سبز ریشم اور دیبا واطلس کی ہوگی۔ اُن کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے[7]، (اور پھر وہ ایسے مقام پر پہنچیں گے جہاں) اُن کا پروردگار انھیں شرابِ طہور پلائے گا[8]۔ بے شک یہ تمھارے عمل کی جزا ہے اور (تمھیں مبارک ہو کہ) تمھاری سعی وکوشش قابلِ قدر ٹھیری۔

(اے نبیؐ،) اِس قرآن کو ہم نے ہی تم پر نہایت اہتمام کے ساتھ نازل کیا ہے۔ اس لیے تم اپنے پروردگار کے فیصلے کے انتظار میں صبر کرتے رہو[9]، اور اِن (مخالفین) میں سے کسی (بندوں کے حقوق تلف کرنے والے) گناہ گار اور (اللہ کے حقوق ادا نہ کرنے والے) ناشکرے[10] کی بات کا دھیان نہ کرو[11]۔ صبح وشام اپنے رب کا نام یاد کرو، رات میں اُس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ اور بڑی رات تک اس کی

تسبیح کرتے رہو۔

یقیناً یہ لوگ، (یہ منکرینِ حق) صرف دنیا ہی کی زندگی[۱۲] سے محبت کرتے ہیں اور اپنے آگے آنے والے بھاری دن کو نظر انداز کررہے

ہیں۔ (حالانکہ) ہم ہی نے اِن کو پیدا کیا، اِن کے جوڑ بند مضبوط کیے اور ہم جب چاہیں گے، اِنھیں بالکل ٹھیک اِنھی کی طرح بدل دیں

گے۔[۱۳]

یہ (قرآن) تو ایک نصیحت ہے، پس جس کا جی چاہے، اپنے رب کی راہ اختیار کرے۔ اور تم نہیں چاہتے، (اے لوگو،) مگر یہ کہ اللہ ہی

(اپنے قانون کے مطابق) یہ چاہے۔[۱۴] بے شک، اللہ کامل علم والا ہے، بڑا صاحبِ حکمت ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے، (اپنے اسی علم و حکمت

کی بنا پر) اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے۔ جہاں تک اِن ظالموں، (اِن مشرکین)، کا تعلق ہے تو اِن کے لیے اللہ نے بڑا دردناک

عذاب تیار کر رکھا ہے۔[۱۵] ۱۷-۳۱

[۶] 'زنجبیل' کے معنی ادرک ہیں اور 'سلسبیل' کے معنی رواں دواں کے ہیں۔ ان کی اصل حقیقت ہم پر قیامت ہی میں واضح ہوگی۔

[۷] قرآن مجید میں دوسری جگہ سونے کے کنگنوں کا ذکر ہے۔ گویا بعض موقعوں پر انھیں سونے اور بعض موقعوں پر چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

[۸] یعنی اہل جنت چشمۂ کافور اور چشمۂ زنجبیل سے آگے درجہ بدرجہ قرب الٰہی کی منزلیں طے کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچیں گے، جہاں خود ان کا پروردگار انھیں پاکیزہ ترین شراب پلائے گا۔

[۹] یعنی جب قرآن مجید کا انتہائی اہتمام کے ساتھ نزول ہماری ذمہ داری ہے تو اس کے مخالفین سے نمٹنے کی ذمہ داری بھی ہمارے اوپر ہے۔ تم بس انتہائی صبر کے ساتھ اپنا کام جاری رکھو۔

[۱۰] 'اثماً' کے معنی ہیں وہ گناہ گار جو بندوں کے حقوق تلف کرنے والا ہو۔ 'کفوراً' کے معنی ہیں وہ ناشکرا جو اللہ کے حقوق ادا نہ کرتا ہو۔

[۱۱] 'اطاعۃ' کے معنی دھیان کرنے اور پروا کرنے کے بھی ہیں۔ فقرے کی مناسبت سے اس آیت میں اس لفظ کے یہی معنی ہیں۔

[۱۲] 'عاجلۃ' کے لفظی معنی ہیں جلدی حاصل ہونے والی چیز۔ اس سے دنیا مراد ہے۔

[۱۳] یعنی قیامت کے دن ان کے جوڑ بند پھر اسی طرح درست کردیں گے جس طرح وہ اس دنیا میں ہیں۔

[۱۴] یہ اللہ کے اسی قانون کی طرف اشارہ ہے کہ وہ صرف ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے جو اپنے آپ کو اس کے مستحق بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ گمراہی میں صرف انھی لوگوں کو مبتلا کرتا ہے جو خود گمراہی کے راستے پر چلنا چاہتے ہیں۔

[۱۵] اس سورہ کی ابتدا آخرت کے تذکرے سے ہوئی تھی اور اس کی تکمیل بھی آخرت کی سرگزشت پر ہو رہی ہے۔

سورۂ مرسلٰت

[۷۷]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے جس سے سورہ کا نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

حضورؐ پر مکی دور کے مرحلۂ انذار عام میں نازل ہونے والی اس سورہ میں مختلف دلائل کے ذریعے سے قیامت کو ثابت کیا گیا ہے۔ اس سورہ میں ایک آیت 'ویل یومئذٍ للمکذبین' (تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے) دس بار آئی ہے۔ گویا اس سورہ میں خطاب بالعموم ان ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں سے ہے جو ایک واضح حقیقت کو محض تکبر اور انانیت کی بنا پر جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایاتھا ۵۰ — # سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ — رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿۱﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ﴿۳﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ
ذِكْرًا ﴿۵﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ﴿۶﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿۸﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿۹﴾
وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا
يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾
كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ
فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد و حساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

گواہی دیتی ہیں یہ ہوائیں[۱] جن کی باگ چھوڑ دی جاتی ہے اور پھر وہ اندھادھند غبار اڑاتی ہیں[۲]۔

گواہی دیتی ہیں وہ ہوائیں (بھی) جو (بادلوں کو) اٹھا کر پھیلاتی ہیں[۳]، پھر الگ الگ معاملہ کرتی ہیں[۴]، پھر (دلوں میں) نصیحت ڈالتی ہیں[۵]، (کسی پر) دلیل پوری کرنے کے لیے اور (کسی کو) خبردار کرنے کے لیے[۶]۔

(یہ دونوں قسم کی ہوائیں گواہی دیتی ہیں کہ) بے شک جس چیز (یعنی قیامت) کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے، وہ آ کر رہے گی۔

پس (یہ وہی دن ہوگا) جب ستارے مٹا دیے جائیں گے، آسمان پھٹ جائے گا، پہاڑ اُڑائے جائیں گے اور رسولوں کے لیے حاضری کا وقت آ پہنچے گا[۷]۔

(اے لوگو، کیا تم جانتے ہو کہ) اُن رسولوں کو کس دن کے لیے دیر ہوئی؟ — اِسی فیصلے کے دن کے لیے — اور تمھیں کیا خبر کہ یہ فیصلے کا دن کیا ہے[۸]؟ تباہی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔

ہم نے اَگلوں کو ہلاک نہیں کیا؟ پھر کیا اُن کے پیچھے ہم اُن کے پچھلوں کو نہیں لگاتے رہے؟ ـــــ ہم مجرموں کے ساتھ یہی معاملہ کرتے ہیں۹۔ تباہی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔

کیا ہم نے ایک حقیر پانی سے تم کو پیدا نہیں کیا؟ پھر ہم نے اُس پانی کو ایک مقرر وقت تک ایک محفوظ جگہ میں رکھا ہم نے اِس طرح۱۰ (اُس پانی کو) ٹھیرایا، اور ہم کیا ہی خوب ٹھیرانے والے ہیں ـ تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔ ۱-۲۴

[۱] یہاں بھی قسم گواہی کے معنوں میں آیا ہے۔ آگے کی سات آیات میں قیامت کے ثبوت کے طور پر پانچ چیزوں کو پیش کیا گیا ہے۔ ان پانچ چیزوں کے تعین میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہوا ہے۔ کچھ مفسرین کے نزدیک پانچوں سے مراد فرشتے ہیں۔ مفتی محمد شفیع کے نزدیک شروع کی تین چیزوں سے مراد ہوائیں ہیں اور آخری دو صفات فرشتوں کی ہیں۔ مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کے مطابق یہ پانچوں صفات ہواؤں کی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پانچوں صفات کا ذکر ایک ہی سلسلۂ کلام میں کیا گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قیامت پر دلیل ہواؤں ہی کی لائی جاسکتی ہے، فرشتوں کی نہیں۔ اس لیے کہ فرشتے بھی اسی طرح کی ایک غیر محسوس چیز ہیں جس طرح قیامت کا واقعہ اس وقت ہمارے لیے غیر محسوس ہے۔

[۲] 'مرسلات' کے معنی چھوڑی ہوئی کے ہیں۔ 'عرف' گھوڑوں کی پیشانی پر لٹکے ہوئے بالوں کو کہتے ہیں۔ ان بالوں کو پکڑ کر گھوڑوں کو روکا جاسکتا ہے، اور ان کو چھوڑ کر انھیں تیز رفتاری کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ گویا یہ ہوائیں خود مختار نہیں ہیں۔ ان کی پیشانی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جب چاہتا ہے، انھیں روک لیتا ہے اور جب چاہتا ہے، چھوڑ دیتا ہے۔ یہاں ان ہواؤں کا بیان ہے جو طوفان بن کر مصیبت بن جاتی ہیں۔

[۳] یہ ہواؤں کی دوسری قسم ہے جو رحمت کے بادل اٹھا کر لاتی ہیں اور پھر انھیں فضا میں پھیلا دیتی ہیں۔

[۴] یعنی کسی جگہ بارش برسا دیتی ہیں اور کسی دوسری جگہ کو پیاسا چھوڑ جاتی ہیں۔

[۵] بادلوں کا یہ انتظام ہر شخص کے دل میں اللہ کے اختیار کی یاددہانی ڈالتا ہے۔ پیاسی زمین پر رہنے والا انسان اللہ سے بارش کی دعا مانگتا ہے اور جہاں بارش کی وجہ سے سیلاب آجاتا ہے، وہاں لوگ اس کے بند ہونے کی دعا مانگتے ہیں۔

[۶] 'عذراً' کے معنی یہ ہیں کہ اگر یہ دلائل اور نصیحت نہ مانی گئی تو پھر ذمہ داری انھی لوگوں کی ہوگی اور یہ قیامت کے دن اپنی گمراہی کے لیے کوئی عذر پیش نہ کرسکیں گے۔

'نذراً' کے یہ معنی ہیں کہ یہ ہوائیں ان لوگوں کے لیے اللہ کی طرف رجوع کا سبب بن جاتی ہیں جو یاددہانی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

[۷] قیامت کے دن رسولوں کی یہ حاضری اس مقصد کے لیے ہوگی کہ وہ اپنی قوموں کے سامنے بتائیں کہ انذار کی جو ذمہ داری انھیں سونپی گئی تھی، اس پر ان کی قوم کی طرف سے ان کو کیا جواب ملا۔

[۸] قرآن مجید میں یہ اسلوب، بالعموم، کسی چیز کی ہیبت اور عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے آتا ہے۔

[۹] ان تین آیات میں ان قوموں کی تاریخ کو بطور دلیل پیش کیا گیا ہے جو رسولوں کو جھٹلانے کے نتیجے میں ہلاک کر دی گئیں۔

[10] 'قرار' سے مراد یہاں رحم مادر ہے۔ 'مکین' سے مراد ایسی جگہ ہے جو خطرات اور اندیشوں سے محفوظ ہو۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿٢٥﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿٢٦﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً
فُرَاتًا ﴿٢٧﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ
ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿٣٠﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿٣١﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿٣٢﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ
صُفْرٌ ﴿٣٣﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٤﴾ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿٣٦﴾
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٧﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٨﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ
فَكِيْدُوْنِ ﴿٣٩﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٠﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٤١﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا
يَشْتَهُوْنَ ﴿٤٢﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَيْلٌ
يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٥﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاِذَا قِيْلَ
لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٩﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٠﴾

کیا اس زمین کو ہم نے اکٹھا کر لینے والی نہیں بنایا، زندوں کے لیے بھی اور مُردوں کے لیے بھی؟[11] اِس میں اونچے پہاڑ نہیں جمائے اور (اِن کے اندر سے چشمے نکال کر) تم کو میٹھا پانی نہیں پلایا؟ — تباہی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔

(قیامت کے دن، منکرینِ حق سے کہا جائے گا): اب چلو، اُس چیز کی طرف، جس کو تم جھٹلاتے رہے۔ چلو اُس (دھوئیں کے) سایے کی طرف جس کی تین شاخیں ہیں[12]۔ اِس میں نہ ٹھنڈک ہے، نہ یہ آگ کے شعلوں سے بچاتا ہے۔ وہ آگ محل جیسے بڑے شعلے پھینکتی ہے۔ (اُس کا رنگ) زرد اونٹوں کی طرح (ہے)[13] — تباہی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔

یہ وہ دن ہے جس میں یہ (منکرینِ حق) کچھ بول نہ سکیں گے، اور نہ اُنھیں اجازت ہوگی کہ (اللہ کے سامنے آئیں تو) وہ کوئی عذر پیش کر رہے ہوں[14]۔ تباہی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔

یہ ہے فیصلے کا دن۔ ہم نے تم کو اور تم سے پہلے سب لوگوں کو جمع کر دیا۔ اب اگر کوئی چال تم چل سکتے ہو تو میرے مقابلے میں چل دیکھو۔ تباہی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔

بے شک (اُس دن) اللہ سے ڈرنے والے سایوں اور چشموں اور اپنی چاہت کے میووں میں گھرے ہوں گے۔ کھاؤ اور پیو، بڑی سازگاری میں، اپنے اُس عمل کے صلے میں جو تم کرتے رہے۔ ہم اُن لوگوں کو اِسی طرح جزا دیتے ہیں، جو خوبی سے عمل کریں۔ (اِس کے برعکس) تباہی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔

تم بھی کچھ دن کھا لو اور مزے کر لو۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ تم مجرم ہو۔ تباہی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔

جب اِن سے کہا جاتا ہے کہ (اپنے پروردگار کے حضور میں) جھک جاؤ تو نہیں جھکتے۔ تباہی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔

(اِن مجرموں نے اِس قرآن کو جھٹلا دیا) تو اِس کے بعد وہ کیا بات ہے، جسے یہ مانیں گے؟[۱۵] ۲۵-۵۰

[۱۱] اس زمین نے زندوں اور مردوں، سب کو اپنی آغوش میں لیا ہوا ہے۔ چنانچہ اس کا پروردگار جب اسے حکم دے گا کہ اپنی امانت نکال کر لائے تو یہ فوراً اس حکم کی تعمیل کرے گی۔

[۱۲] جب پیچھے سے فرشتے مجرموں کو دھکیلیں گے تو آگے تینوں سمتوں یعنی دائیں، بائیں اور سامنے ان کے لیے دھواں ہی دھواں ہوگا۔ تین شاخوں سے مراد یہی تین سمتیں ہیں۔

[۱۳] شعلوں کو محلوں سے یہ تشبیہ ان کی چمک، بلندی اور ان کے رنگ کے لحاظ سے دی گئی ہے۔ ان شعلوں میں سے بعض ایسے زردی مائل بھی ہوں گے جیسے ملگجے زرد رنگ کے اونٹ اچھل کود کر رہے ہوں۔

[۱۴] روزِ قیامت، بدترین مجرموں کے منہ پر مہر کر دی جائے گی اور ان کے تمام اعضا کو بولنے کی صلاحیت دے دی جائے گی، جو ان کے تمام جرائم کی گواہی دیں گے۔

[۱۵] یعنی جو بڑی سے بڑی چیز انسان کو حق و باطل کا فرق سمجھانے والی اور ہدایت کا راستہ دکھانے والی ہو سکتی تھی، وہ قرآن کی صورت میں نازل کر دی گئی ہے۔ اب اگر اس کو سن کر یا پڑھ کر بھی کوئی شخص ایمان نہیں لاتا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے حق کی طرف سے آنکھیں بالکل بند کی ہوئی ہیں۔

اسی آیت پر اس سورہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

سورۂ نبا

[۷۸]

نام

اس سورہ کی دوسری آیت میں یہ لفظ آیا ہے جس سے اس سورہ کا نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کا مرکزی مضمون قیامت کا اثبات اور اس کو ماننے یا نہ ماننے کے نتائج سے لوگوں کو خبردار کرنا ہے۔ یہ بھی حضورؐ پر مکی دور کے مرحلۂ انذار عام میں نازل ہوئی۔

ركوعاتها ٢ | اٰياتها ٤٠

سُورَةُ النَّبَإِ مَكِّيَّةٌ

[پارہ نمبر 30]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١﴾ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ﴿٢﴾ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ﴿٣﴾ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿٤﴾ ثُمَّ
كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿٥﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ﴿٦﴾ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ﴿٧﴾ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ﴿٨﴾ وَّجَعَلْنَا
نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿٩﴾ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ﴿١٠﴾ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿١١﴾ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿١٢﴾
وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿١٣﴾ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿١٤﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿١٥﴾ وَّجَنّٰتٍ
اَلْفَافًا ﴿١٦﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿١٧﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿١٨﴾ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ
فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿١٩﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿٢٢﴾
لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿٢٣﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿٢٤﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿٢٥﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٦﴾
اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿٢٩﴾ فَذُوْقُوْا
ع فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿٣١﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿٣٣﴾
وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿٣٥﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾ رَبِّ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿٣٧﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا

لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ
اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ ۖ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِىْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد و حساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

(اے نبیؐ،) یہ لوگ کس چیز کے بارے میں پوچھ رہے ہیں[1]؟ کیا اُس بڑی خبر کے بارے میں، جس کے متعلق اِن میں سے ہر ایک اپنی سی کہہ رہا ہے؟ (یہ لوگ قیامت کے دن کا انکار کر رہے ہیں)، ہرگز نہیں[2]، یہ لوگ عنقریب جان لیں گے۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ ہرگز نہیں، یہ عنقریب جان لیں گے۔

کیا ہم نے اِس زمین کو گہوارہ نہیں بنایا، اور پہاڑوں کو (اِس کی) میخیں نہیں بنایا[3]؟ کیا ہم نے تم کو جوڑوں کی صورت میں پیدا نہیں کیا؟ کیا ہم نے تمھاری نیند کو سکون کا باعث نہیں بنایا[4]؟ کیا ہم نے رات کو لباس[5] اور دن کو کمائی کے لیے جدوجہد کا وقت نہیں بنایا؟ کیا ہم نے تمھارے اوپر سات مضبوط (آسمان) نہیں بنائے؟ کیا ہم نے ایک دہکتا چراغ (یہ سورج) نہیں بنایا؟ کیا ہم نے پانی سے لبریز بادلوں سے موسلا دھار بارش نہیں برسائی کہ اِس سے اناج، سبزہ اور گھنے باغ اگائیں؟ —— (یہ سب کچھ اِس حقیقت کو واضح کر رہا ہے کہ) بے شک، فیصلے کے دن کا وقت مقرر ہے[6]۔

وہ دن، جس میں صور پھونکا جائے گا تو تم سب فوج درفوج آؤ گے، اور آسمان کھول دیا جائے گا تو اُس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے، اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ بالکل ایک سراب، (ایک دھوکا) بن کر رہ جائیں گے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ جہنم گھات میں ہے، سرکشوں کا ٹھکانا ہے، اِس میں وہ مُدتوں پڑے رہیں گے۔ اِس کے اندر وہ کسی ٹھنڈک اور پینے کے قابل کسی چیز کا مزہ نہ چکھیں گے، بس گرم پانی اور زخموں کا دھوون ہوگا۔ اِن کے عمل کے مطابق، اِن کا بدلہ۔ یہ کسی حساب کی توقع نہ رکھتے تھے۔ ہماری آیتوں کو انھوں نے بے دریغ جھٹلا دیا تھا، اور (اِدھر اِن کی) ہر چیز ہم نے لکھ کر گن رکھی تھی۔ پس (اے منکرینِ حق،) چکھو، اب ہم تمھارے لیے عذاب ہی بڑھائیں گے۔

البتہ تقویٰ والوں کے لیے (اُس دن) بڑی کامیابی ہے۔ باغ اور انگور، اُٹھتی جوانیوں والی ہم سِنیں[7] اور چھلکتے جام۔ وہاں وہ کوئی بے ہودہ بات، کوئی بہتان نہ سنیں گے[8]۔ یہ تیرے پروردگار کی طرف سے بدلہ ہوگا، بالکل اُن کے عمل کے حساب سے۔ آسمان و زمین اور اُن کے درمیان کی ہر چیز کے پروردگار، خداے رحمان کی طرف سے، —— کسی کی ہمت نہیں کہ اُس کی طرف سے کوئی بات

کرے۔

اُس دن، جب فرشتے اور جبریل امین صف بستہ کھڑے ہوں گے، صرف وہی بول سکیں گے جنھیں رحمان اجازت دے اور وہ بالکل ٹھیک بات کہیں گے۔ وہ دن لازماً آ کر رہے گا، اس لیے اب جو چاہے، اپنے پروردگار کی طرف ٹھکانا بنا لے۔ ہم نے تمھیں اُس عذاب سے آگاہ کر دیا، جو قریب آلگا ہے، اُس دن جب آدمی وہ سب کچھ دیکھ لے گا جو اُس نے آگے بھیجا اور منکرِ حق پکار اٹھے گا کہ اے کاش، میں مٹی ہوتا!۔ ۳۸-۴۰

[۱] محاورے کے لحاظ سے اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ کس چیز کا مذاق اڑا رہے ہیں اور اس کے بارے میں کرید کرید کر پوچھ رہے ہیں۔ جب حضور قرآن کی زبانی آخرت کا حال بتاتے تھے تو مخالفین انکار اور مذاق کے لہجے میں اس کے متعلق سوالات پوچھتے تھے۔

[۲] یعنی آخرت کے متعلق جو باتیں یہ لوگ بنا رہے ہیں، سب غلط ہیں۔ جو کچھ انھوں نے سمجھ رکھا ہے، وہ ہرگز صحیح نہیں ہے۔

[۳] پہاڑوں کی وجہ سے ہی زمین اپنی موجودہ شکل پر قائم ہے۔

[۴] 'سباتا' کے اصل معنی کاٹنے کے ہیں۔ نیند عمل کو کاٹتی ہے اور اس طرح انسان کو راحت اور سکون پہنچاتی ہے۔

[۵] رات ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو لباس کی طرح، ہر چیز سے محفوظ کر کے، اپنے اندر چھپا لیتی ہے۔

[۶] یعنی یہ تمام نعمتیں اور اس کے ساتھ انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی اس بات پر واضح دلیل ہیں کہ فیصلے کا ایک دن مقرر ہے اور اسے مقرر ہونا چاہیے۔

[۷] جنت میں سب مردوں اور عورتوں کو نئے سرے سے بالکل جوان بنایا جائے گا۔

[۸] جنت کی ایک بڑی نعمت یہ بھی ہے کہ وہاں انسان کے کان جھوٹ، غیبت، گالم گلوچ، تہمتوں اور الزام تراشیوں سے محفوظ ہوں گے۔

[۹] مشرکین عرب کا خیال تھا کہ چونکہ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھ کر پوجتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ گزرے ہوئے نیک بندوں کے بت بنا کر ان کو بھی پوجتے ہیں، اس لیے یہ سب قیامت کے دن ان کی سفارش کریں گے۔ یہاں قرآن مجید نے اس تصور کی نفی کی ہے اور کہا ہے کہ اول تو کسی کو سفارش کی ہمت ہی نہیں ہوگی، اور صرف اللہ کی اجازت سے ہی کوئی سفارش ہو سکے گی۔ سفارش کرنے والا بھی صرف سچ بول سکے گا۔

[۱۰] یعنی منکرین حق پر اس دن ایک بڑی مایوسی اور اداسی چھائی ہوگی۔

سورۂ نازعات

[۷۹]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے جس سے سورہ کا نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

مکی دور کے مرحلۂ انذار عام میں نازل ہونے والی اس سورہ کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ قیامت کا دن آ کر رہے گا، چنانچہ اس دن کے لیے تیاری کرنی چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے واقعے کی طرف اشارہ کر کے حضورؐ کے مخاطبین کو خبردار کیا گیا کہ اگر وہ اس دعوت کو جھٹلائیں گے تو ان پر اللہ کی طرف سے، آخرت کے ساتھ ساتھ، دنیا میں بھی سزا نافذ کی جائے گی۔

ركوعاتها ٢ | اٰياتها ٤٦

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿١﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ﴿٢﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ﴿٣﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ﴿٤﴾ فَالْمُدَبِّرٰتِ
اَمْرًا ﴿٥﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿٦﴾ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿٧﴾ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ﴿٨﴾ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿٩﴾
يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ﴿١٠﴾ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿١١﴾ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿١٢﴾ فَاِنَّمَا
هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿١٤﴾ هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿١٥﴾ اِذْ نَادٰهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ
طُوًى ﴿١٦﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿١٧﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰى اَنْ تَزَكّٰى ﴿١٨﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ
فَتَخْشٰى ﴿١٩﴾ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿٢٠﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿٢١﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿٢٢﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿٢٣﴾ فَقَالَ اَنَا
رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿٢٤﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿٢٦﴾ ءَاَنْتُمْ
اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا ﴿٢٨﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ﴿٢٩﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ
ذٰلِكَ دَحٰهَا ﴿٣٠﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا ﴿٣١﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا ﴿٣٢﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾ فَاِذَا
جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿٣٥﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿٣٦﴾ فَاَمَّا
مَنْ طَغٰى ﴿٣٧﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٣٩﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى
النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿٤٠﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٤١﴾ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ﴿٤٢﴾ فِيْمَ اَنْتَ
مِنْ ذِكْرٰهَا ﴿٤٣﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ﴿٤٤﴾ اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ﴿٤٥﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ
يَلْبَثُوْا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴿٤٦﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد و حساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ کے لیے ہے۔

گواہی[۱] دیتی ہیں یہ جڑ سے اکھاڑتی ہوئی (ہوائیں)۔ گواہی دیتی ہیں یہ بہت نرمی سے چلتی ہوئی (ہوائیں)۔ گواہی دیتے ہیں یہ
(ہواؤں کے دوش پر) تیرتے، دوڑتے بادل[۲]، پھر (اس دوڑ میں) ایک دوسرے سے بڑھتے ہوئے[۳] اور پھر حکم کی تدبیر کرتے ہوئے[۴]
(کہ قیامت آ کر رہے گی)۔
اُس دن جب کپکپی[۵] پڑے گی، اِس ایک کے پیچھے دوسرا جھٹکا آئے گا[۶]۔ اُس دن کتنے دل دھڑکتے ہوں گے۔ اُن کی نگاہیں جھکی ہوں
گی۔
(اے نبیؐ)، یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا ہم اِسی طرح پلٹا کر واپس لائے جائیں گے؟ کیا اُس وقت، جب ہم کھوکھلی بوسیدہ ہڈیاں بن
چکے ہوں گے؟ اِنھوں نے (مذاق اڑاتے ہوئے) کہا: ''یہ لوٹنا تو پھر بڑے نقصان کی بات ہوئی''۔
(سن لو)، یہ تو بس ایک ہی ڈانٹ ہوگی، پھر یکایک یہ میدان میں سامنے ہوں گے۔
کیا[۷] تمھیں موسیٰ کی سرگزشت پہنچی ہے؟ جب اُس کے پروردگار نے وادیٔ مقدس طویٰ میں اُسے پکارا: ''تم فرعون کے پاس جاؤ،
وہ بہت سرکش ہوگیا ہے، اور اُس سے کہو کہ کیا تم میں کچھ سُدھرنے کا جذبہ ہے؟ اور کیا میں تم کو تمھارے پروردگار کا راستہ دکھاؤں کہ تم
اُس سے ڈرنے والے بنو؟'' پھر موسیٰؑ نے وہ بڑی نشانی، (وہ عصا کے سانپ بن جانے کی نشانی)، اُسے دکھائی، لیکن اُس نے جھٹلا دیا
اور نہیں مانا۔ پھر (حضرت موسیٰؑ کے خلاف) وہ اپنی سرگرمیوں میں پلٹا۔ پھر (لوگوں کو) اکٹھا کیا اور پکارا: ''تمھارا سب سے بڑا رب تو
میں ہوں[۸]۔'' بالآخر اللہ نے اُسے دنیا اور آخرت، دونوں کے عذاب میں پکڑا۔ اِس واقعے میں بڑی عبرت ہے، اُن لوگوں کے لیے جو
ڈرنے والے ہوں[۹]۔
(غور کرو،) کیا تمھاری (دوبارہ) تخلیق مشکل ہے یا آسمان کی[۱۰]؟ اللہ نے اُس کو بنایا ہے۔ اُس کا گنبد اونچا کیا، پھر اُس کو خوب
درست کیا۔ اِس آسمان کی رات اللہ نے ڈھانک دی[۱۱]، اور اِس کا دن بے نقاب کیا۔ اور (تمھاری یہ) زمین، اِس کے بعد، اِسے بچھایا[۱۲]،
اِس کا پانی اور چارا اِس کے اندر سے نکالا، اور اِس کے پہاڑ اِس میں گاڑے۔ تمھارے اور تمھارے مویشیوں کے لیے زندگی کے سامان
کے طور پر۔
پس جب وہ بڑا ہنگامہ برپا ہوگا تو اُس دن انسان اپنا سب کیا دھرا یاد کرے گا۔ دوزخ اُن لوگوں کے سامنے بے نقاب کر دی جائے گی

جن کو اِس سے دوچار ہونا ہے۔ پھر جو سرکش ہوا اور جس نے دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تو یہ دوزخ ہی اُس کا ٹھکانا ہوگی۔ (اِس کے برعکس)، جو اپنے رب کے حضور میں پیشی سے ڈرا، اور اپنے نفس کو اُس نے بُری خواہشوں کی پیروی سے روکا تو جنت ہی اُس کا ٹھکانا ہے۔

(اے نبیؐ)، یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں: ''آخر وہ گھڑی کب آ کر ٹھیرے گی؟''[13] تمھیں اِس بحث سے کیا تعلق؟ اُس کا علم تو تیرے ربّ ہی کے حوالے ہے۔ تم تو بس اُنھی لوگوں کو خبردار کرنے والے ہو جو اُس سے ڈریں۔ جس دن یہ لوگ اُسے دیکھ لیں گے تو (یہی سمجھیں گے کہ اِس دنیا میں) وہ گویا ایک شام یا اِس کی ایک صبح سے زیادہ نہیں رہے[14] ۴۶-L

[۱] آگے کی پانچ آیات میں کن چیزوں کو گواہی کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اس کے بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے۔ غالب رائے یہ ہے کہ ان سے مراد فرشتے ہیں۔ گویا اس تفسیر کی رو سے ان آیات کا مفہوم یہ ہوگا: ''قسم ہے ان فرشتوں کی جو کافروں کی جان سختی سے نکالتے ہیں اور جو مسلمانوں کی روح آسانی سے نکالتے ہیں، گویا ان کا بند کھول دیتے ہیں اور جو رُوحوں کو لے کر زمین سے آسمان کی طرف اس طرح سرعت و سہولت سے چلتے ہیں جیسے گویا تیرتے ہوئے چلتے ہیں، پھر جب روحوں کو لے کر پہنچتے ہیں تو ان ارواح کے باب میں جو خدا کا حکم ہوتا ہے، اس کے امتثال کے لیے تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں، پھر ان ارواح کے متعلق ثواب کا حکم ہو یا عقاب کا، دونوں امروں میں سے ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں''۔ (معارف القرآن ۶۶۱/۸-۶۶۲)

لیکن مولانا اصلاحی کے نقطۂ نظر کے مطابق ان سے مراد ہوائیں اور بادل ہیں۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ فرشتے بھی اسی طرح ایک غیر محسوس چیز ہیں، جس طرح فی الوقت قیامت ایک غیر محسوس چیز ہے۔ چنانچہ فرشتوں کو قیامت کی گواہی کے لیے پیش نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اہل کفر اور اہل ایمان کی جانوں کو نکالنے کا معاملہ تمام تر ایک روحانی و باطنی کیفیت سے تعلق رکھنے والا معاملہ ہے، جو عام مشاہدے میں آنے والی چیز نہیں ہے، اس لیے اس کو کسی دعوے کی دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ خود قرآن میں سورۂ قمر، آیت ۲۰ میں ہواؤں کے لیے 'تنزع' کا لفظ آیا ہے، چنانچہ یہاں بھی 'نازعات' کا لفظ ہواؤں کے لیے آنا چاہیے۔

[۲] 'سبح' کے معنی تیرنے کے ہیں۔ ہواؤں کے بعد اس کے ذکر سے واضح ہے کہ یہ بادلوں کی صفت ہے۔

[۳] یہ بادلوں کی اس بھاگ دوڑ کی تصویر ہے جو ہم فضا میں عام طور پر دیکھتے ہیں۔

[۴] یعنی کسی زمین کو خشک چھوڑتے ہوئے، کسی جگہ باران رحمت برساتے ہوئے اور کسی جگہ طوفان لاتے ہوئے، یہ بادل اللہ کے حکم کی تدبیر کرتے ہیں۔

[۵] 'راجفة' کے معنی ہیں کپکپی، تھرتھری اور زلزلہ۔

[۶] پہلے جھٹکے سے مراد وہ جھٹکا ہے جو زمین اور اس کی ہر چیز کو تباہ کر دے گا۔ دوسرے جھٹکے سے مراد وہ جھٹکا ہے جس کے بعد تمام مردے زندہ ہو کر زمین

سے نکل آئیں گے۔

[۷] یہاں سے آگے بارہ مختصر آیات میں موسیٰؑ و فرعون کی سرگزشت بیان کی گئی ہے۔ یہ سرگزشت سورۂ طٰہٰ، سورۂ شعراء، سورۂ نمل، سورۂ قصص اور دوسرے مقامات میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔

[۸] یہ فرعون کی اس تقریر کی طرف اشارہ ہے جو سورۂ زخرف میں تفصیل کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔

[۹] اس واقعے میں حضورؐ کے مخاطبین کے لیے یہ سبق تھا کہ اگر انھوں نے اس دعوت کو جھٹلایا تو ان پر آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی سزا نافذ کردی جائے گی۔ اس واقعے میں ہمارے لیے یہ سبق ہے کہ حضورؐ کے ہر مخالف کو دنیا میں بھی اسی طرح سزا ملی، جس طرح فرعون اور اس کے ساتھیوں کو ملی تھی۔ اس اعتبار سے یہ واقعہ ہمارے لیے رسالت محمدیؐ کی حقانیت کا ایک بڑا ثبوت ہے۔

[۱۰] یعنی جس پروردگار کے لیے پوری کائنات کو بنانا کچھ مشکل نہیں، اس کے لیے تم لوگوں کی دوبارہ تخلیق کون سا مشکل کام ہے۔

[۱۱] یعنی کائنات کے اندر پہلے رات ہی رات تھی، کیونکہ وہ ایک دھوئیں کی شکل میں تھی۔ پھر اللہ نے اس کی رات ڈھانک دی۔ اس کے حصہ کی روشنی نمودار کی، اور رات اور دن، دونوں کو ایک نظام کا پابند بنا دیا۔

[۱۲] زمین بچھانے کا مطلب یہ ہے کہ زمین کو زندگی کے لیے بالکل سازگار بنا دیا۔ اس سے پہلے آسمان و زمین وجود میں آچکے تھے اور پوری کائنات کو درست کیا جا چکا تھا۔

[۱۳] 'مرسیٰ' کے لفظی معنی ہیں لنگر انداز ہونا۔ حضورؐ کے مخالفین طنز کر کے یہ پوچھتے تھے کہ جس قیامت کی خبر تم ہر وقت ہمیں سناتے ہو، اس کی کشتی آخر کب ہمارے ساحل پر لنگر انداز ہوگی؟

[۱۴] یعنی قیامت کے مقابلے میں انھیں دنیا کی زندگی بہت چھوٹی معلوم ہوگی۔

سورۂ عبس

[۸۰]

نام

اس سورہ کے پہلے لفظ کو اس کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

حضورؐ پر مکی دور کے ابتدائی زمانے کی نازل شدہ اس سورہ میں ایک خاص واقعے کے حوالے سے ایک اہم اصولی بات ارشاد فرمائی گئی ہے۔اس سورہ میں بھی آخرت کے یقینی ہونے کے دلائل دیے گئے ہیں اور منکرین آخرت کو برے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔

سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ﴿۲﴾ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ﴿۳﴾ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ﴿۴﴾ اَ
مَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ﴿۵﴾ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ﴿۶﴾ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ﴿۸﴾ وَهُوَ يَخْشٰى ﴿۹﴾
فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ﴿۱۰﴾ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ وقف لازم
مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ
نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا
يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ
شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾
مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾
وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ
مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾ ع ۵

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

اِس نے ، (یعنی پیغمبرؐ نے) تیوری چڑھائی اور مُنہ پھیر لیا، اِس بات پر کہ (قریش کے سرداروں کے ساتھ اِس کی مجلس میں) وہ نابینا آ گیا۔[1]

(اے نبیؐ) تمھیں کیا معلوم، شاید وہ اپنی اصلاح کرتا یا وہ نصیحت سنتا، اور یہ نصیحت اُس کے کام آتی۔[2]

(اے نبیؐ) یہ جو بے پروائی برتتے ہیں، اِن کے تو تم پیچھے پڑتے ہو، حالانکہ اگر وہ نہ سُدھریں تو تم پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے[۳]۔ اور جو اپنے شوق سے تمھارے پاس آتا ہے اور (اللہ سے) ڈرتا بھی ہے تو تم اُس سے بے پروائی برتتے ہو۔

ہرگز نہیں (ان کے پیچھے پڑنے کی ہرگز ضرورت نہیں)۔ یہ تو ایک نصیحت ہے تو جس کا جی چاہے، اِس سے یاددہانی حاصل کرے۔ (یہ قرآن) ادب کے لائق، بلند اور پاکیزہ صحیفوں میں درج ہے[۴]، —— بہت معزز، بہت وفادار[۵]، لکھنے والے[۶] فرشتوں کے ہاتھوں میں ہے۔

بُرا ہو انسان کا، یہ کیسا ناشکرا ہے[۷]، (اللہ نے) اسے کس چیز سے بنایا؟ پانی کی ایک بوند سے اِسے تخلیق کیا، پھر اِس کی تقدیر ٹھیرائی[۸]۔ پھر (زندگی کی) راہ اِس کے لیے ہموار کی۔ پھر اِس کو موت دی، پھر قبر میں رکھوایا۔ پھر وہ اللہ، جب چاہے گا، اسے دوبارہ اٹھا کھڑا کرے گا۔

ہرگز نہیں، (یہ ہرگز اِس طرح نہ چھوڑا جائے گا، کیونکہ) اِس کے پروردگار نے اِسے جو حکم دیا تھا، اِس نے اُس کی تعمیل ابھی تک نہیں کی[۹]۔ —— یہ انسان، ذرا اپنا کھانا ہی دیکھ لے کہ ہم نے خوب پانی برسایا۔ پھر زمین کو پھاڑ کر چیرا۔ پھر اِس میں غلّے اُگائے۔ انگور، ترکاریاں، زیتون، کھجور، گھنے باغ، میوے اور تازہ و شاداب سبزہ، تمھارے لیے اور تمھارے مویشیوں کے لیے، زندگی کے سامان کے طور پر۔

آخر کار جب وہ کانوں کو بہرا کر دینے والی آواز بلند ہو گی —— اُس دن آدمی اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ اُس دن ہر شخص کو اپنی اپنی پڑی ہو گی۔ کتنے چہرے اُس دن روشن ہوں گے، (ہنستے ہوئے) ہشاش بشاش۔ اور کتنے چہرے ہوں گے کہ اُن پر اُس دن خاک اُڑتی ہو گی، سیاہی چھا رہی ہو گی۔ یہی منکرِ حق اور نافرمان ہوں گے[۱۰] ۱-۴۲

[۱] پہلے دونوں فقروں میں حضورؐ کا ذکر غائبانہ لہجے میں کیا گیا ہے۔ گویا یہ ایک ایسا کام تھا جو آپؐ کے کرنے کا نہ تھا۔ آپؐ کے اخلاق عالیہ کو جاننے والا اسے دیکھتا تو یہ خیال کرتا کہ یہ آپؐ نہیں ہیں، بلکہ کوئی اور ہے جو اس رویے کا مرتکب ہو رہا ہے۔

روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ 'نابینا' سے مراد یہاں ام المومنین سیدہ خدیجہؓ کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہؓ بن ام مکتوم ہیں۔ ایک دفعہ حضورؐ کے ساتھ ایک مجلس میں سرداران قریش بیٹھے ہوئے تھے اور حضورؐ اُن کو دین کی دعوت دے رہے تھے کہ اچانک عبداللہؓ بن ام مکتوم تشریف لائے۔ غالباً حضورؐ کو یہ اس لیے ناگوار گزرا کہ مبادا قریش کے سردار انھیں دیکھ کر بدک جائیں اور دعوت پہنچانے کا یہ موقع ضائع ہو جائے۔

[۲] یہاں قرآن مجید نے ایک داعی کی اصل ذمہ داری سمجھائی ہے۔ وہ یہ کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ داعی کے اولین مخاطب اپنی قوم کے بااثر لوگ ہوتے

ہیں،لیکن جو بھی فرد آگے بڑھ کر اس دعوت کو قبول کرلے،تو پھر داعی کی اصل ذمہ داری اس فرد کی تربیت بن جاتی ہے۔

اس خاص موقع پر حضورؐ کے طرزِ عمل میں نفس کی کسی خواہش کو کوئی دخل نہیں تھا۔حضورؐ کا خیال یہ تھا کہ میں اس وقت جن لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کر رہا ہوں،ان میں سے کوئی ایک آدمی بھی ہدایت پالے تو اسلام کی تقویت کا بڑا ذریعہ بن سکتا ہے۔لیکن حضورؐ کو اللہ کی طرف سے یہ ہدایت کی گئی کہ آپؐ کی توجہ کے اصل حق دار وہ لوگ ہیں جو سدھرنے اور نصیحت پانے کے لیے آپؐ کی مجلس میں آتے ہیں۔

[۳] یعنی حضورؐ کو توجہ دلائی گئی کہ قریش کے ان سرداروں کے معاملے میں آپؐ نے اپنے اوپر اس سے زیادہ ذمہ داری لے لی ہے،جتنی آپؐ کے پروردگار کی طرف سے آپؐ پر ڈالی گئی ہے۔آپؐ نے ان تک دعوت پہنچادی۔آپؐ کا فرض پورا ہو گیا۔اب ان ناقدروں کے پیچھے،اپنے ساتھیوں کی حق تلفی آپؐ کو نہیں کرنی چاہیے۔

[۴] 'صحف' 'صحیفة' کی جمع ہے۔اس کے معنی ورق کے ہیں۔جب یہ لفظ جمع کی صورت میں ہو تو اس سے مراد کتاب بھی ہوتی ہے۔یہاں اس سے مراد لوح محفوظ ہے۔

[۵] یعنی وہ فرشتے ایسے بلند مرتبہ،معزز اور امانت دار ہیں کہ وہ اس قرآن میں نہ خود کوئی تغیر و تبدل کر سکتے ہیں اور نہ کسی شیطان کو اس کا کوئی موقع دے سکتے ہیں۔

[۶] 'سفرة' 'سافر' کی جمع ہے۔اس کے معنی ہیں لکھنے والا۔

[۷] یعنی وہ انسان جو انکارِ حق اور ناشکری کے راستے پر چلتا ہے۔

[۸] یعنی اس کے لیے وہ قوانین مقرر کیے جس کے تحت وہ دنیا میں زندگی گزارے گا۔

[۹] اللہ نے ہماری فطرت میں توحید کا اعتراف رکھ دیا ہے،پھر اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے بار بار اس کی یاد دہانی کرائی ہے۔اس کے باوجود جب کوئی انسان اللہ کے اس حکم کو پورا نہیں کرتا تو لازم ہے کہ اس سے روزِ قیامت پوچھ گچھ کی جائے۔

[۱۰] وہ لوگ جنھوں نے جان بوجھ کر حق کا انکار کیا اور اللہ کے احکام کے سامنے بغاوت کی،ایسے ہی لوگوں کے چہروں پر خاک اڑ رہی ہوگی اور سیاہی چھا رہی ہوگی۔

سورۂ تکویر

[۸۱]

نام

پہلی ہی آیت کے لفظ 'کورت' سے یہ نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

سابقہ سورتوں کی طرح یہ سورہ بھی حضورؐ کے مکی دور کے مرحلۂ انذار عام میں نازل ہوئی۔ اس سورہ کا مرکزی مضمون قیامت کی ہلچل کے حوالے سے لوگوں کو اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ روز آخرت اس وجہ سے وجود میں آئے گا کہ ہر شخص یہ جان لے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے اور کیا پیچھے چھوڑا ہے۔

سُورَةُ التَّكْوِيرِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿۱﴾ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ﴿۲﴾ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿۳﴾ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿۴﴾
وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ﴿۵﴾ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿۶﴾ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ﴿۷﴾ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ﴿۸﴾
بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ﴿۹﴾ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿۱۰﴾ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ﴿۱۱﴾ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ﴿۱۲﴾ وَإِذَا
الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ﴿۱۳﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ﴿۱۴﴾ فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا
عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿۱۹﴾ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿۲۰﴾
مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ﴿۲۱﴾ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ
بِضَنِينٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ﴿۲۵﴾ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿۲۶﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿۲۷﴾ لِمَنْ
شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَّسْتَقِيمَ ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۹﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا[1]، تارے ماند پڑ جائیں گے[2]، پہاڑ چلائے جائیں گے، دس مہینے کی حاملہ اونٹنیاں اپنے حال پر چھوڑ دی جائیں گی[3]، جب وحشی جانور (اپنی سب دشمنی بھول کر، ایک ہی جگہ) اکٹھے ہو جائیں گے، جب سمندر اُبل پڑیں گے، جب (روزِ قیامت میں) روحیں (اپنے اعمال کے لحاظ سے) جوڑے ہو جائیں گی[4]، جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی[5] جب اعمال نامے کھولے جائیں گے، جب آسمان کی کھال کھینچ لی جائے گی[6]، جب دوزخ دہکائی جائے گی اور جب بہشت قریب لے آئی جائے گی، اُس وقت ہر شخص یہ جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔

پس نہیں، (یہ قرآن ہرگز کسی شیطان کا الہام نہیں ہے،) میں اِن تاروں ہی کو گواہی میں پیش کرتا ہوں جو پلٹتے، چلتے اور چھپ

جاتے ہیں[7]۔ اور رات کو، جب وہ پیچھے ہٹتی ہے، اور صبح کو، جب وہ سانس لیتی ہے — کہ یہ ایک رسولِ کریم، (یعنی جبریلِ امین) کا لایا ہوا کلام ہے[8]، بہت صاحبِ قوت ہے، عرش والے کے ہاں بہت بلند مرتبہ ہے، وہاں اُس کا حکم مانا جاتا ہے، اور اِس پر مزید یہ کہ وہ نہایت امین بھی ہے[9]۔

(اے قریش کے لوگو،) تمھارا یہ ساتھی، (یہ محمدؐ) کوئی مجنون نہیں ہے[10]۔ (واقعہ یہ ہے کہ) اُس نے جبریل امین کو بالکل کھلے اُفق پر دیکھا ہے[11]۔ تمھارا یہ ساتھی غیب کی باتوں پر کبھی حریص نہیں رہا[12]۔ (چنانچہ اِس سے تمھارے سامنے یہ حقیقت واضح ہو جانی چاہیے کہ) یہ کسی شیطانِ مردود[13] کا الہام نہیں ہے۔

پس تم کہاں کھوئے جاتے ہو؟ یہ تو ایک نصیحت ہے، سارے جہان والوں کے لیے۔ اُن کے لیے جو سیدھی راہ پر چلنا چاہیں۔ اور تم نہیں چاہتے، مگر یہ کہ اللہ، جہان کا پروردگار ہی (اپنے قانون کے مطابق) یہ چاہے[14]۔ ۱-۲۹

[۱] 'تکویر' کے معنی کسی شے کو لپیٹ دینے یا ایک گٹھڑی کی صورت میں باندھ لینے کے ہیں۔

[۲] 'انکدار' کے معنی دھندلے ہو جانے اور ماند پڑ جانے کے ہیں۔ یعنی اتنی ہلچل ہوگی کہ لوگوں کو تارے دھندلے نظر آئیں گے۔

[۳] 'عشار' جمع ہے 'عشراء' کی۔ اس سے مراد وہ اونٹنی ہے جو بچہ جننے کے بالکل قریب ہو۔ ایسی اونٹنیاں قدرتی طور پر ان کے مالکوں کو بہت عزیز ہوتی ہیں اور وہ ان کی خاص حفاظت کرتے ہیں۔ گویا قیامت کی افراتفری میں لوگوں کو اپنی عزیز ترین چیزوں کا بھی کچھ ہوش نہ رہے گا۔

[۴] یعنی عقیدہ و عمل کے لحاظ سے لوگ الگ الگ گروہوں میں تقسیم کر دیے جائیں گے۔

[۵] زمانۂ جاہلیت میں بعض وحشی اور سنگ دل باپ اپنی بیٹیوں کو قبروں میں زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اس کی وجہ کبھی تو غربت کا اندیشہ ہوتا تھا، کبھی یہ غیرت کہ کوئی شخص ان کا داماد بنے گا، کبھی یہ خطرہ کہ جنگ میں دشمن انھیں چھین کر لے جائے گا، کبھی یہ احساس کہ لڑکیاں تو کسی خاص کام کی نہیں ہوتیں اور کبھی بتوں کے آستانوں پر ان کے خون کا نذرانہ پیش کیا جاتا تھا۔

قرآن مجید کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے دادرسی کی مستحق وہ معصوم بچیاں ہوں گی، جو ان لوگوں کے ہاتھوں ظلم کا شکار ہوئیں، جنھیں اللہ نے ان کا محافظ بنایا تھا۔

[۶] 'کشط' کے معنی ہیں اونٹ کی کھال کھینچ لینا۔ گویا اس دن آسمان یوں سرخ نظر آئے گا جیسے اونٹ کی کھال کھینچ لینے کے بعد اس کا گوشت سرخ نظر آتا ہے۔

[۷] 'خنس' جمع ہے 'خانس' کی۔ اس کے معنی ہیں آگے بڑھ کر پیچھے پلٹ جانے والے۔

'جواری' کے معنی چلنے والے کے ہیں۔

'کنس' جمع ہے 'کانس' کی۔ اس کا مطلب ہے روپوش ہوجانا۔

جن راستوں پر فرشتے اس دنیا میں مختلف احکام لے کر آتے ہیں، ان میں مختلف شیاطین جن کچھ سن گن لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ شہاب ثاقب (meteorites) یا کچھ غیر مرئی شعاعیں انتہائی تیزی کے ساتھ اپنے ہدف کو نشانہ بنا کر غائب ہوجاتی ہیں۔ سورۂ جن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے زمانۂ نزول میں ان حملوں کی نوعیت ایسی غیر معمولی تھی کہ جنات نے جب انھیں دیکھا تو ان کو خیال ہوا کہ دنیا والوں کے ساتھ یقیناً کوئی اہم معاملہ ہونے والا ہے۔

یہاں قرآن نے اسی کو شہادت میں پیش کر کے فرمایا کہ قرآن جہاں سے نازل ہو رہا ہے، وہاں کسی جن اور کسی شیطان کے لیے رسائی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

[۸] یعنی یہ ایسا مبارک کلام ہے، جیسے رات کی تاریکیاں ہٹ جائیں اور صبح کی روشنی طلوع ہوجائے۔

[۹] اس بیان سے اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ جبریل امینؑ کے ذریعے سے یہ قرآن پوری حفاظت کے ساتھ لوح محفوظ سے قلب محمدؐ تک پہنچ جاتا ہے۔

[۱۰] یعنی تمھارا یہ ساتھی پچھلے چالیس، پینتالیس سال سے تمھارے ساتھ رہ رہا ہے، اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ صادق اور امین ہے۔ وہ ان الزامات سے مکمل طور پر مبرا ہے جو تم لوگ اس پر لگاتے ہو۔

[۱۱] یعنی حضورؐ نے جبریل امینؑ کا اس طرح مشاہدہ کیا ہے جس میں نفس یا نظر کے کسی دھوکے اور شبہے کا امکان نہیں۔

[۱۲] نبوت سے پہلے حضورؐ کی زندگی اس بات کی گواہ تھی کہ حضورؐ نے کبھی بھی کہانت، سحر اور غیب دانی جیسی چیزوں میں دلچسپی نہیں لی، بلکہ آپؐ ساری زندگی ان چیزوں سے بہت دور رہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حضورؐ کو آپؐ کی کسی کوشش کے بغیر پیغمبری عطا ہوئی اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں آپؐ نے اسے لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

[۱۳] 'رجیم' کے معنی ہیں سنگ سار کیا ہوا۔ یہ جبریل امین کی صفت 'کریم' کے مقابلے میں شیطان کے لیے آیا ہے۔

[۱۴] یعنی اگر تم اپنے آپ کو اس یاددہانی کا اہل ثابت کرو گے اور تعصب، تکبر اور انانیت کو چھوڑ کر اس پر غور و فکر کرو گے، تب اللہ تمھیں ایمان کی نعمت سے سرفراز ہونے کا موقع عطا فرمائے گا۔

سورۂ انفطار

[۸۲]

نام

پہلی آیت کے لفظ 'انفطرت' سے یہ نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ سورہ بھی حضورؐ کے مکی دور کے مرحلۂ انذار عام میں نازل ہوئی۔ اس سورہ میں قیامت کا احوال بیان کیا گیا ہے اور انسان کی تخلیق میں اس کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔

اٰیاتها ١٩	سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ	رکوعاتها ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿١﴾ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿٢﴾ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿٣﴾ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿٤﴾
عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ﴿٥﴾ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿٦﴾ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ
فَعَدَلَكَ ﴿٧﴾ فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴿٨﴾ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ﴿٩﴾ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ
لَحٰفِظِيْنَ ﴿١٠﴾ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ﴿١١﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿١٢﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿١٣﴾ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ
جَحِيْمٍ ﴿١٤﴾ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿١٥﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ﴿١٦﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ
مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿١٨﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿١٩﴾ ع ١٩ ١ ٧

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

اُس وقت جب آسمان پھٹ جائے گا، تارے بکھر جائیں گے، سمندر پھوٹ بہیں گے[١] اور قبریں کھول دی جائیں گی، اُس وقت ہر شخص یہ جان لے گا کہ اُس نے کیا آگے بھیجا ہے اور کیا پیچھے چھوڑا ہے۔

اے انسان، تجھے کس چیز نے تیرے اُس ربِّ کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا ہے[٢]، جس نے تجھے بنایا، پھر تیرے نوک پلک سنوارے، پھر تجھے بالکل متناسب کیا[٣]، اور پھر جس صورت میں تجھ کو چاہا، جوڑ دیا۔

ہرگز نہیں، (اُس دن کے بارے میں جو کچھ تم کہتے ہو، اِس کی ہرگز کوئی بنیاد نہیں ہے،) بلکہ (واقعہ یہ ہے کہ) تم جزا و سزا کو جھٹلانا چاہتے ہو۔ حالانکہ تم پر نگران (فرشتے) مقرر ہیں، بڑے معزز لکھنے والے۔ جو کچھ تم کرتے ہو، اُسے وہ جانتے ہیں[٤]۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ نیک لوگ مزے میں ہوں گے، اور اس میں (بھی) کوئی شبہ نہیں کہ یہ بدکار جہنم میں ہوں گے۔ بدلے کے دن، یہ لوگ اُس میں داخل ہوں گے، اِس طرح کہ پھر اُس سے کبھی غائب نہ ہو سکیں گے۔

سورۂ مطففین

[۸۳]

نام

پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے جس سے یہ نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ سورہ بھی مکی دور کے مرحلۂ انذار عام میں حضورؐ پر نازل ہوئی۔ اس کا مرکزی مضمون قیامت کا اثبات ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اجتماعی اخلاقیات کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے۔

(اے مخاطَب ،) تمھیں کیا خبر کہ وہ بدلے کا دن کیا ہے؟ بتاؤ، تم کیا جانتے ہو کہ وہ بدلے کا دن کیا ہے؟[5] اُس دن کوئی شخص کسی دوسرے کے لیے کچھ نہ کر سکے گا۔ معاملہ اُس دن اللہ ہی کے ہاتھ میں ہوگا۔ ۱-۱۹

[۱] یعنی یہ پورا نظام بکھر کر رہ جائے گا۔

[۲] پروردگار اپنی کریمی کی وجہ سے انسان کو اس کی سرکشی پر فوراً نہیں پکڑتا۔ اگر اس کی وجہ سے تم بے خوف ہو گئے ہو، تو تم نے بہت سخت دھوکا کھایا ہے۔

[۳] جس پروردگار نے یہ سب عنایتیں انسان پر کی ہیں، اس کے بارے میں انسان کس طرح یہ سوچتا ہے کہ اللہ نیک لوگوں اور برے لوگوں میں فرق نہیں کرے گا اور مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکے گا۔

[۴] سورۂ ق میں یہ وضاحت بھی ہے کہ ہر انسان کے لیے دو فرشتے مقرر ہیں، جو دائیں اور بائیں، دونوں طرف سے نگرانی کرتے ہیں۔ حضورؑ نے اس کی وضاحت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ ان میں سے ایک نیکیاں اور دوسرا بدیاں لکھنے پر مامور ہے۔

[۵] سوال کی یہ تکرار روزِ قیامت کی اہمیت اور عظمت واضح کرنے کے لیے ہے۔

اٰیاتها ٣٦ — # سُورَةُ الْمُطَفِّفِينَ مَكِّيَّةٌ — رکوعاتها ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ﴿١﴾ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ﴿٢﴾ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ
يُخْسِرُونَ ﴿٣﴾ أَلَا يَظُنُّ أُولٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ ﴿٤﴾ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٥﴾ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ
الْعَالَمِينَ ﴿٦﴾ كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ ﴿٧﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سِجِّينٌ ﴿٨﴾ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ﴿٩﴾ وَيْلٌ
يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿١١﴾ وَمَا يُكَذِّبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿١٢﴾ إِذَا
تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾ كَلَّا سکتہ بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٤﴾ كَلَّا
إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُو الْجَحِيمِ ﴿١٦﴾ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِي كُنتُم بِهِ
تُكَذِّبُونَ ﴿١٧﴾ كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ ﴿١٨﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ ﴿١٩﴾ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ﴿٢٠﴾
يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢١﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ
نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿٢٤﴾ يُسْقَوْنَ مِن رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ ﴿٢٥﴾ خِتَامُهُ مِسْكٌ وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ﴿٢٦﴾
وَمِزَاجُهُ مِن تَسْنِيمٍ ﴿٢٧﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا
يَضْحَكُونَ ﴿٢٩﴾ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿٣٠﴾ وَإِذَا انقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا رَأَوْهُمْ
قَالُوا إِنَّ هٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿٣٢﴾ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ﴿٣٣﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ
يَضْحَكُونَ ﴿٣٤﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ﴿٣٥﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ ع ١ ٨

اللہ کے نام سے جو بے حدوحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔
تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لیے، یہ جو دوسروں سے لیتے ہیں، تو پورا لیتے ہیں، اور جب اُن کے لیے ماپتے یا تولتے ہیں تو
اُس میں ڈنڈی مارتے ہیں[۱] کیا یہ لوگ گمان نہیں رکھتے کہ وہ ایک دن اٹھائے جائیں گے[۲]؟ ایک بڑے دن کی حاضری کے لیے۔ اُس
دن جب لوگ جہانوں کے پروردگار کے حضور میں پیشی کے لیے اٹھیں گے۔
ہرگز نہیں، (نیک اور بد ہرگز برابر نہیں ہو سکتے،) بے شک اِن نافرمانوں کا نامۂ اعمال 'سجین[۳]' میں ہوگا۔ اور تمھیں کیا معلوم کہ یہ
'سجین' کیا ہے؟ یہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی۔ تباہی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔ یہ جو بدلے کے دن کو جھٹلا رہے ہیں۔
(واقعہ یہ ہے کہ) اُس کو وہی جھٹلاتا ہے، جو حد سے بڑھنے والا اور دوسروں کا کا حق مارنے والا ہے۔ جب ایسے شخص کو ہماری آیتیں
سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو اگلوں کے افسانے ہیں۔ ہرگز نہیں، بلکہ اِن کے دلوں پر اِن کے عمل کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔
ہرگز نہیں، (اُس دن سے انکار کی ہرگز کوئی بنیاد نہیں،) یقیناً اُس دن یہ اپنے پروردگار سے روک لیے جائیں گے[۴]۔ پھر جہنم میں
جا پڑیں گے۔ تب کہا جائے گا: "یہ وہی چیز ہے جس کو تم جھٹلاتے رہے ہو۔"
ہرگز نہیں، (نیک و بد کا انجام ہرگز یکساں نہیں ہوگا،) بے شک فرماں برداروں کا نامۂ اعمال 'علّیین' میں ہوگا[۵]۔ اور تمھیں کیا خبر کہ
یہ 'علیین' کیا ہے؟ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے، جو مقرب فرشتوں کی نگرانی میں ہے۔ یقیناً یہ فرماں بردار وہاں نعمتوں میں گھرے ہوں
گے۔ تختوں پر بیٹھے نظارے کرتے۔ اِس عیش کی تازگی تم اِن کے چہروں پر دیکھو گے۔ اُن کو نفیس ترین، سر بند شراب پلائی جائے گی،
جس پر مُشک کی مُہر لگی ہوگی۔ یہی تو وہ چیز ہے جس کی چاہت میں چاہنے والوں کو سرگرم ہونا چاہیے —— اس شراب میں 'تسنیم[۶]' کی
آمیزش ہوگی۔ ایک خاص چشمہ، جس کے کنارے بیٹھ کر یہ مقرب بندے پئیں گے۔
یہ جو مجرم ہوئے، یہ (دنیا میں) ایمان والوں پر ہنستے تھے۔ جب اُن کے پاس سے گزرتے تو آنکھوں سے اشارے کرتے تھے، اور جب
اپنے لوگوں میں پلٹتے تو مزے لیتے ہوئے پلٹتے تھے[۷]۔ یہ لوگ جب اِن اہلِ ایمان کو دیکھتے تو کہتے: "یہ تو بالکل بہکے ہوئے لوگ ہیں۔ یہ
اِن پر، (ہمارے اِن ساتھیوں پر)، کوئی نگران بنا کر تو نہیں بھیجے گئے[۸]۔" —— لیکن آج (دیکھو کہ) ایمان والے اِن منکرینِ حق پر ہنس
رہے ہیں۔ تختوں پر بیٹھے، (اِن کا انجام) دیکھ رہے ہیں —— کیوں، پا لیا نا اِن منکرینِ حق نے اپنے کرتوتوں کا بدلہ[۹]؟ ۱-۳۶

[۱] اس دنیا کے اندر ہر انسان اپنے اندر خیر و شر کا شعور رکھتا ہے اور انھیں ہرگز برابر نہیں سمجھتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دھوکے باز انسان بھی یہ چاہتا ہے کہ

جب دوسرے لوگ اس سے معاملہ کریں تو اس کو دھوکا نہ دیں، بلکہ اس کے ساتھ انصاف کریں۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ انسان اپنے ساتھ نیکی اور بدی کا شعور لے کر اس دنیا میں آیا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انصاف اور دیانت داری، اسلام کی نظر میں بہت بڑی صفات ہیں، اور اس کے برعکس بے انصافی، ظلم اور دھوکا بازی بہت بڑی خرابیاں ہیں۔

[۲] یعنی جب برے سے برا انسان بھی یہ چاہتا ہے کہ اسے دھوکا نہ دیا جائے، تو اپنی فطرت کی اس گواہی کے باوجود وہ کیسے یہ گمان رکھتا ہے کہ دیانت دار اور دھوکے باز، دونوں مر کر مٹی ہو جائیں گے اور اللہ انھیں کوئی جزا یا سزا نہ دے گا۔

[۳] 'سجین' کا لفظ 'سجن' سے ماخوذ ہے، جس کے معنی قید خانے کے ہیں۔ لیکن یہاں یہ لفظ اپنے لغوی مفہوم میں نہیں، بلکہ ایک نام کے طور پر آیا ہے، جس کی قرآن نے آگے خود وضاحت کر دی ہے۔

[۴] یعنی پروردگار کے فضل، قرب اور اس کے انوار و تجلیات سے بالکل محروم کر دیے جائیں گے۔

[۵] 'علیین' کا لفظ 'علو' سے نکلا ہے، جس کے معنی بلندی کے ہیں۔ تاہم یہاں یہ لفظ اپنے لغوی مفہوم میں نہیں، بلکہ ایک نام کے طور پر آیا ہے۔ قرآن نے آگے خود اس کی وضاحت کر دی ہے۔

[۶] 'تسنیم' کے لفظی معنی بلندی کے ہیں۔ یہ اس خاص چشمے کا نام ہے جس کے کنارے اللہ کے مقرب بندے بیٹھیں گے۔

[۷] یعنی اتنے بدتمیز تھے کہ اپنی غلط حرکتوں پر ندامت کے بجائے، ان کا ذکر اپنے گھر والوں میں بڑے فخر کے ساتھ کرتے تھے۔

[۸] یعنی یہ کیوں بار بار ہمارے ساتھیوں کو نصیحتیں کر رہے ہیں؟ کیا دنیا بھر کی اصلاح کا ٹھیکہ انھوں نے اٹھا رکھا ہے؟

[۹] یہ قرآن مجید کا ایک خاص اسلوب ہے کہ بہت سی جگہوں میں قیامت کا ذکر حال کے صیغے (present tense) میں کرتا ہے اور اسی لیے ایسی جگہوں میں دنیا کے حالات کا ذکر ماضی کے صیغے (past tense) میں کرتا ہے۔ قرآن کا یہ اسلوب قیامت کے بالکل یقینی ہونے کی وجہ سے ہے۔

سورۂ انشقاق

[۸۴]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں لفظ 'انشقت' آیا ہے، جس سے یہ نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ سورہ بھی مکی دور کے مرحلۂ انذار عام میں حضورؐ پر نازل ہوئی۔ اس سورہ کا مرکزی مضمون قیامت اور اس کے دلائل ہیں۔

آیاتھا ۲۵

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ

رکوعاتھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿١﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿٢﴾ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿٣﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ﴿٤﴾
وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿٥﴾ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ﴿٦﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ
بِيَمِيْنِهٖ ﴿٧﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴿٨﴾ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿٩﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ
وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ﴿١٠﴾ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ﴿١١﴾ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ﴿١٢﴾ اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿١٣﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ
اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ﴿١٤﴾ بَلٰۤى اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ﴿١٥﴾ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿١٦﴾ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿١٧﴾
وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿١٨﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿١٩﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا
السجدۃ يَسْجُدُوْنَ ﴿٢١﴾ السجدة بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿٢٣﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ
ع ۲۵ اَلِيْمٍ ﴿٢٤﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿٢٥﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

وہ دن، جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کرے گا[1] اور اُسے یہی کرنا چاہیے۔[2]

وہ دن، جب زمین تان دی جائے گی[3] اور جو کچھ اُس کے اندر ہے، اُسے باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی اور اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کرے گی، اور اُسے یہی کرنا چاہیے۔

اے انسان تو بھی آہستہ آہستہ اپنے پروردگار کی طرف جا رہا ہے[4]، اور اُس سے ملنے والا ہے۔ پھر جس کا نامۂ اعمال اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اُس کا حساب نہایت ہلکا ہوگا[5]، اور وہ خوش خوش اپنے لوگوں کی طرف پلٹ آئے گا۔ رہا وہ شخص جس کا نامۂ اعمال

اُس کے پیچھے ہی سے، (اُس کے بندھے ہوئے ہاتھوں میں) پکڑا دیا جائے گا، [6] وہ موت کو پکارے گا اور دوزخ میں جا پڑے گا۔ یہ شخص اپنے لوگوں میں مگن رہا۔ [7] اِس کا خیال تھا کہ اِسے ہرگز کہیں پلٹ کر نہیں جانا ہے۔ —— ہاں کیوں نہیں، اِس کا پروردگار تو اِسے دیکھ رہا تھا۔

پس نہیں، (آخرت کے متعلق تم جو کچھ سوچتے ہو، ایسا نہیں ہے،) میں شفق کو، (شام کی سرخی کو) گواہی میں پیش کرتا ہوں، اور رات کو، اور اُس کے سمیٹ لینے کو، اور چاند کو جب وہ پورا ہو جائے کہ تم بھی (اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہونے کے لیے) درجہ بدرجہ لازماً چڑھو گے۔ [8]

اِن (منکرینِ حق) کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ نہیں مانتے اور جب اِن کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو (اِس کی عظمت کے اعتراف میں) سجدہ ریز نہیں ہو جاتے، بلکہ یہ منکرینِ حق تو اُلٹا جھٹلا رہے ہیں، حالانکہ جو کچھ یہ لوگ جمع کر رہے ہیں، اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ اس لیے، (اے نبیؐ)، انھیں ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔ ہاں، البتہ اُن لوگوں کے لیے ایک دائمی اجر ہے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے ہیں۔ ۱-۲۵

[۱] 'اذنت لربها' کے لفظی معنی ہیں: وہ اپنے رب کا حکم سنے گا۔ محاورے کے طور پر اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے حکم سن کر اس کی پوری تعمیل کی۔

[۲] یعنی آسمان جیسی عظیم چیز کے لیے بھی صحیح راستہ یہی ہے کہ وہ اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کرے۔

[۳] روزِ قیامت انسانوں کے دوبارہ اٹھنے سے پہلے زمین کے سب دریا، سمندر، پہاڑ، وادیاں، غرض یہ کہ ہر اونچ نیچ برابر کر کے اسے ایک ہموار میدان بنا دیا جائے گا۔

[۴] ہر انسان، ہر لمحہ گزرنے کے ساتھ موت کے قریب ہو رہا ہے اور اس طرح وہ روزِ قیامت میں اپنے پروردگار کے حضور میں پیشی کے لیے آگے بڑھ رہا ہے۔

[۵] یعنی اس سے سخت حساب کتاب نہیں کیا جائے گا اور اس کی معمولی غلطیوں سے درگزر کیا جائے گا۔

[۶] یہ ان مجرموں کا حال ہوگا جن کے دونوں ہاتھ قیدیوں کی طرح پیچھے کی طرف بندھے ہوئے ہوں گے۔

[۷] یعنی آخرت کو فراموش کر کے محض دنیا کی دل چسپیوں میں خود بھی مگن رہا اور اس نے اپنے اہل و عیال کی آخرت کی بھی کچھ فکر نہ کی۔

[۸] جس طرح شام کی سرخی بتدریج رات کے اندھیرے میں تبدیل ہو جاتی ہے، اور یہ اندھیرا ہر چیز کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔ ان راتوں میں چاند بھی اپنی ابتدائی حالت میں ہوتا ہے۔ پھر بتدریج پہلی تاریخوں کا چاند درجہ بدرجہ چودھویں کے چاند میں بدل جاتا ہے، اسی طرح یہ دنیا بھی بتدریج آگے بڑھتی ہوئی، ایک دن قیامت کی منزل تک پہنچ جائے گی اور تم اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہو جاؤ گے۔

سورۂ بروج

[۸۵]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے، جس سے یہ نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ سورہ بھی مکی دور کے مرحلۂ انذار عام میں حضورؐ پر نازل ہوئی۔ اس میں حضورؐ کے مخالفین کو یہ دھمکی دی گئی ہے کہ اہل ایمان پر جو ظلم و ستم وہ ڈھا رہے ہیں، اور اسلام کی دعوت کے مقابلے میں جو چالیں چل رہے ہیں، اب وہ اپنے انجام تک پہنچنے کو ہیں۔ ان کو ڈھیل دی جا رہی ہے، لیکن اب ان کا وقت قریب آ لگا ہے۔

رکوعاتها ۱ — سُورَةُ الْبُرُوجِ مَكِّيَّةٌ — آیاتها ۲۲

سُورَةُ الْبُرُوجِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿۱﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿۲﴾ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ﴿۳﴾ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿۴﴾ النَّارِ
ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴿۵﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿۶﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ﴿۷﴾ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ
اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۸﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۹﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

گواہی دیتا ہے یہ برجوں[1] والا آسمان، اور وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے[2]، اور ہر دیکھنے والا[3]، اور جو کچھ وہ دیکھ رہا ہے[4] (کہ قیامت ہو کر رہے گی)۔ مارے گئے ایندھن بھری آگ کی گھاٹی والے، جب وہ (دوزخ میں) اُس گھاٹی پر بیٹھ گئے[5]۔ اِس طرح کہ جو کچھ (سلوک اِس دنیا میں) وہ ایمان والوں کے ساتھ کرتے رہے، (اُس کا نتیجہ اب اپنی آنکھوں سے) دیکھ رہے ہیں[6]۔

یہ مخالفینِ حق محض اس لیے، ایمان والوں کے دشمن ہوئے کہ اِنھوں نے اللہ کو مان لیا، وہ زبردست، سب اچھی صفات کا مالک، وہی جو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک ہے۔ اللہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے[7]۔ ۱-۹

[۱] 'بُرج' کے معنی قلعے کے ہیں۔ یہاں اس سے مراد آسمان کے وہ قلعے ہیں جن میں فرشتے مسلسل اس دنیا کی نگرانی کے لیے مامور رہتے ہیں۔ اس سے مراد وہ قوانین بھی ہیں جن میں یہ عظیم کائنات جکڑی ہوئی ہے۔

[۲] یعنی روز قیامت خود اپنی گواہی آپ ہے۔ اگر انسان غور وفکر سے کام لے، تو وہ اس نتیجے تک پہنچ جائے گا کہ قیامت ضروری ہے۔

[۳] اگر دیکھنے والا عبرت کی نگاہ رکھتا ہو، تو اس کی عقل پکار اٹھے گی کہ قیامت کا دن آنا چاہیے۔

[۴] اس دنیا میں اللہ کی قدرت، رحمت، حکمت اور رزاقیت کی بہت بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ دنیا میں انسان کو ارادہ واختیار کی جو آزادی ملی ہے اور وہ جس اچھے یا برے طریقے سے اس کو استعمال کر رہا ہے، یہ سب اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ قیامت کا دن آ کر رہے گا۔

[۵] یعنی وہ دشمنانِ اسلام جو مسلمانوں کو ایمان سے پھیرنے کے لیے ظلم وستم کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں، ان کا ٹھکانا دوزخ کی وہ گھاٹی ہے جو ایندھن سے بھری ہوئی ہے۔

قرآن میں قیامت کے حالات کی تفصیل جابجا ماضی کے صیغوں (past tense) میں کی گئی ہے۔ جب ماضی کے اسلوب میں مستقبل کا حال بیان کیا جائے تو یہ اس بات کے مکمل یقینی ہونے کو ظاہر کرتی ہے۔

[۶] یعنی یہ دشمنان اسلام پہلے اس آگ بھری گھاٹی پر بیٹھ کر اپنا ٹھاٹھ کا نا دیکھیں گے اور پھر اپنے کرتوتوں کا انجام بھگتنے کے لیے اسی میں پھینک دیے جائیں گے۔

[۷] اللہ ان ظالموں کے ظلم وستم کو بھی دیکھ رہا ہے اور اس کے مقابلے میں اہل ایمان کی استقامت کو بھی۔ یہاں اللہ کے لیے 'العزیز الحمید' کی صفات استعمال کی گئی ہیں۔ ان میں مسلمانوں کے لیے ایک بڑی بشارت اور ظالموں کے لیے ایک بڑی دھمکی پوشیدہ ہے۔

اوپر کے ترجمہ وتشریح میں ہم نے مولانا اصلاحی کی پیروی کی ہے۔ تاہم اس میں وہ منفرد ہیں۔ باقی مترجمین ومفسرین نے ان آیات کا ترجمہ مختلف انداز سے کیا ہے۔ مثلاً مولانا مفتی محمد شفیع نے درج ذیل ترجمہ کیا ہے:

''قسم ہے آسمان کی جس میں بُرج ہیں اور اُس دن کی جس کا وعدہ ہے، اور اُس دن کی جو حاضر ہوتا ہے اور اُس کی کہ جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں، مارے گئے کھائیاں کھودنے والے۔ آگ ہے بہت ایندھن والی۔ جب وہ اس پر بیٹھے اور جو کچھ وہ کرتے مسلمانوں کے ساتھ، اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور اُن سے بدلہ نہ لیتے تھے، مگر اسی بات کا کہ وہ یقین لائے اللہ پر جو زبردست ہے تعریفوں والا۔ جس کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز۔'' (معارف القرآن ۸/۷۰۹)

گویا درج بالا ترجمے کے مطابق ان آیات میں ایک ایسے واقعے کا ذکر ہے جس میں کچھ ظالموں نے ایمان لانے والوں کو آگ سے بھرے ہوئے گڑھوں میں پھینک پھینک کر جلا دیا تھا۔ چنانچہ یہاں قرآن نے ان ظالموں کی مذمت کی ہے۔

اس ضمن میں مفسرین نے چار واقعات کا ذکر کیا ہے۔ تاہم ان چاروں واقعات پر کچھ ایسے اعتراضات وارد ہوتے ہیں اور سوالات اٹھتے ہیں، جن کی وجہ سے ان کو تسلیم کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ مثلاً تفسیر ابن جریر میں حضرت علیؓ سے روایت کردہ واقعہ یہ ہے کہ جب ایران کے بادشاہ نے باطل پرستی اختیار کر لی اور محرمات سے نکاح جائز قرار دیا تو اس وقت کے بعض علمانے، جو ابھی تک دین حق پر قائم تھے، بادشاہ کو اس بات سے منع کیا۔ بادشاہ نے حق کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے بجائے غضب ناک ہو کر یہ حکم دیا کہ کھائیاں کھدوائی جائیں اور جو شخص محرمات سے نکاح کو غلط کہے، اس کو کھائی میں جھونک کر زندہ جلا دیا جائے۔ چنانچہ اس طرح ہزاروں لوگوں کو زندہ جلا دیا گیا۔

درج بالا روایت پر ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ مجوسیت اور دیگر ایرانی مذاہب کا پورا لٹریچر اس طرح کے کسی واقعے کے ذکر سے خالی ہے۔ اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آیا ہوتا، تو کہیں نہ کہیں اس کا ذکر ضرور ہوا ہوتا۔ اس ضمن میں ایک سوال یہ بھی ہے کہ اس طرح کے کسی واقعے کے ذکر سے، قرآن مجید کے اس وقت کے اولین مخاطبین، جو قریش تھے، اور جن کو اس واقعے کے متعلق کچھ معلوم نہیں تھا، آخر کیا سبق حاصل کرتے؟

دوسرا واقعہ بھی تفسیر ابن جریر میں حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ بابل والوں نے بنی اسرائیل کو دین موسیٰؑ سے پھر جانے پر مجبور کیا تھا، یہاں تک کہ انھوں نے، ان بنی اسرائیلیوں کو آگ سے بھرے ہوئے گڑھوں میں پھینک دیا، جنھوں نے اپنے دین سے پھر جانے سے انکار کر دیا تھا۔

اس روایت پر بھی وہی دونوں اعتراضات اور سوالات وارد ہوتے ہیں، جن کا ذکر پہلے واقعے کے ضمن میں ہو چکا ہے۔

تیسرے واقعے کی بنیاد صحیح مسلم کی ایک حدیث پر ہے۔ (مولانا مفتی محمد شفیع اسی واقعے کو ان آیات کی تفسیر قرار دیتے ہیں)۔ یہ حدیث 'کتاب الزھد' میں نقل کی گئی ہے۔ اس کا متن یہ ہے:

''حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: تم سے آگے ایک بادشاہ تھا اور اُس کا ایک جادوگر تھا۔ جب وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا، تو اس نے بادشاہ سے کہا: میں بوڑھا ہو گیا ہوں، میرے پاس کوئی لڑکا بھیجیے تاکہ میں اُس کو جادو سکھلاؤں۔ بادشاہ نے اُس کے پاس ایک لڑکا بھیجا۔ وہ اُس کو جادو سکھلاتا تھا۔ اُس لڑکے کی آمدورفت کی راہ میں ایک راہب تھا۔ وہ لڑکا اُس کے پاس بیٹھتا، اُس کا کلام سنتا اور وہ اُس کو بھلا معلوم ہوتا۔ جب وہ جادوگر کے پاس جاتا تو راہب کی طرف ہو کر نکلتا اور اُس کے پاس بیٹھ جاتا۔ پھر جب وہ جادوگر کے پاس جاتا تو جادوگر اُس کو مارتا۔ آخر لڑکے نے جادوگر کے مارنے کا راہب سے گلہ کیا۔ راہب نے کہا کہ جب تو جادوگر سے ڈرے تو یہ کہہ دیا کر کہ میرے گھر والوں نے مجھ کو روک رکھا تھا۔ اسی حالت میں وہ لڑکا رہا کہ اچانک وہ ایک بڑے قد کے جانور کے پاس سے گزرا، جس نے لوگوں کو آمدورفت سے روک دیا تھا۔ لڑکے نے سوچا کہ آج میں دریافت کرتا ہوں کہ جادوگر افضل ہے یا راہب افضل ہے۔ اُس نے ایک پتھر لیا اور کہا: الٰہی، اگر راہب کا طریقہ تجھ کو پسند ہو جادوگر کے طریقے سے تو اس جانور کو قتل کر تاکہ لوگ چلیں پھریں۔ پھر اُس نے اس پتھر سے اُس جانور کو مارا۔ وہ جانور مر گیا اور لوگ چلنے پھرنے لگے۔ پھر وہ لڑکا راہب کے پاس آیا اور اُس سے یہ حال کہا۔ راہب بولا: بیٹا، تم مرتبے میں مجھ پر فضیلت لے گئے۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم آزمایش میں ڈالے جاؤ گے۔ پھر اگر وہ وقت آئے تو میرا نام نہ بتلانا۔ اُس لڑکے کا حال یہ تھا کہ اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا تھا اور ہر قسم کی بیماری کا علاج کرتا تھا۔ یہ حال بادشاہ کے ایک مصاحب نے سنا جو اندھا ہو گیا تھا۔ وہ بہت سے تحفے لے کر لڑکے کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اگر تم مجھے اچھا کر دو تو یہ سب مال تیرا ہے۔ لڑکے نے کہا کہ میں کسی کو اچھا نہیں کرتا، اچھا کرنا تو خدا کا کام ہے۔ اگر تم خدا پر ایمان لے آؤ تو میں خدا سے دعا کروں گا اور وہ تجھ کو اچھا کر دے گا۔ وہ مصاحب خدا پر ایمان لے آیا اور اللہ نے اُس کو اچھا کر دیا۔ جب وہ بادشاہ کے پاس گیا تو بادشاہ نے پوچھا کہ تیری آنکھیں کس نے روشن کیں۔ مصاحب نے کہا: میرے مالک نے۔ بادشاہ نے پوچھا: میرے سوا تیرا کون مالک ہے۔ مصاحب نے کہا: میرا اور تیرا، دونوں کا مالک اللہ ہے۔ بادشاہ نے اُس کو پکڑا اور مارنا شروع کیا۔ وہ مارتا رہا یہاں تک کہ مصاحب نے لڑکے کا نام لیا۔ اُس لڑکے کو بلایا گیا۔ بادشاہ نے اس سے کہا: اے بیٹا، تم جادو میں اس درجے تک پہنچ گئے ہو کہ اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتے ہو اور بڑے بڑے کام کرتے ہو۔ وہ بولا کہ میں تو کسی کو اچھا نہیں کرتا، خدا اچھا کرتا ہے۔ بادشاہ نے اُس کو پکڑا اور مارتا رہا، یہاں تک کہ اُس نے راہب کا نام بتلایا۔ اُس راہب کو پکڑ کر لایا گیا اور اُس سے کہا گیا کہ اپنے دین سے پھر جا۔ وہ نہ مانا۔ بادشاہ نے ایک آرا منگوایا، راہب کی پیشانی پر رکھا اور اُس کو چیر ڈالا، یہاں تک کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر گرا۔ پھر اُس مصاحب کو بلایا گیا اور اُس سے بھی کہا گیا کہ تم اپنے دین سے پھر جاؤ۔ وہ بھی نہ مانا۔ اُس کی پیشانی پر بھی آرا رکھا گیا اور اُسے چیر ڈالا گیا، یہاں تک کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر گرا۔ پھر اُس لڑکے کو بلایا گیا اور اُس سے کہا گیا کہ اپنے دین سے پلٹ جاؤ۔ وہ بھی نہ مانا۔ بادشاہ نے اُس کو اپنے چند مصاحبوں کے حوالے کیا اور کہا کہ اُس کو فلاں پہاڑ کی چوٹی پر لے جاؤ۔ جب تم چوٹی پر پہنچو تو اِس لڑکے سے پوچھو۔ اگر یہ اپنے دین سے پھر جائے تو ٹھیک، ورنہ اُس کو چوٹی سے نیچے دھکا دے دو۔ وہ لوگ اُس کو پہاڑ پر لے گئے۔ لڑکے نے دعا کی: الٰہی، تو جس طرح

سے چاہے، مجھے اُن کے شر سے بچالے۔ پہاڑ ہلا اور وہ سب لوگ گر پڑے۔ وہ لڑکا بادشاہ کے پاس چلا آیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تیرے ساتھی کدھر گئے۔ اُس نے کہا کہ خدا نے مجھے اُن کے شر سے بچالیا۔ پھر بادشاہ نے اُس کو اپنے چند مصاحبوں کے حوالے کیا اور کہا کہ اِس کو لے جا کر ایک کشتی پر چڑھا لو اور دریا کے اندر لے جاؤ۔ اگر یہ اپنے دین سے پھر جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ اس کو دریا میں دھکیل دو۔ وہ لوگ اُس کو لے گئے۔ لڑکے نے کہا: الٰہی، تو مجھ کو جس طرح چاہے، ان کے شر سے بچالے۔ وہ کشتی الٹ گئی، لڑکے کے سب ساتھی ڈوب گئے اور لڑکا زندہ بچ کر بادشاہ کے پاس آ گیا۔ بادشاہ نے اُس سے پوچھا کہ تیرے ساتھی کہاں گئے۔ وہ بولا کہ اللہ نے مجھ کو اُن سے بچالیا۔ پھر لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ تو مجھ کو قتل نہیں کر سکتا، سوائے اُس طریقے کے جو میں تمھیں بتلاؤں۔ بادشاہ نے کہا کہ وہ کیا طریقہ ہے۔ لڑکے نے کہا کہ تم سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرو، ایک لکڑی پر مجھ کو سولی دو، پھر میرے ترکش سے ایک تیر لو، کمان کے اندر رکھو، پھر کہو کہ میں اس لڑکے کے مالک خدا کے نام سے اسے تیر مارتا ہوں، پھر مجھے تیر مارو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو مجھ کو قتل کر سکو گے۔ بادشاہ نے سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا، اُس لڑکے کو ایک لکڑی پر سولی دی، پھر اُس کے ترکش میں سے ایک تیر لیا، تیر کو کمان کے اندر رکھ کر کہا کہ اُس خدا کے نام سے مارتا ہوں جو اِس لڑکے کا مالک ہے، اور پھر تیر مارا۔ وہ تیر لڑکے کی کنپٹی پر لگا۔ اُس لڑکے نے اپنا ہاتھ تیر کے مقام پر رکھا اور مر گیا۔ لوگوں نے یہ حال دیکھ کر کہا کہ ہم تو اس لڑکے کے مالک پر ایمان لے آئے۔ کسی نے بادشاہ سے کہا کہ تم جس چیز سے ڈرتے تھے، خدا کی قسم، وہی ہوا، یعنی لوگ ایمان لے آئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ سب راستوں کے کناروں پر خندقیں کھودی جائیں۔ پھر خندقیں کھودی گئیں اور اُن کے اندر خوب آگ بھڑکائی گئی۔ پھر بادشاہ نے کہا کہ جو شخص اس لڑکے کے دین سے نہ پھرے، اُس کو ان خندقوں میں دھکیل دو یا اُس سے کہو کہ خود ان خندقوں میں گرے۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا، یہاں تک کہ ایک عورت آئی جس کے پاس اُس کا ایک بچہ بھی تھا۔ وہ عورت آگ میں گرنے سے جھجکی تو بچے نے کہا کہ اے ماں، صبر کر، تو سچے دین پر ہے۔'' (صحیح مسلم ۵۰۱/۶-۵۰۴۔ ترجمہ از علامہ وحید الزمان۔ نعمانی کتب خانہ۔ اردو بازار لاہور)

سب سے پہلی چیز جو اس روایت میں کھٹکتی ہے، وہ یہ ہے کہ ایک غیر معروف لڑکے کے ہاتھوں سے ایسے معجزات صادر کروائے گئے ہیں جو صرف اور صرف جلیل القدر رسولوں سے ہی صادر ہو سکتے ہیں۔ صرف یہی نہیں، بلکہ کئی رسولوں کے معجزے اکٹھے کر کے اس لڑکے سے صادر کروائے گئے ہیں۔ مثلاً اس لڑکے کے ہاتھ کا پتھر، حضرت موسیٰؑ کے عصا کی طرح معجزے دکھاتا ہے، وہ حضرت عیسیٰؑ کی طرح اندھے اور کوڑھی کو تندرست کرتا ہے اور حضرت ابراہیمؑ کی طرح اس لڑکے کے قتل کی کوشش بھی ناکام ہو جاتی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ جن معجزات کا ایک حصہ اولوالعزم رسولوں کو دیا گیا تھا، وہ سب کے سب ایک ایسے غیر معروف لڑکے کو دیے جائیں، جس کا، اس روایت کے علاوہ، پورے مذہبی لٹریچر میں کوئی نام و نشان تک نہ ہو۔

اس روایت میں دینی دعوت کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے، وہ بھی پیغمبروں کے دینی دعوت کے نقشے سے بہت مختلف ہے۔ جس راہب کا تذکرہ ہے، اس نے گویا اس لڑکے کی ملاقات سے پہلے دینی دعوت کا کوئی کام ہی نہ کیا تھا۔ پھر جب یہ لڑکا دین کی صداقت کو آزماتا ہے، تو وہ یہ کہہ کر آزماتا ہے کہ کیا اس پتھر کے ذریعے سے وہ موذی جانور مر سکے گا یا نہیں۔ کیا دین کی صداقت کو آزمانے کا یہ طریقہ خود دین کے مطابق ہے؟ اگر ایسا ہونے لگے تو پھر تو ہر شخص دین کی

صداقت کوایسے ہی محسوس طریقوں سے آزمانے کی کوشش کرے گا۔ کیاواقعی قرآن مجید نے ہمیں دین کی صداقت کوایسے طریقوں کے ذریعے سے آزمانے کا راستہ بتایا ہے؟

اس روایت سے اس لڑکے کا ایک عجیب وغریب کردار سامنے آتا ہے۔ جب بادشاہ اس کو پکڑ کر مارتا ہے، تو وہ مار کی تاب نہ لاتے ہوئے راہب کا نام بتا دیتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس اس پر پہاڑ کی بلندی اور سمندر کا پانی کچھ اثر ہی نہیں کرتا۔ مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ جب وہ پہاڑ سے زندہ بچ جاتا ہے، تو پلٹ کر واپس بادشاہ کے پاس آجاتا ہے۔ آخر کیوں؟ اس کے بعد جب وہ سمندر میں غرق ہونے سے بھی بچ جاتا ہے تو ایک دفعہ پھر بادشاہ کے پاس واپس آجاتا ہے۔ اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ بھی بڑی عجیب بات ہے کہ اللہ کے کئی انبیا کو تو ظالموں نے شہید کر دیا تھا، مثلاً حضرت یحییٰ کو اپنے وقت کے بادشاہ نے قتل کر دیا تھا، لیکن اس روایت میں اس لڑکے کا درجہ ان انبیا سے بھی اونچا ظاہر کیا جاتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ قرآن مجید نے صرف انھی واقعات کا ذکر کیا ہے جو یا تو عالم عرب میں مشہور ومعروف تھے یا جن کا ذکر تورات و انجیل میں آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف ایسے ہی واقعات کو دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اس لڑکے کا واقعہ نہ تو اس سے پہلے عالم عرب میں کوئی جانتا تھا، نہ اس کا ذکر کسی الہامی کتاب میں آیا ہے۔ چنانچہ بھلا ایسے کسی واقعے کو دلیل کے طور پر کیسے پیش کیا جا سکتا ہے۔ ایسا واقعہ مخاطبین کے لیے کسی عبرت کا باعث بھی نہیں بن سکتا، اس لیے کہ یہ واقعہ سرے سے کسی کو معلوم ہی نہیں تھا۔ اور اس روایت میں اس بادشاہ کے لیے دنیا میں کسی سزا کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔

اگر درج بالا واقعہ صحیح نہیں ہے، تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس واقعے کو مستند راویوں کے ذریعے سے امام مسلم نے اپنے مجموعۂ حدیث میں کیسے جگہ دی۔ اس کا جواب ابن کثیر نے یہ دیا ہے کہ ترمذی کی ایک روایت کے مطابق، جب حضرت صہیبؓ حضورؐ سے ایک روایت بیان کرتے تھے تو اس کے ساتھ ایک دوسرا واقعہ بھی سنایا کرتے تھے۔ یہ دوسرا واقعہ وہی ہے جو امام مسلم نے ذکر کیا ہے۔ گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت صہیبؓ نے اپنی طرف سے سنایا تھا۔ (بحوالہ 'قصص القرآن' از مولانا محمد حفظ الرحمان سیوہاروی، جلد دوم، حصۂ سوم، صفحات ۲۹۸-۲۹۹) بعد کے کسی راوی نے غلطی سے یہ سمجھا کہ حضرت صہیبؓ نے یہ واقعہ بھی حضورؐ سے روایت کیا ہے۔

ان آیات کی تفسیر کے ضمن میں مفسرین جس چوتھے واقعے کا ذکر کرتے ہیں، (مولانا مودودی کا رجحان اسی واقعے کی جانب ہے)، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ۵۲۰ء کے لگ بھگ یمن میں ایک یہودی بادشاہ ذونواس کی حکومت تھی۔ یمن کے شمال میں نجران نامی علاقے میں عیسائیوں کی حکومت تھی۔ ذونواس نے نجران پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا اور حکم دیا کہ سب لوگ یہودیت قبول کر لیں۔ جن لوگوں نے یہودیت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، ان کو گڑھوں میں پھینک کر زندہ جلا دیا گیا۔ جب حبش (موجودہ ایتھوپیا) کے بادشاہ کو معلوم ہوا تو اس نے یمن پر حملہ کر کے ذونواس کو قتل کر دیا، یہودی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور یمن، حبش کی عیسائی سلطنت کا ایک حصہ بن گیا۔ مفسرین کے مطابق ان آیات میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ درج بالا واقعہ پیش آیا تھا، لیکن یہ ممکن نہیں کہ ان آیات میں قرآن نے اس واقعے کی طرف اشارہ کیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان آیات میں قرآن نے ان اہل ایمان کا جو تصور بتایا ہے، وہ ایمان باللہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایمان باللہ میں یہودی اور عیسائی، دونوں کا عقیدہ ایک ہے۔

اگر درج بالا تفسیر کو صحیح مانا جائے، تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہم یہ مان لیں کہ حضورؐ کی پیدایش سے ساٹھ، ستر سال قبل بھی نصاریٰ، حضرت عیسیٰؑ کے اصل دین پر قائم تھے، کیونکہ صرف اسی صورت میں قرآن ان کی حمایت کر سکتا تھا۔ تاہم یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس سے سینکڑوں برس پہلے نصاریٰ،

بحیثیت مجموعی تثلیث کے عقیدے کو سرکاری طور پر تسلیم کر چکے تھے، گویا وہ حضرت عیسیٰؑ کے اصل دین سے بہت زیادہ ہٹ چکے تھے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ یمن کی یہ عیسائی سلطنت، دین ابراہیمی سے اتنی زیادہ دشمنی رکھتی تھی کہ اس سلطنت نے اپنے ہاں کعبہ کی شکل کی ایک عمارت بنائی تھی، جس کو یہ لوگ اصل کعبہ کی جگہ مرکزی حیثیت دینا چاہتے تھے۔ اسی حکومت کے ایک جانشین 'ابرہہ' نے مکہ پر چڑھائی کی تھی، جس کا ذکر سورۂ فیل میں آیا ہے۔ چنانچہ یہ کیسے ممکن ہے کہ اس طرح کے لوگوں کو قرآن مجید مومنین صادقین کی حیثیت سے پیش کرے۔

درج بالا چاروں واقعات کی کمزوریاں ذہن نشین ہونے کے بعد ہمارا رجحان یہ ہے کہ ان آیات کی وہی تشریح زیادہ قابل قبول ہے جو مولانا اصلاحی نے کی ہے۔ یہ تشریح قرآن مجید کے دوسرے مقامات کے عین مطابق ہے، آسان ہے، اس باب کی دوسری سورتوں کے مضامین کے بھی عین مطابق ہے اور اس سورہ کے آگے کی آیات کے مزاج سے بھی پوری طرح ہم آہنگ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ﴿۱۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ﴿۱۱﴾ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿۱۴﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿۱۵﴾ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۶﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۱۹﴾ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿۲۰﴾ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾ ع

یہ لوگ، جنھوں نے اِن مومن مردوں اور عورتوں[۸] کو ستایا اور پھر نہیں پلٹے، ان کے لیے دوزخ کی سزا ہے، اور اِن کے لیے جلنے کا عذاب ہے۔[۹] (اس کے بالمقابل) یہ لوگ جو اپنے ایمان پر قائم رہے، اور جنھوں نے نیک عمل کیے، اِن کے لیے بہشت کے باغ ہیں، جن میں نہریں بہتی ہوں گی۔ درحقیقت یہی بڑی کامیابی ہے۔

(اے نبیؐ،) تیرے رب کی پکڑ بڑی ہی سخت ہے۔ وہی ابتدا کرتا ہے، اور یقیناً وہی لوٹائے گا۔ وہ بخشنے والا ہے، بڑی محبت کرنے والا ہے، عرش کا مالک ہے، بزرگ و برتر ہے اور جو چاہے کر ڈالنے والا ہے۔

کیا تمھیں (اُن سرکش) لشکروں کی خبر پہنچی ہے؟ فرعون اور ثمود کے لشکروں کی؟ ــــــ مگر اِن منکرینِ حق نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ یہ جھٹلاتے ہی رہیں گے۔[۱۰] واقعہ یہ ہے کہ اللہ اِنھیں آگے اور پیچھے سے گھیرے ہوئے ہے۔[۱۱] ــــــ بلکہ یہ بلند پایہ قرآن ہے، یہ لوحِ محفوظ میں ہے۔[۱۲] ۱۰-۲۲

[۸] یہاں خصوصی طور پر عورتوں کا ذکر اس وجہ سے ہوا ہے کہ مکی دور میں بہت سی خواتین ایمان لائی تھیں اور اس پاداش میں ان کے گھر والے یا ان کے مالک ان پر ظلم وستم توڑتے تھے۔

[۹] یعنی دوزخ میں دوسری سزائیں بھی ان کی منتظر ہیں، اور ان ظالموں کے لیے خاص طور پر آگ کا عذاب بھی ہے۔

[۱۰] یعنی فرعون اور ثمود کے لشکروں کا انجام دیکھنے کے بعد بھی یہ لوگ اس دین حق کو جھٹلا رہے ہیں۔

[۱۱] یہاں قرآن نے اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ حضورؐ کے براہ راست مخاطبین میں سے حضورؐ کو جھٹلانے والوں کا بھی وہی انجام ہوگا، جو اس سے پہلے رسولوں کے مخالفین کا ہو چکا ہے۔

[۱۲] یعنی قرآن کا لکھا اَمِٹ ہے، اٹل ہے، اس کے اندر کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ جو پیشین گوئی اس میں کر دی گئی ہے، وہ پوری ہو کر رہے گی، اس لیے کہ اللہ نے اپنے ہاں جو فیصلہ کر لیا ہے، یہ قرآن اسی کے مطابق نازل ہو رہا ہے۔

سورۂ طارق

[۸۶]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے جس سے یہ نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ سورہ بھی مکی دور کے مرحلۂ انذار عام میں حضورؐ پر نازل ہوئی۔ اس کا مرکزی مضمون قیامت کی دلیل ہے۔ اس میں کائنات کے دلائل کے ساتھ ساتھ، انسان کی تخلیق کو بھی اللہ کی قدرت وحکمت اور قیامت کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

ایاتھا ۱۷ — # سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ — رکوعاتھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿۳﴾ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا
حَافِظٌ ﴿۴﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿۶﴾ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ
وَالتَّرَآئِبِ ﴿۷﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ﴿۸﴾ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿۹﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿۱۰﴾ وَالسَّمَآءِ
ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ
كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾ ع ۱

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

گواہی دیتا ہے یہ آسمان، اور گواہی دیتے ہیں یہ رات میں نمودار ہونے والے۔ اور تم کیا جانو کہ وہ رات میں نمودار ہونے والے کیا ہیں، یہ چمکتے ہوئے تارے ہیں۔ (یہ گواہی دیتے ہیں کہ) ہر جان پر ایک نگہبان مقرر ہے[1]۔

پس یہ انسان ذرا دیکھے کہ یہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ اچھلتے پانی سے، جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے[2]۔ یقیناً اللہ اِس انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

اُس دن جب دلوں کے بھید پرکھے جائیں گے[3]۔ پھر اس کے پاس نہ کوئی زور ہوگا اور نہ کوئی مدد کرنے والا۔

گواہی دیتا ہے یہ برسنے والا آسمان، اور گواہی دیتی ہے (نباتات اُگتے وقت) پھٹ جانے والی یہ زمین کہ یہ ایک دوٹوک بات ہے[4]۔ یہ کوئی ہنسی مذاق نہیں ہے۔

(اے نبیؐ، تیرے مقابلے میں) یہ لوگ ایک چال چل رہے ہیں — میں بھی ایک چال چل رہا ہوں۔ اس لیے اِن منکرینِ حق کو چھوڑ دو، انھیں بس ذرا دیر کے لیے چھوڑ دو[5]۔ ۱-۱۷

[۱] انسان کے چاروں طرف نظام شمسی اور بے حد وحساب ستاروں والی کائنات اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ یہ کائنات انتہائی مضبوط اور بے لچک اصولوں کے تحت چل رہی ہے۔ اس کائنات میں اللہ کی مقرر کردہ ایسی قوتیں نگہبانوں کی شکل میں کام کر رہی ہیں، جن کی وجہ سے پوری کائنات نظم وضبط کے ساتھ موجود ہے۔ اس سے انسان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس کو بھی دنیا میں غیر ذمہ دار بنا کر نہیں چھوڑا گیا، بلکہ اس پر ایسے پہرے دار بٹھائے گئے ہیں، جو دن رات اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔ لہٰذا اس کے بعد لازماً ایک روز حساب آنا ہے، جس کے احتساب سے کوئی بھی خود کو بچا نہ سکے گا۔

[۲] 'صُلب' کے معنی ہیں ریڑھ کی ہڈی۔ 'ترائب' کے معنی ہیں سینے کی ہڈیاں، یعنی پسلیاں۔ وہ غدود جن سے مادہ منویہ پیدا ہوتا ہے، یہ ریڑھ کی ہڈیوں اور پسلیوں کے درمیان گردوں کے قریب ہوتے ہیں، جہاں سے بعد میں یہ آہستہ آہستہ فوطوں میں اتر جاتے ہیں، لیکن پھر بھی ان کے اعصاب اور رگوں کا منبع ہمیشہ وہی سابقہ مقام ہی رہتا ہے۔

[۳] یعنی جب اعمال کے ساتھ، ان کے پیچھے دلوں میں چھپا ہوا اخلاص یا نیتوں کا فساد بھی پرکھا جائے گا۔

[۴] جس طرح آسمان کی بارش سے زمین کے اندر چھپا ہوا سبزہ زندہ ہو جاتا ہے، اسی طرح جب اللہ کا حکم صادر ہوگا، تو اس میں دفن مردے بھی اسی طرح زندہ ہو جائیں گے۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ قیامت کے بارے میں قرآن کا دعویٰ ایک اٹل بات ہے۔

[۵] ابھی زیادہ مدت نہ گزرے گی کہ نتیجہ سب کے سامنے آجائے گا۔ وہ نتیجہ یہ ہوگا کہ حضورؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو سرزمین عرب میں کامل غلبہ مل جائے گا اور ہر دشمن اسلام تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گا۔ سابقہ رسولوں کے بارے میں یہی اللہ کا طریقہ رہا ہے، اور حضورؐ کے لیے بھی اللہ کی طرف سے یہی طریقہ مقرر ہے۔

سورۂ اعلیٰ

[۸۷]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے جس سے یہ نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ سورہ مکی دور کے مرحلۂ انذار عام میں حضورؐ پر نازل ہوئی۔ اس کا موضوع توحید اور آخرت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حضورؐ کو یہ اطمینان دلایا گیا ہے کہ آپؐ کی ذمہ داری صرف تذکیر و نصیحت ہے۔ اگر اس کے مقابلے میں کوئی سرکشی کرے گا تو سرکشی کرنے والے سے اللہ خود نمٹ لے گا۔

رکوعاتہا ۱ | # سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ | اٰیاتہا ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ﴿١﴾ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ﴿٢﴾ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ﴿٣﴾ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى
﴿٤﴾ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ﴿٥﴾ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ﴿٦﴾ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ﴿٧﴾
وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ﴿٨﴾ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ﴿٩﴾ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ﴿١٠﴾ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ﴿١١﴾
الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ﴿١٢﴾ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿١٣﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿١٤﴾ وَذَكَرَ اسْمَ
رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿١٥﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٧﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ
ع ۱۹ الْاُوْلٰى ﴿١٨﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿١٩﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

(اے نبیؐ،) اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح کرو، جو سب سے برتر ہے۔ جس نے تخلیق کیا، پھر نوک پلک سنوارے۔ جس نے (ہر چیز کے لیے) اندازہ ٹھہرایا، پھر (اُسے) راستہ دکھایا[1]۔ جس نے سبزہ نکالا، پھر اُسے گھنا، سرسبز وشاداب بنا دیا[2]۔

(اے نبیؐ، اِس وحی کو،) عنقریب ہم تمھیں پورا پڑھا دیں گے، تو تم نہیں بھولو گے[3]، سوائے اُس کے جو اللہ چاہے گا[4]۔ بے شک اللہ ظاہر کو بھی جانتا ہے اور جو کچھ پوشیدہ ہے، اُس کو بھی۔ (اِسی طرح) درجہ بدرجہ ہم تمھیں آسانی کی طرف لے چلیں گے[5]۔

پس تم نصیحت کرو، اگر نصیحت نفع دے[6]۔ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، وہ یہ نصیحت قبول کر لے گا۔ اور اس سے گریز کرے گا، وہ انتہائی بدبخت[7] جو بڑی آگ میں جا پڑے گا۔ پھر وہ اس میں نہ مرے گا، اور نہ جیے گا۔

البتہ، وہ شخص کامیاب ہوا جس نے پاکیزگی اختیار کی، اپنے پروردگار کا نام یاد کیا اور نماز پڑھی[8]۔

لیکن (اے لوگو)، تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت بہتر بھی ہے اور پائدار بھی۔ یہی بات اُن صحیفوں میں بھی (کہی

گئی) ہے جو اس سے پہلے آئے، ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں۔[9] ۱-۱۹

[۱] یعنی ہر چیز کو بنانے کے بعد اس چیز کو اس کے کام انجام دینے کا طریقہ بھی بتا دیا۔ اسی ہدایت کے مطابق کائنات کی ہر چیز وہی خدمت انجام دے رہی ہے، جس کے لیے اسے بنایا گیا۔

[۲] عام طور پر مفسرین نے 'غثاءً احویٰ' کا ترجمہ سیاہ کوڑا کرکٹ کیا ہے۔ لیکن مولانا اصلاحی کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگرچہ 'غثاءً' کا لفظ مکھن کے جھاگ اور سیلاب کے خس و خاشاک کے لیے بھی آتا ہے، لیکن اس سبزہ کے لیے بھی اس کا استعمال معروف ہے جو زمین کی زرخیزی کے سبب سے اچھی طرح گھنا اور سیاہی مائل ہو گیا ہو۔ اسی طرح 'احویٰ' کے معنی ہیں وہ سیاہی مائل سرخی یا سبزی جو کسی شے پر اس کی تازگی، شادابی اور زرخیزی کی وجہ سے نمایاں ہوتی ہے۔ چنانچہ ان دونوں الفاظ کے مجموعے کا مطلب ہوگا 'گھنا، سرسبز اور شاداب'۔

مولانا اصلاحی کے مطابق آگے کی آیات میں حضورؐ کی دعوت کے مستقبل کے مرحلوں کے بیان کے لیے یہ ایک تمہید ہے۔ یعنی جس طرح یہ دعوت ایک کونپل کی طرح پھوٹی ہے، اسی طرح یہ بتدریج ایک سرسبز و شاداب باغ میں تبدیل ہو جائے گی۔

[۳] دعوت کے اس دور میں سب مخالفتوں کے مقابلے میں حضورؐ کے پاس واحد کمک اور سہارا اس وحی الٰہی کا تھا جو آپؐ پر نازل ہوتی تھی۔ چنانچہ حضورؐ بڑی بے قراری کے ساتھ وحی کا انتظار کرتے تھے، اور قدرتی طور پر آپؐ کو یہ تشویش بھی لاحق رہتی تھی کہ اس وحی کی یادداشت اور جمع و ترتیب کا کیا ہوگا۔ چنانچہ یہاں اللہ نے یہ تسلی دی کہ اس کے اترنے کے لیے جو پروگرام ہم نے مقرر کیا ہے، اسی کے مطابق یہ اترے گی، اور تمھارے حافظے اور پوری انسانیت کے لیے اس کی حفاظت بھی ہمارے ہی ذمے ہے۔

ان آیات میں ہمارے لیے بھی یہ سبق موجود ہے کہ بعد کے حالات نے اس پیشین گوئی کو سو فی صد پورا کر دکھایا۔ یوں یہ ہمارے لیے رسالت محمدیؐ کی ایک بڑی دلیل اور بشارت ہے۔

[۴] یعنی وقتی اور عارضی نوعیت کی وہ ہدایات، جنھیں قرآن میں شامل کرنا پیش نظر نہیں ہے، وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

[۵] جس طرح ایک پودا، مشکلات جھیلتے ہوئے، ترقی کرتے ہوئے ایک تناور درخت میں تبدیل ہو جاتا ہے، اسی طرح دین کی یہ دعوت بھی آہستہ آہستہ بڑھتی چلی جائے گی، حتیٰ کہ سارا معاملہ بہت آسان ہو جائے گا۔

[۶] یعنی جب تم دیکھو کہ لوگوں کے دل سننے کی طرف مائل ہیں، تو ان کو قرآن سناؤ اور دین کی دعوت دو۔

[۷] مراد ہے وہ شخص جو اپنے اس گریز کی وجہ سے بدبختی کے آخری مقام تک پہنچ جائے۔

[۸] دین نام ہی اس چیز کا ہے کہ انسان پاکیزگی اختیار کرے، صفات الٰہی کے صحیح شعور کے ساتھ اللہ کو یاد کرے، زندگی کے ہر معاملے میں اس کی ہدایت کو یاد رکھے اور اللہ کے سامنے جھک جائے۔

[۹] بائیبل کے مجموعۂ کتب مقدسہ میں بھی یہ حقائق نہایت واضح اور موثر انداز میں بیان ہوئے ہیں۔

سورۂ غاشیہ

[۸۸]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے جس سے یہ نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ سورہ مکی دور میں مرحلۂ انذار عام میں حضورؐ پر نازل ہوئی۔ اس سورہ میں مخاطبین کو قیامت کا خوف دلایا گیا ہے، اس کے آنے کے دلائل دیے گئے ہیں اور حضورؐ کو یہ اطمینان دلایا گیا ہے کہ آپؐ کی ذمہ داری صرف تذکیر و نصیحت ہے۔

ایاتها ۲۶ | رکوعاتها ۱

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ﴿۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ﴿۲﴾ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴿۳﴾ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ﴿۴﴾
تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ﴿۵﴾ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ﴿۶﴾ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ﴿۷﴾ وُجُوْهٌ
يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿۸﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿۹﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۱۰﴾ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿۱۱﴾ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿۱۲﴾ وقف لازم
فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ﴿۱۵﴾ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿۱۶﴾ اَفَلَا
يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾
وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾ فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾ اِلَّا مَنْ
تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿۲۳﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾ ع ۱ النصف

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

(اے نبیؐ)، کیا تمھیں اُس آفت کی خبر پہنچی ہے جو (سارے جہان پر) چھا جائے گی؟ کتنے چہرے اُس دن اُترے ہوئے ہوں گے، نڈھال، تھکے ہارے۔ وہ دہکتی آگ میں جا پڑیں گے۔ انھیں ایک کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا۔ اُن کے لیے جھاڑ کانٹوں کے سوا کوئی کھانا نہ ہوگا، یہ کھانا نہ توانا کرے گا، اور نہ بھوک مٹائے گا۔

(اِس کے برخلاف) کتنے چہرے اُس دن پُر رونق ہوں گے، اپنی کارگزاری پر خوش، ایک اونچے باغ میں۔ وہاں وہ کوئی بے ہودہ بات نہ سنیں گے۔ اُس میں چشمہ رواں ہوگا۔ اُس میں اونچی مَسندیں بچھی ہوں گی، ساغر قرینے سے رکھے ہوئے، گاؤ تکیے ترتیب سے لگے ہوئے اور نفیس فرش ہر طرف پڑے ہوئے۔ ۲

کیا یہ لوگ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے بنائے گئے؟ اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اٹھایا گیا؟ اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جمائے گئے؟ اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بچھائی گئی؟[۳]

تو تم نصیحت کیے جاؤ، تم تو بس ایک نصیحت کرنے والے ہی ہو۔ تم اِن پر زور زبردستی کرنے والے نہیں ہو۔[۴] رہے وہ لوگ جو منہ موڑیں گے اور انکار کریں گے تو اللہ انھیں بڑا عذاب دے گا۔ بے شک، اُنھیں پلٹنا ہمارے ہی پاس ہے۔ پھر، یقیناً، اُن کا حساب ہماری ہی ذمہ داری ہے۔ ۱-۲۶

[۱] اس انداز میں جو سوال ہوتا ہے، وہ کسی چیز کی ہیبت یا اس کی عظمت اور شان کے اظہار کے لیے ہوتا ہے۔

[۲] یہ جنت کی ایک تصویر ہے۔ اس سے ملتی جلتی بہت سی تصویریں، قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر بھی آئی ہیں۔ یہ سب کی سب تمثیل کے رنگ کی ہیں۔ یہ مختلف تصویریں ہمارے سامنے جنت کی نعمتوں کو نمایاں کرتی ہیں۔

[۳] یعنی ان سب نشانیوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ، پروردگارِ عالم، نہایت حکمت اور ایک عظیم منصوبے کے ساتھ اس پوری کائنات کو چلا رہا ہے، چنانچہ قیامت کا دن بھی اس حکمت کا ناگزیر تقاضا ہے۔

[۴] گویا ہمارا اصل کام یہ ہے کہ ہر انسان کو دین کی دعوت بہترین طریقے سے دی جائے۔ اِس سے آگے ہم پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

سورۂ فجر

[۸۹]

نام

اس سورہ کے پہلے لفظ کو اس کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ سورہ بھی مکی دور کے مرحلۂ تبلیغ عام میں حضورؐ پر نازل ہوئی۔ اس کا مرکزی مضمون بھی آخرت کی جزا و سزا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حضورؐ کے مخاطبین کو اگلی نافرمان قوموں کے انجام سے ڈرایا گیا ہے اور انسانی معاشرے کی اخلاقی حالت کا ایک جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

ایاتہا ۳۰ | رکوعاتہا ۱

سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْفَجْرِ ﴿۱﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿۲﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿۳﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ﴿۴﴾ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ
حِجْرٍ ﴿۵﴾ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿۶﴾ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿۷﴾ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿۸﴾
وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿۹﴾ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۱﴾ فَاَكْثَرُوْا
فِيْهَا الْفَسَادَ ﴿۱۲﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا
ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ
اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ
اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ
صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ
قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿۲۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ
ع الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿۳۰﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ کے لیے ہے۔

گواہی دیتی ہے فجر، اور (چاند کی ہر) دس راتیں، اور جفت اور طاق (مہینے) اور رات بھی جب وہ رخصت ہوتی ہے[1] ـــــ کیا اس میں کسی عقل والے کے لیے ہے کوئی بڑی گواہی؟[2]

کیاتم نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟ وہی ستونوں والے اِرَم[3] جن کا دنیا میں کوئی ثانی نہ تھا۔ اور ثمود کے ساتھ جنھوں نے وادی میں پتھر تراشے[4]؟ اور میخوں والے فرعون کے ساتھ[5]؟ (یہ سب وہ لوگ تھے) جنھوں نے مُلکوں میں بڑی سرکشی کی اور اُن میں بہت فساد پھیلایا تو تیرے پروردگار نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسادیا۔ واقعہ یہ ہے کہ تیرا پروردگار گھات لگائے ہوئے ہے[6]۔

لیکن اِس انسان کا حال یہ ہے کہ جب اِس کا رب اِسے آزماتا ہے اور اِسے عزت ونعمت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دار بنادیا۔ اور جب وہ اُس کو آزمایش میں ڈالتا ہے اور اُس کی روزی تنگ کردیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کرڈالا[7]۔ ـــــ ہرگز نہیں، (یہ عزت وذلت کا پیمانہ نہیں، بلکہ آزمایش ہے،) مگر تم لوگ یتیم کی عزت نہیں کرتے[8]، مسکینوں کو کھانا کھلانے کے لیے ایک دوسرے کو نہیں ابھارتے[9]، میراث کا سارا مال سمیٹ کر ہڑپ کرجاتے ہو، اور مال کی محبت میں بُری طرح گرفتار ہو[10]۔

ہرگز نہیں، (انسان کو یوں نہیں چھوڑا جائے گا،) اُسے یادرکھنا چاہیے کہ جب زمین کوٹ کوٹ کر برابر کردی جائے گی، تیرا پروردگار جلوہ فرما ہوگا، اس حال میں کہ فرشتے صف درصف کھڑے ہوں گے، اور اُس دن جہنم سامنے لائی جائے گی۔ اُس دن انسان کو سمجھ آئے گی۔ لیکن اُس سمجھنے سے کیا حاصل؟ وہ کہے گا: ''اے کاش، میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کچھ کیا ہوتا!'' پھر اُس دن اللہ جو عذاب دے گا، ویسا عذاب کوئی نہیں دے سکتا۔ اور جس طرح اللہ باندھے گا، اُس طرح کوئی باندھ نہیں سکتا۔

(دوسری طرف ارشاد ہوگا،) اے وہ شخص، جس کا دل مطمئن رہا[11]، اپنے رب کی طرف لوٹ، (اِس طرح کہ) تو اُس سے راضی ہے، اور وہ تجھ سے راضی ہے۔ شامل ہوجا میرے بندوں میں اور داخل ہوجا میری جنت میں۔ ۱-۳۰

[۱] رات مختلف مرحلوں سے گزر کر فجر تک پہنچتی ہے، چاند اپنی پہلی دس راتوں میں آہستہ آہستہ بڑھتا رہتا ہے، دوسری دس راتوں میں اس کا بڑا حصہ روشن رہتا ہے اور آخری دس راتوں میں بیش تر حصہ تاریک سے تاریک تر ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ مہینے کے خاتمے پر پوری رات تاریک ہوجاتی ہے۔ ہر قمری مہینا جفت عدد یعنی تیس دنوں میں اپنا سفر پورا کرلیتا ہے یا طاق عدد یعنی انتیس دنوں میں یہ سفر پورا کرلیتا ہے۔ یہ ایک حیرت انگیز قانون ہے جو سیکنڈوں کی قطعیت کے ساتھ کارفرما ہے۔ بالکل اسی طرح ہماری یہ دنیا بھی، ایک دن، لازماً اپنے انجام کو پہنچ جائے گی اور قیامت کی صبح نمودار ہوجائے گی۔

[۲] سوال کا یہ انداز اس لیے اختیار کیا گیا کہ انسان کو سوچنے پر مجبور کیا جائے۔

[۳] قدیم قوم عاد کو 'عادِ ارم' اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ سامی نسل کی اس شاخ سے تعلق رکھتے تھے جو ارم بن سام بن نوح سے چلی تھی۔ قوم عاد کی فوجی اور تعمیری ترقیوں کی ابتدا ارم سے ہوئی تھی۔ 'عِماد' اونچے ستونوں کو کہتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی تعمیری ترقیوں کی طرف اشارہ ہے۔ قوم عاد نے سنگ تراشی

کے فن میں بہت ترقی کی تھی اور پہاڑوں کو تراش کران کے اندر نہایت خوب صورت ستون، ایوان اور محل بنائے تھے۔

[۴] ثمود کے لوگ، قوم عاد ہی کے وارثوں میں سے تھے۔ اسی لیے ان کو 'عاد ثانیہ' بھی کہا جاتا ہے۔ ان کو بھی تعمیرات کا بڑا شوق تھا۔ وادی القریٰ ان کا مسکن تھی۔

[۵] اس زمانے میں فوجیں خیموں میں رہتی تھیں، اور خیمے میخوں ہی سے نصب کیے جاتے ہیں، اس لیے قرآن نے فرعون کی فوجوں کی کثرت کو بیان کرنے کے لیے یہ لفظ بطور کنایہ واشارہ اختیار کیا۔

[۶] درج بالا تینوں قوموں نے اپنے اپنے رسولوں کو جھٹلایا، چنانچہ اللہ کی طرف سے ان پر آخرت سے پہلے دنیا میں بھی سزا نافذ کی گئی۔ یہ اللہ کا قانون ہے کہ رسول کی نافرمان قوم پر دنیا میں بھی عذاب نازل کیا جاتا ہے۔

[۷] انسان بہت بے صبرا اور جلد باز ہے۔ دنیا کی زندگی کی نعمتیں اور مصیبتیں تو دراصل آزمایش ہیں۔ لیکن جب انسان کو کوئی نعمت حاصل ہوتی ہے تو وہ یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ وہ اللہ کی نظروں میں بڑی قدر و قیمت والا ہے۔ چنانچہ وہ غرور و تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی انسان پر جب کوئی مصیبت آجاتی ہے، تو وہ مایوسی و نامرادی کا شکار ہو کر صحیح زندگی بسر کرنے کا حوصلہ بھی کھو بیٹھتا ہے یا قسمت آزمائی کے ایسے راستے اختیار کر لیتا ہے جو غلط ہوتے ہیں۔

[۸] یعنی صرف یہی ضروری نہیں کہ یتیموں کی کچھ مدد ہو جائے، بلکہ اصل مقصد یہ ہونا چاہیے کہ انھیں معاشرے میں عزت کا مقام حاصل ہو جائے۔

[۹] یعنی صرف اتنی بات کافی نہیں کہ خود غریبوں اور کمزوروں کی ضروریات زندگی کو پورا کیا جائے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ سوسائٹی میں نادار لوگوں کی خدمت کے لیے مسلسل بڑی سرگرمیاں ہونی چاہییں۔

[۱۰] اگر انسان اس دنیا کی زندگی کو ایک آزمایش سمجھتا، تو وہ ان چاروں معاملات کے بارے میں حساس رہتا، اور ان معاملات میں راہ راست سے نہ ہٹتا۔

[۱۱] یعنی نعمتوں اور مصیبتوں، اچھی اور بُری، ہر حالت میں اپنے رب سے مطمئن رہا اور صحیح راستے پر قائم رہا۔

سورۂ بلد

[۹۰]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے جس سے یہ نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ سورہ مکی دور کے مرحلۂ انذار عام میں حضورؐ پر نازل ہوئی۔ اس سورہ میں انسان کو بے پروائی اور سرکشی کے رویے پر تنبیہ کی گئی ہے اور اسے یہ احساس دلایا گیا ہے کہ روز قیامت کو آنا ہے۔

ایاتها ۲۰ | سُورَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتها ۱

سُورَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۱﴾ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۲﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ
كَبَدٍ ﴿۴﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ﴿۵﴾ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ﴿۶﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗۤ
اَحَدٌ ﴿۷﴾ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ﴿۸﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ﴿۹﴾ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿۱۰﴾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾
وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوْ
مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۱۹﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

نہیں[1] میں اِس شہر، (شہرِ مکہ) ہی کو گواہی میں پیش کرتا ہوں۔ (اے پیغمبر،) تم اِسی شہر میں رہتے ہو۔ میں گواہی میں پیش کرتا ہوں باپ، (تم سب کے باپ ابراہیمؑ،) اور اُس کی اولاد کو کہ ہم نے اِس انسان کو پیدا کیا تو وہ بڑی مشقت میں تھا[2]۔

کیا وہ سمجھتا ہے کہ اُس پر کسی کا زور نہیں؟ کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال لُٹا دیا[3]۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ اُسے کسی نے دیکھا نہیں؟

کیا ہم نے اُس کو دو آنکھیں نہیں دیں؟ اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے[4]؟ اور اُسے دونوں راستے نہیں دکھا دیے[5]؟ —— لیکن وہ تو گھاٹی پر نہیں چڑھا[6]۔ اور تم کیا جانو کہ وہ گھاٹی کیا ہے؟ کسی گردن کو چھڑانا[7] یا بھوک کے دن کسی رشتہ دار یتیم یا کسی خاک نشین غریب کو کھانا کھلانا[8]۔ پھر جب آدمی اُن لوگوں میں سے ہو، جو ایمان لائے اور جنھوں نے ایک دوسرے کو صبر اور (خلقِ خدا پر) رحم کی تلقین کی[9]۔ یہی خوش بخت ہیں[10]۔ —— اور وہ جنھوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا، وہی بد بخت ہیں۔ اُن پر آگ چھائی ہوئی ہوگی۔ ۱-۲۰

[1] یعنی، اے حضورؐ کے مخالفین، وہ بات قطعاً صحیح نہیں ہے، جو تم سمجھے بیٹھے ہو۔

[۲] حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو ایک بے آب و گیاہ جگہ میں آباد کر کے شہر مکہ کی بنیاد رکھی۔ اس کا مرکزی مقام بیت اللہ تھا، جسے ان دونوں باپ بیٹے نے مل کر تعمیر کیا تھا۔ گویا یہ شہر خالصتاً توحید کی وجہ سے اور توحید کے نام پر وجود میں آیا تھا۔ اسی شہر میں ہزاروں برس بعد اس کے رہنے والے شخص یعنی حضورؐ کو اللہ نے یہ ذمہ داری دی کہ آپؐ توحید کا وہی پیغام دوبارہ زندہ کریں۔ جب اس وادی میں اس شہر کی بنیاد رکھی جا رہی تھی تو اس وقت یہاں کے لوگوں کی زندگی نہایت مشقت کی زندگی تھی، لیکن اسی بیت اللہ کی وجہ سے اس شہر کو امن، خوش حالی اور مرکزیت نصیب ہوئی۔ چنانچہ قرآن نے اس پوری تاریخ کو بطور دلیل اور گواہی لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

[۳] حضرت ابراہیمؑ کی نسل پر فخر کرنے والے انسانوں کا فرض تو یہ تھا کہ یہ عاجزی کے ساتھ توحید کی خدمت میں لگے رہتے، لیکن جب ان کو بیت اللہ کی وجہ سے خوش حالی ملی تو یہ مغرور بن گئے، اور اب ہر جگہ یہ شیخی بگھارتے ہیں کہ ہم نے اتنا اور اتنا مال عیاشیوں میں لٹا دیا۔

[۴] اسے چاہیے تھا کہ ان آنکھوں سے محروموں کو دیکھتا اور ان کی مدد کرتا۔ اسی طرح اسے چاہیے تھا کہ اپنی زبان اور دونوں ہونٹوں سے بھلائی کی ترغیب دیتا۔

[۵] انسان کو اللہ نے شعور دیا، مشاہدے کی صلاحیت بخشی اور زبان کی نعمت بھی اس کو عطا کی، تاکہ وہ خیر و شر کے دونوں راستوں میں امتیاز کر سکے۔

[۶] 'اقتحام' کے معنی ہیں اپنے آپ کو کسی سخت اور مشقت طلب کام میں ڈالنا۔ 'عقبۃ' اس دشوار گزار راستے کو کہتے ہیں جو بلندی پر جانے کے لیے پہاڑوں میں سے گزرتا ہے۔ چونکہ اللہ کی بندگی اور انسانوں کی خدمت کے لیے نفس کو سامنے والی قریبی لذتوں سے دست بردار ہونا پڑتا ہے، اس لیے یہ دونوں چیزیں انسان کو بہت مشکل اور دشوار گزار لگتی ہیں۔ اسی لیے قرآن نے ان دونوں چیزوں کو گھاٹی پر چڑھنے سے تعبیر کیا۔

[۷] اُس زمانے کے حالات کے لحاظ سے اس فقرے کا مطلب یہ تھا کہ غلام آزاد کیے جائیں۔ قرآن نے یہاں خیر کے سب کاموں میں اسے سر فہرست رکھا۔ یہ اس لعنت کے خاتمے کی طرف قرآن کا پہلا قدم تھا۔ بعد میں سورۂ محمد، آیت ۴، سورۂ نور، آیت ۳۳ اور سورۂ توبہ، آیت ۲۹ میں اس کی بنیاد ہی ختم کر دی گئی۔

آج کے حالات کے لحاظ سے اس کی ایک صورت کسی مقروض کو قرض کے بوجھ سے نجات دلانا بھی ہو سکتا ہے۔

[۸] بھوک کے دن، یعنی قحط یا کسی ایمرجنسی کے زمانے میں ہر انسان کو اپنی اپنی پڑی ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں کسی رشتہ دار یتیم یا کسی خستہ حال غریب کی مدد بہت نیکی کا کام ہے۔

[۹] اللہ کی بندگی اور مخلوقِ خدا کی خدمت کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان خود بھی اپنے نفس کی تربیت کرے اور دوسروں کی تربیت میں بھی کردار ادا کرے۔ اس تربیت کا ایک اہم ترین پہلو صبر اور ثابت قدمی ہے۔ اس کا دوسرا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ انسان دل میں ہر وقت ساری انسانیت کے لیے رحم کا جذبہ زندہ رکھے۔

[۱۰] 'میمنة' کا لفظ اگر 'یمین' سے ہو تو اس کے معنی دائیں کے ہیں۔ اور اگر یہ لفظ 'یمن' سے ہو تو اس کے معنی ہیں مبارکی اور خوش بختی۔ چونکہ اگلی آیت میں لفظ 'مشئمة' آیا ہے، جو 'شوم' سے ہے، جس کے معنی نحوست اور بدبختی کے ہیں، اس لیے اس آیت میں 'میمنة' کے معنی خوش بختی کے ہیں۔

سورۂ شمس

[۹۱]

نام

اس سورہ کے پہلے ہی لفظ کو اس کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ سورہ مکی دور کے مرحلۂ تبلیغ عام میں حضورؐ پر نازل ہوئی۔ اس سورہ کا مضمون نیکی اور بدی کا فرق سمجھانا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قوم ثمود کے واقعے کی طرف اشارہ کر کے حضورؐ کے مخاطبین کو متنبہ کیا گیا ہے کہ اگر انھوں نے حضورؐ کو جھٹلایا تو ان کو بھی آخرت سے پہلے دنیا میں سزا دی جائے گی۔

آیاتہا ۱۵ | رکوعاتہا ۱

سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا ﴿١﴾ وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَاهَا ﴿٢﴾ وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّاهَا ﴿٣﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا ﴿٤﴾ وَالسَّمَاءِ
وَمَا بَنَاهَا ﴿٥﴾ وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا ﴿٦﴾ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوَّاهَا ﴿٧﴾ فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوَاهَا ﴿٨﴾ قَدْ
أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ﴿٩﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ﴿١٠﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوَاهَا ﴿١١﴾ إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا ﴿١٢﴾ فَقَالَ
لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيَاهَا ﴿١٣﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ
فَسَوَّاهَا ﴿١٤﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ﴿١٥﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

گواہی دیتا ہے سورج اور اُس کا چڑھنا۔

گواہی دیتا ہے چاند، جب وہ پیچھے آئے۔

گواہی دیتا ہے دن، جب وہ نمایاں کرے۔

گواہی دیتی ہے رات، جب وہ ڈھانپ لے۔

گواہی دیتا ہے آسمان، اور جیسا اُسے بنایا۔

گواہی دیتی ہے زمین، اور جیسا اسے بچھایا،

(کہ دنیا کے ساتھ آخرت لگی ہوئی ہے[1])۔

گواہی دیتا ہے نفس، اور جیسا کہ اسے (اللہ نے) سنوارا[2]۔ پھر اُس کو سمجھ دی اُس کی بدی اور نیکی کی[3]۔ یقیناً کامیاب ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاک کیا، اور نامُراد ہوا وہ شخص جس نے اسے آلودہ کیا[4]۔

ثمود نے اپنی سرکشی کے باعث جھٹلا دیا۔[5] جب اُن کا سب سے بڑا بد بخت اٹھا[6] تو اللہ کے رسول نے اُن لوگوں کو متنبہ کیا کہ اللہ کی اِس اونٹنی اور اِس کے پینے کی باری سے خبر دار رہو۔[7] لیکن انھوں نے اُس رسول کو جھٹلایا اور اُس اونٹنی کی پنڈلیاں کاٹ دیں،[8] آخر کار اُن کے اِس گناہ کی سزا میں، اُن کے پروردگار نے، اُن پر ایسی آفت توڑی کہ سب کو برابر کر دیا۔[9] اور اُسے کوئی اندیشہ نہ تھا کہ اِس کا نتیجہ کیا ہو گا[10] ۱۱-۱۵

[۱] درج بالا چھ آیات میں قرآن مجید نے جو ادبی اسلوب اختیار کیا ہے، اس کا ترجمہ نہایت مشکل ہے، کیونکہ اردو میں یہ اسلوب موجود نہیں ہے۔ مثلاً 'آسمان، اور جیسا اسے بنایا' بامحاورہ انداز میں یوں ہو گا، 'گواہی دیتا ہے آسمان اور اُس کی حیرت انگیز ساخت'۔ اسی طرح 'زمین، اور جیسا اُسے بچھایا' بامحاورہ طریقے سے یوں ہو گا، 'گواہی دیتی ہے زمین، اور اُس کو جس خوب صورت طریقے سے بچھایا گیا'۔ ان آیات میں آفاق کی چند نمایاں نشانیوں کے جوڑے جوڑے ہونے سے قرآن نے یہ استدلال کیا ہے کہ بالکل اسی طرح دنیا کے ساتھ قیامت کا جوڑا ہونا چاہیے۔

دنیا کے اعتبار سے سورج اور چاند ایک جوڑا ہیں۔ دونوں ہی اس زمین کو روشنی مہیا کرتے ہیں، اور اگر ان میں سے کوئی ایک بھی نہ ہوتا تو ہمارے لیے زندگی نہایت مشکل ہو جاتی۔ اسی طرح دن اور رات بھی ایک جوڑا ہیں، جن کی وجہ سے زندگی، زندگی بن گئی ہے۔ اسی طرح ایک خاص مفہوم میں زمین اور آسمان بھی ایک جوڑا ہیں، کیونکہ یہ اس پورے جہان کی مجموعی مصلحت کے حوالے سے ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح قیامت بھی دنیا کا جوڑا ہے۔ دنیا کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے، لازم ہے کہ اس کی تکمیل قیامت میں ہو۔

[۲] 'تسوية' کا مطلب ہے کسی چیز کی تخلیق میں تکمیلی مرحلہ۔ انسان کا نفس وہی چیز ہے جسے ہر انسان 'میں' کے انداز میں پہچانتا ہے۔ انسانی نفس اپنی جگہ ایک بڑی کائنات ہے۔ اس کی حیرت انگیز تشکیل اور اس کی اعلیٰ ظاہری اور باطنی صلاحیتیں بے شمار ہیں۔ یہ قدرت کا ایک عظیم شاہ کار ہے، جو خود اپنے وجود سے اس حقیقت کی شہادت دیتا ہے کہ وہ اس دنیا میں ذمہ داریوں کے ساتھ آیا ہے۔

[۳] انسان کی تخلیق کے تکمیلی مرحلے میں اللہ نے اس کے اندر ایک خاص نور سپرد فرمایا، جس سے اس کے اندر یہ شعور پیدا ہوا کہ اس کے لیے کیا چیز نیکی اور خیر ہے اور کیا چیز بدی اور شر ہے۔

[۴] 'دسس' کے معنی ہیں کسی چیز کو مٹی میں ملا دینا۔ جب اللہ نے انسان کو خیر و شر میں امتیاز بخشا ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان خیر کو اختیار کرے اور شر سے اجتناب کرے۔

[۵] ثمود کے حالات سے اہل عرب پوری طرح واقف تھے اور اس کی تباہی کی داستان ہر شخص کو معلوم تھی۔ یہاں قرآن نے ثمود کی سرگزشت کو قیامت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے، اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ اپنے رسول کو جھٹلانے کی پاداش میں ان پر دنیا میں بھی سزا نافذ کی گئی۔

[۶] قوم ثمود کے سب سے بڑے سردار کا نام 'قدار' تھا۔ یہاں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

[۷] قوم ثمود نے اپنے پیغمبر حضرت صالحؑ سے مطالبہ کیا کہ انھیں عذاب کی کوئی نشانی دکھائی جائے۔ چنانچہ حضرت صالحؑ نے، اللہ کے حکم سے، اس

مقصد کے لیے ایک اونٹنی نامزد کی اور اس کے ساتھ ان کے لیے یہ امتحان مقرر کیا کہ ایک دن اکیلی یہ اونٹنی پانی پیے گی اور ایک دن وہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلائیں گے۔

[۸] جب کسی اونٹ کی کونچیں کاٹ دی جائیں تو وہ لازماً مر جاتا ہے۔ گویا یہ اونٹنی کے قتل کا بیان ہے۔

[۹] 'دمدمة' کے معنی ہلاک کر دینے کے ہیں۔

[۱۰] یعنی اللہ نے یہ کام اپنے کامل علم، اپنی عظیم قدرت اور بے پایاں حکمت کے تحت کیا۔ نتیجہ کے اعتبار سے اللہ کے فیصلوں میں کوئی غلطی نہیں ہو سکتی، اسے یہ ڈر نہیں ہوتا کہ کوئی اس کو چیلنج کرے گا۔ اللہ کسی کے آگے جواب دہ نہیں ہے اور کسی کا بھی اس پر زور نہیں ہے۔

سورۂ لیل

[۹۲]

نام

اس سورہ کے پہلے لفظ کو اس کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ سورہ مکی دور کے مرحلۂ انذار عام میں حضورؐ پر نازل ہوئی۔ اس سورہ میں انسان کو دنیا کے اندر دونوں راستوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا نتیجہ بتایا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر راستے کے چند اہم نکات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

آیاتہا ۲۱ | سُوْرَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتہا ۱

سُوْرَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ﴿١﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ﴿٢﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ﴿٣﴾ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ﴿٤﴾ فَاَمَّا
مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴿٥﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴿٦﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ﴿٧﴾ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ﴿٨﴾
وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ﴿٩﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴿١٠﴾ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ﴿١١﴾ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿١٢﴾
وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿١٣﴾ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿١٤﴾ لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿١٥﴾ الَّذِيْ كَذَّبَ
وَتَوَلّٰى ﴿١٦﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿١٨﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿١٩﴾
اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿٢١﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

گواہی دیتی ہے رات، جب وہ چھا جائے۔

گواہی دیتا ہے دن، جب وہ روشن ہو جائے۔

گواہی دیتی ہے نر اور مادہ کی تخلیق،

(کہ دنیا کے ساتھ قیامت لگی ہوئی ہے)[۱]۔

جو کچھ تم (اس دنیا میں) کرتے ہو، اس کے نتائج وہاں، لازماً، الگ الگ ہوں گے[۲]۔

پھر جس نے اللہ کے راستے میں دیا، پرہیز گاری اختیار کی اور اچھے انجام کو سچ مانا[۳]، اُس کو ہم دھیرے دھیرے راحت میں لے جائیں گے[۴]۔

اور جس نے بخل کیا، بے پروائی برتی اور اچھے انجام کو جھٹلایا[۵]، اُسے ہم آہستہ آہستہ سختی میں پہنچائیں گے[۶]۔ اُس کا مال اُس کے کیا کام

سورۂ ضحیٰ

[۹۳]

نام

اس سورہ کے پہلے لفظ کو اس کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کے مضمون سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس سورہ اور اگلی سورہ پر حضورؐ کی دعوت کے مرحلۂ انذار عام کی تکمیل ہوگئی۔ گویا یہ سورہ مکی زندگی کے اس دور میں نازل ہوئی جب دین کی دعوت کی مخالفت اتنی شدت اختیار کرگئی کہ آپؐ آگے کی راہ بند پا کر دل گرفتہ رہنے لگے۔ چنانچہ اس سورہ کا مرکزی مضمون، حضورؐ کے لیے تسلی اور آیندہ کی ایک بڑی کامیابی کی بشارت ہے۔

آئے گا، جب وہ گڑھے میں گرے گا؟ ہمارا کام تو سمجھا دینا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا بھی ہمارے ہی اختیار میں ہے اور آخرت بھی۔
(پس اے نبیؐ، اِن کو بتا دو کہ) میں نے تمھیں دہکتی آگ سے خبردار کر دیا ہے۔[7] اس میں (تمھارا یہ) سب سے بڑا بدبخت[8] ہی
پڑے گا، جس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا ہے۔ (اس کے برعکس)، اس دہکتی آگ سے دور رہے گا، وہ انتہائی پرہیزگار،[9] جو اپنا مال اس لیے
دیتا ہے کہ اُسے پاکیزگی حاصل ہو۔ اور جس کا کوئی احسان بھی کسی پر، اس مقصد کے لیے نہیں ہے کہ اُسے بدلہ ملے، بلکہ صرف اپنے
خداوند برتر کی خوشنودی کے لیے ہے۔ اب زیادہ دیر نہ گزرے گی کہ (اپنے رب کی عنایتوں سے) وہ کامیابی کی مراد بھی پالے گا[10] ۱-۲۱

[۱] جس طرح دن کے ساتھ رات کا وجود ضروری ہے اور جس طرح نر کے ساتھ مادہ کا وجود لازم ہے، اسی طرح دنیا کے ساتھ قیامت کا وجود بھی ضروری ہے۔

[۲] 'سعی' جدوجہد کے معنی میں بھی آتا ہے اور نتیجۂ جدوجہد یعنی کمائی کے معنی میں بھی۔ یہاں یہ کمائی کے معنوں میں ہے۔ 'شتی'، جمع ہے 'شتیت' کی، جس کے معنی ہیں متفرق اور الگ الگ۔

[۳] یہاں ایک اچھے شخص کی تین صفات بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ کی رضامندی کے لیے اس کے دین اور مخلوق خدا کی خدمت کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے، دوسرا یہ کہ وہ پرہیزگاری کے راستے پر چلتا ہے، اور تیسرا یہ کہ وہ قیامت کے دن کو سچا مان کر زندگی گزارتا ہے۔

[۴] جو شخص نیکی کی راہ اختیار کر لیتا ہے، اللہ اس کے لیے اس راہ کی مشکلات آسان کر دیتا ہے اور اس کو کامیابی کی منزل تک پہنچنے کی توفیق بخشتا ہے۔

[۵] درج بالا گروہ کے مقابلے میں اب ان لوگوں کا بیان ہے جو اسی دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کی تین اہم خصوصیات یہ ہیں کہ وہ اپنے مال میں اللہ اور اس کے بندوں کا کوئی حق تسلیم نہیں کرتے، وہ پرہیزگاری کے راستے سے بے پروا ہوتے ہیں اور وہ قیامت کی جزا و سزا کے قائل نہیں ہیں۔

[۶] ایسے شخص کو، اللہ کی طرف سے، اس کے اختیار کردہ برے راستے پر چلنے کی سہولت دی جاتی ہے۔ اور اسی ڈھیل کے نتیجے میں وہ نہایت کٹھن منزل پر جا پہنچتا ہے۔

[۷] یہ انذار یعنی خبرداری کے مضمون کی آخری سورہ ہے۔ چنانچہ یہاں حضورؐ کی زبانی، آپؐ کے براہ راست مخاطبین کے لیے اس بات کو پورے زور کے ساتھ واضح کر دیا گیا ہے۔

[۸] پچھلی سورہ میں قوم ثمود کے سردار 'قدار' کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ یہاں مشرکین قریش کے سردار ابولہب کی طرف اشارہ ہے، جو حضورؐ کا سب سے بڑا مخالف تھا۔ اس باب کے آخر میں، سورۂ لہب میں، اس کی شخصیت بالکل نمایاں ہو کر سامنے آجائے گی۔

[۹] مراد خود حضورؐ ہیں، اس لیے کہ آگے جو صفات بیان کی گئی ہیں، وہ بتمام و کمال حضورؐ کی ذات میں موجود تھیں۔

[۱۰] یعنی عنقریب دنیا میں بھی آپؐ کو فیصلہ کن کامیابی ملے گی۔

آگے آنے والی دونوں سورتوں میں اسی فقرے کی مزید تفصیل بیان کی گئی ہے۔

آیاتہا ١١ — ## سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ — رکوعاتہا ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالضُّحٰى ﴿١﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿٢﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴿٣﴾ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿٤﴾
وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿٥﴾ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴿٦﴾ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿٧﴾ وَوَجَدَكَ
ع ١١/٨ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴿٨﴾ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿٩﴾ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿١٠﴾ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿١١﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

گواہی دیتا ہے دن، جب وہ روشن ہو۔

گواہی دیتی ہے رات، جب وہ چھا جائے۔

(کہ اے نبیؐ)، تمھارے رب نے نہ تو تمھیں چھوڑا ہے، نہ وہ تم سے ناراض ہوا ہے[1] اور آنے والے دن، تمھارے لیے، اِن پہلے دنوں سے کہیں بہتر ہوں گے۔ اب زیادہ دیر نہ ہوگی کہ تمھارا پروردگار تم کو اتنا کچھ دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے[2]۔

[3]کیا یہ واقعہ نہیں کہ اُس نے تمھیں یتیم دیکھا تو ٹھکانا دیا، اور راستہ ڈھونڈتے دیکھا تو رستہ دکھایا، اور محتاج دیکھا تو (دل کی اتنی قناعت عطا فرمائی کہ) غنی[4] کر دیا۔

لہٰذا یتیم پر سختی نہ کرو، پوچھنے والے کو جھڑکو نہیں، اور (ہدایت کی) یہ نعمت جو تمھارے پروردگار نے تمھیں دی ہے، اِس کا چرچا کرتے رہو[5]۔ ١-١١

[١] جس طرح دنیا کی زندگی کے لیے دن کی روشنی اور حرارت، اور رات کی تاریکی اور سکون، دونوں ضروری ہیں، اسی طرح انسان کی روحانی و اخلاقی تربیت کے لیے رنج اور راحت، دونوں لازم ہیں۔

چنانچہ حضورؐ سے فرمایا گیا کہ اگر تمھاری قوم کی طرف سے تمھاری مخالفت دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے، اور لوگ اس تعداد میں اسلام قبول نہیں کر رہے، جس کی تمھیں خواہش ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمھاری کوششوں میں کچھ کمی ہے، جس کی وجہ سے تمھارا رب تم سے ناراض ہو گیا ہے یا اس نے تمھیں چھوڑ دیا ہے۔ یہ سب کچھ تمھارے اور تمھارے ساتھیوں کی تربیت کے لیے ضروری ہے۔

[۲] یعنی بہت جلد وہ وقت آ رہا ہے، جب لوگ، فوج در فوج، دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں گے اور تمھاری اور تمھارے ساتھیوں کی وہ سب خواہشیں
ی ہو جائیں گی جو اس سرزمین عرب میں اسلام کی توسیع سے متعلق تم اپنے دلوں میں رکھتے ہو۔

[۳] اب آگے کی آیات میں حضورؐ کو چند واقعات کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے، جس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حضورؐ پر اللہ کی نظر کرم ہر حال
موجود ہے۔

[۴] پچھلی تین آیات میں اللہ نے حضورؐ پر اپنی تین نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ایک یہ کہ حضورؐ ایک یتیم شخص تھے، اس کے باوجود بچپن میں حضورؐ کی
ین تربیت ہوئی۔ دوسری یہ کہ جب غار حرا کی تنہائیوں میں آپؐ سیدھے راستے کی تلاش میں تھے تو اللہ نے آپؐ کو ہدایت سے سرفراز فرمایا۔ تیسری یہ کہ
نے آپؐ کی طبیعت کو دنیا کے مال و اسباب سے بے نیاز کیا، تا کہ آپؐ دین کی دعوت کے لیے ہمہ تن گوش ہوں۔

[۵] درج بالا تین نعمتوں کے شکریے کے اظہار کے لیے حضورؐ کو تین باتیں سکھائی گئیں۔ ایک یہ کہ جو یتیم و غریب تمھارے قریب آئے، اس پر شفقت
رم کی نظر کرو اور اس کے حقوق کی حفاظت کرو۔ دوسری یہ کہ جس طرح اللہ نے تمھارے سوالات کے جواب میں تمھیں ہدایت سے سرفراز فرمایا، اسی طرح
ی تم سے دین کے متعلق کوئی سوال کرے، تو کمال درجہ شفقت و تسلی کے ساتھ اس کا جواب دو۔ تیسری یہ کہ اللہ نے تمھیں دین کی حکمت کی جو نعمت بخشی ہے،
نے جانے والے کے سامنے اس کا چرچا کرو اور ہر مجلس کو اللہ کے ذکر سے بھر دو۔

اس سورہ میں ہمارے لیے غور و فکر کا بڑا سامان موجود ہے۔ اس سے ہمیں یہ علم ہوتا ہے کہ مخالفت کے سخت ترین دور میں کس طرح اللہ نے حضورؐ کے
نے مستقبل کے حالات کا وہ نقشہ دکھایا، جس کا تصور بھی اس وقت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ قرآن کی حقانیت کا ایک بڑا ثبوت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ
معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی نعمتوں کے جواب میں ہمیں دنیا میں کس طرح کا طرز عمل اختیار کرنا ہے۔

سورۂ الم نشرح

[۹۴]

نام

اس سورہ کے پہلے دو الفاظ کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کے مضمون سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ بھی مکی دور میں مرحلۂ انذار عام کے خاتمے پر نازل ہوئی۔ اس زمانے میں حضورؐ کی بہترین کوششوں کے باوجود، کم ہی لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت حال سے حضورؐ آزردہ خاطر ہو گئے۔ چنانچہ سابقہ سورہ کی طرح، اس سورہ میں بھی حضورؐ کے لیے تسلی و بشارت موجود ہے۔ اور آپؐ کو یہ اطمینان دلایا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں آپؐ کو جو دشواری بھی پیش آئے گی، اس کے ساتھ ساتھ کامیابی آپؐ کی منتظر ہوگی۔

ایاتها ۸ — سُوْرَۃُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَکِّیَّۃٌ — رکوعاتها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ﴿۱﴾ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ ﴿۲﴾ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَکَ ﴿۳﴾ وَرَفَعْنَا لَکَ
ذِکْرَکَ ﴿۴﴾ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ﴿۶﴾ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿۷﴾ وَاِلٰی رَبِّکَ
فَارْغَبْ ﴿۸﴾ ع ۱۹

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

(اے نبیؐ)، کیا ہم نے تمھارے لیے، تمھارا سینہ کھول نہیں دیا؟[1]

کیا ہم نے تم پر سے، تمھارا وہ بوجھ اُتار نہیں دیا، جو تمھاری کمر توڑے دے رہا تھا؟[2]

کیا ہم نے تمھاری خاطر، تمھارا بول بالا نہیں کر دیا؟[3]

اس لیے اِس سختی کے ساتھ، ایک بڑی آسانی (تمھاری منتظر) ہے۔[4]

بے شک، اِس سختی کے ساتھ ایک بڑی آسانی (تمھاری منتظر) ہے۔[5]

(ایک دن آئے گا، جب تمھارا مشن مکمل ہو جائے گا) چنانچہ جب تم فارغ ہو جاؤ تو (عبادت کے لیے) کمر باندھ لو، اور اپنے رب سے لو لگائے رکھو۔[6] ۱-۸

[۱] 'سینہ کھول دینے' سے مطلب دین کی وہ معرفت وبصیرت ہے جو حضورؐ کو خاص اپنے پروردگار کی طرف سے عطا ہوئی۔
'لک' کا مطلب ہے، تمھارے لیے۔ گویا یہ سب کچھ خاص حضورؐ کے لیے تھا۔ اس میں مستقبل کے لیے اللہ کی تائید ونصرت کی بشارت بھی پوشیدہ ہے۔

[۲] 'وزر' کا مطلب ہے، بوجھ۔ اس سے مراد غم اور غور وفکر کا وہ بوجھ ہے جو بعثت سے پہلے حقیقت کی تلاش میں اور بعد میں قوم کا رویہ دیکھ کر، آپؐ اپنے اوپر محسوس کرتے تھے۔

[۳] یہ سورہ اس دور میں نازل ہوئی تھی، جب ایک طرف آپؐ کی مخالفت پوری شدت پر تھی، اور دوسری طرف اسلام کی دعوت کا چرچا سرزمین عرب کے ہر گوشے میں پھیلنے لگا تھا۔ حج کے موسم میں باہر سے آنے والے لوگوں کے سامنے حضورؐ دین کی دعوت پیش کرتے اور پھر ان لوگوں کے ذریعے سے اس

دعوت کا تذکرہ ساری سرزمین عرب میں ہوتا۔

[۴] یعنی آسانی اس قدر قریب ہے کہ گویا ساتھ ہی چلی آرہی ہے۔ اس سے مراد وہ آسانی ہے جو آپؐ کو ہجرت کے بعد میسر ہوئی، اور جس کے نتیجے میں پورے عرب نے اس دعوت کو قبول کرلیا۔

یہ اللہ کا وہ وعدہ ہے، جو رسول کے لیے مقدر ہوتا ہے۔ یہاں بھی قرآن نے پورے دعوے کے ساتھ اس وعدے کو دہرایا ہے۔

[۵] اس فقرے کی یہ تکرار تاکید کے لیے بھی ہے، اور اس سے مقصود اس حقیقت کا اظہار بھی ہے کہ یہ 'عسر' اور 'یسر'، دونوں اس دنیا میں لازم وملزوم ہیں۔ اگر انسان ہمت نہ ہارے تو بالآخر وہ منزل مطلوب پر پہنچ جاتا ہے۔

[۶] یعنی جب تمھیں کامل فتح نصیب ہو جائے اور تم اپنی ذمہ داری سے فارغ ہو جاؤ، تو پوری محنت کے ساتھ اپنے آپ کو اپنے پروردگار کی عبادت میں لگادو۔

یہی مضمون سورۂ نصر میں تفصیل کے ساتھ آئے گا۔

سورۂ تین

[۹۵]

نام

اس سورہ کے پہلے لفظ کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کے مضمون سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ مکی دور کے اس مرحلے میں حضورؐ پر نازل ہوئی جب سرداران قریش پر اتمام حجت ہو چکا تھا، یعنی ان کو دین اپنے پورے دلائل اور تفصیل کے ساتھ پہنچایا جا چکا تھا۔ اس سورہ کا موضوع جزا و سزا کا اثبات ہے۔ پھر اس حوالے سے حضورؐ کے مخاطبین کو یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ ان پر، ہر لحاظ سے، اللہ کی حجت پوری ہو گئی ہے۔

رکوعاتہا ۱ | # سُورَةُ التِّينِ مَكِّيَّةٌ | آیاتہا ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ﴿۱﴾ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ﴿۲﴾ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ
تَقْوِيْمٍ ﴿۴﴾ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ
مَمْنُوْنٍ ﴿۶﴾ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ﴿۷﴾ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

گواہی دیتے ہیں تین اور زیتون کے پہاڑ۔[1]

گواہی دیتا ہے طورِ سینین[2]۔

گواہی دیتا ہے، یہ شہرِ امین[3]۔

کہ انسان کو (اُس کے مقصد کے لحاظ سے) ہم نے بہترین ساخت[4] پر پیدا کیا ہے۔ پھر ہم نے اُسے پستی میں ڈال دیا، اِس طرح کہ وہ خود ہی پست ہوا[5]۔ سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے۔ پس اُن کے لیے ایسا صلہ ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا[6]۔

پس (اے نبیؐ)، اِس کے بعد جزا و سزا کے معاملے میں کون تم کو جھٹلا سکتا ہے؟ (اِن سے پوچھو)، کیا اللہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا نہیں ہے[7]؟ ۱-۸

[۱] 'زیتون' اس پہاڑ کا نام ہے جہاں، انجیل کے بیان کے مطابق، حضرت مسیحؑ اٹھائے گئے۔ یہی وہ موقع تھا جب یہود پر اتمام حجت ہو گیا اور بنی اسرائیل میں سے ان کے ماننے والوں کی ایک نئی امت نصاریٰ کی ابتدا ہوئی۔ 'تین' اسی پہاڑ پر واقع ایک گاؤں ہے۔ اس کا ذکر انجیل میں Beth phage کے نام سے ہوا ہے۔ اس میں phage کا لفظ، دراصل fig ہے، جسے عربی میں 'تیـــن' کہتے ہیں۔ جب حضرت مسیحؑ یروشلم آئے، تو شہر میں داخل ہونے سے پہلے اسی جگہ ٹھہرے۔

[۲] اس سے مراد کوہِ طور ہے، جہاں بنی اسرائیل کو تورات ملی اور حضرت موسیٰؑ پر ایمان اور ان کی مدد کے صلے میں ان کو دنیا میں دین کا نمائندہ بنایا گیا۔

'سینین' جمع ہے'سینا' کی۔ یہ جمع اس پہاڑ کی وسعتوں کو ظاہر کرتی ہے۔

[۳] اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے، جہاں حضرت ابراہیم کی اولاد بنی اسماعیل کو اللہ کی عبادت کے سب سے پہلے مرکز، بیت الحرام، کی ذمہ داری بخشی گئی۔ یہاں'امین' کا مطلب ہے پرامن۔ بیت اللہ کی موجودگی کی وجہ سے اللہ نے اس شہر کو پرامن بھی بنادیا اور اس میں رزق کی فراوانی بھی ہوئی۔

[۴] **تقویم** 'کے لفظی معنی ہیں کسی چیز کو سیدھا کرنا۔ اس کے بامحاورہ معنی ہیں کسی چیز کو موزوں اور مناسب ساخت میں بنانا۔

[۵] یعنی اللہ نے انسان کو صرف اس وقت پستیوں میں ڈالا، جب اس انسان نے خود پستیوں کو پسند کیا اور بلندیوں پر چڑھنے کا حوصلہ نہیں کیا۔

[۶] تاریخ عالم کے یہ تین عظیم واقعات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ انسان کو اللہ نے بہترین بدنی اور روحانی ساخت پر پیدا کیا۔ اس ساخت میں اللہ نے سب سے نمایاں خصوصیت یہ رکھی کہ اسے خیر وشر کا شعور بخشا۔ چنانچہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ اگر انسان اپنے مرتبے سے گر جائے اور خیر وشر کو فراموش کردے، تو اس کو جہنم میں گرادیا جائے۔ لیکن اگر یہی انسان خیر وشر کے شعور کو زندہ رکھے اور اپنے مرتبے پر قائم رہے تو جنت کی نعمتیں اس کا مقدر ٹھہریں گی۔

[۷] یعنی جب اللہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ مجرموں اور نیکوکاروں کو ان کے انجام کے لحاظ سے برابر کردے۔ چنانچہ اس انجام کے لیے قیامت کا دن ضروری ہے۔

سورۂ علق

[۹۶]

نام

اس سورہ کی دوسری آیت میں یہ لفظ آیا ہے جس سے اس کا نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کے مضمون سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی جب قریش پر اتمام حجت ہو چکا تھا اور اس کے باوجود ان کی طرف سے ظلم وستم کا بازار گرم تھا۔

اس سورہ میں حضورؐ کو ہدایت دی گئی ہے کہ آپؐ لوگوں کو قرآن مجید سناتے جایئے۔ اگر یہ لوگ، خصوصاً ان کا لیڈر ابولہب، جس کا یہاں نام نہیں لیا گیا، تم سے دشمنی کرتے ہیں تو عنقریب اس کا انجام دیکھ لیں گے۔

بعض صحیح روایات کے مطابق اس سورہ کی پہلی پانچ آیات، پہلی وحی کے طور پر حضورؐ پر غار حرا میں نازل ہوئیں۔ اس سورہ کے اختتام پر ہم اس ضمن میں مزید بحث کریں گے۔

آیاتہا ۱۹ | # سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿۳﴾ الَّذِيْ عَلَّمَ
بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿۵﴾ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى ﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ﴿۷﴾ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ
الرُّجْعٰى ﴿۸﴾ اَرَاَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ﴿۹﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ﴿۱۰﴾ اَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰى ﴿۱۱﴾ اَوْ اَمَرَ
بِالتَّقْوٰى ﴿۱۲﴾ اَرَاَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿۱۴﴾ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا
بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ﴿۱۷﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ
وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾ السجدة ع ۱۹/۲۱ السجدة

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

(اے نبیؐ)، اِنھیں سناؤ[1] اپنے اُس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا ہے[2]۔ جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی ہے۔ انھیں سناؤ، اور واقعہ یہ ہے کہ تمھارا پروردگار بڑا ہی کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہیں جانتا تھا[3]۔

(ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ انسان پروردگار کے مقابلے میں بغاوت کرے)، ہر گز نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان سرکشی کر رہا ہے[4]۔ اس لیے کہ اُس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیا ہے۔ یقیناً اُسے تیرے رب ہی کی طرف پلٹنا ہے۔

تم نے دیکھا اُس شخص کو جو اُس وقت (خدا کے ایک) بندے کو روکتا ہے، جب وہ نماز پڑھ رہا ہوتا ہے؟ ذرا دیکھو تو، اگر وہ بندہ ہدایت پر ہو یا پرہیز گاری کی تلقین کرتا ہو تو[5]...

ذرا دیکھو تو، اگر اس (بدبخت شخص) نے جھٹلایا ہو اور منہ موڑ لیا ہو تب[6]...

کیا اِس شخص نے یہ نہیں جانا کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟

(اِس شخص کی یہ بے پروائی صحیح نہیں،) ہرگز نہیں، (اے نبیؐ،) اگر یہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر اِسے گھسیٹیں گے، جھوٹی اور سخت خطا کار پیشانی۔ وہ بلا لے اپنے حامیوں کی ٹولی کو، ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلا لیں گے[۸]۔

ہرگز نہیں، (اے نبیؐ،) تم اِس شخص کی بات پر ہرگز دھیان نہ دو، سجدہ ریز رہو، اور اس طرح (میرے قریب) ہو جاؤ[۹]۔ ۱-۱۹

[۱] 'اقـرا' کے لغوی معنی ہیں 'پڑھو'۔ اس لفظ کے وسیع معنی یہ بھی ہیں کہ 'پڑھ کر سناؤ'۔ اسی طرح یہ لفظ صرف 'سناؤ' کے معنی میں بھی آتا ہے۔ سورۂ اعراف، آیت ۲۰۴ اور سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۴۵ میں یہ لفظ اسی آخری معنی میں آیا ہے۔ قرینہ دلیل ہے کہ یہاں بھی یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے، اس لیے کہ حضورؐ لکھنے پڑھنے سے نا آشنا تھے۔

[۲] یعنی لوگوں کو یہ بتاؤ کہ یہ کسی سائل کی درخواست نہیں ہے، بلکہ سارے جہانوں کے پروردگار کا وہ کلام ہے جس کی پابندی سب انسانوں پر لازم ہے۔

[۳] اللہ نے انسان کے اندر تجسس اور سیکھنے کا داعیہ (instinct) رکھا ہے۔ اس کی تسکین کے لیے اللہ نے انسان کو قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ اس علم کا سب سے بڑا اظہار وحی الٰہی ہے، جس میں قرآن مجید آخری شاہ کار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں اللہ نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

[۴] یہاں ان انسانوں کی طرف اشارہ ہے جنھوں نے علم کے مقابلے میں جہل کا رویہ اپنا لیا اور یوں سرکشی کا راستہ اختیار کر لیا۔

[۵] درج بالا چار آیات میں قرآن میں ان لوگوں کی سرکشی کو بالکل واضح کر کے دکھا دیا ہے کہ جب خدا کا ایک بندہ، یعنی حضورؐ بیت اللہ میں نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں تو یہ لوگ آپؐ کو نماز بھی پڑھنے نہیں دیتے۔ کیا ایسے سرکش لوگ اپنی شامت کو دعوت نہیں دے رہے؟

[۶] یعنی کیا اس طرزِ عمل کے ذریعے سے ایسے بدبخت شخص نے جہنم نہیں خرید لی؟

[۷] پیغمبر کی مخالفت اور دشمنی اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کے مرتکب شخص کو دنیا میں بھی اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا مل کر رہتی ہے۔

[۸] یہی عذاب کے فرشتے تھے، جو پہلی مرتبہ بدر کے موقع پر آسمان سے اترے اور قریش کی پوری قوت کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد بھی وہ وقتاً فوقتاً اترتے رہے، حتیٰ کہ حضورؐ کا ہر دشمن اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گیا۔

[۹] حق و باطل کی کشمکش میں یہ لازم ہے کہ بندۂ مومن اپنے موقف پر صبر و استقامت کے ساتھ جما رہے اور سجدے اور نماز کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرتا رہے۔

سورۂ علق کا زمانۂ نزول

سورۂ علق کے زمانۂ نزول کے بارے میں تین اقوال پر بحث ضروری ہے۔ سب سے مشہور قول یہ ہے کہ اس سورہ کی ابتدائی پانچ آیات، سب سے پہلی وحی میں، غارِ حرا میں، حضورؐ پر نازل ہوئیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سورۂ مدثر یا اس کی ابتدائی سات آیات پہلی وحی کے طور پر نازل ہوئیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔

پہلے قول کی بنیاد صحیحین کی ایک روایت ہے۔ امام بخاری نے اپنی کتاب میں اس روایت کو یوں درج کیا ہے:

''پہلے جو وحی آنحضرتؐ پر شروع ہوئی وہ اچھا خواب تھا۔ سوتے میں آپؐ جو خواب دیکھتے، وہ (بیداری) میں صبح کی روشنی کی طرح نمودار ہوتا۔ پھر آپ کو تنہائی بھلی لگنے لگی اور آپ حرا کی غار میں اکیلے رہا کرتے اور وہاں گنتی کی کئی راتیں عبادت کرتے، جب تک گھر میں آنے کا شوق پیدا ہوتا، اس مدت کے لیے توشہ (ساتھ) لے جاتے، پھر (جب توشہ ختم ہو جاتا) تو حضرت خدیجہؓ کے پاس لوٹ کر آتے، اتنا ہی توشہ اور لے جاتے۔ یہاں تک کہ آپؐ (اُسی) غارِ حرا میں تھے کہ آپؐ پر وحی آن پہنچی۔ حضرت جبریلؑ آئے، انھوں نے کہا: 'پڑھ'۔ آپؐ نے فرمایا، میں نے کہا: 'میں پڑھا (لکھا) آدمی نہیں'۔ آپؐ فرماتے ہیں پھر جبریلؑ نے مجھ کو پکڑ کر ایسا بھینچا کہ میں بے طاقت ہو گیا، پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا: 'پڑھ'۔ میں نے کہا: 'میں پڑھا (لکھا) آدمی نہیں، (کیونکر پڑھوں)'۔ انھوں نے مجھ کو پھر پکڑا، دوسری بار دبایا، اتنا کہ میری طاقت نے جواب دے دیا، پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا: 'پڑھ'۔ میں نے کہا: '(کیسے پڑھوں) میں پڑھا (لکھا) نہیں ہوں'۔ انھوں نے پھر مجھ کو پکڑا اور تیسری بار دبوچا پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہنے لگے: ''اقرا باسم ربك الذی... مالم یعلم۔ پس یہی آیتیں (حضرت جبریلؑ سے) آپؐ سن کر (پہاڑ سے) لوٹے۔ آپؐ کا دل ڈر کے مارے کانپ رہا تھا۔ حضرت خدیجہؓ (اپنی بی بی کے پاس) جو خویلد کی بیٹی تھیں گئے اور فرمانے لگے 'مجھ کو کپڑا اوڑھا دو، کپڑا اوڑھا دو'۔ لوگوں نے آپؐ کو کپڑا اوڑھا دیا۔ جب آپ کا ڈر جاتا رہا تو آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے یہ قصہ بیان کر کے فرمایا: 'مجھے اپنی جان کا ڈر ہے'۔ خدیجہؓ نے کہا: 'ہرگز نہیں، قسم خدا کی، اللہ آپؐ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپؐ تو ناتا جوڑتے اور ناتواں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں اور جو چیز (لوگوں کے پاس) نہیں، وہ ان کو کما کر دیتے ہیں اور مہمان کی مہمانی کرتے ہیں اور حادثوں میں حق کی مدد کرتے ہیں'۔ پھر خدیجہؓ آپ کو ساتھ لے کر چلیں یہاں تک کہ ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیز کے پاس جو خدیجہؓ کے چچازاد بھائی تھے، لائیں اور وہ ایک شخص تھے جو (بت پرستی چھوڑ کر) جاہلیت کے زمانے میں عیسائی بن گئے تھے اور وہ عبرانی زبان لکھنا جانتے تھے اور انجیل شریف میں سے جو اللہ ان سے لکھوانا چاہتا، وہ عبرانی زبان میں لکھا کرتے اور وہ بوڑھے ضعیف ہو کر اندھے ہو گئے تھے۔ خدیجہؓ نے ان سے کہا: 'میرے چچازاد بھائی (ذرا) اپنے بھتیجے حضرت (محمدؐ) کی بات تو سنو'۔ ورقہ نے آپ سے کہا: 'میرے بھتیجے، کہو تم نے کیا دیکھا'۔ آنحضرتؐ نے جو دیکھا تھا، وہ ان سے بیان کر دیا، تب تو ورقہ کہہ اٹھے یہ تو وہ (خدا کا) رازدار فرشتہ ہے جس کو اللہ نے حضرت موسیٰ پر اتارا تھا۔ کاش میں اس وقت (تیری پیغمبری کے زمانے میں) جوان ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب تم کو تمھاری قوم (اپنے شہر سے) نکال کر باہر کرے گی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: (سچ) کیا وہ مجھ کو نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں، (بے شک نکال دیں گے) جب کبھی کسی شخص نے ایسی بات کہی جیسی تم کہتے ہو تو لوگ اس کے دشمن ہو گئے اور اگر میں اس دن تک جیتا رہا تو تمھاری پوری مدد کروں گا۔ پھر بہت زمانہ نہیں گزرا کہ ورقہ مر گئے اور وحی آنا بند ہو گئی۔

ایک مدت تک آپؐ پر وحی کا سلسلہ بند رہا۔ وحی رک جانے پر آپؐ کو نہایت غم ہوا۔ کئی بار غم کی وجہ سے آپؐ صبح پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ جاتے تاکہ اپنے آپ کو وہاں سے گرا کر ہلاک کر دیں۔ لیکن جب آپؐ کسی چوٹی کے کنارے پر پہنچتے، جبریلؑ ظاہر ہوتے اور

کہتے: 'آپؐ اللہ کے رسول ہیں'۔ اس سے آپؐ کا اضطراب ختم ہو جاتا اور آپؐ کے دل کو سکون مل جاتا۔''
(مشکوٰۃ شریف مترجم ۱۴۸/۳۔ ۱۴۶، مکتبۂ رحمانیہ لاہور)

پہلی وحی کے بعد، وحی کا سلسلہ کتنی مدت بند رہا، اس بارے میں روایات میں آپس میں اختلاف ہے۔ صحیح بخاری کے شارح علامہ وحید الزمان کے مطابق وحی ڈھائی یا تین برس تک بند رہی، اور پھر سورۂ مدثر کی ابتدائی آیتیں اتریں۔

درج بالا روایت میں چند باتیں کھٹکتی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ کیا حضرت جبریلؑ نے حضورؐ کے پاس آکر آپؐ کو نہ تو سلام کیا، نہ اپنا تعارف کرایا، نہ آپؐ کو یہ بتایا کہ اللہ کی طرف سے آپؐ پر کیا ذمہ داری عائد کی جارہی ہے، اور وحی کے الفاظ کہنے سے پہلے بسم اللہ بھی نہیں پڑھی؟ ایسا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ جب اللہ نے حضرت موسیٰؑ سے خود کلام کیا، تو انھیں بتایا کہ میں تمھارا خداوند تم سے بات کر رہا ہوں۔ اسی طرح اس پہلی ملاقات میں یہ ضروری تھا کہ حضرت جبریلؑ ابتدا میں پوری بات حضورؐ کے سامنے رکھتے۔ دوسری بات یہ کہ کیا فرشتے نے وحی کے الفاظ لکھی ہوئی صورت میں آپؐ کے سامنے پیش کیے اور انھیں پڑھنے کے لیے کہا؟ کیونکہ صرف اسی صورت میں حضورؐ یہ جواب دے سکتے تھے کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ پر ہزاروں مرتبہ وحی کا نزول ہوا، لیکن وحی کبھی بھی لکھی ہوئی صورت میں آپؐ کے سامنے پیش نہیں کی گئی۔

اس روایت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس پہلی وحی کے بعد، ایک عرصے کے لیے، وحی کا سلسلہ رک گیا۔ حتیٰ کہ کئی بار حضورؐ شدتِ غم سے خودکشی کی نیت سے پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی چڑھ جاتے۔ یہ بات شانِ رسالت کے منافی ہے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ ہونا تو ایسا چاہیے تھا کہ پہلی وحی آنے کے بعد حضرت جبریلؑ کا ایک مستقل اور نہایت مضبوط رابطہ حضورؐ سے استوار ہوتا، کیونکہ نبوت و رسالت تو ایک عظیم ترین ذمہ داری ہے۔ یہ لازم تھا کہ جبریلؑ، حضورؐ کو کائنات، دنیا اور دین سے متعلق ساری ضروری باتوں سے فوری طور پر باخبر کرتے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ یہ بھی لازم تھا کہ حضورؐ کو رسالت ملنے کے ساتھ ہی عبادات، خصوصاً نماز کا طریقہ سکھا دیا جاتا۔ اس بات کو ذہن کسی طرح بھی تسلیم نہیں کرسکتا کہ پہلی وحی کے بعد حضورؐ کو ایک لمبے عرصے تک، حتیٰ کہ بعض روایات کے مطابق ڈھائی یا تین برس تک بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا ہوگا۔

درج بالا روایت کے اور بھی کچھ پہلوؤں میں کمزوریاں موجود ہیں، لیکن بطور مثال یہ تین باتیں غور و فکر کے لیے کافی ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ سورۂ مدثر یا اس کی ابتدائی سات آیات سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ اس کی بنیاد بھی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک روایت پر ہے۔ اس روایت کے مطابق: ''یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے ابوسلمہ سے پوچھا کہ قرآن کا کون سا حصہ سب سے پہلے نازل ہوا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ 'یا ایھا المدثر'۔ میں نے کہا کہ مجھے تو یہ بتایا گیا ہے کہ پہلے 'اقرا باسم ربك...' نازل ہوا تھا۔

ابوسلمہ نے کہا کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے پوچھا تھا کہ قرآن کا کون سا حصہ سب سے پہلے نازل ہوا ہے، اور میں نے بھی ان سے یہی کہا تھا جو تم نے کہا ہے تو انھوں نے کہا کہ میں تو تجھے وہی خبر دوں گا جو رسول اللہؐ نے فرمایا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''میں غارِ حرا میں تھا، جب میں نے اپنا اعتکاف ختم کرلیا تو وہاں سے نیچے اترا۔ میں ابھی وادی کے بیچ میں تھا کہ ایک آواز سنائی دی۔ پھر میں نے اپنے آگے پیچھے، دائیں بائیں نظر دوڑائی تو کچھ نظر نہ آیا۔ پھر میں نے سر اٹھایا تو ایک چیز دیکھی۔ اس کے بعد میں نے خدیجہؓ کے پاس آکر کہا کہ مجھے اوڑھاؤ اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔ انھوں نے مجھے اوڑھا دیا اور ٹھنڈا پانی ڈالا۔ پس اس موقع پر 'یا ایھا المدثر...' مجھ پر نازل ہوئی۔'' (بخاری، کتاب التفسیر۔ مسلم، کتاب الایمان)

اس مضمون کی کئی روایات اور بھی ہیں۔ ان روایات میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ ان میں یہ نہیں کہا گیا کہ سورۂ مدثر کی صرف ابتدائی سات آیات ہی پہلی وحی میں نازل ہوئیں۔ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ ساری سورۂ مدثر پہلی وحی کے طور پر نازل ہوئی ہو۔ لیکن اگر اس کی ابتدائی سات آیات ہی کا بغور مطالعہ کیا جائے، تو پہلی وحی کے طور پر ان کا نزول کچھ موزوں نہیں لگتا۔ مثلاً ایسے موقع پر حضورؐ کو صبر کی تلقین کا کیا مطلب، جبکہ ابھی دعوت کا کام شروع ہی نہیں ہوا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ مشہور محدث امام بیہقی نے اپنی کتاب 'دلائل النبوۃ' میں یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ آپؐ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے جائیں۔ حضرت ابوبکرؓ، آپؐ کو لے کر ورقہ کے پاس گئے، اور آپؐ نے جو کچھ دیکھا تھا، وہ ورقہ سے بیان کر دیا، اور یہ بھی فرمایا کہ جب میں تنہائی میں ہوتا ہوں تو ایک ندا سنائی دیتی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ محمدؐ، محمدؐ۔ میں یہ سن کر بھاگ کر چلا جاتا ہوں۔ ورقہ نے کہا کہ ایسا نہ کرو، بلکہ رک کر سنو، اور پھر آکر مجھ سے بیان کرو۔ اس کے بعد جب آپؐ تنہا ہوئے تو کسی نے پکارا، محمدؐ۔ جب آپ رک گئے تو کسی نے کہا: ''کہو بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للّٰہ رب العالمین...' آخر سورہ تک۔ پھر اس نے کہا، کہو لا الٰہ الا اللّٰہ'۔ (تفسیر مظہری ۱۱-۱۲/۳۰۷-۳۰۸)

مشہور ترین مفسر قرآن، زمخشری، بھی اسی نقطۂ نظر سے اتفاق کرتے ہیں۔

درج بالا تینوں روایات سند کی حیثیت سے صحیح ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان تینوں روایات میں حق و صداقت موجود ہے، تاہم کچھ راویوں سے یا تو کچھ باتیں، انسانی کمزوری کی وجہ سے، رہ گئی ہیں، اور یا پھر انھوں نے پوری سرگزشت کے صرف چند پہلوؤں کو بیان کیا۔ جب مختلف روایات میں آپس میں بظاہر تضاد نظر آئے، تو یہ ضروری ہے کہ ان کو قرآن مجید کی روشنی میں دیکھا جائے، اور اس موضوع سے متعلق ساری روایات کو اکٹھا کر کے ان پر غور وفکر کیا جائے۔ ان دو اصولوں کی روشنی میں اہل علم کی اکثریت کا یہ خیال ہے کہ سب سے پہلی وحی، سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیات پر مشتمل تھی۔ اس کے بعد کچھ عرصے تک وحی کا سلسلہ بند رہا، اور اس عرصے کے بعد نازل ہونے والی پہلی وحی، سورۂ مدثر کی پہلی سات آیات پر مشتمل تھی۔ البتہ سب سے پہلے مکمل طور پر نازل ہونے والی سورہ، سورۂ فاتحہ تھی۔

تھوڑے سے غور وفکر سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ درج بالا موقف میں بڑے اندرونی تضادات موجود ہیں اور اسے ان روایات کی صحیح ترجمانی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس موقف پر وہ تمام اشکالات بھی وارد ہوتے ہیں، جن کا تذکرہ پہلے کیا جاچکا ہے۔

اس عاجز کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ پہلی ملاقات کے موقع پر، سلام وتعارف کے بعد، حضرت جبریلؑ نے حضورؐ کو قرآن مجید کے نزول سے متعلق آگاہ کیا ہوگا۔ اس آگاہی کے لیے جبریلؑ نے سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیات تلاوت کی ہوں گی، اور اس کے بعد جبریلؑ نے آپؐ کو سورۂ فاتحہ پڑھوائی ہوگی۔ چونکہ یہ وحی کا پہلا تجربہ تھا، اس لیے قدرتی طور پر اس سے حضورؐ کو بہت پریشانی ہوئی، اور ورقہ بن نوفل والا واقعہ پیش آیا۔

اس پہلے تجربے سے سنبھلنے کے بعد وحی کا سلسلہ پے در پے شروع ہوگیا، اور اگر درمیان میں کوئی وقفہ آیا بھی ہے، تو وہ ہفتہ، دس دن سے زیادہ کا نہیں ہوگا۔

ابتدائی ڈھائی تین برس میں حضورؐ کو یہ حکم تھا کہ آپؐ صرف اپنے قریبی لوگوں ہی کو دین کی دعوت دیجیے۔ اس کے بعد جب 'انذار عام یا تبلیغ عام' کا مرحلہ آیا، تو اس مرحلے کے شروع ہونے پر سب سے پہلی نازل ہونے والی سورہ، سورۂ مدثر تھی۔ اسی مرحلۂ انذار عام کے خاتمے کے بعد جب 'اتمام حجت' کا مرحلہ شروع ہوا، تو اس موقعے پر پوری سورۂ علق نازل ہوئی، اور پہلی ملاقات کے موقع پر جبریل امینؑ نے قرآن کے تعارف کے لیے جو آیات کہی تھیں، انھیں یہاں مضمون کی مناسبت سے سمو دیا گیا۔ سورۂ علق کی آیت نمبر ۵ میں جس انسان کا ذکر ہے، آیت نمبر ۶ میں معاً اسی انسان پر تنقید ہے۔ گویا یہ پوری سورہ مربوط، ہم رنگ اور ہم آہنگ ہے۔ 'واللّٰہ اعلم باالصواب'۔

اس عاجز کے مطابق درج بالا تعبیر قرآن مجید کے اصولوں اور ترتیب نزول کے مطابق ہے، اور اس سے صحیح روایات کے اکثر حصوں کی تسلی بخش وضاحت ہو جاتی ہے۔

سورۂ قدر

[۹۷]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت کے ایک لفظ کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کا موضوع نزول قرآن ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس کتاب کو اللہ نے خاص اہتمام سے ایک ایسی رات میں نازل کرنا شروع کیا، جس میں کائنات کے بارے میں بہت بڑے بڑے فیصلے ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کتاب کو کوئی معمولی چیز نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس سورہ کے مضمون سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس دور میں نازل ہوئی، جب قرآن کے متعلق مخالفین کے پروپیگنڈے پورے زور پر تھے۔

ایاتہا ۵ | # سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿۲﴾ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ﴿۳﴾
تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ﴿۴﴾ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿۵﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

ہم نے اِس (قرآن) کو اُس رات [۱] میں نازل کیا ہے، جس میں تقدیر کے فیصلے ہوتے ہیں [۲]۔ اور تمھیں کیا معلوم کہ وہ فیصلوں کی رات کیا ہے! فیصلوں کی یہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے [۳]۔ اِس میں فرشتے اور روح الامین [۴]، اپنے پروردگار کی اجازت سے، ہر حکم لے کر، اُترتے ہیں۔ یہ رات سراسر سلامتی ہے، طلوعِ فجر تک [۵]۔ ۱-۵

[۱] یعنی اس رات میں قرآن کے نزول کا فیصلہ ہو گیا، اور پہلی وحی اسی رات میں نازل ہوگئی۔ عربی زبان میں یہ لفظ نزول کی ابتدا، اس کی انتہا اور اس کی تکمیل، گویا سب مرحلوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ فقرے کے سیاق وسباق (context) سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ لفظ کون سے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

[۲] یعنی اسے نہ تو کسی شخص نے تصنیف کیا ہے اور نہ یہ کسی شیطان کا الہام ہے۔ بلکہ اللہ نے چاہا کہ انسانوں کو اس عظیم ترین ہدایت سے سرفراز کیا جائے۔

[۳] چونکہ اللہ کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے، اس لیے اس رات میں اللہ کی طرف سے جتنے بھی فیصلے ہوتے ہیں، وہ سب بلحاظ مجموعی کائنات اور انسانیت کے لیے خیر پر مبنی ہوتے ہیں۔ چنانچہ جو رحمتیں، برکتیں اور اللہ سے قرب کے جو مواقع اس ایک رات میں حاصل ہوتے ہیں، وہ ہزاروں راتوں میں بھی نہیں ہو سکتے۔ یقیناً ان فیصلوں میں انسانوں سے متعلق کچھ سخت فیصلے بھی ہوتے ہیں، لیکن وہ چونکہ اس ذات کی طرف سے ہوتے ہیں، جس کا ہر فیصلہ رحمت، حکمت اور عدل پر مبنی ہوتا ہے، اس لیے یہ سخت فیصلے بھی نتیجے کے اعتبار سے مبارک ہی ہوتے ہیں۔

[۴] '**الروح**' سے مراد جبریل امینؑ ہیں۔ ان کے بڑے مرتبے کی وجہ سے، ان کا ذکر دوسروں سے الگ کیا گیا ہے۔

[۵] یعنی فجر کے نمودار ہونے تک اس رات میں خیر ہی خیر ہے، ہر شر اور فتنے سے پاک۔ ان فیصلوں میں کسی شیطان جن وانس کے لیے دراندازی کا کوئی موقع نہیں ہوتا۔

چونکہ سورۂ بقرہ، آیت ۱۸۸ میں فرمایا گیا ہے کہ قرآن رمضان کے مہینے میں نازل ہوا۔ اس لیے اس سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ شب قدر بھی رمضان ہی کی کوئی رات ہے۔ بہت سی روایات کے مطابق حضورؐ نے اس رات کے عمل کی بڑی فضیلت بیان کی ہے۔

سورۂ بیّنہ

[۹۸]

نام

پہلی آیت کے ایک لفظ کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کے انداز بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مکہ میں ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے حضورؐ کی دعوت کے مرحلۂ اتمام حجت میں نازل ہوئی۔

اس سورہ میں قریش اور اہل کتاب کے بعض لوگوں کے ایک لغو مطالبے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کا مطالبہ تھا کہ آسمان سے ان پر کوئی ایسی کتاب نازل ہو، جسے کوئی فرشتہ پڑھتا ہوا اترے۔ ظاہر ہے کہ ایسے مطالبے کو ماننا، آزمایش کے اصول کے خلاف ہوتا، اور اگر ایسا مطالبہ مان لیا جائے تو پھر منکرین کے لیے اگلا قدم اسی دنیا میں عذاب کا ہوتا ہے۔ چنانچہ لوگوں کو بتایا گیا کہ دین کی دعوت کو پرکھنے کا اصل راستہ کیا ہے۔

ایاتها ۸ | رکوعاتها ۱

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿۱﴾ رَسُوْلٌ مِّنَ
اللّٰهِ يَتْلُوْ صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴿۲﴾ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴿۳﴾ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَ
تْهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿۴﴾ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ
وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ﴿۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا
اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ﴿۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿۷﴾ جَزَآؤُهُمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ
ع ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ﴿۸﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد و حساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

اہلِ کتاب اور مشرکین (قریش) میں سے جن لوگوں نے[2] (قرآن کا) انکار کیا، یہ اپنی ضد سے باز آنے والے نہیں ہیں، یہاں تک کہ (ان کی خواہش کے مطابق) واضح نشانی ان کے پاس آجائے، یعنی اللہ کی طرف سے ایک ایسا پیغام بر (فرشتہ) جو یہ پاکیزہ اوراق تلاوت کرتا ہوا[3] (آسمان سے اترے)، جس میں صاف ہدایات ہوں۔

اور واقعہ یہ ہے کہ جن لوگوں کو (پہلے) کتاب دی گئی تھی، وہ یہ واضح نشانی[4] اپنے پاس آجانے کے بعد ہی تفرقہ میں پڑے[5]۔ (اُس کتاب میں بھی) انھیں یہی ہدایت دی گئی تھی کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اطاعت کو اُس کے لیے خالص کرتے ہوئے، پوری یکسوئی کے ساتھ، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ سیدھی ملت (ملتِ ابراہیمی) کا دین یہی[6] ہے۔

اہلِ کتاب اور مشرکین (قریش) میں سے یہ منکرینِ حق یقیناً دوزخ کی آگ میں جا پڑیں گے، اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ یہی

لوگ مخلوقات میں سے بدترین ہیں۔

(اس کے برخلاف) وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، یقیناً مخلوقات میں سے بہترین ہیں۔ اُن کی جزا، اُن کے پروردگار کے پاس، ہمیشگی کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔ وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ صلہ ہے اُس شخص کے لیے، جو اپنے پروردگار سے (بن دیکھے) ڈرے [۸] ۱-۸

[۱] 'مشرکین' کا لفظ جب قرآن میں ایک گروہ کے لیے آتا ہے، تو اس سے ہمیشہ مشرکین قریش یا مشرکین بنی اسماعیل ہی مراد ہوتے ہیں۔ اہل کتاب اور مشرکین، دونوں گروہوں کے لیے قرآن نے الگ الگ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب اپنے آپ کو موحد کہتے ہیں اور اصولی طور پر توحید، آخرت اور وحی پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کے برخلاف مشرکین وہ لوگ ہیں، جو خود اپنے آپ کو مشرک کہتے ہیں، اور اپنے دین کو 'دین شرک' قرار دیتے ہیں۔

[۲] 'مـــن' کے لفظ کا مطلب ہے 'میں سے'۔ گویا اس آیت میں ان دونوں گروہوں کے صرف ان افراد کا ذکر ہے جن کو دین کی دعوت مکمل طور پر پہنچائی جا چکی ہے، اور اس کے باوجود وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث علم وعقل کی کوئی بات سننے اور سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

[۳] یعنی ان لوگوں کا مطالبہ ہے کہ آسمان سے براہ راست ایک فرشتہ آئے، وہ ان کو ایک لکھی ہوئی کتاب دے، جس میں بس چند متعین احکام ہوں۔ واضح رہے کہ ان منکرین حق کا قرآن پر ایک بڑا اعتراض یہ تھا کہ (نعوذ باللہ) قرآن ہمیں غیر متعلق باتیں بتاتا ہے۔ ان کا یہ اعتراض بالکل غلط تھا، اس لیے کہ قرآن کی کوئی بات بھی غیر متعلق نہیں ہے، بلکہ ہر بات عبرت ونصیحت سے متعلق ہے اور ہر ہدایت کے ساتھ اس کی حکمت بھی بیان کی گئی ہے۔

[۴] واضح نشانی سے مراد تورات کی وہ تختیاں ہیں، جو حضرت موسیٰ کو کوہ طور پر دی گئی تھیں اور وہ غیر معمولی معجزات کے ساتھ بنی اسرائیل کے پاس آئے۔

[۵] ایسی واضح نشانی دیکھ لینے کے بعد بھی بنی اسرائیل کا ایک بڑا گروہ انکار حق، بغاوت اور احسان فراموشی کے راستے پر چلتا رہا۔ گویا اگر حضورؐ پر بھی اس طرح کی کوئی نشانی اترے تو مفسد ذہن کے لوگ اس کا بھی انکار کر دیں گے۔

[۶] یعنی قرآن کی صداقت کو پرکھنے کا اصل معیار یہ ہے کہ کیا یہ ملت ابراہیمی کے دین کے عین مطابق نازل ہوا ہے یا نہیں۔ اگر قرآن نے اہل کتاب اور مشرکین کی جاری کردہ بدعات کو ختم کر کے وہی تعلیمات ایک دفعہ پھر واضح کر دی ہیں جو ملت ابراہیمی کے پیغمبر لے کر آئے تھے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن برحق ہے۔

[۷] یہود یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خواہ وہ جو کچھ بھی کریں، حتیٰ کہ اگر کسی سچے پیغمبر کا انکار بھی کریں، تو انھیں زیادہ سے زیادہ چند دن کی سزا آخرت میں دی جائے گی، اس لیے کہ وہ خدا کی چہیتی قوم ہیں۔ اسی طرح مشرکین کا خیال یہ تھا کہ چونکہ ہم فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں، اس لیے، اگر کوئی آخرت ہوئی بھی تو یہ فرشتے ہمیں بخشوا لیں گے۔ یہاں قرآن نے ان دونوں گروہوں کے اس غلط خیال کی نہ صرف تردید کی ہے، بلکہ یہ بھی کہا کہ یہ وہ بدترین رویہ ہے جو کوئی مخلوق روا رکھ سکتی ہے۔

'البریة' دراصل 'بَرا' سے ہے، جس کے معنی خلق کے ہیں۔ اسی لیے اللہ کی ایک صفت 'الباری' ہے۔

[۸] یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے حق کو ماننے کے لیے یہ شرط نہیں رکھی کہ وہ اپنی آنکھوں سے فرشتوں کو دیکھیں، بلکہ علم وعقل کے ذریعے سے بات کو سمجھا اور جب بات ان کی سمجھ میں آ گئی تو پھر انھوں نے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہوئے زندگی بسر کی۔

سورۂ زلزال

[۹۹]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے جس سے یہ نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کا مضمون آخرت اور حساب کتاب کا اصل معیار ہے۔ اس میں انسان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ اس دن سے غافل نہ رہے۔ اس کے مضمون سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ پچھلی سورتوں کی طرح یہ بھی مکہ میں، ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے، حضورؐ پر نازل ہوئی۔

رکوعاتہا ۱ | # سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ | اٰیاتہا ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿۱﴾ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ﴿۲﴾ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ﴿۳﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ
اَخْبَارَهَا ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ﴿۵﴾ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ﴿۶﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿۷﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

جب زمین ہلادی جائے گی، جس طرح کہ ہلانے کا حق ہے[۱] اور زمین اپنے اندر کے سارے بوجھ نکال کر باہر ڈال دے گی[۲]۔ (اُس وقت) انسان کہے گا: ''یہ اِس کو کیا ہوگیا ہے۔'' اُس دن تیرے پروردگار کے اشارے سے[۳]، وہ اپنی سب کہانی کہہ سنائے گی۔ اُس دن لوگ الگ الگ نکلیں گے[۴]، اِس لیے کہ اُن کے اعمال انھیں دکھائے جائیں۔ پھر جس نے ذرّہ برابر بھلائی کی ہے، وہ بھی اُسے دیکھ لے گا، اور جس نے ذرّہ برابر برائی کی ہے، وہ بھی اُسے دیکھ لے گا[۵]۔ ۱-۸

[۱] یعنی پوری زمین کو جھٹکے پر جھٹکے دے کر شدت کے ساتھ ہلا ڈالا جائے گا۔ 'زلزالها' کے لفظی معنی ہیں، 'اُس کا ہلایا جانا'۔

[۲] اس دن سب مردے اپنی قبروں سے نکل آئیں گے اور زمین اپنے سارے خزانے، دفینے اور مجرموں کے جرائم کی یادگاریں، سب نکال کر باہر ڈال دے گی۔

[۳] یہاں لفظ 'وحی' اشارے اور حکم کے مفہوم میں ہے۔

[۴] یعنی اکیلے اور تنہا نکلیں گے۔ کسی کا ساتھ دینے والا کوئی بھی نہ ہوگا۔

[۵] اس دن ہر ایک کا نامۂ اعمال، ساری تفصیلات کے ساتھ، اس کے سامنے آجائے گا۔ پھر سورۂ قارعہ، آیات ۶-۹ کے مطابق جس کے پلڑے بھاری ہوئے، اسے جنت میں داخل کیا جائے گا اور جس کے پلڑے ہلکے ہوئے، اسے دوزخ کے حوالے کر دیا جائے گا۔

سورۂ عادیات

[۱۰۰]

نام

اس سورہ کے پہلے لفظ کو اس کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کا مرکزی مضمون بھی قیامت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انسانوں کو ان کے برے رویوں کے بارے میں خبردار کیا گیا ہے۔ اس کے مضمون سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکی دور میں، ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے، مرحلۂ اتمام حجت میں، حضورؐ پر نازل ہوئی۔

ایاتها ۱۱ | # سُورَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا ﴿۱﴾ فَالْمُورِيَاتِ قَدْحًا ﴿۲﴾ فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا ﴿۳﴾ فَأَثَرْنَ بِهِ نَقْعًا ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهِ
جَمْعًا ﴿۵﴾ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ﴿۶﴾ وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ ﴿۷﴾ وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ﴿۸﴾ أَفَلَا
ع يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ﴿۹﴾ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ﴿۱۰﴾ إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَخَبِيرٌ ﴿۱۱﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

گواہی دیتے ہیں

یہ ہانپتے، دوڑتے گھوڑے[1]،

پھر اپنی ٹاپوں کی ٹھوکر سے چنگاریاں جھاڑتے،

پھر صبح سویرے چھاپہ مارتے[2]،

پھر اِس (تگ ودو) میں غبار اڑاتے،

اور اِسی (غبار) کے ساتھ مجمع میں گھس جاتے ہیں۔ ——

(یہ گواہی دیتے ہیں کہ) انسان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے[3]۔ اور اپنے اِس (رویے) پر وہ خود گواہ ہے[4]۔ وہ مال ودولت کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے۔[5]

پھر کیا وہ اُس وقت کو نہیں جانتا، جب قبریں اُگلوائی جائیں گی اور دلوں کے بھید نکلوائے جائیں گے[6]؟ اس میں شبہ نہیں کہ اُس دن تیرا پروردگار اُن کی ہر چیز سے واقف ہوگا۔ ۱-۱۱

[۱] 'عادیات' کے لفظی معنی ہیں 'دوڑنے والے'۔ آگے جو صفات ایک ترتیب کے ساتھ بیان ہوئی ہیں، ان سے صاف واضح ہے کہ اس سے مراد دوڑنے والے گھوڑے ہی ہیں۔

[۲] سرزمین عرب میں دشمن پر حملہ کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ حملہ کرنے والے رات کے اندھیرے میں چل کر جاتے تاکہ دشمن خبردار نہ ہو سکے، اور صبح سویرے اچانک دشمن پر ٹوٹ پڑتے۔ یہاں اسی طرف اشارہ ہے۔

[۳] ابتدائی پانچ آیات میں اس غارت گری اور لوٹ مار کی طرف اشارہ ہے، جس سے اس زمانے میں عرب کا کوئی قبیلہ محفوظ نہ تھا۔ صرف قریش کے لوگ اس سے محفوظ تھے، اس لیے کہ لوگ، بیت اللہ کے متولی ہونے کی حیثیت سے، ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ لیکن بجائے اس کے کہ قریش اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتے اور اس کی بندگی بجالاتے، وہ حد درجہ غرور و تکبر اور شرک میں مبتلا ہو گئے۔

اس آیت کے اندر یہ مطلب بھی موجود ہے کہ گھوڑا اپنے مالک کا اتنا وفادار و جان نثار ہے کہ اپنے مالک کے لیے بلا جھجک اپنی جان قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے، لیکن یہ انسان خدا کی بندگی کے حقوق اور فرائض سے بالکل بے پروا ہے۔

[۴] یعنی اگر وہ اپنے ضمیر سے پوچھے اور اپنی فطرت کی طرف دھیان دے تو اسے فوراً یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یقیناً وہ اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

[۵] انسان اپنے اسی ناشکرے پن کی وجہ سے اپنی دولت کی محبت میں غرق ہو جاتا ہے اور غریبوں اور کمزوروں کی ضرورتوں سے بالکل بے پروا ہو جاتا ہے۔

[۶] قیامت کے دن انسان کے دلوں کے ارادے، نیتیں، اغراض و مقاصد اور باطنی محرکات، سب کے سب کھول کر رکھ دیے جائیں گے، تاکہ ہر شخص پر حجت قائم ہو جائے۔

سورۂ قارعہ

[۱۰۱]

نام

اس سورہ کے پہلے لفظ کو اس کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کا مضمون بھی قیامت اور آخرت ہے اور اس کا زمانۂ نزول بھی لگ بھگ وہی ہے جو اس سے پچھلی سورتوں کا ہے۔

ایاتہا ۱۱ — ## سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ — رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْقَارِعَةُ ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۳﴾ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ﴿۴﴾
وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴿۵﴾ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۶﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ
خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ﴿۹﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

وہ کھٹکھٹانے والی![1]

کیا ہے وہ کھٹکھٹانے والی،

اور تمھیں کیا معلوم کہ کیا ہے وہ کھٹکھٹانے والی!

اس دن لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہوں گے[2]۔ اور پہاڑ دُھنی ہوئی اُون کی مانند ہو جائیں گے[3]۔

پھر جس کے پلڑے بھاری ہوئے، وہ دل پسند عیش میں ہوگا۔ اور جس کے پلڑے ہلکے ہوئے، اُس کا ٹھکانا[4] گہری کھائی ہے۔ اور تمھیں کیا خبر کہ وہ کیا چیز ہے؟ وہ تو دہکتی آگ ہے۔ ۱-۱۱

[۱] 'القارعة' قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، یعنی وہ جو رات میں آنے والے کی طرح اچانک آئے گی، اور جس طرح وہ دروازہ کھٹکھٹا کر سونے والوں کو دہشت کے ساتھ جگا دیتا ہے، اسی طرح وہ پورے عالم کو خوف ودہشت کے ساتھ جگا دے گی۔

[۲] یعنی ہر فرد بالکل تنہا اور الگ ہوگا۔ کوئی کسی کے ساتھ نہ ہوگا۔

[۳] 'عهن' اس اون کو کہتے ہیں جو خوب اچھی طرح دھن چکی ہو۔ پہاڑ اس دن ایسے ہی پراگندہ ہو جائیں گے۔

[۴] 'اُم' کے معنی ماں کے ہیں۔ ٹھکانے کا مفہوم اسی سے نکلا ہے۔

سورۂ تکاثر

[۱۰۲]

نام:

پہلی آیت کے لفظ کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کا مرکزی مضمون آخرت ہے۔ اس حوالے سے لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ دنیا کی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی خواہش نے ان کو اس سب سے بڑی حقیقت سے غافل کر دیا ہے۔ اس کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بھی مکی دور کے، مرحلۂ اتمام حجت میں، حضورؐ پر نازل ہوئی۔

ایاتہا ۸ | سُوْرَۃُ التَّکَاثُرِ مَکِّیَّۃٌ | رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ﴿١﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿٢﴾ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٣﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤﴾ كَلَّا
لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ﴿٥﴾ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ﴿٦﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ﴿٧﴾ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ
النَّعِيْمِ ﴿٨﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

بہت پانے کی حرص نے تم لوگوں کو غافل[١] کر دیا، یہاں تک کہ تم قبروں تک جا پہنچے۔ ہرگز نہیں، (تمھاری یہ کوشش ہرگز صحیح نہیں)، تم جلد جان لوگے[٢]۔ پھر (سن لو)، ہرگز نہیں، تم جلد جان لوگے۔

ہرگز نہیں، اگر تم یقین سے جانتے کہ تم دوزخ کو دیکھ کر رہو گے، (تو تمھارا طرزِ عمل یہ نہ ہوتا)۔

پھر (سن لو کہ) تم دوزخ دیکھ کر رہو گے۔

پھر (سن لو کہ) تم اُسے یقین کی آنکھوں سے دیکھ لوگے۔

پھر تم سے اُس دن سب نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا[٣]۔ ۱-۸

[۱] 'الھٰکم' اصل میں 'لھو' سے ہے، جس کے معنی غفلت کے ہیں۔

'تکاثر' کے معنی کثرت کے ہیں، یعنی دنیوی چیزوں کی کثرت میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی تگ ودو۔

[۲] یعنی اے حضورؐ کے دشمنو، تم لوگ بہت جلد اس دنیا میں بھی اس کا انجام دیکھ لوگے اور آخرت میں بھی اس کا انجام دیکھ لوگے۔

[۳] اس سورہ کا پورا مزاج یہ بتا رہا ہے کہ اس میں حضورؐ کے ان مخالفین کو مخاطب کیا گیا ہے، جن پر اتمام حجت ہو چکا تھا۔ اسی لیے ان کو واضح طور پر دوزخ کی وعید دی گئی۔ سرداران قریش، چونکہ، بیت اللہ کے متولی تھے، اس لیے اس حیثیت میں ان کے پاس بہت دولت آ گئی تھی۔ اس دولت نے ان کو مزید حریص بنا دیا تھا۔ اسلام کی مخالفت بھی وہ، دراصل، اسی وجہ سے کر رہے تھے کہ، ان کے خیال میں، اس دعوت کو ماننے کے نتیجے میں ان کے پاس مال واسباب کی فراوانی نہ رہتی۔ چنانچہ یہاں قرآن نے ان کو بتایا کہ اگر تم لوگ اس پیغام کو نہ مانو گے، تو بہت جلد اسی دنیا میں تمھیں سزا مل جائے گی، اور تمھارا اسارا مال

واسباب تم سے چھن جائے گا۔ اوراس کے بعد تمہیں دوزخ کی سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔

ہمارے لیے اس سورہ میں دو پیغام ہیں۔ ایک یہ کہ اس سورہ کی دھمکی اسی دنیا میں مکمل طور پر پوری ہوئی۔ دوسرا یہ کہ ہمیں بھی اپنے طرزِ عمل کا مسلسل جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ کہیں دنیا کی محبت ہم پر اتنی غالب تو نہیں آ گئی کہ ہم آخرت کو بھول گئے۔

سورۂ عصر

[۱۰۳]

نام

پہلی آیت کے لفظ کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ میں گزرے ہوئے سارے رسولوں کے زمانے کو گواہی میں پیش کر کے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ جس انسان نے بھی اپنے رسول کی بات نہ مانی، وہ خسارے میں پڑ گیا۔ چنانچہ حضورؐ کے منکرین کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا۔

اس سورہ کے مضمون سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی مکی دور کے، مرحلۂ اتمام حجت میں، حضورؐ پر نازل ہوئی۔

ایاتھا ۳ — # سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ — رکوعاتھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعَصْرِ ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬
وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

زمانہ گواہی دیتا ہے[۱] کہ انسان خسارے میں ہے[۲]۔ سوائے اُن لوگوں کے، جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی نصیحت کرتے رہے[۳]۔ ۱-۳

[۱] یعنی رسولوں کی ساری تاریخ کا زمانہ یہ گواہی دیتا ہے۔

[۲] جس شخص نے بھی اپنے رسول کی بات کا انکار کیا، وہ خسارے میں پڑ گیا۔ گویا اس سورہ کے ذریعے سے حضورؐ کے مخاطبین کو دوٹوک الفاظ میں بتادیا گیا کہ اگر وہ حضورؐ کی بات کا انکار کریں گے تو ان کی دنیا بھی تباہ ہو جائے گی، اور وہ آخرت میں بھی خسارے میں پڑ جائیں گے۔

[۳] یہ دعوت کی وہ ذمہ داری ہے جو قرآن نے اپنے ہر ماننے والے پر عائد کی ہے۔ یہ ایمان کے بنیادی تقاضوں میں سے ایک لازمی تقاضا ہے۔

لفظ **تواصوا**' سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس دینی دعوت کا دائرۂ عمل ہر شخص کا اپنا ماحول ہی ہے۔ اس ماحول میں ہر شخص، ہر وقت داعی بھی ہے اور مدعو بھی۔ یعنی کبھی ایک شخص، دوسرے شخص کو اس کی غلطی پر توجہ دلائے گا، اور کبھی یہ دوسرا شخص، پہلے شخص کو اس کے کسی غلط کام پر متنبہ کرے گا۔

یہ بھی ضروری ہے کہ ہر شخص اس کام کو پوری ثابت قدمی اور صبر وحکمت کے ساتھ ساری زندگی انجام دیتا رہے۔ گویا ہماری زندگی صبر کا نمونہ ہونی چاہیے۔

اس سورہ میں ہمارے لیے یہ پیغام ہے کہ ہمیں بھی ایمان، عمل صالح اور '**تواصوا بالحق وتواصوا بالصبر**' پر ہر وقت گامزن رہنا ہے، ورنہ آخرت میں ہم خسارے میں پڑ جائیں گے۔

سورۂ ھمزہ

[۱۰۴]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے جس سے اس سورہ کا نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ میں انسان کی چند انتہائی اہم خرابیوں کی طرف اس کی توجہ دلائی گئی ہے۔ یہ سب خرابیاں، حضورؐ کے زمانے میں، اس وقت کے مغرور اور متکبر سرداران قریش میں پائی جاتی تھیں، چنانچہ ان کو یہ دھمکی دی گئی کہ یہ خرابیاں ان کو جہنم کا راستہ دکھادیں گی۔

آیاتہا ۹ | # سُورَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ﴿١﴾ نِ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ﴿٢﴾ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ﴿٣﴾ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ

فِى الْحُطَمَةِ ﴿٤﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ﴿٥﴾ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴿٦﴾ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ﴿٧﴾ اِنَّهَا

ع عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٨﴾ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿٩﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

تباہی ہے، ہر اشارہ باز، عیب لگانے والے کے لیے۔ (یہی شخص) جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا ہے۔ اِس شخص کا خیال ہے کہ اِس کے مال نے اِسے ہمیشہ کی زندگی بخش دی ہے[1]۔

ہرگز نہیں، یہ شخص تو اُس جگہ میں پھینکا جائے گا جو توڑ کر رکھ دے گی۔ اور تم کیا جانو کہ وہ کیا ہے جو توڑ کر رکھ دے گی؟ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے، جو دلوں کو جا پہنچے گی[2]۔ اُس میں یہ لوگ بند کر دیے گئے ہوں گے۔ اونچے ستونوں میں (جکڑ کر باندھے ہوئے)۔ ۱-۹

[۱] حضورؐ کے مخالفین میں یہ تینوں خرابیاں اپنی مکمل صورت میں پائی جاتی تھیں، اور ان کے ذریعے سے وہ حضورؐ کی دعوت کا راستہ روکنے کی کوشش بھی کرتے تھے۔ وہ لوگ ہر وقت، اشارے بازیاں کر کے، حضورؐ کی تحقیر کرنے کی کوشش کرتے، حضورؐ کے خلاف پروپیگنڈے کرتے، چغلیاں کرتے اور مذاق اڑاتے۔ وہ یہ بھی سمجھتے کہ اپنے مال کی وجہ سے ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

آج بھی بے شمار لوگوں میں یہ خرابیاں کسی نہ کسی درجے میں پائی جاتی ہیں۔ اشاروں کی زبان میں مذاق اڑانے، طنز کرنے، چوٹیں کرنے اور نام رکھنے کا یہ طریقہ اخباری کالموں اور لیڈروں کے بیانات میں روزانہ دیکھا جا سکتا ہے۔

[۲] یہ وہ دل ہوں گے جو اللہ کے خوف سے خالی ہوں گے، حاجت مندوں کے حقوق سے بے پروا ہوں گے، بے گناہ لوگوں پر اشارے بازیاں اور عیب لگانے والے ہوں گے اور مال و دولت کی محبت میں آخرت کو فراموش کرنے والے ہوں گے۔

سورۂ فیل

[۱۰۵]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے، جس سے یہ نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ میں ایک بڑے واقعے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، جب یمن کے عیسائی حکمران ابرہہ نے، بیت اللہ کو ڈھانے کے ناپاک ارادے سے ساٹھ ہزار افراد کے لشکر جرار کے ساتھ، مکہ پر چڑھائی کی۔ لیکن اللہ نے اس کے ارادے کو ملیامیٹ کر دیا، اور اس کے لشکر کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ یہ واقعہ اسی سال پیش آیا تھا، جس سال حضورؐ کی پیدائش ہوئی تھی۔ اسی لیے اس سال کو 'عام الفیل' کہا جاتا ہے۔ گویا یہ سورہ حضورؐ کے مخالفین کو اس بات پر متنبہ کرتی ہے کہ جس پروردگار نے تمھارے سامنے اپنے دشمنوں کو اس طرح پامال کیا ہے، اگر تم اللہ کے رسول سے دشمنی کرو گے تو اللہ تمھیں بھی سزا دیے بغیر نہیں چھوڑے گا۔

اس سورہ کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بھی مکی دور کے، مرحلۂ انذار عام میں، ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے، حضورؐ پر نازل ہوئی۔

ایاتہا ۵	# سُورَةُ الْفِيلِ مَكِّيَّةٌ	رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيْلِ ﴿۱﴾ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ﴿۲﴾ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ
طَيْرًا اَبَابِيْلَ ﴿۳﴾ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۴﴾ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ﴿۵﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد و حساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

کیا تم نے نہیں دیکھا[1] کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اُس نے اُن کی چال بالکل برباد نہیں کر دی[2]؟ اور اُن پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیج نہیں دیے؟ وہ ان پر پکّی ہوئی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے۔ بالآخر اللہ نے اُن کو کھائے ہوئے بُھس کی طرح کر دیا۔[3] ۱-۵

[۱] اس فقرے میں واحد کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ بالعموم اس وقت اختیار کیا جاتا ہے، جب مخاطبین کو فرداً فرداً متوجہ کرنا پیشِ نظر ہو۔

[۲] اس سے مراد وہ بہانہ ہے جو ابرہہ نے اس نہایت ظالمانہ اقدام کا جواز پیدا کرنے کے لیے تراشا تھا۔ اس حملے سے پہلے ابرہہ نے اس بے ہودہ الزام کا پروپیگنڈا کیا کہ کسی عرب نے یمن کے سب سے بڑے کلیسا کو ناپاک کر دیا ہے۔ عیسائیوں کے جذبات بھڑکانے اور نجاشی بادشاہ کی تائید حاصل کرنے کے لیے اس جھوٹ کو بڑے پیمانے پر پھیلایا گیا۔ ابرہہ کا پسِ پردہ یہ مقصد بھی تھا کہ وہ سب عربوں کو اپنا غلام بنا کر ان کے سارے تجارتی راستوں پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔

[۳] یہ اس زمانے کی بات ہے جب حبش کی حکومت نے ۵۲۵ء میں یمن کے علاقے سے یہودی حکومت ختم کر کے، وہاں قبضہ کر لیا۔ اس قبضے کے بعد ابرہہ وہاں کا حاکم بن گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس علاقے کی ساری تجارت پر قبضہ کرے اور ساتھ ہی ساتھ اہلِ عرب میں عیسائی مذہب کو پھیلائے۔ اس کا خیال تھا کہ اس مقصد کے لیے یہ ضروری ہے کہ خانہ کعبہ کو ڈھا دیا جائے۔ چنانچہ ۵۷۰ء میں وہ ساٹھ ہزار فوج اور ہاتھیوں کے ایک دستے کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ عربوں کے لحاظ سے یہ ایک بہت بڑی فوج تھی۔ جب یہ لشکر مکہ پہنچا تو، ابنِ عباسؓ کی روایت کے مطابق، حضورؐ کے دادا عبدالمطلب، ابرہہ کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ وہ جو کچھ چاہے، لے لے، اور بیت اللہ کو منہدم نہ کرے۔ مگر ابرہہ نے انکار کر دیا۔ وہاں سے واپس آ کر عبدالمطلب نے قریش والوں سے کہا کہ اپنے بال بچوں کو لے کر پہاڑوں میں چلے جائیں تاکہ ان کا قتلِ عام نہ ہو۔ پھر وہ اور قریش کے دوسرے سردار بیت اللہ میں حاضر ہوئے اور اللہ سے

دعائیں مانگیں کہ وہ اپنے گھر اور اس کے خادموں کی حفاظت فرمائیں۔

دوسرے دن ابرہہ مکے میں داخل ہونے کے لیے آگے بڑھا تو اس کا خاص ہاتھی یکا یک بیٹھ گیا۔ اتنے میں پرندوں کے جھنڈ اپنی چونچوں اور پنجوں میں سنگ ریزے لیے ہوئے آئے اور لشکر پر ان کی بارش کردی۔ ہر سنگ ریزہ گولی کا کام کرتا۔ بے شمار لوگ وہیں ہلاک ہوگئے، بہت سوں نے راستے میں دم توڑ دیا، اور ابرہہ یمن کے قریب جا کر مر گیا۔

اس واقعے کے بعد یمن کی عیسائی حکومت کی طاقت بالکل ٹوٹ گئی اور تین چار سال کے اندر یمن سے حبشی اقتدار کا مکمل خاتمہ ہوگیا۔

روایات میں آتا ہے کہ اس واقعے کے بعد قریش کے لوگوں پر اس کا اتنا اثر ہوا تھا کہ انھوں نے چند سال تک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی تھی۔ بہت سے شعرا نے اس واقعے پر قصیدے کہے۔ ان قصیدوں میں یہ بات بالکل نمایاں ہے کہ سب نے اسے اللہ کی قدرت کا معجزہ قرار دیا، اور کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اس میں ان بتوں کا بھی کوئی دخل تھا جو کعبہ میں پوجے جاتے تھے۔

مولانا حمید الدین فراہی، جنھوں نے قرآن مجید کے معانی و مطالب کی تحقیق پر بڑا قیمتی کام کیا ہے، وہ درج بالا داستان کے کچھ پہلوؤں سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے مطابق جب قریش، کھلے میدان میں ابرہہ کے مقابلے کی طاقت نہ پا کر، منیٰ کے پہاڑوں میں چلے گئے تو وہیں سے انھوں نے اس لشکر پر سنگ باری کی۔ ظاہر ہے کہ ان کی یہ مدافعت نہایت کمزور تھی، لیکن اللہ نے ہوا کے تند و تیز طوفان (حاصب) کو اس فوج پر بھیجا، اور اس طوفان نے ابرہہ کی فوجوں کو اس طرح تباہ کیا کہ وادی محصب میں پرندے کئی دنوں تک ان کی لاشیں نوچتے رہے۔

اپنی اس بات کی دلیل میں مولانا فراہی نے کلام عرب سے حوالے پیش کیے ہیں۔ چنانچہ ان کے مطابق آخری تین آیات کا ترجمہ یہ ہوگا:

"کیا اللہ نے اُن پر، (لشکرِ ابرہہ پر)، جھنڈ کے جھنڈ پرندے مسلط نہیں کر دیے؟ (اِس طرح کہ) تو پکّی ہوئی مٹی کے پتھر اُنھیں مار رہا تھا اور اُس نے اُنھیں کھایا ہوا بھوسا بنا دیا۔"

بہر حال اصل واقعہ جس طرح بھی ہوا ہو، اس کا اخلاقی سبق یکساں ہے۔ اس سورہ میں قریش کے لیے یہ سبق تھا کہ اللہ نے اس گھر کی حفاظت توحید کی وجہ سے کی ہے، نہ کہ بتوں کے لیے۔ اور یہ رسول بھی توحید ہی کا علم بردار ہے۔ پس اگر تم اس کی مخالفت کرتے ہو تو اپنا انجام سوچ لو۔ اس سورہ میں ہمارے لیے یہ اضافی سبق بھی موجود ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے، حضورؐ سے ہزاروں برس پہلے، یہ گھر خالصتاً اللہ کی عبادت کے لیے، اللہ کے حکم سے تعمیر کیا تھا۔ اسی کعبۃ اللہ پر اللہ نے حضورؐ کو، توحید ہی کی پاس داری کے لیے، غلبہ عطا فرمایا۔ یہ غلبہ ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔ چنانچہ یہ رسالت محمدیؐ کی حقانیت کی ایک بڑی دلیل ہے۔

سورۂ قریش

[۱۰۶]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے جس سے سورہ کا نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ سورہ قبیلۂ قریش کو اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ جس گھر کی تولیت انھیں حاصل ہے، اسی گھر کے مالک نے انھیں رزق اور امن سے نوازا ہے، اس لیے انھیں چاہیے کہ وہ اس دنیا میں اللہ کے بندے بن کر رہیں۔

اس کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ پچھلی سورتوں کی طرح، یہ بھی مکی دور کے، مرحلۂ اتمام حجت میں، حضورؐ پر نازل ہوئی۔

رکوعاتہا ۱ | # سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَّكِّيَّةٌ | اٰیاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ﴿۱﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ﴿۲﴾ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ﴿۳﴾ الَّذِيْٓ
اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۴﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

چونکہ قریش مانوس ہوئے[1]۔ وہ سردی اور گرمی کے سفروں سے مانوس ہوئے[2]۔ پس انھیں چاہیے کہ وہ اِس گھر کے مالک کی عبادت کریں[3]، جس نے اُنھیں بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا[4]، اور خوف (کے ماحول) میں انھیں امن عطا فرمایا[5]۔ ۱-۴

[۱] 'ایلاف' کے معنی ہیں خوگر ہونا، مانوس ہونا اور کسی چیز کی عادت اختیار کرنا۔ اردو زبان میں الفت اور مالوف کے الفاظ بھی اسی سے ماخوذ ہیں۔ سرزمین عرب میں صدیوں سے قریش مکے میں رہتے تھے، بیت اللہ کا انتظام کرتے تھے اور عرب کے کونے کونے سے آنے والے حاجیوں کی خدمت کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے سارے لوگ ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ قریش کے تجارتی قافلے جہاں بھی جاتے تھے، ان کی بڑی قدر ومنزلت کی جاتی تھی، اور ان سے ٹیکس بھی وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ اس وجہ سے قریش تجارت کے نہایت خوگر ہو گئے، اور اس کی وجہ سے وہ نہایت مال دار بھی ہو گئے۔

[۲] سردی کے زمانے میں قریش، جنوبی عربستان کی طرف تجارتی سفر کرتے تھے، کیونکہ وہ گرم علاقے ہیں۔ اور گرمی کے زمانے میں قریش کے تجارتی سفر شام وفلسطین کی طرف ہوتے تھے، کیونکہ وہ ٹھنڈے علاقے ہیں۔

[۳] یعنی قریش کو یہ ساری عزت صرف خانہ کعبہ کی وجہ سے حاصل ہے، اور اس میں ان بتوں کا کوئی کردار نہیں ہے، جن کو قریش پوجتے ہیں۔ پس قریش کو چاہیے کہ اور کچھ نہیں تو حرم کے اس احسان ہی کو دیکھتے ہوئے، وہ صرف اللہ کی عبادت کریں۔

[۴] مکہ ایک بنجر اور بے آب وگیاہ سرزمین تھی، جہاں کھانے کو کچھ بھی نہیں تھا۔ لیکن بیت اللہ کی وجہ سے اس شہر کی ایسی مرکزی حیثیت ہو گئی کہ یہ عرب کا سب سے بڑا تجارتی مرکز بن گیا، اور دنیا کی ہر چیز کی یہاں فراوانی ہو گئی۔

[۵] اس زمانے میں سرزمین عرب میں کوئی مرکزی حکومت موجود نہیں تھی، جس کی وجہ سے بہت بدامنی تھی۔ ہر قبیلے کو ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ نہ معلوم کب اس پر حملہ ہو جائے۔ لیکن بدامنی کے اس ماحول میں قریش بالکل محفوظ تھے، اس لیے کہ سب لوگ ان کی بہت عزت کرتے تھے اور ان کو نقصان یا تکلیف

دینے کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

چنانچہ قرآن نے قریش کی توجہ، ان نعمتوں کی طرف دلائی، جو خالصتاً بیت اللہ کی وجہ سے انھیں حاصل تھیں، اور اس کے ذریعے سے ان کو یہ اخلاقی سبق دیا کہ ان نعمتوں کے پانے کے باوجود شرک پر چلنا ایک بڑی احسان فراموشی ہے۔

اس سورہ میں ہمارے لیے بھی یہ ضمنی سبق موجود ہے کہ اگر اللہ نے ہمیں کچھ نعمتیں عطا کی ہیں، تو اس کا صحیح شکر یہ یہ ہے کہ ہم اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کا خیال رکھیں اور احسان فراموشی نہ کریں۔

سورۂ ماعون

[۱۰۷]

نام

سورہ کے آخری لفظ کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ میں ان چھ بڑی خرابیوں کا بیان ہے جو اس وقت کی قریش کی لیڈرشپ، خصوصاً ابولہب میں پائی جاتی تھیں۔ اور پھر یہ بتایا گیا کہ بالآخر ان کے لیے تباہی و بربادی ہے۔

سورہ کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مکہ میں قریش کے لیڈروں کے لیے آخری تنبیہات میں سے ایک سورہ کے طور پر، ہجرت سے کچھ پہلے، حضورؐ پر نازل ہوئی۔

آیاتھا ۷ | سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَرَاَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ﴿۱﴾ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ﴿۲﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳﴾ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ﴿۴﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴿۵﴾ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ﴿۶﴾ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿۷﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ کے لیے ہے۔

(اے نبیؐ)، تم نے دیکھا ہے اِس شخص کو[۱] جو روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے۔ یہ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکّے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کے لیے نہیں اُبھارتا۔[۲]

پس بربادی ہے اِن نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں (کی حقیقت) سے غافل ہیں۔[۳] یہ جو (عبادت کی) نمائش کرتے ہیں[۴] اور برتنے کی کوئی ادنیٰ چیز بھی کسی کو دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔[۵] ۱-۷

[۱] آگے بیان کردہ ساری خرابیاں ابولہب میں پوری طرح پائی جاتی تھیں۔ اس زمانے میں قریش کی مذہبی قیادت ابولہب ہی کے ہاتھ میں تھی، اور حضورؐ کے خلاف ساری مخالفتوں کو یہی شخص منظم کرتا تھا۔

ابولہب کی زیرِ قیادت، قریش کے دوسرے لیڈروں میں بھی یہ خرابیاں کسی نہ کسی درجے میں پائی جاتی تھیں۔

[۲] روزِ قیامت کو جھٹلانے والا انسان ہی اتنا بے حس اور ظالم ہوسکتا ہے کہ وہ یتیم کی پریشان حالی پر، اس کی مدد کرنے کے بجائے اسے دفع کردیتا ہے۔ اور جو نہ خود غریبوں کو کھانا کھلاتا ہے اور نہ دوسروں کو اس کام پر ابھارتا ہے۔

ابولہب بالکل اسی کردار کا مالک تھا۔ حالانکہ اس زمانے میں وہ بیت اللہ کے خاص اس شعبے کا نگران تھا، جسے غریبوں اور یتیموں کی خدمت کے لیے بنایا گیا تھا۔ لیکن ابولہب اس کا زیادہ تر مال خود ہی ہڑپ کرجاتا تھا۔

[۳] ابولہب اور بیت اللہ کے دوسرے پجاری، عوام کو دکھانے کے لیے نماز کی رسم بھی ادا کرتے تھے۔ واضح رہے کہ دورِ جاہلیت میں بھی نماز کی ایک ٹوٹی پھوٹی رسم موجود تھی، جس کی طرف قرآن نے سورۂ انفال، آیت ۳۵ میں اشارہ بھی کیا ہے۔ جس طرح ہر دور کے لیڈر اپنے عوام کو بے وقوف بنائے رکھنے کے لیے مذہبی رسوم کی نمائش کرتے رہتے ہیں، اسی طرح قریش کے لیڈر بھی خاص خاص مواقع پر ان رسوم کی نمائش کرتے رہتے تھے۔

[۴] یہ ان کی نمازوں کی بے حقیقتی کی وضاحت ہے کہ قریش کے یہ لیڈر محض دکھاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں۔
نماز کی اصل حقیقت اخلاص ہے۔ یعنی یہ کہ وہ صرف اللہ کی خوشنودی اور رضا طلبی کے لیے پڑھی جائے۔ اس کے سوا اگر کوئی اور غرض اس میں شامل ہو جائے تو ایسی نماز بالکل باطل اور اپنے اصل مقصد کے اعتبار سے نہ صرف بے نتیجہ، بلکہ نہایت مہلک ہوتی ہے۔

[۵] حضورؐ کے زمانے میں قریش کے لیڈروں کی اخلاقی پستی کا یہ حال تھا کہ غریبوں اور یتیموں کی مدد تو ایک طرف، یہ لوگ برتنے کی کوئی معمولی چیز بھی کسی پڑوسی کے مانگنے پر اسے دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔ حالاں کہ اللہ کی ہر شریعت نے بخیلی اور کنجوسی کی مذمت کی ہے۔ جب ایک انسان اللہ کا شکرگزار بندہ بنتا ہے، تو حقوق اللہ کے طور پر سب سے پہلے نماز کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور حقوق العباد کے طور پر انفاق کی طرف حرکت کرتا ہے۔ جس انسان کے اندر یہ دونوں خصوصیات نہ ہوں، ایسا انسان حقیقت میں نہ توحید پر یقین رکھتا ہے، اور نہ آخرت پر۔

اس سورہ میں ہمارے لیے بھی یہ سبق ہے کہ ہم ان خرابیوں سے بچنے کی پوری پوری کوشش کریں، جن کی طرف اس سورہ میں توجہ دلائی گئی ہے۔ ہمیں دل میں ہر وقت آخرت کی فکر کو بیدار رکھنا چاہیے، یتیموں اور غریبوں کی خود بھی خدمت کرنی چاہیے اور دوسروں کو بھی اس پر ابھارنا چاہیے۔ اسی طرح ہمیں اپنی نمازوں کی طرف پوری توجہ کرنی چاہیے، اور ہمیں اس امر کا شعور ہونا چاہیے کہ ہمارے کسی کام میں ریاکاری نہ آنے پائے اور تنگ دلی کے بجائے کشادہ دلی کی صفت سے ہم پہچانے جائیں۔

سورۂ کوثر

[۱۰۸]

نام

پہلی آیت کے لفظ 'کوثر' کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کا مرکزی مضمون آپ ؐ کو یہ خوش خبری دینا ہے کہ اب بیت اللہ آپ ؐ کے قبضے میں آجائے گا اور آپ ؐ کے مقابلے میں آپ ؐ کے دشمنوں کی جڑ اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے کٹ جائے گی۔

اس سورہ کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ مکی دور کے اس آخری مرحلے میں آپ ؐ پر یہ بشارت نازل ہوئی، جب آپ ؐ مشرکین قریش پر اتمام حجت کر کے ہجرت کی تیاریاں کر رہے تھے۔

ایاتها ۳ — # سُورَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ — رکوعاتها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿۲﴾ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿۳﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد و حساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

(اے نبیؐ)، ہم نے یہ خیرِ کثیر، (اپنا یہ گھر) تمھیں عطا کر دیا ہے،[1] پس تم اپنے پروردگار ہی کی نماز پڑھو، اور اُسی کے لیے قربانی کرو۔[2]

اس میں شبہ نہیں کہ تمھارا یہ دشمن ہی جڑ کٹا ہے، اس کا کوئی نام لیوا باقی نہ رہے گا۔[3] ۱-۳

[۱] 'کوثر' کا لفظ 'کثر' سے نکلا ہے جس کے معنی دولت و ثروت کے ہیں۔ گویا 'کوثر' کے معنی ہوں گے بڑی کثرت اور بڑی برکت و ثروت والا۔ یہ خیر کثیر کا خزانہ، احادیث کی رو سے، قیامت کے دن ایک نہر یا ایک حوض کی صورت میں لوگوں کے سامنے آئے گا، اور حضورؐ کو عطا کیا جائے گا۔ اس دنیا میں بیت اللہ، اس اخروی کوثر کا مجاز ہے، جو ہر صاحب ایمان کے لیے خیر کثیر کا خزانہ ہے۔ چنانچہ اس آیت میں قرآن نے حضورؐ کو یہ بشارت دی کہ بیت اللہ، بہت جلد آپؐ کو عطا کر دیا جائے گا۔ یہ اس بات کی بھی بشارت ہے کہ قریش معزول ہوئے، چنانچہ بیت اللہ کی بدولت جو اقتدار انھیں سرزمین عرب میں حاصل ہے، وہ ان سے چھین لیا جائے گا اور اللہ کے اس گھر کی تولیت اب ان سے لے کر، حضورؐ اور آپؐ کی امت کو منتقل کر دی جائے گی۔

[۲] یعنی جب بیت اللہ کی تولیت آپؐ کو حاصل ہو تو اس گھر کو شرک اور بدعت کی ہر آلودگی سے پاک کر کے اس میں اپنے پروردگار ہی کی سکھائی ہوئی نماز پڑھنا اور خالصتاً اسی کے لیے قربانی کرنا۔

[۳] یعنی تمھارے دشمن، ابولہب اور اس کے ساتھی، جو اس وقت یہ سمجھ رہے ہیں کہ انھوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ آپؐ کی دعوت کا راستہ روک دیا ہے، آپؐ دیکھیں گے کہ بہت جلد اس سرزمین سے ان کی جڑ کٹ جائے گی اور ان کا کوئی نام لیوا بھی باقی نہ رہے گا۔

جیسا کہ حالات نے بعد میں ثابت کیا کہ قرآن کی یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ بیت اللہ حضورؐ کو عطا کیا گیا، ایک عظیم امت مسلمہ وجود میں آئی اور حضورؐ کے ہر دشمن کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ چنانچہ یہ قرآن کی حقانیت کی ایک بڑی دلیل ہے۔

سورۂ کافرون

[۱۰۹]

نام

پہلی آیت کے لفظ 'کافرون' کو سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

جب حضورؐ نے مکہ کے لیڈروں کو دین کی دعوت اس حد تک پہنچادی کہ ان سب پر اتمام حجت ہوگیا تو اس سورہ کے ذریعے سے ان سب سے اعلان براءت کردیا گیا۔ علیحدگی کے اس اعلان کا خودبخود مطلب یہ تھا کہ اب حضورؐ اس سرزمین سے ہجرت کریں گے، اور یہ ہجرت دراصل غلبۂ حق کی ابتدا بن جائے گی۔

اس سورہ کے مضمون سے یہ واضح ہے کہ یہ مکہ میں، ہجرت سے عین پہلے، خاتمۂ بحث کی حیثیت سے، حضورؐ پر نازل ہوئی۔

ایاتہا ۶ | رکوعاتہا ۱

سُوْرَةُ الْكَافِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴿١﴾ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٢﴾ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ﴿٣﴾ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا
عَبَدْتُّمْ ﴿٤﴾ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ﴿٥﴾ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ﴿٦﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

(اے نبیؐ)، تم اعلان کر دو کہ اے کافرو[1] میں اُن چیزوں کی عبادت نہ کروں گا، جن کی عبادت تم کرتے ہو، اور نہ تم کبھی (تنہا) اُس کی عبادت کرو گے، جس کی عبادت میں کرتا ہوں[2]۔ اور نہ (اِس سے پہلے کبھی) میں اُن چیزوں کی عبادت کے لیے تیار ہوا، جن کی عبادت تم نے کی، اور نہ تم (تنہا) اُس کی عبادت کے لیے کبھی تیار ہوئے، جس کی عبادت میں کرتا رہا ہوں[3]۔

(اس لیے اب) تمھارے لیے تمھارا دین ہے، اور میرے لیے میرا دین[4]۔ ۱-۶

[۱] یہ اللہ کی طرف سے قریش کے سرداروں کی تکفیر کا اعلان ہے۔ یہ اعلان اس وقت ہوا، جب ان پر حجت پوری ہوگئی، اور کئی سال کی براہ راست دعوت کے بعد حق اس طرح واضح ہو کر ان کے سامنے آ گیا کہ ان کے لیے اللہ کے سامنے کوئی عذر پیش کرنے کے لیے باقی نہیں رہا۔ چنانچہ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تکفیر کے لیے اتمام حجت ضروری ہے۔ اتمام حجت کے بغیر کسی شخص کو بھی کافر قرار نہیں دیا جا سکتا، خواہ وہ ایمان وعقیدہ اور علم وعمل کی کیسی ہی غلطی میں کیوں نہ مبتلا ہو۔

[۲] یعنی اب یہ توقع ختم ہوگئی ہے کہ تم اپنے بتوں کو چھوڑ کر تنہا اللہ کو پوجنے والے بن سکو گے۔ اسی طرح تم کو بھی مجھ سے ایسی کوئی توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ میں اپنے پروردگار کی عبادت کے معاملے میں، تم سے کوئی سمجھوتا کروں گا۔

گویا یہ حضورؐ کی طرف سے ایک قطعی فیصلے کا اعلان ہے جس سے مستقبل میں شرک وتوحید کے مابین سمجھوتے کی ہر توقع بالکل ختم کر دی گئی ہے۔

[۳] اوپر کی بات مستقبل سے متعلق تھی۔ اب اس بات پر ماضی وحال کی یہ شہادت پیش کی ہے کہ تم لوگ جانتے ہو کہ نبوت سے پہلے بھی میں کبھی شرک کی گندگی کے قریب نہیں پھٹکا۔ اس کے بعد بھی میری دعوت تمھارے سامنے ہے، لیکن میں بھی جانتا ہوں اور تم بھی جانتے ہو کہ میری اس دعوت سے پہلے بھی تم لوگوں نے توحید کا انکار کیا ہے، اور اس کے بعد بھی تم نے توحید کا انکار کیا ہے۔ لہٰذا اب سمجھوتے کی ہر توقع کا خاتمہ ہو جانا چاہیے۔ اب اس معاملے میں کسی

بحث ومباحثہ کے لیے کوئی گنجایش باقی نہیں رہی۔

[۴] یعنی میں تم سے بری ہوں اور تم مجھ سے بری ہو۔ اگر تم اپنی بات پر اڑے رہتے ہو تو میں بھی پوری استقامت کے ساتھ اپنی بات پر قائم ہوں۔ شرک اور توحید میں کوئی پیوند نہیں لگ سکتا۔ لہٰذا اب ہم دونوں انتظار کریں گے۔ بہت جلد آسمان سے یہ فیصلہ ہو جائے گا کہ ہم میں سے کون حق پر ہے۔

سورۂ نصر

[۱۱۰]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے جس سے اس سورہ کا نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کا مرکزی مضمون حضورؐ کے لیے سرزمین عرب میں غلبۂ حق کی بشارت اور آپؐ کو یہ ہدایت ہے کہ اس کے بعد آپؐ اپنے پروردگار سے ملاقات کی تیاری کریں۔

استادگرامی جناب جاوید احمد غامدی کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس سورہ کو قرآن مجید کے اس آخری یعنی ساتویں باب میں سورۂ کافرون کے بعد، اور سورۂ لہب سے پہلے رکھا گیا۔ چنانچہ سورہ کے اس مقام سے یہ واضح ہے کہ سورۂ الم نشرح اور سورۂ کوثر کی طرح یہ بھی حضورؐ پر، مکہ میں اس وقت نازل ہوئی جب کافروں سے براءت کا اعلان ہو چکا تھا، اور حضورؐ ہجرت کے لیے تیاری کر رہے تھے۔ گویا یہ سورہ بھی ایک عظیم بشارت کی حیثیت سے آپؐ پر نازل ہوئی۔

تاہم اس سورہ کے متعلق عمومی نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ مدینہ میں حضورؐ پر نازل ہوئی۔ کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ یہ فتح مکہ کے بعد نازل ہونے والی آخری سورہ ہے، لیکن زیادہ تر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ یہ سورہ یا تو فتح مکہ سے پہلے اس کی بشارت کے طور پر نازل ہوئی یا یہ فتح مکہ کے فوراً بعد نازل ہوئی۔ اس سورہ کے مدنی ہونے کی دلیل صحیح مسلم، کتاب التفسیر کی ایک روایت ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ مجھ سے ابن عباسؓ نے کہا کہ کیا تم جانتے ہو کہ وہ قرآن کی کون سی آخری سورہ ہے جو ایک ہی بار اتری؟ میں نے کہا: ہاں، وہ سورۂ نصر ہے۔ اس پر ابن عباسؓ نے میری تصدیق کی۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں 'آخری' کا لفظ نہیں ہے۔''

اس روایت میں ایک بڑا خلا ہے۔ وہ یہ کہ حضورؐ کی وفات کے وقت حضرت ابن عباسؓ کی عمر صرف تیرہ برس تھی۔ چنانچہ یہ واضح ہے کہ ابن عباسؓ نے کسی اور صحابی سے یہ بات سنی ہوگی۔ تاہم اس روایت میں ایسا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ ذخیرۂ احادیث میں کسی دوسرے صحابی سے اس مضمون کی کوئی روایت نقل بھی نہیں کی گئی۔ اور اگر ان مفسرین کی بات مان لی جائے، جن کے خیال میں یہ سورہ، فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی، تو اس وقت ابن عباسؓ کی عمر صرف گیارہ برس تھی، نیز فتح مکہ کے بعد بہت سا قرآن نازل ہوا، مثلاً پوری سورۂ توبہ اس کے بعد نازل ہوئی۔

اس بارے میں بھی بہت اختلاف ہے کہ آخری نازل ہونے والی آیات کون سی تھیں۔ بخاری و مسلم کی کچھ روایات میں سورۂ نساء کی آخری آیت کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ یہ سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ اس کے برعکس بخاری ہی کی ایک اور روایت کے مطابق 'آیت ربوٰ' سب سے آخری آیت ہے۔ نسائی کی ایک روایت کے مطابق سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۱ قرآن کی آخری آیت ہے، اور یہ حضورؐ کی وفات سے ۸۱ دن پہلے نازل ہوئی تھی۔ درج بالا دونوں متضاد روایات، ایک ہی صحابی یعنی ابن عباسؓ سے مروی ہیں۔ مسند امام احمد کی روایت کے مطابق سورۂ توبہ کی آیات ۱۲۸، ۱۲۹ سب سے آخر میں نازل ہوئیں۔ ان سب سے متضاد صحیح مسلم میں انسؓ بن مالک کی روایت ہے کہ حضورؐ پر وفات سے پہلے پے درپے وحی آئی، یہاں تک کہ جس دن آپؐ کی وفات ہوئی، اس دن بھی بہت وحی آئی۔

صحیح مسلم میں ابن ابی شیبہ کی سند سے حضرت ابن عباسؓ والی روایت میں 'آخری' کا لفظ موجود نہیں ہے۔ اس بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس روایت کی بنیاد پر سورۂ نصر کو مدنی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ چونکہ قرآن کے ہر باب میں سورتوں کی ترتیب نزولی ہے، اس لیے یہی قاعدہ آخری باب پر بھی منطبق ہونا چاہیے۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اصلاً اس باب کی صرف تین سورتوں یعنی سورۂ مدثر، سورۂ علق اور سورۂ نصر کے متعلق بعض روایات کی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ مدنی سورتیں ہیں۔ لیکن یہ بات بھی واضح ہے کہ ان روایات میں کمزوریاں، خلا اور آپس میں اختلافات موجود ہیں۔ پس ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ان سورتوں میں بھی قرآن کے مجموعی نمونے (pattern) کی پیروی کی گئی ہے۔

آیاتہا ۳ سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ﴿۱﴾ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ﴿۲﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ
وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

(اے نبیؐ)، جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے[۱] اور تم لوگوں کو جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہوتے دیکھ لو[۲] تو اپنے پروردگار کی تسبیح کرو، اُس کی حمد کے ساتھ، اور اُس سے معافی چاہو۔ بے شک، وہ بڑا ہی معاف کرنے والا ہے[۳]۔ ۱-۳

[۱] 'اللہ کی مدد' سے مراد وہ مدد ہے جو ہجرت کے بعد، مدینہ میں ایک ریاست کے قیام کی صورت میں ہوئی۔ اسی طرح 'فتح' سے مراد فتح مکہ ہے، کیونکہ اس فتح نے قریش کی قوت اس طرح توڑ دی کہ سرزمین عرب میں ان کے مذہبی جبر کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا، اور لوگوں کے لیے اسلام قبول کرنے کا دروازہ کھل گیا۔

'اذا جآء' کے الفاظ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ سورہ مدد اور فیصلہ کن فتح سے پہلے نازل ہوئی۔

[۲] جس زمانے میں یہ عظیم پیشین گوئی کی گئی، اس وقت اس کے پورا ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، لیکن چند سال کے اندر اندر یہ بات حرف بہ حرف پوری ہوگئی۔

[۳] یعنی جب آپؐ دیکھ لیں کہ یہ تینوں باتیں پوری ہوگئی ہیں، اللہ کی مدد آگئی ہے فتح نصیب ہوگئی ہے، اور لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوگئے ہیں، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپؐ کا مشن پورا ہوگیا ہے۔ اس لیے اب آپؐ کو اپنے پروردگار سے ملاقات کی تیاری کرنی چاہیے۔ وہ تیاری یہ ہے کہ پوری طرح اللہ کی عبادت میں لگ جائیں، ہر وقت اس کی پاکی بیان کریں اور اگر کہیں دعوت کے کام میں حد مطلوب سے کوئی تجاوز ہوا ہو، تو اس کے لیے اللہ سے مغفرت مانگیں۔

درج بالا ہدایات سے وہ فرق اچھی طرح معلوم ہوجاتا ہے جو ایک پیغمبر اور ایک عام حکمران میں ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر ایک عام حکمران جشن اور خوشیاں مناتا ہے، جب کہ اس کے بالکل برعکس ایک پیغمبر اپنے رب کے حضور مزید جھک جاتا ہے اور مشن کی تکمیل کے بعد اللہ سے ملاقات کی تیاری کرنے لگتا ہے۔

اس سورہ میں ضمنی طور پر ہمارے لیے بھی یہ پہلو موجود ہے کہ جب بھی ہمیں کوئی کامیابی نصیب ہو تو اسے اپنے کسی کمال کا نہیں، بلکہ اللہ کے فضل ہی کا نتیجہ سمجھیں، اور فخر و غرور میں مبتلا ہونے کے بجائے اپنے رب کے سامنے عاجزی سے جھک جائیں۔

سورۂ لہب

[۱۱۱]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے جس سے اس سورہ کا نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کے مضمون سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس موقع پر نازل ہوئی، جب حضورؐ، مکے کے سرداران قریش، بالخصوص ابولہب پر اتمام حجت کر چکے تھے، اللہ کی طرف سے ان سرداروں کی تکفیر کا فیصلہ ہو چکا تھا، اور آپؐ کو ہجرت کی ہدایت دی جا چکی تھی۔ اس موقع پر اس سورہ کے ذریعے سے حضورؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کو یہ خبر دی گئی کہ بہت جلد ابولہب اور اس کے قریب ترین ساتھیوں پر اللہ کا عذاب نازل ہو جائے گا۔ یہ عذاب اللہ کی اس سنت کے عین مطابق تھا، جس کے تحت رسول کے براہ راست مخاطبین میں سے اس کے ان دشمنوں پر دنیا میں بھی سزا نازل ہوتی ہے، جن پر اتمام حجت ہو چکا ہوتا ہے اور جو رسول کی تکذیب پر اڑے رہتے ہیں۔

ایاتہا ۵ | سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتہا ۱

سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ﴿١﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ﴿٢﴾ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ﴿٣﴾ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ﴿٤﴾ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ﴿٥﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

ابولہب[1] کے بازو ٹوٹ گئے[2] اور وہ خود بھی ہلاک ہو گیا۔ نہ تو اُس کا مال ہی اُس کے کچھ کام آیا، اور نہ وہ (خیر) جو اُس نے کمایا[3]۔ اب زیادہ دن نہ گزریں گے کہ وہ بھڑکتی آگ میں جا پڑے گا، اور (اُس کے ساتھ) اُس کی بیوی بھی[4]۔ اِس طرح کہ وہ ایندھن ڈھور ہی ہو گی[5]، اُس کے گلے میں بٹی ہوئی رسّی ہو گی[6]۔ ۱-۵

[۱] اس شخص کا اصل نام عبدالعزیٰ تھا۔ اسے ابولہب اس وجہ سے کہا جاتا تھا کہ اس کا رنگ بہت چمکتا ہوا سرخ وسفید تھا۔ لہب آگ کے شعلے کو کہتے ہیں، اور ابولہب کے معنی ہیں شعلے کی طرح کے چہرے والا۔

یہ شخص حضورؐ کا سگا چچا تھا اور اسے مکے کی شہری حکومت میں اہم ترین مقام حاصل تھا۔ اسی لیے وہ بیت اللہ کے شعبۂ مالیات کا ذمہ دار تھا۔ اپنی حیثیت سے ناجائز فائدے اٹھا کر وہ بہت مال دار بن گیا تھا۔ حضورؐ کے اہل خاندان میں یہ واحد شخص تھا جس نے حضورؐ کی سخت ترین مخالفت کی۔ اگر چہ مکی دور میں حضورؐ کے اپنے اہل خاندان بھی آپؐ پر ایمان نہیں لائے تھے، لیکن عربی معاشرے کی اخلاقی قدروں کے مطابق بنی المطلب اور بنی ہاشم (ہاشم، حضورؐ کے دادا عبدالمطلب کے بھائی تھے)، آپؐ کی حمایت کرتے رہے، اور قریش کے دوسرے خاندانوں اور سرداروں کے مقابلے میں حضورؐ کے ساتھ تعاون کرتے رہے۔ لیکن ابولہب نے اسلام کی دشمنی اور کفر کی محبت میں ان تمام عربی روایات کو بھی پامال کر ڈالا۔

گویا حضورؐ کے مخالفین کا اصل سرخیل یہی شخص تھا۔ حضورؐ کے خلاف سارے لوگوں کو یہی منظم کرتا تھا اور آپؐ کی دعوت کے خلاف ساری حکمت عملی بھی یہی شخص بناتا تھا۔ گویا یہ عالم کفر کا سردار اعظم تھا اور اس کی وہی حیثیت تھی جو حضرت نوحؑ، لوطؑ، ہودؑ، صالحؑ اور دوسرے رسولوں کے مقابلے میں نافرمان سرداروں کی تھی۔

[۲] 'بازو ٹوٹ جانے' کا مطلب ہے کہ اس کے سارے ساتھی ہلاک ہو گئے اور اس کی سیاسی قوت ختم ہو گئی۔ اس مفہوم کے لیے اردو زبان میں بھی یہی

محاورہ استعمال کیا جاتا ہے۔ مستقبل کی کسی بات کے متعلق قرآن مجید، اس وقت ماضی کا صیغہ استعمال کرتا ہے، جب وہ بات یقینی طور پر پوری ہونے والی ہو۔ قرآن نے مکی دور کے آخری مرحلے میں ہی قطعی طور پر یہ پیشین گوئی کردی تھی کہ بہت جلد حضورؐ کے مخالفین ہلاک ہوجائیں گے۔ ان آیات کے نزول کے کم وبیش دوسال بعد، غزوۂ بدر کے موقع پر، یہ پیشین گوئی اس طرح حرف بہ حرف پوری ہوئی کہ پہلے قریش کے بڑے بڑے سردار، جو سب کے سب ابولہب کے ساتھی تھے، اس غزوہ میں ہلاک ہوئے۔ وہ خود، اپنی بزدلی کے سبب، اس جنگ میں شریک نہیں تھا، بلکہ اس نے اپنے ایک مقروض کو، اپنی جگہ اس وعدے کے ساتھ بھیج دیا تھا کہ اس کے عوض میں وہ اس کا قرض معاف کردے گا۔ واضح رہے کہ اس قرض کی واپسی کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔ تاہم اللہ کے عذاب سے بچنے کی یہ تدبیر کارگر نہیں ہوئی، اور غزوۂ بدر کے چند دن بعد اسے ایک ایسی خراب بیماری نے آلیا جس میں سارے بدن پر پھوڑے نکل آتے ہیں۔ اس موقع پر اس کے خاندان والوں، ساتھیوں، دوستوں، یہاں تک کہ اس کے بیٹوں نے بھی اس کے قریب جانے سے انکار کردیا، کیونکہ انھیں چھوت کا ڈر تھا۔ یوں اس کی موت انتہائی رسوائی اور بے بسی کے ساتھ ہوئی۔ مرنے کے بعد بھی، اس کی لاش کئی دن تک پڑی سڑتی رہی۔ بالآخر جب لوگوں نے طعنے دیے، تو اس کے بیٹوں نے کچھ حبشیوں کو پیسے دے کر، اُس کی لاش مکہ کے بالائی حصے میں پھینکوادی، اور دور ہی سے لاش پر کچھ پتھر وغیرہ ڈال دیے۔

یوں اس کا وہی انجام ہوا، جو ہر رسول کے سب سے بڑے مخالف کا ہوا کرتا ہے۔

[۳] ابولہب بیت اللہ کے شعبۂ مالیات کا ذمہ دار تھا، اس لیے لوگوں کو دکھانے اور اپنی خیانتوں پر پردہ ڈالنے کے لیے اسے، بظاہر نیکی کے کچھ کام بھی کرنے پڑتے تھے۔ یہاں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

[۴] یعنی اس دنیوی سزا کے بعد، جو اسے حضورؐ کے براہ راست سب سے بڑے دشمن کی حیثیت سے ملی، اسے بہت جلد اخروی سزا بھی دی جائے گی۔ اس اخروی سزا میں اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ ہوگی، کیونکہ ابولہب کے ساتھ وہ بھی برابر کی شریک تھی۔

یہاں قرآن نے جہنم کی آگ کے لیے **ذات لھب** 'یعنی شعلہ زن یا بھڑکتی ہوئی کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اس سے اشارہ ابولہب کے نام کی طرف بھی ہے۔

[۵] ابولہب کی بیوی دولت کی حریص اور نمایش کی شوقین تھی۔ وہ اپنے آپ کو عرب کی خاتون اول سمجھتی تھی، اور بعض روایات کے مطابق اس کے پاس دس کلو سونا تھا۔ قرآن نے اس کی وہ حالت بیان کی ہے کہ جب اسے دوزخ میں ڈالا جائے گا تو وہاں اس کا حال اس مجرم کا سا ہوگا جو اپنے جلانے کا ایندھن خود ہی ڈھو کر لا رہا ہو۔

[۶] ابولہب کی بیوی ہر وقت اپنے گلے میں ایک انتہائی قیمتی ہار پہن کر اتراتی تھی۔ چنانچہ قرآن نے بتایا کہ دوزخ میں اس کے گلے میں ہار کی جگہ بٹی ہوئی رسی ہوگی۔

اس سورہ کے اختتام پر یہ ضروری ہے کہ دو سوالات کا جواب دیا جائے۔ ایک یہ کہ کیا یہ سورت ایک ہجو ہے، جس میں ابولہب کے مظالم کی وجہ سے اس کو برا بھلا کہا گیا ہے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ ابولہب کی وہ کیا خصوصیت تھی جس کی بنا پر اس کا نام لے کر اس کی مذمت کی گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سورہ کوئی ہجو نہیں ہے، بلکہ یہ تو دراصل رسولوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی جو سنت پہلے سے چلی آرہی ہے، اس کے بارے میں اعلان ہے کہ یہ سنت حضورؐ کے

معاملے میں بھی مکمل طور پر پوری ہوگی، اور آپؐ کا سب سے بڑا دشمن اس طریقے سے دنیا اور آخرت، دونوں میں اپنے کیفر کردار کو پہنچے گا۔ ابولہب، حضورؐ کی دشمنی کی سب سے بڑی علامت تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے کئی سردار، مثلاً ابوجہل بھی حضورؐ سے دشمنی رکھتے تھے، لیکن ابولہب کی دشمنی سب سے مختلف اور کئی گنا زیادہ تھی۔

گویا یہ سورہ سرزمین عرب پر حضورؐ کے کامل غلبے اور آپؐ کے دشمنوں کی مکمل شکست کی ایک عظیم پیشین گوئی ہے۔ اس اعتبار سے یہ قرآن اور رسالت محمدیؐ کی حقانیت کا ایک بڑا ثبوت ہے۔

سورۂ اخلاص

[۱۱۲]

نام

یہ سورہ ان سورتوں میں سے ہے جن کے نام سے ان کے مرکزی مضمون کا اظہار ہوتا ہے۔'اخلاص' کا مطلب اللہ پر اس طرح ایمان لانا ہے کہ اس کی ذات، صفات یا صفات کے لازمی تقاضوں میں کسی پہلو سے کسی دوسرے کی شرکت کا کوئی شائبہ نہ پایا جائے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کے مضمون اور قرآن میں اس کے رکھے جانے کے مقام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سورہ، مکہ میں، ہجرت سے معاً پہلے، حضورؐ پر، آپؐ کی طرف سے، اپنی قوم کے لیے آخری اعلان کے طور پر نازل ہوئی۔ اس کا مرکزی مضمون حضورؐ کی طرف سے عقیدۂ توحید کا فیصلہ کن اعلان ہے۔

رکوعاتہا ۱ | # سُوۡرَةُ الۡاِخۡلَاصِ مَكِّيَّةٌ | آیاتہا ۴

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾ لَمۡ يَلِدۡ ۙ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ﴿۳﴾ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

(اے نبیؐ)، تم اعلان کردو کہ وہ اللہ سب سے الگ ہے[1]۔ اللہ سب کا سہارا، (سب سے بے نیاز) ہے[2]۔ وہ نہ باپ ہے، نہ بیٹا[3]۔ اور کوئی اُس کا ہم مرتبہ نہیں ہے[4]۔ ۱-۴

[۱] یعنی اللہ ہر پہلو سے یکتا ہے۔ چنانچہ لازم ہے کہ ہر رشتہ وقرابت سے بالاتر، اسے ابدی وازلی خداوند کی حیثیت سے مانا جائے۔

[۲] 'صمد' اس بڑی چٹان کو کہتے ہیں جو حملے کے وقت پناہ کا کام دے۔ اسی لیے زبور اور دوسرے صحیفوں میں اللہ کو کئی جگہ 'مدد کی چٹان' کہا گیا ہے۔ گویا اللہ ہی کے ہاں سب کو پناہ مل سکتی ہے۔ اس کے بندے جب اس کی طرف رجوع کرتے ہیں، تو وہ ان کی بات سنتا ہے اور ان کی فریاد کو پہنچتا ہے۔

چونکہ اللہ سب کا سہارا ہے، اس لیے اللہ سب سے بے نیاز بھی ہے، کیونکہ یہ لازم ہے کہ جو سب کا ہمہ وقت سہارا ہو، وہ اپنی ذات میں سب سے بے نیاز بھی ہو۔

[۳] سب انسان اللہ کی مخلوق ہیں اور اسی حیثیت سے ساری انسانیت اللہ کا کنبہ ہے۔ تاہم کسی انسان سے اللہ کا کوئی نسلی رشتہ ممکن نہیں ہے۔

[۴] سب مخلوقات، بشمول انسان، جنات اور فرشتے اس کے بندے اور غلام ہیں۔ کوئی کسی لحاظ سے اس کے مشابہ، مماثل، مساوی، ہم سر یا ہم مرتبہ نہیں ہے۔

معوِّذَتین

سورۂ فلق ـــ سورۂ ناس

[۱۱۴-۱۱۳]

نام

ان دونوں سورتوں کی پہلی آیات میں یہ الفاظ آئے ہیں، جن سے ان سورتوں کے نام ماخوذ ہیں۔ ان کا مشترک نام 'معوذتین' یعنی پناہ مانگنے والی دو سورتیں رکھا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ دونوں سورتیں خاتمۂ قرآن کی دعا ہیں۔ جس طرح قرآن کی ابتدا سورۂ فاتحہ سے ہوتی ہے، جہاں بندہ اللہ کے حضور میں دعا کرتا ہے کہ اسے سیدھی راہ کی ہدایت بخشے۔ اس کے جواب میں اللہ اسے پورا قرآن عنایت کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ توحید کی جامع ترین سورہ 'الاخلاص' تک پہنچ جاتا ہے، چنانچہ اس کے بعد یہ بندہ اپنے پروردگار کی صفات کے وسیلے سے، اس کے سامنے ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے کہ اللہ اسے ہر شیطان سے اپنی پناہ میں رکھے اور اس راہ کے نشیب و فراز میں ہر قدم پر اس کی حفاظت فرمائے۔

ان دونوں سورتوں کے مضمون سے واضح ہے کہ یہ سورتیں، ہجرت کے بعد، مدینہ میں، حضورؐ پر اس وقت نازل ہوئیں جب اسلام کے سارے دشمن یعنی یہود و قریش اور ابلیس کے سب ساتھی شیاطین جن و انس، آپؐ کی دعوت کو کامیابی سے ہم کنار ہوتے دیکھ کر، آپؐ پر حملہ آور ہونے کی تیاری کر رہے تھے۔

رکوعاتہا ۱ — سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ — آیاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی
الْعُقَدِ ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

(اے نبیؐ)، تم دعا کرو کہ میں ہر چیز کے نمودار کرنے والے[1] خداوند کی پناہ چاہتا ہوں[2]، تمام مخلوقات کے شر سے[3]؛ اور (بالخصوص) اندھیرے کے شر سے، جب وہ چھا جائے[4]؛ اور گرہوں میں پھونکنے والوں کے شر سے[5]؛ اور ہر حاسد کے شر سے، جب وہ حسد کرے[6]۔ ۱-۵

[۱] 'فلق' کے معنی ہیں پھاڑنا یا نمودار کرنا۔ اللہ وہ ذات ہے جو رات سے صبح کو نمودار کرتا ہے، گٹھلی سے کونپل نمودار کرتا ہے، رحم سے بچے کو نمودار کرتا ہے اور پہاڑوں سے دریا اور چشمے نمودار کرتا ہے۔

[۲] صرف اللہ کی ذات ہی کسی کو پناہ دے سکتی ہے۔ توحید پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اللہ ہی کی پناہ میں آیا جائے۔

[۳] ہر مخلوق میں، کسی نہ کسی درجے میں، یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ دوسروں کو نقصان پہنچائے۔ مثلاً بارش نعمت خداوندی ہے، لیکن دوسری طرف وہ مصیبت کا باعث بھی بن سکتی ہے۔

[۴] 'غاسق' رات کو کہتے ہیں اور 'وقب' کے معنی تاریکی چھا جانے کے ہیں۔ سب پر آفت اور شریر چیزیں، مثلاً قاتل، چور اور دشمن اندھیرے سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

[۵] اس دنیا میں بے شمار شریر لوگ مافوق الفطرت چیزوں کے ذریعے سے جادو ٹونے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۰۲ میں قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ ایسے جادو ٹونے کے ذریعے سے صرف اللہ کی اجازت ہی سے کسی کو ضرر پہنچ سکتا ہے، چنانچہ اس شر سے بچنے کے لیے بھی اللہ کے سوا کسی اور کی پناہ ڈھونڈنے کی حاجت باقی نہیں رہی۔

حضورؐ کے زمانے میں یہود میں اس طرح کے بہت سے مفسد لوگ پائے جاتے تھے۔ ایک دفعہ حضورؐ پر بھی جادو کرنے کی کوشش کی گئی تھی، چنانچہ مناسب ہے کہ اس بارے میں کچھ وضاحت ہو جائے۔

صحیح روایات سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ ایک دن یا ایک رات تک آپؐ پر اس کا کچھ اثر رہا، یہاں تک کہ حضورؐ نے پے در پے دعا کی اور پھر یہ اثر جاتا رہا۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے، جیسا کہ حضرت موسیٰؑ نے جادوگروں کی رسیوں اور لاٹھیوں کو سانپ سمجھ لیا اور وقتی طور پر وہ گھبرا گئے۔ یہ کیفیات بطور امتحان نبی کو بھی پیش آسکتی ہیں، لیکن یہ محض وقتی اور عارضی ہوتی ہیں، تاکہ نبی کی عصمت مجروح نہ ہو۔

بعض روایات میں اس طرح کی باتیں آئی ہیں کہ حضورؐ پر کئی مہینوں تک اس جادو کا اثر رہا، مثلاً کسی کام کے متعلق خیال فرماتے کہ وہ کر لیا ہے، مگر نہیں کیا ہوتا تھا، بعض اوقات آپؐ کو اپنی نظر پر بھی شبہ ہوتا تھا کہ کسی چیز کو دیکھا ہے، مگر نہیں دیکھا ہوتا تھا، وغیرہ۔ ایسی سب روایتیں قرآن کی صریح آیات کے بالکل خلاف ہیں، یہ عصمت انبیا کے عقیدے کے بھی خلاف ہیں، اور ان سے شان رسالتؐ پر بھی حرف آتا ہے، اس لیے یہ روایات ناقابل تسلیم ہیں۔

[۶] جب بھی کسی حاسد کا حسد بدترین شکل اختیار کر لے تو پھر اس سے کوئی کام بھی بعید نہیں ہوتا۔ قابیل نے حسد کے مارے ہی ہابیل کا خون کیا تھا۔ بنی آدم کا سب سے بڑا حاسد ابلیس ہے اور اس کو خاص دشمنی عقیدۂ توحید سے ہے۔

ركوعاتها ۱ — سُوۡرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ — اٰیاتها ۶

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ﴿۳﴾ مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ الۡخَنَّاسِ ﴿۴﴾ الَّذِىۡ
يُوَسۡوِسُ فِىۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ﴿۵﴾ مِنَ الۡجِنَّةِ وَ النَّاسِ ﴿۶﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

(اے نبیؐ)، تم دعا کرو کہ میں انسانوں کے پروردگار، انسانوں کے بادشاہ اور انسانوں کے معبود کی پناہ چاہتا ہوں[۱]، اُس کے شر سے جو وسوسہ ڈالتا ہے، اور پھر الگ ہو کر بیٹھ جاتا ہے[۲]۔ وہ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے[۳]۔ ۱-۶

[۱] یہاں اللہ کی پناہ اس کی تین صفات کے واسطہ سے چاہی گئی ہے۔ یہی وہ صفات ہیں جو اللہ کے ان بنیادی حقوق کو بھی واضح کر دیتی ہیں، جو بندوں پر عائد ہوتے ہیں۔ یہ صفات ہمیں یہ رہنمائی بھی دیتی ہیں کہ صرف وہی ذات اس لائق ہے کہ بندے مشکلات میں اس کی پناہ ڈھونڈیں۔
اللہ کی ان تینوں صفات کو مان لینے سے شرک کے سارے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

[۲] شیاطین جن وانس کا عمومی کردار یہ ہوتا ہے کہ جب وہ اللہ کے بندوں کو ورغلانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور کوئی شخص ان کے دام میں آ کر گناہ کر بیٹھتا ہے، تو وہ اس کے نتائج کی ذمہ داری سے اپنے آپ کو بالکل بری قرار دے کر، اس کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

[۳] ایک بندۂ مومن پر شیاطین کا سب سے بڑا حملہ 'وسوسہ اندازی' ہے۔ وسوسہ، خراب عمل اور عقیدے کی پراگندگی کا نقطۂ آغاز ہے۔ اس کے برعکس ایک بندۂ مومن کے لیے سب سے بڑی نعمت 'یقین کی دولت' ہے۔ یہ دولت اسی کو ملتی ہے، جو اپنے آپ کو مسلسل اللہ کی پناہ میں رکھتا ہے۔
یہ وسوسہ اندازی کرنے والے شیاطین، جنات میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔ ہر انسان کے اپنے نفس کا برا پہلو، جسے قرآن نے نفس امارہ کہا ہے، بھی انسان کے دل کو وسوسوں پر اکساتا اور بہکاتا ہے۔ ایک بندۂ مومن ساری زندگی ان برے میلانات کے خلاف جدوجہد کرتا ہے اور مسلسل اللہ سے یہ دعا مانگتا ہے کہ اللہ اسے اپنے حفظ وامان میں رکھے۔

خاتمہ

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے اس حقیر اور عاجز بندے کو 'آسان ترین ترجمہ وتفسیر قرآن' مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس کام پر اس عاجز کے پانچ برس لگے۔ یہ سراسر اللہ کا فضل واحسان ہے۔ اس ترجمہ وتفسیر میں جو کچھ صحیح ہے، وہ اللہ کی رہنمائی کی بدولت ہے، اور جہاں کہیں مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے، وہ میرے اپنے علم وفہم کا قصور ہے۔ اللہ گواہ ہے کہ میں نے یہ کام صرف اپنی مغفرت کے لیے کیا ہے، اس لیے میں اللہ کی بے پایاں رحمت سے یہ امید رکھتا ہوں کہ اگر اس کام میں مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو وہ اسے معاف کردے گا۔

سب احباب سے میری درخواست ہے کہ وہ میری غلطیوں پر مجھے متنبہ فرمائیں۔ جس بات کی غلطی مجھ پر دلیل سے واضح ہو جائے گی، ان شاء اللہ اس کی اصلاح میں ایک لمحے کی دیر بھی نہ کروں گا۔ میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ قرآن مجید کے معاملے میں دانستہ کوئی غلطی کروں یا کسی غلطی پر جما رہوں۔

اس کتاب کے ساتھ دو ضمیمہ جات بھی منسلک ہیں۔ ایک ضمیمہ ان مقامات کے نقشوں پر مشتمل ہے، جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ دوسرے ضمیمے میں قرآن کے ان الفاظ کی ایک فہرست مرتب کی گئی ہے، جو قرآن میں بار بار آتے ہیں۔ امید ہے کہ ان ضمیموں کو سمجھنے اور ان پر غور وفکر سے قارئین کو بہت فائدہ ملے گا۔

ان سطور پر یہ تحریر پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه وأخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العالمین۔

۲۶ رمضان المبارک، ۱۴۲۷ھ، جمعۃ المبارک۔

۲۰ اکتوبر ۲۰۰۶ء

قرآن مجید

آسان ترین ترجمہ و تفسیر